بعونِ صناعِ مکین و مکان و بفضلِ خلاقِ زمین و زمان
۲۵
اردو کا کلاسیکی ادب
مقالاتِ سرسیدؒ
مرتبہ
مولانا محمد اسماعیلؒ پانی پتی
ناشر
مجلسِ ترقی ادب ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن
کلب روڈ
لاہور

مقالات سر سید حصہ یازدہم





طبع دوم : جون ۱۹۹۲ع

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : احمد ندیم قاسمی
ناظم مجلس ترقی ادب ، لاہور

مطبع : مکتبۂ جدید پریس
ریلوے روڈ ، لاہور

تابع : رشید احمد چودھری

قیمت : ۱٦۰ روپے

حصہ یازدہم
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ
کے متعلق
بارہ تحقیقی اور تنقیدی مقالات


| نمبر شمار | مضمون کا عنوان | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱- | جغرافیہ ملک عرب اور اُس کی اقوام و قبائل - - | ۱ |
| ۲- | اقوامِ عرب کی رسوم و عادات (اسلام سے قبل) - | ۲۱۵ |
| ۳- | اہلِ عرب اور اُن کے مذہب (اسلام سے قبل) - | ۲۳۹ |
| ۴- | اسلام دنیا کے لیے رحمت ہے اور تمام انبیاء کے مذاہب کی پشت و پناہ - - - - - - - | ۲۶۷ |
| ۵- | مسلمانوں کی دینی اور مذہبی کتابیں - - - - | ۳۶۰ |
| ۶- | مذہب اسلام کی روایتوں کی اصلیت اور اُن کی ترویج و اشاعت کی ابتدا - - - - - | ۳۸۲ |
| ۷- | قرآن جناب پیغمبر خدا صلعم پر کس طرح نازل ہوا؟ - - - - - - - - - | ۴۶۵ |
| ۸- | خانہ کعبہ کے تاریخی حالات (اسلام سے قبل) - | ۵۴۹ |
| ۹- | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب و نسب کی تحقیق - - - - - - - - - | ۶۱۲ |

(ب)


| نمبر شمار | مضمون کا عنوان | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱۰- | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات توریت و انجیل میں - - - - - - - - - - | ۶۳۷ |
| ۱۱- | شق صدر کی حقیقت اور واقعہ معراج کی ماہیت - | ۷۱۱ |
| ۱۲- | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور طفولیت - | ۷۶۵ |

# آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اُس کے متعلقات

پر

## بارہ[۱۲] تحقیقی اور تنقیدی مقالات

ہندوستان کے صوبہ یو - پی کے ایک لفٹنٹ گورنر سر ولیم میور نے ایک یورپین پادری پی فنڈر کی فرمائش پر ایک بہت ضخیم کتاب لائف آف محمد (Life of Mohammad) کے نام سے چار جلدوں میں لکھی جو پہلی مرتبہ ۱۸۶۱ء[۱] میں شائع ہوئی - چھپتے ہی اس کتاب کی انگلینڈ اور ہندوستان میں بڑی شہرت ہوئی اور کہا گیا کہ ”آج تک مسلمانوں کے نبی کے متعلق انگریزی میں ایسی بے مثل کتاب کوئی نہیں چھپی“ سر سید نے یہ کتاب بڑے شوق سے منگوائی اور جب اس کے مضامین انھوں نے پڑھوا کر سنے تو اُن کا دل جل جل کر کوئلہ ہوگیا - کیوں کہ اس کتاب میں مذہبی تعصب اور ناواقفیت کی بنا پر سر ولیم میور نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلق نہایت رکیک ،غلط اور بے بنیاد الزامات لگائے تھے۔ اس پر سر سید نے ارادہ کر لیا کہ اس کتاب کا جواب لکھا جائے اور نہایت تحقیقی

---

۱- اس کتاب کا دوسرا اڈیشن ۱۸۷۶ء میں چھپا -

اور مستند بیانات سے ثابت کیا جائے کہ پاکوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس دامن ہر الزام سے پاک اور ہر اعتراض سے بری ہے اور کوئی سچا الزام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر ہرگز نہیں لگ سکتا ۔ مگر مشکل یہ آ پڑی کہ تحقیقی جواب دینے کے لیے جن کتابوں کی ضرورت تھی ہندوستان کے کتب خانے اُن سے محروم تھے اور وہ صرف انگلینڈ کی لائبریریوں سے مل سکتی تھیں اس لیے سر سید نے ۱۸۶۹ء میں لندن کا سفر کیا اور وہاں پہنچ کر کتابیں فراہم کرنے کے بعد اُس کتاب کے جواب کا ایک حصہ نہایت تحقیق و تدقیق اور تشریح و وضاحت کے ساتھ مرتب کیا ۔ یہ جواب بارہ مختلف اور مبسوط مقالات پر مشتمل تھا اور بے انتہا محنت اور کاوش اور بڑی تلاش و تجسس کے بعد لکھا گیا تھا ۔ ہر مقالہ کو سر سید نے ''خطبہ'' کا نام دیا تھا ۔ جن کے عنوانات کی تفصیل حسب ذیل ہے ۔

۱۔ الخطبة الاولیٰ فی جغرافیۃ جزیرۃ العربیہ و اُمم العرب العاربہ و المستعربہ (یعنی ملک عرب کا جغرافیہ اور اُس کی قوموں کا حال) ۔

۲۔ الخطبة الثانیہ فی مراسم العرب و عاداتھم قبل الاسلام (یعنی اسلام سے قبل عربوں کی رسمیں اور اُن کی عادتیں) ۔

۳۔ الخطبة الثالثہ فی الادیان المختلفہ التی کانت فی العرب قبل الاسلام (یعنی اسلام سے پہلے عرب کے مختلف مذاہب وادیان کا ذکر) ۔

۴- الخطبة الرابعه فی ان الاسلام رحمة للانسان و جنة الادیان الانبیاء با وضح البرهان (یعنی اسلام انسان کے لیے رحمت ہے اور تمام انبیاء کے مذاھب کی پشت و پناہ) -

۵- الخطبة الخامسه فی حالات کتب المسلمین یعنی مسلمانوں کی مذھبی کتابوں (کتبِ حدیث ، کتبِ سِیَر ، کتبِ تفسیر اور کتبِ فقه) کے بیان میں) -

۶- الخطبة السادسه فی الروایات فی الاسلام (یعنی مذھب اسلام کی روایتوں کی اصلیت اور اُن کے رواج کی ابتدا) -

۷- الخطبة السابعه فی القرآن و هو الهدیٰ و الفرقان (یعنی قرآن کریم آں حضرت صلی الله علیه وسلم پر کس طرح نازل ھوا ) ؟

۸- الخطبة الثامنه: احوال بیت الله الحرام و السوانح اللتی مضت فیها قبل الاسلام (یعنی خانه کعبه اور اُس کے گذشته حالات اسلام سے قبل) -

۹- الخطبة التاسعه فی حسبه و نسبه علیه الصلواة و السلام (یعنی آں حضرت صلی الله علیه وسلم کے نسب نامه کے بیان میں) -

۱۰- الخطبة العاشره فی البشارة المذکورة فی التوراة و الانجیل (یعنی آں حضرت صلی الله علیه وسلم کی بشارات کے بیان میں جو توریت اور انجیل میں مذکور ھیں) -

۱۱- الخطبة الحادی عشر فی حقیقة شق الصدر و ماھیة المعراج (یعنی شقِ صدر کی حقیقت اور معراج کی

ماھیت کے بیان میں) ۔

۱۲۔ الخطبة الثانی عشر فی ولادته و طفولیة علیه الصلوٰة و السلام (یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور حضور کے بچپن کے حالات (۱۲ برس کی عمر تک) ۔

جب سرسید نے اُردو میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ بارہ مقالات مفصل طور پر مرتب اور مدون کر لیے تو ان کا ایک خلاصہ انگریزی میں تیار کروایا اور اُس کو وہیں لندن میں ۱۸۷۰ء میں نہایت مشکل اور ناگزیر حالات میں چھپوا دیا ۔ اُس کا نام اُنھوں نے Essays on the Life of Mohammad (آں حضرت کی سیرت کے متعلق مضامین) رکھا ۔ مگر اُردو کے مضامین اُس وقت نہ چھپ سکے اور ان کا مسودہ سر سید کے پاس پڑا رہا ۔ لندن سے واپسی کے بعد بھی سر سید ان مضامین کو جو انگریزی کی نسبت بہت زیادہ مفصل اور مکمل تھے، نہ چھپوا سکے اور ۱۷ سال یونہی گزر گئے ۔ ۱۸۸۷ء میں سر سید کو ان مضامین کے شائع کرنے کا خیال آیا چناں چہ ''تصنیفات احمدیہ'' کے سلسلہ میں ان بارہ مقالات کو بھی سر سید نے چھاپ کر شائع کر دیا ۔ مگر ان مقالات کا یہ اڈیشن آج کل قطعاً نایاب اور نا پید ہے ۔ اتفاق سے مجھے یہ مقالات پرانی کتابوں کے ایک تاجر کے ہاں سے مل گئے ، جو ایک علمی تبرک کے طور پر میری لائبریری میں محفوظ ہیں ۔ ان مقالات کی اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں :

۱- سر سید سے پہلے کسی مسلمان نے عیسائیت کی تردید میں کوئی مقالہ عیسائیوں کے مرکز میں بیٹھ کر اُنھی کی زبان میں نہیں لکھا تھا -

۲- مناظرانہ رنگ کی عام کتابوں کے برخلاف ان مقالات کی زبان بجائے مخاصانہ کے ناصحانہ اور بجائے سب و شتم کے متین و سنجیدہ ھے -

۳- اس قسم کے دوسرے مضامین کے مقابلہ میں ان مقالات کا طریقِ استدلال بہت زیادہ بہتر اور اعلیٰ ھے جن میں ھر مسئلہ پر نہایت سیر حاصل بحث کی گئی ھے اور معقول دلائل سے ھر بات کو ثابت کیا گیا ھے -

۴- ان مقالات میں عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب دیتے ھوئے سر سید نے عام الزامی طریقہ کو چھوڑ کر ھر اعتراض کا تحقیقی جواب دیا ھے - جس سے سر سید کی تحریر میں بڑا زور اور اثر پیدا ھوگیا ھے -

اب میں وہ مقالات ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرتا ھوں جن کے مطالعہ سے آپ پر یہ حقیقت روشن ھو جائے گی کہ اسلامی لٹریچر پر سر سید کی نظر کس قدر وسیع تھی اور وہ کس عمدگی اور سلاست کے ساتھ اپنے مافی الضمیر کو ظاھر کر سکتے تھے - ان مضامین کی تمہید بھی سرسید ھی کی لکھی ھوئی ھے جو بجائے خود ایک مکمل مضمون ھے -

(محمد اسماعیل پانی پتی)

# تمہید

## (نوشتۂ سر سید احمد خاں)

مذاہب اور اُن کی نیرنگی -

عجائباتِ دنیا میں سب سے زیادہ عجیب وہ خیال ہے جس کو لوگ مذہب کہتے ہیں - مذہب اُس امتیاز کا نام ہے جو انسانوں کے افعال سے علاقہ رکھتا ہے اور جس کے سبب انسانوں کے افعال اچھے یا برے یا نہ اچھے نہ برے خیال کیے جاتے ہیں ، کیوں کہ اگر انسان کے افعال میں یہ تمیز نہ ٹھیرائی جاوے تو کسی مذہب کا وجود باقی نہیں رہتا -

مذہب کیا چیز ہے ؟

وہ تمام خیالات جو انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور وہ یقین جو انسان کسی چیز پر رکھتا ہے ، اُس کا منشا اُن خیالات اور یقین کے سوا کچھ اور چیزیں ہوتی ہیں جو اُن خیالات اور یقین کے اسباب سمجھی جاتی ہیں - مگر تعجب یہ ہے کہ وہ خیال جس کو مذہب کہتے ہیں ، بغیر کسی خارجی اسباب کے اور بغیر تجربہ اور امتحان کے اور بدون کسی معقول ثبوت کے یکایک دل سے اُٹھتا ہے اور اس لیے وہی اُس کا مخرج سمجھا جاتا ہے اور پھر اُس پر ایسا یقین ہوتا ہے کہ کسی آنکھوں دیکھی چیز پر بھی نہیں ہوتا -

اس تعجب پر اور تعجب یہ ہے ، کہ اُس بِن دیکھی چیز ، اور اَن سمجھی بات اور بے دلیل خیال کا لوگوں کی طبیعت پر ایسا سخت اثر ہوتا ہے ، کہ وہ اثر انسان کے تمام افعال پر اور قدرتی جذبات پر ، جو انسان میں خدا نے پیدا کیے ہیں ، غالب ہو جاتا ہے اور جو جوش اور ولولہ اُس از خود پیدا ہوئے

خیال سے انسانوں کی طبیعتوں پر ہوتا ہے ، کسی دوسری چیز سے نہیں ہوتا ۔ گو کہ اُس دوسری چیز کے صحیح اور یقینی ہونے کے لیے کیسی ہی عمدہ عمدہ دلیلیں اور کیسے ہی قطعی ثبوت موجود ہوں ۔

اگر وہ خیال تمام انسانوں میں مختلف نہ ہوتا ، تو شاید یہ کہا جا سکتا کہ تمام عالم کا اُس پر یقین رکھنا ہی اُس کی سچائی کا ثبوت ہے ، مگر تعجب تو یہ ہے کہ ہر زمانہ اور ہر قوم اور ہر ملک اور ہر فرقہ ، بلکہ ہر فرد و بشر میں وہ خیال ایسا مختلف رہا ہے کہ کسی ایک پر بھی یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور اس پر تعجب یہ ہے کہ ہر شخص کو یہی یقین ہے کہ میرا ہی خیال اور سب کے خیالوں سے بالکل صحیح اور بالکل سچا ہے ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح یونانی اپنے خدا اور دیوتا پر اور مسلمان و یہودی اپنے ایک خدا پر اعتقاد اور یقین کامل رکھتے ہیں ، اسی طرح ہندو اور مصری اپنے تینتیس کروڑ دیوتاؤں پر اعتقاد اور یقین کامل رکھتے ہیں ۔

کیا یہ مسئلہ کہ تمام چیزیں ایک ہی کُل کے جزو یا اُس کی عین یا وہ بمنزلۂ جان اور یا بمنزلۂ جسم کے ہیں، صحیح ہے؟ کیا یہ سب مختلف چیزیں جو ہم کو دکھائی دیتی ہیں ، سب ایک ہیں؟ کیا نور و ظلمت اور کالا اور سفید دونوں یکساں ہیں جیسا کہ ایک عارف باللہ کہتا ہے؟ ؎

من تُو شدم تُو من شدی من تن شدم تُو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یا یہ مسئلہ صحیح ہے کہ تمام چیزوں کا اسی سے ظہور ہے ، وہی ظلمت کا باعث اور وہی نور کے ظہور کا سبب ہے ۔ وہی آسمانوں پر کڑکاتا ہے اور وہی زمینوں پر برساتا ہے ، وہی ستاروں

کو چمکاتا ہے اور وہی پھولوں کی کلیوں کو کھلاتا ہے۔ اُسی کا جلوہ بہشتوں کی کہاوت اور اُسی کا پردہ دوزخوں کی آفت ہے۔ غمگین دل کا غم، شاداں دل کی شادی اُسی سے ہے، وہ کسی جگہ نہیں اور سب جگہ ہے، وہ کسی میں نہیں اور سب میں ہے، عابد کے نورانی سینے اور فاسق کے بریاں دل اور معشوق کے عاشق کُش ابرو اور عاشق کی گریاں چشم، سب میں اُس کی یکساں جگہ ہے۔ جس طرح کہ وہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے، اُسی طرح سے وہ باریک سے بال میں بھی ہے؛ وہ سب کو دیکھتا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے، مگر اس کا جاننا یا علم ہم سے دو درجہ کم ہے، کیوں کہ وہاں ماضی اور استقبال نہیں ہے۔ بہر حال اُس بِن دیکھی جناب اور اَن سمجھی ذات کو جو کہو، سو کہو۔ مگر ان تمام مشکلوں پر ہم کو یہ مسلمانی مسئلہ کہ ''انا عند ظن عبدی بی'' اور بھی مشکل میں ڈالتا ہے۔

رَبِّی اَنْتَ عِنْدَ ظَنِّی رَحِیْمٌ فَارْحَمْ عَلَیَّ

پھر ہم کو زیادہ تعجب اس بات پر ہوتا ہے، کہ یہ تمام مختلف خیالات جو لوگوں کے دلوں میں ہیں اور جو مذہب کہلاتے ہیں، ایک ہی مخرج سے یعنی دل سے نکلے ہیں اور دل کے اُس فعل کا جس سے یہ خیال پیدا ہوتے ہیں، اعتقاد نام رکھا جاتا ہے؛ پس اگر مدار مذہب کا اعتقاد ہو، تو ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط ٹھیرانے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

کیا وجہ تمیز کی ہے، اس سچی دلی پرستش میں جو ابراہیم کے باپ نے ایک بت کی کی، اور اس سچے دل کے خیال میں جس سے ابراہیم نے اپنے باپ کے اُس بت کو توڑا۔

ایک ہی واقعہ حضرت مسیح کے قتل کا ہے، جو کالوری کی

پہاڑی میں بیت المقدس کے پاس گزرا ؛ اُن بے رحم قاتلوں نے اپنی دانست میں جو کچھ کیا ، مذہبی نہایت سچے اور مستحکم اعتقاد اور دل کے کپ کپا دینے والے ایمانی جوش سے کیا ؛ پس اُن دو گروہوں میں سے جو نہایت سچے دل سے اُس کو نہایت ھی نیک کام سمجھتے ہیں اور جو نہایت پاک دلی سے اُس کو نہایت ھی بد کام جانتے ہیں ، کون سی چیز تفرقہ کرنے والی ھے ۔

کیا وجہ تمیز کی ھے سینٹ پال کی اُس حالت میں ، جب کہ وہ دلی اعتقاد اور دین کے جوش سے اُن لوگوں کا ساتھی تھا ، جنھوں نے سینٹ اسٹیفن شہید کو سنگسار کیا ، اور اُس حالت میں جب کہ اُس نے اپنے سچے دلی اعتقاد سے حضرت مسیح کو مانا ۔

کیا چیز ھے ، جس سے ہم عمر رض کی اُس حالت میں تمیز کریں ، جب کہ اُس نے لات و منات پر سچا دلی اعتقاد رکھ کر امینِ عرب کے قتل پر کمر باندھی اور اُس حالت میں جب کہ اُس نے نہایت سچی دلی تصدیق سے کہا : کہ اشھد انّ محمّداً رسول اللہ ۔

یہ وھی عجیب خیال ھے ، جو دونوں طرف برابر نسبت رکھتا ھے اور جس کو لوگ مذہب کہتے ہیں ؛ پس ایسی دوجہتیں چیز کی جو ضدین میں برابر نسبت رکھتی ھو ، کسی جہت پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں ، البتہ ان تمام خیالوں میں سچا خیال ، یا تمام مذہبوں میں سچا مذہب وھی ھو سکتا ھے جو ضدین میں برابر نسبت رکھنے کے نقص سے پاک ھو ۔

**مذہب کی حقیقت** | مذہب کیا چیز ھے ؟ وہ ایک سچا اصول ھے کہ جب تک انسان اپنے قوائے جسمانی اور عقلی پر قادر ھے ، اُس کے تمام افعال ارادی ، جوارح ، نفسانی و روحانی کا اُسی

اصول کے مطابق ہونا چاہیے ، پھر اگر وہ اصول ایسے ہیں کہ صرف کسی قسم کے اعتقاد پر مبنی ہیں ۔ تو اگر متعدد لوگوں کا متضاد اصولوں پر کسی وجہ سے اعتقاد ہے ، تو ایک کو سچا یا صحیح اور دوسرے کو جھوٹا یا غلط کہنے کی بجز تحکم کے اور کوئی وجہ نہیں ، سچا مذہب وہی ہو سکتا ہے ۔ جس کی سچائی نہ کسی اعتقاد پر ، بلکہ حقیقی سچائی پر مبنی ہو ۔ کیوں کہ مذہب اعتقاد کی فرع نہیں ہے ، بلکہ سچائی مذہب کی اصل یعنی عین مذہب ہے اور اعتقاد اس کی فرع ہے ، پس جب کہ ہم مختلف مذہبوں میں سے سچے مذہب کو پرکھنا چاہیں ۔ تو دیکھیں کہ وہ سچے اصول کے مطابق ہے یا نہیں ۔

سچے مذہب کو پرکھنے کا سچا اصول کیا ہے ۔

سچا اصول کیا ہے ؟ جہاں تک کہ انسان اپنے قوائے عقلی سے جان سکتا ہے ، وہ بجز قدرت یا قانون قدرت کے اور کچھ نہیں ، جس کی نسبت اسلام کے بانی نے یہ فرمایا کہ " ما تری فی خلق الرحمٰن من تفاوت ۔ فارجع البصر ھل تریٰ من فتور ۔ ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئاً و ھو حسیر "۔

قدرت یا قانون قدرت کیا ہے ؟ وہ وہ ہے ، جس کے بموجب اُن تمام چیزوں مادی یا غیر مادی کا جو ہمارے ارد گرد ہیں ، ایک عجیب سلسلہ انتظام سے وجود ہے اور ہمیشہ اُنھی کی ذات میں پایا جاتا ہے اور کبھی اُن سے جدا نہیں ہوتا ۔ قدرت نے جس طرح پر جس کا ہونا بنا دیا ہے ، بغیر خطا کے اُسی طرح پر ہوتا ہے ۔ اور اُسی طرح پر ہوگا ۔ پس وہی سچ ہے اور جو اُصول اس کے مطابق ہیں وہی سچے اُصول ہیں ، نہ وہ جن کی بنا ایک فانی قابل سہوو خطا وجود ، یعنی انسان کے اعتقاد پر

منحصر ہو ۔

قدرت ہم کو صرف اپنے وجود اور اپنے سلسلہ انتظام اور اپنے تعلقات ہی کی جو بے انتہا مخلوق میں پایا جاتا ہے، سچائی نہیں دکھلاتی، بلکہ اس سے ایسے بھی اصول پائے جاتے ہیں، جس سے ہم اپنے افعال ارادی جسمانی اور روحانی کی بھلائی اور برائی بھی جان سکتے ہیں اور جو کہ قدرت سچی اور کامل ہے، تو ضرور ہے، کہ وہ اصول بھی سچا اور کامل ہو اور یہی سچا اور کامل اصول یا یوں کہو، کہ وہ مذہب جس کے اصول اس کے مطابق ہیں وہی سچا مذہب ہونے کا مستحق ہے ۔

یہ مت سمجھو کہ ہم قدرت یا قانونِ قدرت ہی کو مسبب یا اخیر سبب اس تمام کارخانہ کا سمجھتے ہیں ۔ جس کا کوئی خالق نہ ہو، جیسے کہ دہریوں کا مذہب ہے، نعوذ باللہ منہا بلکہ قدرت کو تو ہم ایک قانون کہتے ہیں، جس کا کوئی بنانے والا ہے اور اسی لیے ہم یقین کرتے ہیں ۔ کہ یہ تمام سلسلہ ایک ہی مسبب اور ایک ہی اخیر سبب پر ختم ہوتا ہے، جس پر تمام چیزوں کی ہستی منحصر ہے ۔ وہ جس کی ان پہچان ذات کو ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں ناموں سے لوگ پکارتے ہیں او میرے پیارے خدا ! تم پردہ میں تو ہو، پر سب پر ظاہر ہو ۔ ایسے جھوٹ موٹ کے پردہ سے کیا فائدہ ۔

رشک آیدم وگر نہ نقابت کشود مے
دست ترا گرفتہ بعالم نمود مے

معاذ اللہ توبہ توبہ میں نے کیا کہا کہیں کافر تو نہیں ہوگیا ۔ ”الٰہی انت عبدی و انا ربک استغفر اللہ استغفر اللہ انت ربی و انا عبدک ۔“ پس آدمی کو چاہیے ۔ کہ اس کارخانہ قدرت سے اس کے بنانے والے کو اور

اُس کی راہ کو یا اُس کی راہ بتانے والے کو تلاش کرے۔ کہ یہی سیدھا راستہ چلنے کا ہے۔

مذہب کی تمثیل اور اُس کی نسبت علماء کے اختلاف کا بیان

مذہب کی تمثیل میں علماء اسلام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے کیسی کیسی غلطیاں کی ہیں اور کیا کیا ٹھوکریں کھائی ہیں۔

بعضوں نے ملک اور غلام کی تمثیل دی ہے اور فرمایا ہے کہ مذہب اور شریعت کو مصالح قدرت اور اعمال کو اُس کے بدلہ یعنی جزا اور سزا سے کچھ فائدہ نہیں؛ شاید ان لوگوں کا خدا ایسا ہو: جو لغو کام کرنے کو کہے۔میرا تو خدا ایسا نہیں؛ وہ تو نہایت دانا اور سب سے بڑا حکیم مطلق ہے۔ اُس کی تو کوئی بات بھی حکمت اور منفعت سے خالی نہیں۔

اس رائے کو تو شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی غلط ٹھیرایا ہے۔ چناں چہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ "قدیظن ان احکام الشریعۃ غیر متضمنۃ لشئ من المصالح و انہ لیس بین الا عمال و بین ما جعل اللہ جزاء لہا مناسبۃ و ان مثل التکلیف بالشرائع کمثل سید اراد ان یختبر طاعۃ عبدہ فامرہ برفع حجرا و لمس شجر مما لا فائدۃ فیہ غیر الا ختیار۔ فلما اطاع او عصی جوزی بعلمہ و ھذا ظن فاسد تکذبہ السنۃ و اجماع القرون المشھود لہا بالخیر۔

بعض عالموں نے مالک اور بیمار غلام سے مذہب کی تمثیل دی ہے، جس پر مالک نے اُس کے علاج کے لیے اپنا مصاحب مقرر کیا ہو اور اس مصاحب کے حکم کو ماننا باعث نجات اور نہ ماننا باعث درکات ٹھیرایا ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحب بھی حجۃ اللہ البالغہ میں اسی رائے کو

صحیح قرار دیتے ھین ، چناں چه وه لکھتے ھین ، که ''و ظهر مما ذکرنا ان الحق فی التکلیف بالشرائع ان مثله' کمثل سید مرض عبیده فسلط علیهم رجلا من خاصة لیستقیم دواء فان اطاعوا اله اطاعوا السید و رضی عنهم سید هم و اثا بهم خیرا و بخوا من المرض و ان عصوه عصوا السید و احاط بهم غضبه و جاز هم اسوء الجزاء و هلکوا من المرض'' ۔

مگر مین اس کو نہین مانتا اور پوچھتا ھوں که دوا کا کرنا باعث نجات کا تھا یا مصاحب کے حکم کا ماننا تھا ؟ اگر بے حکم مصاحب کے بھی وه دوا کرتا تو نجات پاتا یا نہین ، ضرور پاتا ، اس لیے که اس دوا سے نجات پانا قدرت کا قانون تھا جو کسی طرح بدل نہین سکتا ۔

بعضے عالموں نے مذھب کی تمثیل ایسے طبیب سے دی ھے جو نه خود کسی چیز کو امرت بناتا ھو اور نه کسی کو ھلاھل ٹھیراتا ھو ۔ بلکه ھر چیز میں قدرت نے جو اثر رکھا ھے اسی کو بتاتا ھو تاکه جو لوگ صحیح ھیں اپنے حفظِ صحت کے اصول جانیں اور جو بیمار ھیں وه حصولِ صحت کی دوا کو پہچانیں اور مذھب به نسبت اس کے که صرف بیمار غلاموں ھی کے لیے ھو ، سب کے لیے عام ھو جائے ۔

افسوس که شاه ولی الله صاحب "حجة الله البالغة" میں اس رائے کو نہیں مانتے ، چناں چه وه لکھتے ھین که '' و انه لیس الامر علٰی ما ظن من احسن الاعمال و قبحها بمعنی استحقاق العامل الثواب و العقاب عقلیان من کل وجهه و ان الشرع وظیفة الاخبار عن خواص الاعمال علیٰ ماهی علیه دون انشاء الایجاب و التحریم

بمنزلة طبيب يصف خواص الادوية و انواع المرض فانه ظن فاسد تمجه السنة بادی الرائے ۔

مگر میں اسی کو مانتا ہوں اور اسی کو سچا اصول سمجھتا ہوں جو قانون قدرت کے بالکل مطابق ہے اور کتاب و سنت دونوں کو اسی کا موید پاتا ہوں جو علم مذہب اسلام کی بنیاد ہیں ۔

دنیا کا سچّا مذہب

پس جہاں تک کہ سچے مذہب کی میں تحقیق کر سکا ، میں نے اسلام ہی کو سچا مذہب پایا اور اُمید ہے کہ جو لوگ سچائی کو دوست رکھتے ہیں وہ ہمیشہ صفائی اور سچائی سے اسلام کی سچائی کی تحقیقات کریں گے ۔

اسلام صحیح طور پر کن مجموعۂ احکام کا نام ہو سکتا ہے ؟

مگر ایک مشکل یہ پیش ہے کہ جب اسلام کا نام لیا جاتا ہے تو لوگ اُس مجموعۂ احکام کو جو اب احکام مذہبی سمجھے جاتے ہیں ،مذہب اسلام خیال کرتے ہیں ۔ ہاں مجازاً تو اُن پر مذہب اسلام کا اطلاق ہو سکتا ہے ، مگر حقیقتاً وہ مجموع من حیث المجموع بہ معنی حقیقی مذہب اسلام کہلانے کا مستحق نہیں ہے ۔ موجودہ مسائل مذہب اسلام میں دو قسم کے اُصول و احکام شامل ہیں ۔ ایک وہ جن کو خود شارع نے صاف صاف بیان کیا ہے جو احکام منصوصہ کہلاتے ہیں اور ایک جن کو عالموں اور مجتہدوں نے اپنے ذہن کی خوبی اور اپنے علم کی روشنی سے با ستدلال دلالت النص یا اشارة النص یا قیاس کے قائم کیا ہے ، جو اجتہادیات کہلاتے ہیں اور جو بجز ایک قابل سہو و خطا وجود کی رائے کے اور کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتے ۔ پس ان دونوں قسم کے مسائل میں تمیز نہ کرنے سے آدمی طرح طرح کی سخت غلطیوں میں پڑ جاتے ہیں اور یہ وہی ترک

امتیاز ہے کہ جب مسلمان اُس کو اختیار کرتے ھین تو اس کا نام تقلید رکھتے ھین اور جب غیر مذھب کے لوگ اس کو اختیار کرتے ھین تو اُس کو ایک حقیر نام تعصب یا جہل مرکب یا ضلالت سے موسوم کرتے ھین ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ۔

پہلی قسم کے احکام بھی جن کا نام احکام منصوصہ ہے ، دو قسم کے احکام ھین، ایک وہ جو اصلی احکام ھین اور بلا شبہ وہ بالکل قانونِ قدرت کے مطابق بلکہ اُس کی جان ھین اور دوسرے وہ جو ان اصلی احکام کی حفاظت اور اُن کے بقاء اور قیام کے لیے ھین ۔ پس جو کوئی مذھب اسلام کی سچائی اُن سچے قدرتی اصولوں سے پرکھنی چاھے تو اُس کو اُن دونوں قسم کے احکام کی اور اُن میں سے ھر ایک کے درجہ اور رتبہ کی تمیز کرنی لازم ہے ۔

علاوہ مذکورہ بالا دو قسموں کے ایک تیسری قسم بھی احکام مذھب اسلام میں ہے ، جو ذومعنیین عبارتوں یا ناکامل سند یا مشتبہ سندوں سے قائم ھوئے ھین ۔ ان میں سے پہلی قسم تو اجتہادیات مین داخل ہے اور دوسری قسم مذھب اسلام مین کچھ وقعت اور اعتبار نہین رکھتی ۔ گو اُس پر اس وجہ سے کہ اُس مین کچھ نقصان نہین ہے، عمل ھوتا ھو ۔

پس یہ سچا مذھب اور وہ شخص جس کی معرفت ھم کو اُس کی تعلیم ھوئی ، ھمارے بے انتہا ادب اور نا محدود ثنا و صفت کا مستحق ہے اور بلا شبہ اسی خطاب کے لائق ہے کہ ''انت احب الی یا رسول اللہ من نفسی التی بین جنبی'' چنانچہ ھم کو بہت بڑی خوشی اور مبارکی اسی بات کی ہے کہ ھم نے اُس کو نہ خدا سمجھا اور نہ خدا کا بیٹا ۔ نہ کوئی فرشتہ ، بلکہ

ایک وحی بھیجا ہوا انسان جانا ـ مگر اپنی جانوں سے زیادہ عزیز جانا ـ بابی انت و امی یا رسول اللہ ـ

دل و جانم فدایت یا محمد

سرِ من خاکِ پایت یا محمد

یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما ـ

مسلمانوں اور عیسائیوں کی لکھی ہوئی کتب سِیَر ـ

آن حضرت ؐ کی زندگی کے حالات جن کو مسلمان سِیَر اور انگریز لیف (لائف) کہتے ہین، صرف دین دار مسلمان عالموں ہی نے نہین لکھے ، بلکہ غیر مذہب کے علماء اور مؤرخین نے بھی بہت کچھ لکھا ہے ـ مگر نہایت افسوس ہے کہ وہ دونوں افراط و تفریط میں پڑ گئے ؛ پہلوں کی آنکھوں مین تو کمال روشنی کے سبب چکا چوند آ گئی اور پچھلوں کی آنکھین بجلی کی چمک سے بند ہو گئین ؛ پہلے تو شرابِ محبت کی سرشاری مین بات سے بھٹک گئے ، اور پچھلے اس رستہ کی ناواقفی سے منزل تک نہ پہنچے ـ پہلے تو یہ بھولے وہ کس کا بیان کرتے ہین اور پچھلوں نے اسی کو نہ جانا ، جس کا وہ ذکر کرتے ہین ـ

کسی مشہور محدث نے بجز ایک کے جس کا ہم ابھی ذکر کریں گے ، کوئی خاص کتاب آن حضرت ؐ کی زندگی کے حالات میں نہین لکھی ، لیکن تمام محدثین نے جن کی سعی اور کوشش کا دنیا پر بہت بڑا احسان ہے ، اپنی اپنی کتابوں مین ان حدیثوں کو بھی بیان کیا ہے جو آن حضرت ؐ کی زندگی کے حالات سے متعلق ہین ـ بس وہی حدیث کی کتابیں ہیں جن سے کم و بیش آن حضرت ؐ کی زندگی کے حالات صحیح صحیح دریافت ہو سکتے ہین اور جن کو معقول طرح پر ترتیب دینے سے اور صحیح کو

غلط سے تمیز کرنے سے ایک معتبر تذکرہ آپ کی زندگی کا جمع هو سکتا ہے ۔

ابو عیسیٰ ترمذی نے جو ۲۰۹ هجری مطابق ۸۲۴ء میں پیدا هوا اور ۲۷۹ هجری مطابق ۸۹۲ء میں انتقال کیا، اپنی مشہور کتاب جامع ترمذی کے سوا ایک اور کتاب بھی آں حضرت[ص] کے حالات میں لکھی ہے جو ''شمائل ترمذی'' کے نام سے مشہور ہے ۔ مگر اس میں آپ کی زندگی کے تمام حالات مندرج نہیں هیں، بلکہ وہ خاص خاص باتیں اور عادتیں جو بالتخصیص نفسِ نفیس آں حضرت[ع] سے متعلق تھیں، مذکور هیں ۔

با ایں همه جس قدر حدیثیں آں حضرت کے حالات سے متعلق، ان مشہور حدیث کی کتابوں میں مندرج هیں، وہ اس قابل نہیں هیں کہ جن کو هم مثل کتاب اللہ کے بے غور اور بلا تحقیقات اندھا دھوندی سے مان لیں، بلکہ هم پر واجب ہے کہ ان تمام حدیثوں کو خواہ وہ بخاری کی هوں یا مسلم کی اور جامع ترمذی کی هوں یا شمائل ترمذی کی، قبل ان کے سچا قبول کرنے کے ان کی سچائی اور صحت کی تحقیقات ان اصول و قواعد کے ساتھ کر لیں جو اس کے لیے مقرر هیں، اور جن کو هم نے ایک جداگانہ خطبہ میں بیان کیا ہے ۔ اور اگر هم ایسا نہ کریں گے تو سخت غلطیوں میں پڑیں گے، کیوں کہ بے سند حدیث مسلمانوں کے مذهب میں کوئی وقعت اور اعتبار نہیں رکھتی ۔ شاہ عبدالعزیز صاحب اپنی کتاب تحفۂ اثنا عشریہ میں ایک مقام پر لکھتے هیں: ''حدیث بے سند گوز شتراست'' مگر افسوس ہے کہ بہت هی کم مصنف هیں جنھوں نے اس ضروری اور نہایت ضروری اصول کی پیروی کی هو ۔

ان حدیث کی کتابوں کے سوا جن کا ابھی ذکر هوا اور

بہت سی کتابیں ہیں جو خاص آں حضرتؐ کے حالات کے لیے لکھی گئی ہیں اور بعض ایسی ہیں جن میں ان کے سوا اور بھی حالات ہیں اور یہ کتابیں عموماً کتبِ سِیَر کے نام سے موسوم ہیں۔ ان میں سے کتبِ مفصلہ ذیل زیادہ مشہور ہیں:

ابن اسحاق۔ ابن ہشام۔ طبقات کبیر المشہور بہ واقدی۔ طبری۔ سیرت شامی۔ ابوالفدا۔ مسعودی۔ مواہبِ لدنیہ[1]۔ ان کے سوا عربی اور فارسی زبان میں اور بھی کتابیں ہیں، جو انھی سے بنائی گئی ہیں۔ ان کتابوں میں سے پہلی چار کتابیں بہت قدیم ہیں اور باقی بہت پچھلی۔

یہ سب کتابیں تمام سچی اور جھوٹی روایتوں اور صحیح و موضوع حدیثوں کا مختلط مجموعہ ہیں، جن میں صحیح اور غلط، مشتبہ اور درست اور جھوٹی اور سچی کسی کا کچھ امتیاز نہیں۔ اور جو کتابیں زیادہ قدیم ہیں، ان میں اس قسم کا اختلاط اور زیادہ ہے۔ قدیم مصنفوں اور اگلے زمانہ کے مؤرخوں کو تصنیفات سے زیادہ غرض یہ تھی کہ ہر ایک قسم کی روایتوں اور افواہوں کو جو ان کے زمانہ میں پھیل رہی تھیں، ایک جگہ جمع کر لیں اور اس بات کی تحقیقات اور تصحیح کہ کون سی ان میں کی بالکل صحیح ہے اور کون سی غلط اور کس میں زیادتی یا کمی ہوئی ہے اور کس میں مضمون کے سمجھنے اور واقعہ کے بیان میں غلط فہمی ہوئی ہے، آیندہ وقت یا آیندہ نسلوں پر منحصر رکھیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ پچھلی نسلوں نے بہ عوض اس کے کہ تحقیقاتِ مطلوبہ کرنے سے اپنے بزرگوں کے مقصد کی تکمیل کرتے، انھی کتابوں کو اپنی تصنیفاتِ جدید کا ماٰخذ

---

۱۔ علاوہ ازیں طبقاتِ ابن سعد۔ تاریخ ابن اثیر اور تاریخ ابن خلدون کا نام بھی اس سلسلہ میں لیا جا سکتا ہے اور تاریخ یعقوبی کا بھی۔ یہی ماٰخذ آں حضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی سیرت کے ہیں۔ (محمد اسماعیل پانی پتی)

ٹھہرایا اور اس لیے ان پچھلے مصنفوں کی تصنیفوں مین بھی وھی نقص پیدا ھوا جو ان قدیم مصنفوں کی تصنیفوں مین تھا۔ غرض کہ اب فنِ سِیَر کی تمام کتابین، کیا قدیم کیا جدید، مثل ایسے غلہ کے انبار کے ھیں جس میں سے کنکر، پتھر، کوڑا کرکٹ کچھ چنا نہیں گیا اور ان میں تمام صحیح و موضوع، جھوٹی اور سچی، سند اور بے سند، ضعیف و قوی، مشکوک و مشتبہ روایتیں مخلوط اور گڈمڈ ھیں۔

سر ولیم میور صاحب ارقام فرماتے ھیں کہ "آں حضرتؐ کے حالاتِ زندگی کی تین کتابیں ھشامی، واقدی، طبری ایسی ھین کہ جو شخص دانش مندی سے آں حضرتؐ کے حالات لکھے گا، تو اپنی تحریر کے لیے انھی کتابوں کو سند گردانے گا" مگر صاحبِ ممدوح نے اس بات کو بیان نہیں فرمایا کہ ان کتابوں میں (۱) کس قدر ایسی روایتیں ھیں جن سے آں حضرتؐ کو کچھ بھی علاقہ نہیں۔ (۲) کس قدر ایسی ھیں جن کے راویوں کا سلسلہ ٹوٹا ھوا ھے۔ (۳) کس قدر ایسی ھیں جن کے راویوں کی خصلت نہ کسی مذھبی مسئلہ کے سبب، بلکہ اخلاق نقصانوں کے سبب مشتبہ اور ان کی راست بیانی مشکوک یا مطعون ھے۔ (۴) کس قدر ایسی ھیں جن کے بیان کرنے والے بالکل لا معلوم شخص ھیں۔ (۵) کس قدر ایسی ھیں جن کی تحقیق یا تصدیق نہیں ھے۔

ڈاکٹر اسپرنگر صاحب نے نہایت گرم جوشی سے واقدی کی قدر و منزلت کو اس کی اصلی حقیقت سے بہت بڑھا دیا ھے۔ جس کی نسبت سر ولیم میور صاحب یہ ارقام فرماتے ھین کہ "ڈاکٹر اسپرنگر نے اس کتاب کی تعریف اس کی حد سے زیادہ

کی ہے''۔ مگر افسوس ہے کہ باوجود اس کے صاحب ممدوح نے بھی واقدی کی کم قدر نہیں کی اور اوروں پر ترجیح دینے میں کچھ کوتاہی نہیں کی، اس لیے کہ انھوں نے بھی آں حضرتؐ کی زندگی کے تمام حالات کو اسی کتاب سے لکھا ہے اور اسی کی سند پر مذہب اسلام کے برخلاف تمام راویوں کو قائم کیا ہے۔

واقدی کچھ بڑا معتبر شخص نہیں ہے۔ وہ تو حاطب اللیل یعنی اندھیری رات میں لکڑیاں چننے والا ہے؛ اس کی غلط روایتوں اور جھوٹے قصہ کہانیوں اور بے سند باتوں سے تمام علماء نے اس کو نا معتبر ٹھیرایا ہے۔ محمد بن عبد الباقی الزرقانی نے "شرح مواہبِ لدنیہ" میں میزان سے واقدی کی نسبت یہ جملہ نقل کیا ہے: ''الواقدی محمد بن عمر بن الواقدی الاسلمی المدنی الذے استقر الاجماع علی وھنہ۔

کسی کے کہنے اور سننے پر کیا موقوف ہے، خود اس کی کتابیں موجود ہیں جو کچھ بھی قدر و قیمت کے لائق نہیں، بجز اس کے کہ جو افواہاً اس نے سنا اور جو آواز چڑیا کی خواہ کوّے کی اس کے کان میں آئی وہ اس نے لکھ دی۔ کوئی طریقہ تحقیق کا اور کوئی رستہ تنقیح کا اس نے اختیار نہیں کیا۔ پس کیا وہ کتابیں ایسی ہیں جو مذہب اسلام کی بنیاد سمجھی جا سکتی ہیں اور کیا وہ مخالف مذہب اسلام کا ان کی کتابوں کی سند پر مذہب اسلام یا اس کے واعظ میں عیب نکال کر اور اپنے آپ کو فتح مند سمجھ کر خوش ہو سکے گا۔ ان ھذا الشئی عجاب۔

البتہ ابوالفدا کی کتاب کسی قدر اچھی ہے اور جہاں تک ہو سکے اعتبار کے لائق ہے۔ اس نے اپنی کتاب احتیاط سے

لکھی ہے ، اگرچہ تحقیق و تنقیح کے رستہ کو اس نے اختیار نہیں کیا - اِلاّ اس بات پر کوشش کی ہے کہ کوئی موضوع یا مشتبہ یا لغو روایت اس میں نہ داخل ہونے پاوے ، مگر با ایں همه یہ کہنا کہ اس کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور اس میں کوئی روایت موضوع یا مشتبہ نہیں ہے ، حدِ اعتدال سے آگے بڑھ جانا ہے -

مسلمان مورخوں کے سوا جن کا اوپر ذکر ہوا،عیسائی مؤرخوں نے بھی مذہب اسلام اور اس کے واعظ کی نسبت بہت سی کتابیں لکھیں - مگر افسوس ہے کہ ابتدائے زمانہ کی تصنیف شدہ کتابیں مثل کتبِ مصنفہ وینیل ، لوتھر ، ملانک تھن ، سیپال ہیم ، دی ہر.بی لاٹ ، مجھ کو دست یاب نہیں ہوئیں - مگر جو کچھ اور کتابوں سے ان کا حال معلوم ہوا ، وہ اسی قدر ہے کہ ان کتابوں میں بجز سخت کلامی اور بد زبانی کے اور کچھ نہیں ہے -

ان مصنفوں کے سوا مراکشی صاحب کا ذکر نہایت حیرت انگیز ہے - وہ ایک ایسا سخت متعصب مصنف ہے کہ اس کا دل اپنے بغض و کینہ کے اظہار اور نفرت انگیز جھوٹے طعن و تشنیع اور بد زبانی سے کبھی نہیں بھرا - مگر مجھ کو جو حیرت ہوئی وہ اس بات سے ہوئی کہ ”کوارٹرلی ریویو“ کے ایک آرٹیکل کے مصنف نے اس کی نسبت یہ لکھا ہے کہ ”مراکشی پر جو یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ باطن میں اسلام کا معتقد ہو گیا تھا ، وہ الزام کچھ بے وجہ نہ تھا“ - کیا مراکشی با وصف اس قدر تعصب کے مثل ”بر ہر خورد“ صاحب کے آخر کو مسلمان ہو گیا تھا - اگر ایسا ہوا ہو تو میں ذمہ وار ہوں کہ اس سے پہلے جو کچھ اس نے اسلام اور واعظ اسلام کی نسبت کہا سنا

سب نسیاً و منسیاً ہو گیا ۔ لان الاسلام یہدم ما کان قبلہ من معصیۃ اللہ ۔

ڈین پریڈی صاحب بھی انھی مؤرخوں میں سے ہیں جن پر مذہب اسلام نہایت شاق گذرتا تھا۔جب کوئی مسلمان اتفاقاً ان صاحب کی کتاب کو پڑھتا ہے تو مذہب اسلام سے ان کی ناواقفیت پر جو ان کی کتاب کے ہر ورق سے ٹپکتی ہے بن ہنسے رہ نہیں سکتا ۔

ان مؤرخوں کے سوا ہاتنجر گیگیزری لنڈ اوکلی صاحب نے بھی مذہب اسلام اور آں حضرتؐ کے حالات میں کتابیں لکھی ہیں ، مگر افسوس ہے کہ میں اُن کی محنتوں سے مستفید نہ ہو سکا ۔

گوتھ صاحب اور اماری صاحب اور نالڈانک صاحب اور دواری صاحب نے جو کتابیں اس مضمون پر لکھی ہیں ، ان کی نسبت مذہب اسلام کے آرٹیکل کا مصنف جو ''کواٹرلی رویو'' میں چھپا ہے ، یہ لکھتا ہے کہ ''ان مؤرخوں نے بہت سی دنیا کو یہ بات سکھلا دی کہ مذہب اسلام ایک شگفتہ اور تر و تازہ چیز ہے اور ہزاروں نمرور جوہروں سے بھرپور ہے اور محمدؐ نے گو ان کی خصلت کو کیسا ہی سمجھا جاوے ، انسانیت کی سنہری کتاب میں اپنے لیے جگہ حاصل کی ہے ۔''

نہایت مشہور عیسائی مؤرخوں میں ، جنھوں نے آں حضرتؐ کے حالات لکھے ہیں ، ڈاکٹر اسپرنگر صاحب ہیں ؛ ان کی کتاب انگریزی زبان میں بمقام الہ آباد ۱۸۵۱ء میں چھپی ہے ۔ مگر وہ کتاب بہ سبب غلطیوں کے جو اس کے مضمون کی صحت میں ہیں ، کچھ اعتبار کے لائق نہیں ہے ۔ علاوہ اس کے ایک اور خرابی انھوں نے اس کتاب میں یہ کی ہے کہ اس کا طرز بیان نہایت

مبالغہ آمیز اختیار کیا ہے ۔ان کی طبیعت پہلے ہی سے ایسے تعصبات اور یک طرفہ رائے سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے جو کسی قسم کے مصنف کو، اور بالتخصیص ایک مؤرخ کو، کسی طرح زیبا نہیں ہے ۔ اپنے اس کلام کی تصدیق کے لیے ان کی کتاب میں سے ایک فقرہ نقل کرتا ہوں، جس سے ان کے تعصب کے علاوہ یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جس فن میں انہوں نے کتاب لکھی ہے اس سے بھی ماشاء اللہ وہ بہت ہی خوب واقف تھے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ "اسلام محمدؐ کا ایجاد نہیں ہے۔ وہ ایسے مکار کا نکالا ہوا مذہب نہیں ہو سکتا ۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ اس مکار نے اپنی بد اخلاقی اور طبیعت کی برائی سے اس کو بگاڑا اور جو بہت سے مسائل اس میں قابلِ اعتراض ہیں وہ اسی کے ایجاد ہیں" نعوذ باللہ من ھذہ الاقاویل ۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ۔ ان یقولون الّا کذِباً ۔

اسی کتاب کی نسبت سر ولیم میور صاحب یہ لکھتے ہیں، کہ ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کی کتاب ایسے وقت میں میرے پاس پہنچی جب کہ میں اسی مضمون کی تحصیل اور تلاش کر رہا تھا ۔ اور جیسا کہ میں نے اپنی کتاب کے بعض مقامات میں ثابت کیا ہے، اس کے مضامین کی بنیاد غلطی پر معلوم ہوتی ہے۔ چناں چہ انہوں نے محمدؐ کے ماقبل زمانہ کے عرب کا اور خاص محمدؐ کا اور ان کی خصلت کا جو حال لکھا ہے، وہ سب غلط رایوں پر مبنی ہے ۔

ڈاکٹر اسپرنگر صاحب نے ایک اور کتاب جرمنی زبان میں آں حضرتؐ کے حالات میں لکھی ہے جو چھ جلدوں میں ہے، مگر افسوس ہے کہ جرمنی زبان نہ جاننے کے سبب اس کتاب سے

جس قدر قدرے قلیل فائدہ حاصل کر سکتا، اس سے بھی محروم رہا۔ صرف اس قدر ہوا کہ میرے ایک جرمن دوست نے مجھ کو اطلاع دی کہ اس کے مصنف نے ابن اسحاق اور واقدی سے زیادہ تر مطالب اخذ کیے ہیں اور جو کہ میں اُن مصنفوں کی کتابوں سے واقف ہوں، جن سے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب میں مطالب اخذ کیے، اس لیے مجھے یقین ہے کہ وہ کتاب بھی مثل اَور کتابوں کے، جن کو عیسائی مؤرخوں نے تصنیف کیا ہے، اس تحقیق اور تلاش سے معرّا ہوگی جو صفائیِ دل سے کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب انھی کتابوں سے لکھی ہے جن میں صحیح اور غلط اور مشتبہ اور لغو روایتیں سب گڈمڈ ہیں۔

مگر کوارٹرلی ریویو کے آرٹیکل کا مصنف جو غالباً جرمن ہے، اس کتاب کی نسبت یہ رائے لکھتا ہے کہ ”جن لوگوں نے اسلام کی نسبت لکھا ہے، ان میں سے ڈاکٹر اسپرنگر کی کتاب کو جو مصنفوں میں اول درجہ رکھتا ہے، ہم نے اس لیے سب سے افضل قرار دیا ہے کہ وہ بہ نسبت اور سب کے نہایت جامع ہے اور بڑی قابلیت سے لکھی گئی ہے، اس لیے کہ اس کتاب میں وہ تمام مطالب ناظرین کے سامنے موجود کر دیے گئے ہیں جن سے پڑھنے والا اپنی رائے آپ قائم کر سکے۔“

**سر ولیم میور کی کتاب (لائف آف محمد)**

عیسائی مصنفوں کی کتابوں میں سب سے زیادہ عمدہ وہ کتاب ہے جو سر ولیم میور صاحب نے نہایت لیاقت اور قابلیت اور کمال خوبی کے ساتھ لکھی ہے؛ یہ کتاب چار موٹی موٹی جلدوں میں ہے اور بہت خوب صورت ٹیپ اور خوش وضع تقطیع میں چھپی ہے۔ اس لائق اور فائق مصنف کو مثل مغربی علوم کے مشرقی علموں میں

بھی بڑی واقفیت حاصل ہے اور اس لیے ان کی یہ کتاب تمام تربیت یافتہ یورپ کے ملکوں میں بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے ، اور وہ اسی قدر و منزلت کے لائق ہے۔ یورپ کے عالموں اور عالموں کی مجلسوں نے بھی اس کتاب کے سبب ان کی ایسی قدر کی ہے ' جس کے در حقیقت وہ مستحق تھے ؛ مگر قطع نظر اس نقص کے جو اس کتاب میں ہے ، کہ اس کی بنیاد گویا بالکل واقدی پر ہے جو مسلمانوں میں درجۂ اعتبار نہیں رکھتا اور اس کی روایتیں زیادہ معتبر اور ایسی محقق نہیں ہیں کہ مسلمان ان پر یقین لاویں ، جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں ' ایک اور بڑا نقص یہ ہے کہ جس منشاء اور مطلب سے سر ولیم میور صاحب نے یہ کتاب لکھی ، وہ اس لیے پسندیدہ نہیں ہے ۔ کہ وہ منشاء اس کتاب میں نقصان رہ جانے کا اور واقعات کا اصلی تحقیقات تک نہ پہنچنے کا بہت بڑا سبب ہوا ہے ۔ چناں چہ سر ولیم میور صاحب خود ارقام فرماتے ہیں کہ ''اس کتاب کا لکھنا اور مسلمانی مذہب کی سند کی کتابوں کی تحصیل اول اس غرض سے اختیار کی گئی کہ پادری پی فنڈر صاحب نے جو اس بات میں مشہور ہیں کہ انھوں نے مسلمانوں سے مباحثہ میں عیسائی مذہب کی بہت حمایت کی ، اس بات پر اصرار کیا کہ اسلام کے پیغمبر کے حالات میں ایک کتاب جو اس کے پیروؤں کے پڑھنے کے لیے مناسب ہو ' ایسے قدیم ماخذوں سے ہندوستانی زبان میں تالیف کی جاوے جس کو خود مسلمان صحیح اور معتبر مانتے ہیں ۔ چناں چہ میں نے اسی منشاء سے مسلمانی مذہب کی سند کی کتابوں کو پڑھا اور اس کتاب کو لکھا ۔''

لیکن میں نہایت افسوس سے یہ بات کہتا ہوں کہ باوجودیکہ سر ولیم میور صاحب نہایت نیک طبیعت ہیں اور بڑی

قابل توصیف لیاقتیں رکھتے ھیں، اس پر بھی ان کی طبیعت پر اس غرض اور منشاء کا جس سے وہ کتاب لکھنی شروع کی، ایسا اثر پیدا ھوا جیسا کہ ایسی حالت میں اُوروں کی طبیعت پر پیدا ھونا قیاس کا مقتضا ھے؛ اور اسی سبب سے اسلام کی دل چسپ اور سیدھی سادھی عمدہ باتیں بھی ان کو بری اور بھونڈی اور نفرت انگیز معلوم ھوئیں اور یہ اثر ان کی طبیعت کا ایسا تھا کہ اس کے سبب سے ان کی کتاب پڑھنے والے اپنے ذھن میں ان کی تحریر کو ایک زیادتی سمجھتے تھے؛ لیکن جیسا اکثر ھوتا ھے ویسا ھی اس میں بھی ھوا کہ اس حدِ اعتدال سے متجاوز تحریر نے خود اپنے مقصود کو کھو دیا ۔ اور وہ مطلب حاصل نہ ھوا جس کے لیے پادری پی فنڈر صاحب نے سر ولیم میور صاحب سے اس کتاب کے لکھنے کی خواھش کی تھی، بلکہ بر عکس اس کے یہ نتیجہ ھوا کہ جس شخص کو پادری پی فنڈر صاحب نے تاریکی کا فرشتہ بنانا چاھا تھا، وہ روشنی کا فرشتہ نکل آیا ۔

جب یہ کتاب چھپی اور ھندوستان میں پہنچی، تو لوگوں نے اس کو نہایت شوق و ذوق سے پڑھا ۔ مگر جب ان کو یہ بات دریافت ھوئی کہ اسلام کی اور آں حضرتؐ کے حالات کی نہایت سیدھی سادھی اور صاف باتوں کو بھی توڑ مروڑ کر اس وضع پر ڈھالا ھے، جس سے یہ معلوم ھوتا تھا کہ پہلے ھی سے اس کتاب کا اس طرح لکھنا مقصود اور مرکوز خاطر تھا تو ان کا وہ شوق بالکل ٹھنڈا ھو گیا ۔ مگر جو نوجوان مسلمان طالب علم انگریزی علم کی تحصیل کرتے تھے اور اپنے دینیات اور الٰہیات سے محض نا واقف تھے ان میں اس بات کا چرچا پیدا ھوا کہ اگر سر ولیم میور صاحب نے سیدھی سادی اور صاف

باتوں کو بھی برے پہلو پر لے جا کر لکھا ہے تو فی الواقع ان کی اصلیت کیا ہے -

میرے دل پر جو اس کتاب سے اثر پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ اسی زمانہ میں میں نے ارادہ کیا کہ آں حضرت کے متعلق حالات میں ایک کتاب اس طرح پر لکھی جاوے کہ جو جو باتیں صحیح اور اصلی اور واقعی اور منفتح ہیں اور معتبر روایتوں اور صحیح صحیح سندوں سے بہ خوبی ثابت ہیں ان کو بہ خوبی چھان بین کر اور امتحان کر کر ترتیب سے لکھا جاوے اور جو حالات مشتبہ اور مشکوک ہیں اور ان کا ثبوت معتبر یا کافی نہیں ہے ان کو جداگانہ اسی ترتیب سے جمع کیا جاوے اور جو محض جھوٹ اور افترا و بہتان یا خود غرض یا احمق واعظوں اور حمقاء کو دام تزویر میں پھنسانے والے لوگوں یا احمق خدا پرست اور جھوٹی نیکی پھیلانے والوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں ان کو علیحدہ بہ ترتیب لکھا جاوے اور انھی کے ساتھ ان کے غلط اور ان کے نا معتبر ہونے کا ثبوت اور ان کے موضوع ہونے کی وجوہات بھی بیان کی جاویں - مگر میں اپنے اس ارادہ کو بہت سے موانعات کے سبب سے جن میں سب سے بڑا اپنی فکر معاش میں مبتلا رہنا اور اس سے بھی بڑا کسی کا میرے ارادہ کے ممد و معاون نہ ہونا تھا ، پورا نہ کر سکا اور علاوہ اس کے اس کام کے لیے بہت سی پرانی کتابیں جن کو قدیم مصنفوں نے تصنیف کیا ہے ، درکار تھیں جو مجھ کو بہ سبب برباد ہو جانے قدیم کتب خانوں کے دستیاب نہ ہو سکیں ، اور یہ بھی ایک قوی سبب اس ارادہ کے پورا نہ ہونے کا ہوا - مگر اس پر بھی مختلف اوقات میں مختصر طور سے مختلف مضامین اور مسائل مذہب اسلام اور آں حضرت کے حالات

پر کچھ کچھ لکھتا رہا ۔ چناں چہ انھی تحریروں میں یہ
بارہ مضمون ہیں جو بہ عنوان بارہ خطبوں کے لکھے گئے ہیں ۔

ایڈورڈ گبن اور جان ڈیون پورٹ اور کارلائل کی رائے اسلام کی نسبت ۔

اگرچہ میں نے اس تمہید میں چند عیسائی
ایسے مؤرخوں کا ذکر کیا ہے ، جنھوں نے
آں حضرت کے حالات اور اصول مذہب اسلام
کا انصاف سے فیصلہ نہیں کیا ۔ مگر ان لائق
اور قابل اور عالم واجب التعظیم عیسائی مورخوں کا ذکر
کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتا ، جنھوں نے نہایت انصاف سے اور
بالکل بغیر تعصب کے آں حضرت کے حالات اور مذہب اسلام کی
نسبت ٹھیک ٹھیک اپنی رائے لکھی ہے ۔ بلکہ متعصب اور
تنگ حوصلہ مخالفوں کے مقابلہ میں مذہب اسلام کی حمایت
کی ہے ۔ اگرچہ بعض مقامات میں انھوں نے بھی کچھ کچھ سقم
اور نقصان بیان کیے ہیں ۔ لیکن صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ
ان کا بیان کسی تعصب پر مبنی نہیں ہے ، بلکہ اس مسئلہ کی
حقیقت وہ نہیں سمجھے یا غلط سمجھ گئے ۔ پس یہ ایک غلطی سمجھ کی
تو ہے ِالّا وہ عیب جو تعصب اور تنگ حوصلہ ہونے کے سبب
سے ہوتا ہے ، وہ نہیں ہے ۔ بہ ہر حال یہ قابل ادب شخص
ایڈورڈ گبن قدیم روم کی سلطنت کا مشہور مورخ اور گاڈ فری ہیگنز
(رحمہ اللہ تعالیٰ) اور ٹامس کارلیلی اور جان ڈیون پورٹ
سلمہما اللہ تعالیٰ ہیں ، جن کے علم اور لیاقتوں کی تعظیم و قدر
ہمیشہ ہوتی رہے گی ۔ اب میں ان صاحبوں میں سے تین صاحبوں
کی رائے جو انھوں نے آں حضرت اور مذہب اسلام کی نسبت
لکھی ہے ، اپنے اس دیباچہ میں لکھتا ہوں اور گاڈ فری ہیگنز
کی رائے خطبات میں متعدد جگہ لکھی گئی ہے ۔

مسٹر جان ڈیون پورٹ لکھتے ہیں ’’کیا یہ بات خیال میں

آ سکتی ہے کہ جس شخص نے اس نہایت ناپسند اور حقیر بت پرستی کے بدلہ جس میں اس کے ہم وطن (یعنی اہل عرب) مدت سے ڈوبے ہوئے تھے ، خدائے برحق کی پرستش قائم کرنے سے بڑی بڑی دائم الاثر اصلاحیں کیں ۔ مثلاً اولاد کشی کو موقوف کیا ، نشے کی چیزوں کے استعمال کو اور قمار بازی کو جس سے اخلاق کو بہت نقصان پہنچتا ہے منع کیا ہے ۔ بہتایت سے کثرت ازدواج کا اس وقت میں رواج تھا اس کو بہت کچھ گھٹا کر محدود کیا ۔ غرض کہ ایسے بڑے اور سر گرم مصلح کو ہم فریبی ٹھیرا سکتے ہیں اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے شخص کی تمام کارروائی مکر پر مبنی تھی ۔ نہیں ایسا نہیں کہہ سکتے ۔ بے شک محمدؐ بجز دلی نیک نیتی اور ایمان داری کے اور کسی سبب سے ایسے استقلال کے ساتھ اپنی کارروائی پر ابتدائے نزول وحی سے جو خدیجہ سے بیان کی ۔ اخیر دم تک جب کہ عایشہ کی گود میں شدت مرض میں وفات پائی ، مستعد نہیں رہ سکتے تھے ، جو لوگ ہر وقت ان کے پاس رہتے تھے ۔ اور جو ان سے بہت ربط و ضبط رکھتے تھے ان کو بھی کبھی ان کی ریاکاری میں شبہ نہیں ہوا اور کبھی انہوں نے اپنے نیک برتاؤ سے تجاوز نہیں کیا ۔

بے شک ایک نیک اور صادق طبیعت شخص جس کو اپنے خالق پر بھروسہ ہو اور جو ایمان اور رسم و رواج میں بہت بڑی اصلاح کرے حقیقت میں صاف صاف خدا کا ایک آلہ ہوتا ہے ۔ اس کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا کا پیغمبر ہے ۔ جس طرح خدا تعالیٰ کے اور وفادار خادم ہو گذرے ہیں ، اگرچہ ان کی خدمتیں کامل نہ تھیں ، اسی طرح محمدؐ کو بھی ہم خدا کا ایسا سچا خادم کیوں نہ سمجھیں جس نے خدا تعالیٰ کی خدمت ایسی

ھی وفاداری سے کی ، جیسی اوروں نے جو مثل اوروں کی خدمت کے پوری اور کامل نہ تھی - اس بات پر کیوں یقین نہ کیا جاوے کہ اس کو زمانہ اور اپنے ملک میں اپنی قوم کو خدا کی وحدانیت اور تعظیم سکھلانے کے لیے اور ان کی حالت کے مناسب ان کو ملکی اور اخلاق امور میں نصیحت کرنے کے لیے خدا نے بھیجا تھا ، اور وہ راست بازی اور نیک کرداری کا واعظ تھا -

ایڈورڈ گبن صاحب لکھتے ھیں ، کہ ”محمد کا مذھب شکوک اور شبہات سے پاک صاف ھے - قرآن خدا کی وحدانیت پر ایک عمدہ شہادت ھے ، مکہ کے پیغمبر نے بتوں کی ، انسانوں کی ، ستاروں اور سیاروں کی پرستش کو اس معقول دلیل سے رد کیا کہ جو شے طلوع ھوتی ہے ، غروب ھو جاتی ھے اور جو حادث ھے وہ فانی ھوتی ھے ، اور جو قابل زوال ھے ، وہ معدوم ھو جاتی ھے - اس نے اپنی معقول سرگرمی سے کائنات کے بانی کو ایک ایسا وجود تسلیم کیا ، جس کی نہ ابتدا ھے نہ انتہا ، نہ وہ کسی شکل میں محدود ، نہ کسی مکان میں اور نہ کوئی اس کا ثانی موجود ھے جس سے اس کو تشبیہ دے سکیں - وہ ھمارے نہایت خفیہ ارادوں پر بھی آگاہ رھتا ھے - بغیر کسی اسباب کے موجود ھے - اخلاق اور عقل کا کمال جو اس کو حاصل ھے ، وہ اس کو اپنی ھی ذات سے حاصل ھے - ان بڑے بڑے حقائق کو پیغمبر نے مشہور کیا ھے اور اس کے پیرووں نے ان کو نہایت مستحکم طور سے قبول کیا اور قرآن کے مفسروں نے معقولات کے ذریعہ سے بہت درستی کے ساتھ ان کی تشریح اور تصریح کی - ایک حکیم جو خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات پر اعتقاد رکھتا ھو ، مسلمانوں کے مذکورہ بالا عقیدہ کی نسبت یہ کہہ سکتا ھے کہ وہ

ایسا عقیدہ ہے، جو ہمارے موجودہ ادراک اور قوائے عقلی سے بہت بڑھ کر ہے۔ اس لیے کہ جب ہم نے اس نا معلوم چیز (یعنی خدا) کو زمان اور مکان اور حرکت مادہ اور حس اور تفکر کے اوصاف سے مبرا کر دیا، تو پھر ہمارے خیال کرنے اور سمجھنے کے لیے کیا چیز باقی رہی، وہ اصل اول (یعنی ذات باری تعالیٰ) جس کی بنا عقل اور وحی پر ہے۔ محمدؐ کی شہادت سے استحکام کو پہنچی، چناں چہ اس کے معتقد ہندوستان سے لےکر مراکو تک موحد کے لقب سے ممتاز ہیں اور بتوں کو ممنوع سمجھنے سے بت پرستی کا خطرہ مٹا دیا گیا ہے۔

مسٹر ٹامس کارلیل صاحب لکھتے ہیں کہ "ہم لوگوں (یعنی عیسائیوں) میں جو یہ بات مشہور ہے۔ کہ محمدؐ ایک پر فن اور فطرتی شخص اور گویا جھوٹ کے اوتار تھے اور ان کا مذہب دیوانگی اور خام خیالی کا ایک تودہ ہے، اب یہ سب باتیں لوگوں کے نزدیک غلط ٹھیرتی جاتی ہیں، جو جو جھوٹ باتیں دور اندیش اور مذہبی سر گرمی رکھنے والے آدمیوں (یعنی عیسائیوں) نے اس انسان (یعنی محمد صلعم) کی نسبت قائم کی تھیں اب وہ الزام قطعاً ہماری رو سیاہی کے باعث ہیں، چناں چہ ایک یہ بات مشہور ہے، کہ پاکرک صاحب نے جب گروٹیس صاحب سے پوچھا کہ یہ قصہ جو تم نے لکھا ہے، کہ محمدؐ نے ایک کبوتر کو تعلیم کیا تھا، کہ وہ ان کے کان میں سے میل نکالا کرتا تھا، اور مشہور کیا تھا کہ وہ فرشتہ ہے، جو ان کے پاس وحی لایا کرتا ہے، تو اس قصہ کی کیا سند ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ "اس قصہ کی کوئی سند اور کچھ ثبوت نہیں۔" حقیقت یہ ہے کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ایسے ایسے قصوں کو بالکل چھوڑ دیا جاوے۔ جو جو باتیں اس

انسان (یعنی محمد صلعم) نے اپنی زبان سے نکالیں بارہ سو برس سے اٹھارہ کروڑ آدمیوں کے لیے بہ منزلہ هدایت کے قائم هیں ، ان اٹھارہ کروڑ آدمیوں کو بھی اسی طرح خدا نے پیدا کیا هے ، جس طرح هم کو پیدا کیا ۔ اس وقت جتنے آدمی محمدؐ کے کلام پر اعتقاد رکھتے هیں ، اس سے بڑھ کر اور کسی کے کلام پر اس زمانه کے لوگ یقین نہیں رکھتے ۔ پھر کیا هم یه خیال کر سکتے هیں ، که جس کلام پر خدائے قادر مطلق کی اس قدر مخلوق زندگی بسر کر گئی اور اسی پر مر گئی ۔ کیا وه ایسا جھوٹا کھیل هے ، جیسا ایک بازی گر کا هوتا هے[1] - میں اپنے نزدیک هرگز ایسا خیال نہیں کر سکتا ، بلکه میں به نسبت اور چیزوں کے اس پر جلد یقین کرتا هوں ، اگر جھوٹی اور فریب کی باتیں دنیا میں اس قدر زور آور هوں اور رواج پکڑ جاویں اور مسلّم ٹھیر جاویں ، تو پھر اس دنیا کی نسبت کوئی کیا سمجھے گا ۔ اس قسم کے خیالات جو بہت پھیلے هوئے هیں ، بہت هی افسوس کے قابل هیں ، اگر هم کو خدا کی سچی

---

۱- میں اس قدر اور زیادہ کرنا چاهتا هوں که کروڑوں آدمی اس وقت بھی اسی پر نہایت مستحکم اعتقاد سے زندگی بسر کر رهے هیں اور جن ملکوں میں اسلامی سلطنت کبھی نہیں گئی ان ملکوں کے لوگوں نے بھی ان کی باتیں سن کر ان کو قبول کیا ۔ اور اب بھی که اس کے بانی کو دنیا کے گئے هوئے بارہ سو برس هو گئے ۔ هر ایک ملک میں اور ان ملکوں میں بھی جہاں اسلامی سلطنت نہیں هے ، هزاروں نئے لوگ اس پر بغیر کسی لالچ اور دھوکے کے اور بغیر کسی تدبیر کرنے والوں کی تدبیر و حکمت کے ایمان لاتے جاتے هیں اور اسلام کو قبول کرتے هیں ۔ تو کیا وه ایسا جھوٹا کھیل هے ، جیسا که ایک بازی گر کا هوتا هے ۔ نہیں بلکه اس کے سچ هونے کا هر ایک کے دل پر یقین هوتا هے ۔ سید احمد ۔

مخلوقات کا علم کچھ حاصل کرنا منظور ہو تو ہم کو ایسی
باتوں پر یقین کرنا ہرگز نہیں چاہیے ۔ وہ باتیں ایسے زمانہ میں
پھیلی تھیں ، جب کہ توہمات کو بہت دخل تھا اور انہیں توہمات
کے سبب خیال تھا کہ آدمی کی روحیں غمگین خرابی میں
پڑی ہوئی ہیں ، جو ان کی ہلاکت کا سبب ہے ۔ میرے نزدیک
اس خیال سے کہ ایک جھوٹے آدمی نے ایک مذہب قائم کیا
اور کوئی اس سے زیادہ بد اور ناخدا پرست خیال دنیا میں نہیں
پھیلا ۔ بھلا یہ کب ہو سکتا ہے کہ ایک جھوٹا آدمی جو چونہ
اور اینٹ اور اور مصالح کی حقیقت کو سچ نہ جانے اور
پختہ مکان بنالے ، وہ پختہ مکان کا ہیکو ہوگا ۔ بارہ سو برس تک
اس کو کب قیام ہو سکتا ہے اور اٹھارہ کروڑ آدمی اس میں
کب رہ سکتے ہیں ۔ بلکہ اب تک وہ مکان کبھی کا سر کے بل
گر پڑا ہوتا ۔ ضرور ہے کہ ایک آدمی اپنے طریقوں کو
قانون قدرت کے مطابق کرے اور قدرت کے سامانوں کی حقیقت کو
سمجھے اور اس پر عمل کرے ، ورنہ قدرت سے اس کو یہ جواب
ملے گا کہ نہیں یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ، جو جو قانون اور قاعدے
خاص ہیں ، وہ خاص ہی رہتے ہیں ، عام نہیں ہو جاتے ۔
افسوس ہے کہ کوئی شخص مثل کاگ لسٹرو یا اور ایسے ہی
بہت سے دنیا کے سر برآوردہ لوگوں کے چند روز کے لیے اپنے
فند فطرت سے کامیاب ہو جاتے ہیں ، مگر ان کی کامیابی ایک
جعلی ہنڈوی کی مانند ہوتی ہے ، جس کو وہ اپنے نالائق ہاتھوں
سے جاری کرتے ہیں اور خود الگ تھلگ رہتے ہیں ، اور اوروں
کو اس کے سبب سے نقصان پہنچاتے ہیں ۔ مگر قدرت آگ کے
شعلوں اور فرانسیسی ہنگاموں اور اسی قسم کے اور غضب ناک

ظہور سے ظاہر ہو کر یہ بات بہت غضب اور قہر سے دنیا پر
ظاہر کر دیتی ہے کہ جعلی ہنڈویاں جعلی ہی ہیں ۔

راقم
سید احمد

بمقام لنڈن محلۂ میکان برگ اسکوئیر مکان نمبر ۲۱
۱۸۷۰ عیسوی مطابق ۱۲۲۷ ہجری

(۱)

# جغرافیۂ ملک عرب اور اُس کی اقوام و قبائل

## رب اجعل ھذا البلد آمنا و اجنبنی و بنی ان نعبد الاصنام

عرب کی وجہِ تسمیہ ــ عرب یا وہ جزیرہ نما جو جزیرۃ العرب کہلاتا ھے بحر احمر کے مشرق کی طرف واقع ھے اور یہاں سے خلیج فارس تک منتہی ھوتا ھے ۔ اس بات کا ٹھیک ٹھیک متحقق ھونا کہ اس ملک کا نام عرب کیوں کر اور کس زمانہ میں رکھا گیا نہایت مشکل ھے ۔ لیکن کتاب اول ملوک باب (۱۰) ورس ۱۵ ، میں جہاں ملکہ سبا اور حضرت سلیمان کی ملاقات کا ذکر ھے اس ملک کو عرب کے نام سے بیان کیا گیا ھے یہ واقعہ ۳۰۰۰ دنیوی یا ۱۰۰۵ قبل حضرت مسیح کے گزرا تھا ۔ مگر ھماری رائے میں یہ جزیرہ حضرت سلیمان کے زمانہ کے بہت پہلے سے عرب کے نام سے کہلایا جاتا تھا کیوں کہ اس کا ذکر کتاب ملوک میں اس طرح پر کیا گیا ھے کہ گویا ایک بہت معروف اور مشہور ملک کا نام ھے ۔ کتاب توریہ مثنی باب (۱) ورس (۷) و باب (۲) ورس (۸) میں لفظ عربہ پایا جاتا ھے ۔ مگر جو

باتیں[1] کہ اس جزیرہ نما کی وجہ تسمیہ مین بیان کی گئی ھیں آن مین سے وھی بات ٹھیک معلوم ھوتی ھے جو خود اس لفظ سے نکلتی ھے اور جو اس ملک کی طبعی بناوٹ کی طرف اشارہ کرتی ھے لفظ عربہ کے معنی وادی یا بیابان کے ھیں اور جو کہ ایک بڑا حصہ جزیرہ عرب کا بالکل بیابان ھے اور وادی کے نام سے مشہور ھے اسی وجہ سے کل جزیرہ کا نام عرب ھوگیا ۔ لفظ عربہ کا ھر قصبہ کے نام کے پہلے بہ طور ایک عام صفت کے لگایا جاتا تھا اور اسی طرح عربات[2] جو آس کی جمع ھے اس جزیرہ کے ایک حصہ پر بولا جاتا تھا جیسا کہ کتاب توریہ مثنی باب (۳۴) ورس (۱ و ۸) میں آیا ھے ۔ بعض مؤرخ از راہ جرأت یہ رائے دیتے ھیں کہ ایک گانوں[3] موسوم کی وجہ سے جو تہامہ کے

---

۱۔ بعض لوگ عرب کے نام کو لفظ عربہ کی طرف جس کے معنی ھموار بیابان کے ھیں اور جو صوبہ تہامہ کا ایک ضلع ھے منسوب کرتے ھیں اور بعض لوگ لفظ عیبر کی طرف منسوب کرتے ھیں ۔ جس کے معنی خانہ بدوش کے ھیں کیوں کہ زمانہ سابق میں عرب خانہ بدوش تھے ۔ اس صورت میں اس کا اشتقاق لفظ عبرانی سے جس کی بھی وجہ تسمیہ ھے ثابت ھوتا ھے ۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ لفظ عبری مصدر عرب سے نکلا ھے جس کے معنے نیچے جانے کے ھیں اور اس سے وہ ملک مراد ھے جس میں سمٹک یعنی اولاد سام بن نوح کو جو دریائے فرات کے کنارہ پر رھتی تھی آفتاب غروب ھوتا ھوا معلوم ھوتا تھا ۔ بوکارٹ صاحب کے نزدیک لفظ عرب ایک فنی شین لفظ سے جس کے معنی اناج کے بالوں کے ھیں مشتق ھوا ھے ۔ لفظ عربہ ایک عبری لفظ بھی ھے جس کے معنی بنجر زمین کے ھیں اور توریت میں شام اور عرب کی حد فاصل کے طور پر بارھا بولا گیا ھے (چیمبرز انسائیکلو پیڈیا صفحہ ۳۴۴) (سید احمد)

۲۔ عربات بالتحریک جمع عربۃ وھی بلاد العرب (مراصد الاطلاع جلد ۲ صفحہ ۲۴۵) ۔

۳۔ عربۃ قریۃ فی اول وادی نخلۃ من جہۃ مکۃ (ایضاً صفحہ ۲۴۶) ۔

نزدیک واقع ہے اس تمام جزیرہ کا یہ نام پڑ گیا مگر یہ رائے ٹھیک نہیں معلوم ہوتی ۔ ممکن ہے کہ لفظ عربہ جو کسی گانوں کے نام کے پہلے محض بہ حیثیت ایک جزو ممیّزہ کے استعمال کیا جاتا ہو اور رفتہ رفتہ اُس کے اصلی نام کے قائم مقام ہوگیا ہو ۔

حدودِ اربعہ

عرب کی حدود اربعہ یہ ہیں : مغرب میں بحرِ احمر ۔ مشرق میں خلیجِ فارس و خلیجِ عمان ۔ جنوب میں بحرِ ہند ۔

شمالی حد کی توریت کے مطابق تعیین

شمال کی جانب اُس کی سرحد بابل اور شام سے ملی ہوئی ہے اور اُس کو آبنائے سویس مصر سے علیحدہ کرتی ہے ۔ یہ جزیرہ نما شمال اور مغرب کی جانب کنعان سے ملا ہوا ہے ، جو بنی اسرائیل کا وطن ہے اور جس کو متقدمین یونانی فنشیا اور متوسط زمانہ کے لوگ فلسطین یا ارض مقدس کہتے تھے اور بالفعل میریا یعنی شام کے نام سے مشہور ہے ۔ اسی زمین کی نسبت خدا تعالیٰ نے حضرت ابراھیم اور ان کی اولاد سے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا ۔ لیکن جو کہ "ان دونوں ملکوں کی اس سمت میں بیابان حائل ہیں اس لیے قبل اس کے کہ عرب کی شمالی اور مغربی حد معین کرنے کی کوشش کی جاوے "ارض موعود" کی جنوبی اور مشرقی حد کو محقق کرنا چاھیے ۔ جب کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراھیم سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمھاری اولاد کو ایک ملک عطا کروں گا۔اُس وقت حضرت ابراھیم اُس مقام پر رہتے تھے جو درمیان (بیت ۔ ایل ۔ اور ۔ عی) کے واقع ہے جیسا کہ سفر تکوین باب (۱۳) ورس (۳) مین مذکور ہے ۔ اگرچہ خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت ابراھیم کو وہ ملک جس کے دینے کا وعدہ کیا تھا دکھلا دیا تھا ، لیکن اُس کی ٹھیک ٹھیک حدیں نہیں بتائی تھیں جیسا کہ

سفر تکوین باب (۱۳) ورس (۱۴ و ۱۵) سے ظاہر ہوتا ہے۔ مگر جب خدا تعالیٰ نے دوبارہ اپنے وعدے کی تجدید کی اُس وقت حضرت ابراہیم کو صرف اُس کی دو حدیں بتلائیں جیسا کہ سفر تکوین باب (۱۵) ورس (۱۸) میں لکھا ہے کہ خدا نے ابراہیم سے کہا کہ اس زمین کو نہر مصر سے نہر بزرگ تک جو نہر فرات ہے تیری ذرّیت کو دوں گا۔

مگر تعجب ہے کہ اُس کے بعد کتابہائے مقدس کے کسی لکھنے والے نے دریائے مصر کو ''ارض موعود'' کی سرحد نہیں قرار دیا جس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی - بلکہ برخلاف اس کے بیر شبع[1] کو ہر جگہ اُس کی حد جنوبی قرار دیا ہے، اور جب کہ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو بیابان مواب میں ''ارض موعود'' دکھلائی تو اُنہوں نے دیکھا، کہ صوعر[2] اُس کی جنوبی سرحد ہے - صوعر اور بیر شبع قریب قریب ایک ہی خط میں واقع ہیں، اس واسطے ان دونوں میں سے کوئی جگہ بلا تفرقہ ''ارض موعود'' کی جنوبی سرحد قرار پا سکتی ہے -

مگر یہ بات بالتخصیص جانی چاہیے، کہ بیر شبع دو[3] تھے

---

۱- کتاب قضاۃ باب ۲۰ ورس ۱ - شموئیل اول باب ۳ ورس ۲۰ - شموئیل دوم باب ۳ ورس ۱۰ و باب ۱۷ ورس ۱۱ و باب ۲۴ ورس ۲ و ۱۵ - ملوک اول باب ۴ ورس ۲۵ - ملوک دوم باب ۲۳ ورس ۸ - تواریخ اول باب ۲۱ ورس ۲ - تواریخ دوم باب ۳۰ ورس ۵ -

۲- توریہ مثنٰی باب ۳۴ ورس ۳ -

۳- ہم کو صاف اور صریح خبر ملی ہے (شموئیل دوم باب ۲۴ ورس ۷ و ۱۵) سے کہ بیرَ شبع یہودیہ کے جنوب میں ادویہ کی جانب واقع تھا اور اس واسطے اس کو وہ بیر شبع نہ سمجھ لینا چاہیے - جو گلیلی کے اوپر کے حصہ میں واقع ہے اور جس کا ذکر جوسفس نے اور حال میں ڈاکٹر رچرڈ سن نے کیا ہے (بائبل سائکلوپیڈیا مؤلفہ جے - بی لاسن ایم - اے جلد ۱ صفحہ ۳۰۷) -

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳ پر)

ایک کا نام صرف بیر شبع[1] تھا اور دوسرے کا نام قریہ بیر شبع یا شبعہ[2] کہا جاتا تھا ، یعنی وہ جگہ جہاں بیابان جرار میں حضرت اسحاق کے نوکروں نے اس وقت جب کہ حضرت اسحاق اور ابی ملک کے باھم عہد و پیمان اور حلف ھوا تھا ، ایک کنواں کھودا تھا ۔ چناں چہ سفر تکوین باب ۲۶ ورس ۳۲ و ۳۳ میں لکھا ھے ”اور ایسا ھوا کہ اسی دن اسحاق کے نوکر آئے اور اس کنوئیں کا حال جو انھوں نے کھودا تھا بیان کیا اور ان سے کہا کہ ھم کو پانی مل گیا اور انھوں نے اس کا نام شبع رکھا ۔ اسی واسطے اس شہر کا نام آج تک بیر شبع ھے“ ۔ اور یہ وھی[3] جگہ ھے ، جہاں سے کہ حضرت یعقوب حاران کو روانہ ھوئے تھے ۔ اور اسی[4] جگہ حضرت یعقوب کے بیٹے جب کہ وہ مصر کو غلہ لینے جاتے تھے ٹھیرے تھے ، اور ایک زمانہ میں یہ شہر گرد و نواح کے ملک کا پایہ تخت تھا اور شموئیل کے لڑکے وھاں[5] حاکم تھے ۔ عاموص[6] نبی نے بھی اس مقام کا ذکر کیا ھے ، کہ یہاں بت پرستی بہت شائع تھی اور صبیاہ[7] مادر یہوواش اسی جگہ پیدا ھوئی تھی اور ایلیاہ[8] ملکہ ایزبل کے خوف سے یہاں بھاگ آئی تھی ۔ یہ شہر[9] بابل والوں کی گرفتاری

---

۱۔ سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۳۱ و ۳۲ ۔

۲۔ یوشع باب ۱۹ ورس ۲ ۔

۳۔ سفر تکوین باب ۲۸ ورس ۱۰ ۔

۴۔ سفر تکوین باب ۲۶ ورس ۱ و ۵ ۔

۵۔ شموئیل اول باب ۸ ورس ۲ ۔

۶۔ کتاب عاموص باب ۵ ورس ۵ و باب ۸ ورس ۱۴ و باب ۷ ورس ۹ ۔

۷۔ ملوک دوم باب ۱۲ ورس ۱ ۔ تواریخ دوم باب ۲۴ ورس ۱ ۔

۸۔ ملوک اول باب ۱۹ ورس ۳ ۔

۹۔ نحمیاہ باب ۱۱ ورس ۲۷ و ۳۰ ۔

تک ویران نہیں ہوا تھا - بعض لوگوں کی یہ رائے ہے، کہ وہ اب ایک نہایت چھوٹا سا گاؤں رہ گیا ہے اور ایک وسیع ریگستان کے قرب و جوار میں واقع ہے جہاں کہ بجز اطراف سمندر کے آبادی کا نام و نشان نہیں ہے - بیر شبع جران سے بیس پچیس میل کے فاصلہ پر تھا اور یوسی بیس کے زمانہ میں جو چوتھی صدی عیسوی میں گزرا ہے - اُس میں ایک رومی فوج رہتی تھی - یہ بیر شبع اکتیس درجہ سترہ دقیقہ عرضِ شمالی پر واقع تھا اور طول شرقی اُس کا چونتیس درجہ اور چوّن دقیقہ کا تھا، پہلا بیر شبع قادیش اور شور کے بیابانوں کے بیچ میں تھا اور حضرت ابراهیم نے اُس کو بنایا تھا - حضرت ابراهیم اور حضرت لوط کلدانیوں کے شہر کو جس کا نام "اور کلدانیاں"[1] تھا چھوڑ کر حاران کو چلے گئے اور وہاں چند روز ٹھہر کر مصر کی طرف چلے گئے اور جب مصر سے واپس ہوئے تو اُسی[2] جگہ پر ٹھہرے جہاں کہ پہلے ٹھہرے تھے اور وہاں سے حضرت لوط اُن کے ساتھ سے جدا ہو کر وادی[3] اردن کو روانہ ہو گئے اور حضرت ابراهیم نے قادیش اور شور[4] کے بیابانوں میں سکونت اختیار کی اور وہاں ایک[5] کنواں کھودا - حضرت ابراهیم[6] مدت تک یہاں رہے اور ایک باغ[7] لگایا اور جب حضرت[8] هاجره

---

۱- سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۳۱ -

۲- سفر تکوین باب ۱۳ ورس ۳ -

۳- سفر تکوین باب ۱۳ ورس ۱۰ و ۱۱ -

۴- سفر تکوین باب ۲۰ ورس ۱ -

۵- سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۱۴ و ۱۵ و ۳۰ -

۶- سفر تکوین باب ۲۲ ورس ۱۹ -

۷- سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۳۳ -

۸- سفر تکوین باب ۱۶ ورس ۸ لغایت ۱۴ -

حضرت ابراهیم کی پہلی بی‌بی حضرت ساره سے ناراض ہو کر نکل گئی تھیں، تو اسی جگہ پر آئی تھیں اور اسی کنوئیں کے پاس اُن کو خدا کا فرشتہ دکھائی دیا تھا اور اس لیے اُنھوں نے اس کنوئیں کا نام بیرلحی روئی یعنی ''بـیـر لـلـحـی الـمـرئـی'' رکھا تھا ۔ اس کے بعد ایک قحط سالی کے ایام میں حضرت اسحاق نے اُس مقام کی سکونت چھوڑ دی اور جرار[1] ۔ کو چلے گئے ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ قادیش ایک اور جگہ ہے اور جرار اس سے بہت دور ہے ۔ وہاں کے باشندے حضرت اسحاق سے واقف نہ تھے، اور غالباً بد طینت اور بد خصلت آدمی تھے ۔ اس لیے حضرت اسحاق نے جیسا کہ توریت میں لکھا ہے اُن لوگوں سے اپنی بی‌بی کی نسبت کہا، کہ یہ میری بہن[2] ہے ۔ مگر جب ابی ملک نے حضرت اسحاق کو جرار سے نکال دیا تب اُنھوں نے بیابان جرار میں بود و باش اختیار کی اور وہاں ایک کنواں کھودا جس کا نام شبع رکھا اور جس مقام پر سکونت اختیار کی تھی ۔ اُس کا نام قریہ[3] بیر شبع رکھا ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے ۔ کہ یہ جگہ وہ جگہ ہرگز نہیں ہو سکتی جہاں حضرت ابراهیم نے کنواں کھودا تھا ۔

ان باتوں کی اس قدر تفصیل کرنے سے ہمارا منشاء دو چیزوں کے ثابت کرنے کا ہے اور اول یہ کہ عرب کی شمالی حد ملک شام یا ''ارض موعود'' سے ملحق ہوتی ہے اور ''ارض موعود'' کی جنوبی حد حضرت اسحاق والا بیر شبع یا صوعر جس کو بلع[4] بھی کہتے ہیں ۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابراهیم والا بیر شبع

---

۱۔ سفر تکوین باب ۲۶ ورس ۶ ۔
۲۔ سفر تکوین باب ۲۶ ورس ۱۷ ۔
۳۔ سفر تکوین باب ۲۶ ورس ۳۳ ۔
۴۔ سفر تکوین باب ۱۴ ورس ۱ ۔

قادیش میں ہے جو ملک عرب میں واقع ہے ۔

جن لوگوں کا خیال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم والا بیر شبع اور حضرت اسحاق والا بیر شبع دونوں ایک ہی ہیں اُن واقعات پر مبنی ہے جن کو کہ میں ابھی ثابت کروں گا کہ اُن پر کسی طرح اعتبار نہیں ہو سکتا - سب سے پہلا واقعہ جو اُن کی رائے کا موید ہے یہ ہے کہ جب حضرت اسحاق قادیش سے چلے گئے - تو فلسطین والوں نے حضرت ابراہیم کے کھودے ہوئے کنوئیں کو مٹی سے بھر کر بند کر دیا اور جب کہ ابی ملک نے حضرت اسحاق کو جرار سے نکال دیا تو حضرت اسحاق نے اُنھیں کنوؤں کو از سر نو کھودا جو اُن کے والد حضرت ابراہیم کے زمانہ میں کھودے گئے تھے ، اور جن کو فلسطین والوں نے روک دیا تھا اور اُنھوں نے اُن کنوؤں کے وہی نام رکھے جو اُن کے والد نے رکھے تھے - مفسرین توریت کا یہ استدلال ابتدائی یا سرسری نظر میں ٹھیک معلوم ہوتا ہے اور خیال میں آتا ہے کہ بیر شبع ایک ہی ہوگا مگر ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں ، کہ یہ خیال ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا ، سفر تکوین کے چھبیسویں باب کی اٹھارھویں آیت تک توریت میں حضرت ابراہیم کے صرف اُنھیں کنوؤں کا بیان ہے ، جن کو حضرت اسحاق نے پھر کھدوایا تھا ـ مگر اُسی باب کی اُنیسویں آیت سے لے کر آخر باب تک اُن قدیم کنوؤں کا مطلق ذکر نہیں ہے ـ بلکہ نئے کنوؤں کا ذکر ہے ـ ان نئے کنوؤں کے نام بھی حضرت اسحاق نے نئے رکھے تھے - اول کا نام بیر عسق دوسرے کا نام سطنہ تیسرے کا نام رحوبوث اور چوتھے کا نام سبعہ رکھا تھا - اس سے صریح واضح ہے ـ کہ یہ کنوئیں حضرت ابراہیم کے کنوؤں میں سے نہیں تھے - پھر اُسی باب کی سترھویں آیت کا صاف مضمون یہ ہے کہ

حضرت اسحاق نے جرار کی وادی میں اپنا خیمہ نصب کیا اور وھاں آباد ھوئے ۔ اور اُنیسویں اور بیسویں ورس میں بیان ھے کہ حضرت اسحاق کے آدمیوں نے وادی میں کنواں کھودا اور وھاں ایک کنؤاں جاری پانی کا برآمد ھوا اور جرار کے چرواھوں نے حضرت اسحاق کے چرواھوں سے تکرار کی اور پانی پر اپنا دعویٰ کیا ۔ پس جب کہ ان سب آیتوں کا ایک دوسری سے مقابلہ کیا جاوے تو ظاھر ھوتا ھے کہ یہ کنوئیں وادی جرار میں کھودے گئے تھے نہ وادی قادیش میں ۔ ایک اور امر جو مذکورہ بالا لوگوں کی رائے کی تائید کرتا ھے تئیسویں آیت کا یہ مضمون ھے کہ حضرت اسحاق اپنی ملک کو چھوڑ کر بیر شبع کو چلے گئے جس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ھے کہ اس بیر شبع سے مراد حضرت ابراھیم والا بیر شبع ھے کیوں کہ اُس وقت تک حضرت اسحاق والے بیر شبع کا وجود بھی نہ تھا ۔ لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں ھے کیوں کہ جس بیر شبع کا اُس آیت میں ذکر ھے وہ حضرت ابراھیم والا بیر شبع نہیں ھے بلکہ حضرت اسحاق والا بیر شبع ھے ۔ کتب مقدسہ لکھنے والوں کا یہ قاعدہ ھے کہ پچھلے زمانہ کے حالات لکھنے میں جب کسی مقام کا ذکر آتا ھے ۔ تو وہ اُس مقام کا وھی نام لکھ دیتے ھیں جو زمانۂ تحریر میں اُس کا نام ھوتا ھے ۔ گو کہ اس زمانہ میں جس کا وہ حال لکھتے ھیں اُس مقام کا وہ نام نہ تھا بلکہ وجود بھی نہ تھا ۔ چناں چہ اکثر مقامات میں اُنھوں نے بہت سے شہروں اور قصبوں کا جو اُس زمانہ کے عرصہ دراز کے بعد وجود میں آئے تھے نام لے کر ذکر کیا ھے ۔ اکیسویں باب کی چودھویں آیت میں حضرت ابراھیم والے بیر شبع کا نام مذکور ھے ۔ اگرچہ اُس وقت تک اس کنوئیں نے وہ لقب حاصل نہیں کیا تھا ۔

ملک کی بناوٹ کے لحاظ سے عرب کی تقسیم۔

عرب علی العموم ایک وسیع مسطح اور ویران ملک ہے مگر جا بجا چند بے انتہا سر سبز و شاداب اقطاع بھی واقع ہیں اور بعض عظیم الشان پہاڑ بھی ہیں جن کی گھاٹیاں تازگی اور خوش نمائی کے لیے مشہور ہیں۔ اس میں جو سب سے بڑے نقصانات ہیں وہ کثرت سے وادیوں کا ہونا اور پانی کا نہ ہونا ہے۔ میوے مختلف اقسام کے ہوتے ہیں جن میں کھجور نہایت عمدہ اور خوش ذائقہ ہوتی ہے جو عرب کے ملک سے مخصوص ہے اور در حقیقت عرب کے لوگوں کی زندگی کا بہت بڑا ذریعہ ہے عرب کے گھوڑے تمام دنیا کے گھوڑوں سے عمدہ اور خوب صورت ہوتے ہیں۔ لیکن عرب کے لیے سب سے زیادہ مفید جانور اونٹ ہے جس کو ریگستان کا جہاز لکھنا بے جا نہیں ہے۔

عرب ٹھیک طور سے دو حصوں میں منقسم ہو سکتا ہے: (۱) ایک عرب الحجر یعنی کوہستانی عرب جو خا کنائے سوئیس سے لے کر بحر احمر اور بحر عرب تک پھیل رہا ہے۔ (۲) دوسرا عرب الوادی یعنی عرب کا مشرقی حصہ مگر بطلیموس[1] پرانے

---

۱۔ جزیرہ عرب کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کا موجد بطلیموس خیال کیا جاتا ہے اور وہ تین حصے یہ ہیں۔ عرب الحجر، عرب المعمور، عرب الوادی۔ عرب الحجر میں تمام شمالی، غربی حصہ شامل تھا۔ عرب المعمور میں غربی اور جنوبی کنارہ۔ عرب الوادی میں تمام اندرونی حصہ جو اچھی طرح معلوم نہ تھا۔ مگر اس تقسیم کو عرب کے لوگ تسلیم نہیں کرتے اور حال کی تحقیقات کی رو سے بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ چیمبرز ان سائکلوپیڈیا صفحہ ۳۴۴۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بطلیموس نے ملک کو اس کی طبعی حالت کے لحاظ سے تقسیم کیا تھا نہ کہ حد بندی کے لحاظ سے۔ (سید احمد)

جغرافیہ داں نے عرب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ھے :
(۱) عرب الحجر یعنی پتھریلا عرب ۔ (۲) عرب المعمور یعنی عرب آباداں ۔ (۳) عرب الوادی یعنی ریگستانی عرب ۔ آج کل کے نقشوں میں عرب الحجر میں صرف وہ حصہ ملک کا شامل رکھا گیا ھے جو خلیج سوئیس اور خلیج عقبہ کے درمیان واقع ھے مگر اس تقسیم کے لیے کوئی معتبر سند نہیں ۔ بطلیموس کے جغرافیہ کے مطابق عرب الحجر کو خلیج سوئیس سے لے کر یمن یا عرب المعمور کی حد تک شمار کرنا چاھیے ۔ وہ لوگ جن کے نزدیک بطلیموس نے عرب المعمور لفظ یمن کا ترجمہ کیا ھے بلا شک غلطی پر ھیں ۔ کیوں کہ اس پرانے جغرافیہ داں کے زمانے میں عرب الحجر کا جنوبی حصہ گنجان آباد تھا اور تجارت کے لیے مشہور تھا ۔ جس کی وجہ سے اس نے تمام جزیرہ کے اس حصہ کا عرب المعمور نام رکھ دیا ۔ عربی جغرافیہ دانوں نے جزیرہ عرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ھے : تہامہ ، حجاز ، نجد ، عروض ، یمن ، غیر ملکوں کے مؤرخ اور جغرافیہ دان جو یہ سمجھے ہوئے ھیں کہ اس ملک کو حجاز اس سبب سے کہتے ھیں کہ حاجی اور زائروں کا عام مرجع ھے وہ بڑی غلطی پر ھیں کیوں کہ لفظی معنی حجاز کے اس چیز کے ھیں جو دو چیزوں کے درمیان میں واقع ھو ۔ تمام ملک کا یہ نام اس پہاڑ کی وجہ سے پڑ گیا ھے جو شام اور یمن کے درمیان بہ طور حجاب کے واقع ھے ۔ عرب بہ لحاظ ان مختلف قوموں کے جو اس زمانے میں آباد ھیں اور ان آبادیوں کے ناموں کے ، اور ان آبادیوں کے ملکی حالات کے ، اور ان کے باشندوں کے اعتبار سے بے شمار حصوں میں منقسم ھوگیا ھے ۔ مگر اس بات کا کہنا کہ یہ حصے ٹھیک کس طرح پر ھیں بغیر اس بات کے اول جان لینے کے کہ یہ قومیں جو

اُن میں آباد ہیں ، کون ہیں اور کہاں سے آئی ہیں اور کہاں کہاں آباد ہوئیں اگر محال نہیں تو غیر ممکن تو ضرور ہے ۔ اس لیے ہم حتی الامکان ان امور کی تنقیح کی کوشش کریں گے ، ان امور کی نسبت کتب مقدسہ یا عرب کے قرب و جوار کی قوموں کی کتابوں میں بہت کم تذکرہ پایا جاتا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کتب مقدسہ کے لکھنے والے صرف ''ارضِ موعود'' کے حالات لکھنے اور تلاش کرنے میں مصروف رہے اور اُن کی تمام ہمت صرف بنی اسرائیل کے حالات لکھنے پر منحصر تھی اور غیر قوموں نے اس ویران اور بے ثمر ملک کی طرف کچھ توجہ نہیں کی ۔

اس مضمون کے لکھنے میں جہاں تک کہ ہو سکے گا ہم اُن دونوں ذریعوں سے گو کہ اُن سے بہت ہی کم حالات معلوم ہوتے ہیں فائدہ حاصل کریں گے اور اُس کی تائید میں عرب کی ملکی روایتوں سے جو قابلِ اعتبار معلوم ہوتی ہیں غفلت نہ کریں گے ۔

**عرب کی مختلف قوموں کی تقسیم ۔**

جو ملکی روایتیں عرب کی مختلف قوموں کی تقسیم کے باب میں ہیں وہ نہایت معتبر ہیں کیوں کہ عرب کے لوگ اپنی آبائی رسوم اور اوضاع اور اطوار کے بہ‌درجہ غایت پابند تھے اور اُن کو کبھی ترک کرنا یا تبدیل کرنا نہیں چاہتے تھے اور اسی وجہ سے وہ لوگ اپنے نسب ناموں کو یاد رکھنا قریباً اپنا فرض سمجھتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ ہر ایک قوم نہیں بلکہ ہر ایک قبیلہ اپنا اپنا جدا جدا نام رکھتا تھا اور اُس ذریعہ سے ہر ایک شخص اپنی قوم اور قبیلہ کو بہ خوبی جانتا تھا اور اپنے حسب نسب پر بے انتہا فخر کرتا تھا اور جس طرح کہ پرانی قوموں ''سکنڈنیوین'' اور ''سلٹک''

کے هاں کڑ کیٹ هوتی تهی ، اسی طرح عرب کی قوموں میں بهی هوتی تهی جن کا لڑائیوں میں مردانه اشعار پڑهنا اور لڑنے والوں کو اُن کے حسب نسب کا جتلانا جنگی باجے کا کام دیتا تها[1] ۔

جو کچھ که میں نے عرب کی ملکی روایتوں کی نسبت بیان کیا هے اُس کی تائید رورنڈ مسٹر فارسٹر کے بیان سے هوتی هے ۔ اُنهوں نے عرب کا ایک جغرافیه لکها هے۔اُس میں وه لکھتے هیں که ”عربوں کی قدیمی اوضاع اور رسوم اور یادگاروں کی پابندی کو جو همیشه سے زبان زدِ خاص و عام هے ، تمام دلائل میں سب سے اول رکھنا مناسب هے ۔ کیوں که اس بات پر سب کا اتفاق هے ، که ان کے قومی خاصوں میں سے یه خاصه سب سے متقدم هے ۔ ایک اور تعجب انگیز مثال عرب کی اس پابندی کی قدامت اور رفاقت کی کرنیل چنی نے اس طرح بیان کی هے که عجل عربوں کا ایک گروه بغداد کے قریب خیمه زن هوا ۔ میں اُن کے خیمه گاه کی سیر کے واسطے گیا ۔ اُن خیموں کے بیچ میں شاهی نشان اسپین کا لهراتا هوا دیکھ کر مجھ کو کمال حیرت هوئی اور ایک عربی خیمه میں تین دهاریوں کی علامتوں کو

---

۱۔ همارے ملک میں جو هندو قومیں آباد هیں اُن کے حالات پر غور کرنے سے اور اس بات کے دیکھنے سے که باوجود اس کے که هزارها برس اور مختلف حکومتیں اُن پر گذر گئیں هیں مگر اُن کی جدا جدا قومیں آج تک ممکن طرح پر محفوظ هیں اور هر ایک اپنی قوم اور اپنی گوت یعنی قبیله سے بخوبی واقفیت رکھتا هے اور آج تک اُن کے معزز لوگوں کے هاں بهاٹ اور کرکیٹ موجود هیں ۔ عرب کی قدیم قوموں کے حالات کا نقشه بخوبی سمجھ میں آ سکتا هے اور هر شخص خیال کر سکتا هے که اسی طرح انهوں نے اپنی قوم اور قبیله کو علیحده علیحده محفوظ رکها تها ۔ (سید احمد)

دیکھ کر میں نے اُن کا حال دریافت کرنے کی کوشش کی ۔ ایک نہایت بڈھے آدمی نے مجھ سے کہا کہ جب کہ ان کے آبا و اجداد بربر کے ملک میں گئے تھے اور وھاں سے اسپین کی فتح کے واسطے روانہ ھوئے اُس وقت خلیفہ نے اُن کی خدمات کے بدلے میں قبیلہ عجلؔ کو شاھی نشان اسپین کا بہ طور جھنڈے کے عطا فرمایا تھا ۔ ڈین پریڈو نے عرب کی رسم و رواج کی نسبت اس طرح پر لکھا ھے ، کہ قوم عرب دنیا مین سب سے زیادہ قدیم قوم ھے جو اپنے مورثانِ اعلیٰ کے زمانہ سے آج تک نسلاً بعد نسلٍ اپنے ملک مین رھتی چلی آئی ھے اور جس قدر کہ عرب اپنی رسم و رواج میں تغیر و تبدل کو ناپسند کرتے ھین اُسی قدر ملک کے ناموں کے بدلنے کو ناپسند کرتے ھین ۔ اسی وجہ سے اکثر مقاموں کے وھی نام بہ دستور چلے آتے ھین جو ابتداء میں رکھے گئے تھے ۔ اسی وجہ سے ملک مصر کے قدیمی دارالسلطنت کے رھنے والے جو مصری کہلاتے تھے اور بعد کو زمانۂ دراز تک بنام ممفس مشہور رھے ، عربوں کے تسلط کے زمانہ سے پھر مصری کہلانے لگے اور جب سے برابر یہ نام چلا آتا ھے ۔ یہ مثالین من جملہ اُن بے شمار مثالوں کے ھین جو علامہ ڈین نے بیان کی ھین ۔ پروفیسر رالنسن کا بیان ھے کہ فلسطین مین ایک اور قسم کی قدیمی روایت ھے ، جس سے کہ کنیسوں کو کچھ علاقہ نہیں ھے، یعنی عوام الناس مین مقاموں کے قدیمی ناموں کا بہ جنسہ چلا آنا ۔ فی الحقیقت یہ قومی اور دیسی روایت ھے جو کسی طرح پر اجنبی کنیسوں اور اجنبی حکام کے اثر سے پیدا نہیں ھوئی ھے ۔ بلکہ انھوں نے اپنی ماں کے دودھ کے ساتھ اس کو پیا ھے اور سمٹک زبانوں کی طبیعت میں استحکام کے ساتھ گھر پکڑ گئے ھیں۔ مقامات کے عبری نام انجیل کے زمانے کے بہت عرصہ بعد تک اپنی آرمینین

شکل میں مروج رہے اور باوجود اس کے کہ یونانی اور رومیوں نے اپنی اپنی زبانوں کے ناموں کی ترویج کے لیے کوششیں کیں مگر عوام الناس کی زبان پر وہی پرانے نام جاری رہے"۔

غرض کہ ملک عرب کی ملکی روایتیں نہایت عمدہ اور صحیح ذریعہ ملک عرب کے حالات دریافت کرنے کا ہے ۔ اُن کی رسوم کا علم مندرجہ ذیل امور سے معلوم ہو سکتا ہے ۔ میدانِ جنگ میں کوئی جنگ آور بدون اس کے کہ حریف سے اپنا حسب و نسب باواز بلند بیان کرے ، تنہا لڑائی میں مشغول نہیں ہوتا تھا ۔

کسی عام مہم میں ہر شخص اپنے ہی قوم کے سردار یا رئیس کے جھنڈے کے نیچے قیام کرتا تھا ۔ بعض اوقات جب کہ کسی قوم کے کسی آدمی سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا تو اُس کی پاداش میں اُس ساری قوم کے لوگوں کو جرمانہ دینا پڑتا تھا جو اب شرع میں بہ لفظ الدیت علی العائلہ مستعمل ہے ۔

اس قسم کی رسوم کا نتیجہ یہ ہوا ۔ کہ عرب کے لوگوں کو اپنی قوم کو چھوڑ کر دوسری قوم میں جا ملنا غیر ممکن ہوگیا تھا اور اسی بناء پر جزیرہ عرب کے مختلف اقطاع پر تقسیم ہونے کی روایتوں پر کما حقہ اعتبار قائم ہوا اور برقرار رہا ۔ اب ہم عربوں کی اُس مشہور و معروف پابندی کو جو اپنی قومی اطوار اور عادات اور اپنے بزرگوں کی رسوم کے ساتھ رکھتے ہیں ، بیان کرکے سوال کرتے ہیں کہ اس بات کا یقین کرنا کس طرح سے ممکن ہے کہ ایسی قوم پر جو تغیر و تبدل کے اس قدر برخلاف ہو اور مزیدے براں قبیلوں کے سخت اختلافات کی نسبت اس قدر محتاط ہوں۔ مندرجہ ذیل شبہات کرنے کے لیے کافی وجوہ ہیں ، یعنی ایسے شبہات کے لیے جن کی تائید کے واسطے کوئی دلیل نہیں ہے ۔ بلکہ ایک طرف دار مصنف کے

خیالی شوشے ھیں ۔ مثلاً یہ کہنا کہ بنی عملیق اور بنی نبات میں
ھم کو ایسو اور اسماعیل کی اولاد صاف صاف نظر آتی ھے اور
اس بات کا فرض کر لینا کچھ ضرور نہیں ھے کہ اُن کے انساب کا
علم یا روایت خود اُن قوموں میں بہ جنسہٖ چلی آتی ھے بلکہ
فتح کے انقلابات اور دوسری قوموں کے ساتھ خلط ملط ھونے سے
یہ بات بالکل بعید از عقل معلوم ھوتی ھے کہ ایسی وحشی
قوم کے پاس جن کے پاس کوئی تحریری یادداشت نہیں ھے اُن کو
اپنے نسب کی واقفیت اتنی صدیوں تک محفوظ اور برقرار رھی ھو
مگر اس معترض کو ھمارے اوپر کے بیان سے ثابت ھوگیا ھوگا ۔
کہ یہ امر نا ممکن نہ تھا بلکہ درحقیقت اسی طرح پر واقع ھوا ،
جیسا کہ بیان ھوا ھے ۔

حضرت اسماعیل اور حضرت ھاجرہ کی سکونت عرب میں ۔

اب یہ بات غور کرنے کے قابل ھے کہ
حضرت اسماعیل اور حضرت ھاجرہ کی سکونت
کے باب میں ملکی اور قومی دونوں طرح کی
روایتیں نہایت معتبر ذریعہ سے ھمارے زمانے تک پہنچی ھیں اور
وہ ایسی روایتیں ھیں کہ جن کو تمام قوم نے بلا تامل صحیح مان
لیا ھے پھر ھم کس طرح کسی عیسائی طرف دار مصنف
(سر ولیم میور) کے محض بے دلیل بیانات کو صحیح اور معتبر
تصور کر سکتے ھیں جس کا یہ بیان ھے کہ ”یہ روایت ایک
کہانی ھے یا توریت سے اخذ کرکے تحریر کر دی گئی ھے“ مگر
جس وقت کہ اس عالی رتبہ مصنف نے یہ بیان کیا اُن کو معلوم
نہ ھوگا کہ خود توریت ھی سے حضرت ابراھیم کے نسب کی
بابت اُس روایت کی تائید ھوتی ھے ۔ اس کے بعد مصنف موصوف
نے کم سن اسماعیل اور اُن کی بے کس ماں کی سکونت کی اصلیت
کی نسبت اس طرح پر قیاس دوڑایا ھے کہ ” بنی اسماعیل اور

عمالیق کی قومین جزیرۂ عرب کے شمال اور وسط مین پھیلی ہوئی تھین ۔ غالباً یہی لوگ مکہ کے اصلی متوطن ہون گے یا زمانہ سابق مین یمن کے لوگون کے شمول مین وھان آ بسے ہون گے ۔ اُس کے بعد ایک فرقہ بنی اسماعیل خواہ نباتی خواہ کسی ہم نسل خاندان کا وھان کے کنوؤن اور کاروانی تجارت کے دل پسند موقع کے لالچ میں وھاں چلا گیا ہوگا اور بہت ذی اختیار ہوگیا ہوگا ۔ یہ فرقہ اپنی ابراھیمي نسب کی پرانی روایتون کو اپنے ساتھ لے گیا ہوگا اور مقامی اوھام اور اعتقادات پر خواہ وہ اُسی ملک کے ہون یا یمن سے لائے گئے ہون ۔ ان کو منقش کر دیا ہوگا ۔"

ان قیاسی باتون کی غلطی اس طرح پر ظاھر ہوتی ہے کہ حضرت اسماعیل کی عمر جب کہ اُن کے باپ نے اُن کو گھر سے نکالا تھا توریت کے مطابق سولہ[1] برس کی تھی اور یہ عمر ایسی تھی کہ جو روایتیں اُنھوں نے اپنے والد سے سنی تھین اُن کے سمجھنے اور تمیز کرنے اور یاد رکھنے کے قابل تھے ۔ اس کے سوا وہ ھمیشہ اور متواتر اپنے والد سے ملاقات کرتے رھے اور حضرت ابراھیم بھی اکثر ان کے پاس آتے جاتے تھے ۔ انجام کار

---

۱۔ جب حضرت اسماعیل پیدا ہوئے تو حضرت ابراھیم کی عمر چھیاسی برس کی تھی (سفر تکوین باب ۱۶ ورس ۱۶) ، اور جب حضرت اسحاق پیدا ہوئے تو حضرت ابراھیم کی عمر سو برس کی تھی (سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۵) اور حضرت ابراھیم نے حضرت اسماعیل کو حضرت اسحاق کے دودھ چھٹنے کے زمانہ میں گھر سے نکال دیا تھا ۔ اس حساب سے حضرت اسماعیل جب کہ جلا وطن ہوئے تھے سولہ برس کے تھے حضرت ابراھیم کا ایک سو پچھترویں برس کی عمر میں انتقال ہوا تھا اور حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق دونوں نے مل کر کمپیلا کے غار میں دفن کیا تھا (سفر تکوین باب ۲۵ ورس ۹) اس لیے حضرت اسماعیل کی عمر اس وقت نواسی برس کی تھی ۔ (سید احمد)

سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ حضرت اسماعیل جن کی عمر اس
وقت نواسی برس کی تھی بروقت وفات حضرت ابراهیم اپنے
والد کے اُن کے پاس موجود تھے ، یہ سب باتیں ہر ذی فہم اور
غیر متعصب شخص کے ذہن نشین کرنے کو کافی ہوں گی کہ
یہ تمام روایتیں جو مختلف اقوام عرب میں اس قدر شائع ہیں۔
لوگوں کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل سے پہنچی ہیں اور
یہ امور ایسے بدیہی اور ذہن نشین ہونے کے لائق ہیں کہ اگر
پھر کوئی شخص براہ جرأت یہ کہے کہ یہ روایتیں یہودیوں کی
وساطت سے پہنچی ہیں - تو اس کو سن کر کچھ کم تعجب
نہ ہوگا - مگر تعجب اس بات پر آتا ہے کہ مصنف موصوف نے
اپنے قیاسی خیال کے ثابت کرنے کا ادعا کیا ہے اور یہ لکھا ہے
کہ "مگر اُن بنی اسرائیل کو جو توریت پڑھتے ہیں صرف نام
اور مقام ہی سے اس نسب کا احتمال عائد ہوتا ہے اور یہودی
مصنفوں میں ، الہامی ہوں خواہ غیر الہامی ہم کافی اظہار اس
امر کا پاتے ہیں کہ ایسا خیال درحقیقت کیا گیا تھا - یہ قدرتی
استنباط خود اُن قوموں میں جن سے وہ علاقہ رکھتا تھا قرب و جوار
کے یہودیوں کے ذریعے سے وقتاً فوقتاً شائع ہوگیا ہوگا اور اُن
بے جوڑ روایتوں کے غیر مکمل آثار کو جو ہنوز اُن کے تخیلات
اور اُن کی عادات اور اُن کی زبان میں موجود تھے تقویت
دے دی ہوگی - "

اگرچہ اس رائے کی غلطی اوپر کے بیان سے بہ خوبی ظاہر
ہوگئی ہے مگر عرب کی قوموں کی عادت پر خیال کرنے سے
اس رائے کی اور زیادہ غلطی ظاہر ہوتی ہے - عرب کے
قدیم رہنے والوں نے اپنی جبلی عادت کے موافق اپنی اصلی
روایتوں میں کوئی نئی روایت اضافہ نہیں کی تھی اور تمام غیر

قوموں سے بالکل علیحدہ رہتے رہے یہاں تک جب حضرت اسماعیل اور اُن کے همراهی وهاں آ کر آباد هوئے تو قدیمی عرب اُن کو نظرِ حقارت سے دیکھتے تھے اور ذلیل لقب ''مستعربہ'' سے اُن کو ملقب کیا تھا ۔ آں حضرت صلعم کی بعثت سے پہلے بنی اسرائیل اور خصوصاً اهلِ عرب بنی اسماعیل کو همیشہ دو مختلف قومیں سمجھتے رہے اور قدیم عرب نے اپنی قدیمی روایتوں کا اُن سے مبادلہ نہیں کیا اور بنی اسرائیل کے پاس عرب کی قوموں اور عرب کے انبیاء کی نسبت زبانی خواہ تحریری کوئی روایت نہ تھی ۔

آں حضرت صلعم نے جب یہ بات فرمائی کہ جمیع انبیاء بنی اسرائیل برحق نبی تھے اور اُن پر ایمان لانا چاهیے ۔ اُس وقت بنی اسرائیل کی اور اُن کے نبیوں کی روایتیں اور قصے عرب کی روایتوں اور قصوں میں مخلوط هوگئے ۔ لیکن جو کہ بنی اسرائیل کے هاں عرب کی کچھ روایتیں نہ تھیں اس وجہ سے عرب کی روایتیں بجائے خود بہ جنسہ برقرار رهیں ۔

تمام نئے آباد هونے والے جو وقتاً فوقتاً عرب میں آباد هوئے اور قدیم متوطنان عرب نے تین نام حاصل کیے تھے ۔ اول عرب البائدہ ، یعنی صحرائی عرب ۔ دوم عرب العاربہ ، یعنی قدیمی عرب ۔ سوم عرب المستعربہ یعنی عرب میں نئے آباد هونے والے جو بہ سبب زمانہ دراز کی سکونت کے عرب بن گئے تھے یہ تین بڑی تقسیمیں قریب قریب تمام باشندگان عرب پر حاوی هیں ، خانہ بدوش بدووں سے لے کر اُن قدرے شائستہ قوموں تک جو کنارہ کے برابر برابر آباد هیں اور معہذا قدیم باشندگان عرب اور جدید باشندگان عرب کے درمیان تمیز بھی قائم رکھتے هیں ۔ اس لیے هم مناسب سمجھتے هیں کہ عرب کے باشندوں کا ان مذکورہ بالا تین عام قسموں کے مطابق علیحدہ علیحدہ بیان کریں ۔

# اول

## عرب البائدہ یا خانہ بدوش صحرائی عرب کی قومیں

عرب البائدہ میں سات شخصوں کی اولاد کی سات مختلف گروہیں شامل ہیں: (۱) کوش پسر حام پسر نوح کی اولاد (۲) عیلام پسر سام پسر نوح کی اولاد (۳) لود پسر سام پسر نوح کی اولاد (۴) عوص پسر ارم پسر سام پسر نوح کی اولاد (۵) حول پسر ارم پسر سام پسر نوح کی اولاد (۶) جدیس پسر گژ پسر ارم پسر سام پسر نوح کی اولاد (۷) ثمود بسر گژ پسر ارم پسر سام پسر نوح کی اولاد۔

کوش کی اولاد خلیج فارس کے کنارے پر اور اس کے قرب و جوار کے میدانوں میں آباد ہوئی۔

جرھم پسر عیلام بھی اسی طرف جا کر رود فرات کے جنوبی کناروں پر سکونت پذیر ہوا۔

لود کے جو ان میں سے تیسرا مورث اعلیٰ ہے تین بیٹے مسمیان طسم، عملیق، امیم تھے۔ جنھوں نے اپنے آپ کو تمام مشرقی حصہ عرب میں یابہ سے لے کر بحرین اور اس کے گرد و نواح تک پھیلا دیا۔

عوص پسر عاد اور حول دونوں نے ایک ہی سمت اختیار کی اور جنوب میں بہت دور جا کر حضرموت اور اس کے قرب و جوار کے میدانوں میں اقامت اختیار کی۔

جدیس پسر گژ پسر ارم پسر سام عرب الوادی میں آباد ہوا۔

ثمود پسر گژ پسر ارم پسر سام نے عرب الحجر میں اور اس میدان میں جو وادی القرے کے نام سے مشہور ہے اور ملک شام کی جنوبی

اور ملک عرب کی شمالی حد ہے ، رهنا اور قبضه کرنا پسند کیا ۔

عربی جغرافیه دانوں نے جو کچھ اپنی تصنیفات میں نسبت عرب البائده اور اُن کے مقامات سکونت کے لکھا ہے ، اُس کا انتخاب ذیل میں لکھتے هیں ۔ جن سے اُن امور کی جو هم نے اوپر بیان کیے هیں تصدیق هوتی ہے ۔

قال القاضی صاعد ابن احمد الا ندلسی صاحب قضاء مدینة طلیطلة ۔۔۔۔ ان العرب البائده فکانت امما ضخمة کعاد و ثمود و طسم و جدیس و لتقادم انقرا ضهم ذهبت ان حقایق اخبارهم و انقطعت عنا اسباب العلم بآثارهم ۔

اما جرهم فهم صنفان جرهم الا ولیٰ و کانوا علی عهد عادفبادوا و درست اخبارهم و هم من عرب البائده ۔ ابوالفدا ۔

سکنت بنوطسم الیمامة الی البحرین ۔ ابوالفدا

سکنت بنوعاد الرمل الّتی حضر موت ۔ ابوالفدا

و بلاد عاد یقال لها الاحقاف و هی بلاد متصله بالیمن و بلاد عمان ۔ ابوالفدا ۔

والی عادا خاهم هوداً وهو عاد بن عوص بن ارام بن سام وهم عاد الا ولیٰ کانت منازل قوم عاد بالاحقافه وهی رمال بین عمان و حضر موت ۔ معالم التنزیل ۔

سکنت ثمود الحجر بین الحجاز و الشام ۔ ابوالفدا

کانت مساکنهم بالحجر بین الحجاز و الشام

الی وادی القری ۔ معالم التنزیل ۔

الحجر بالکسر ثم السکون والراء اسم دیار ثمود بوادی القریٰ بین المدینة و الشام کانت مساکن ثمود وهی بیوت منحوتة فی الجبال مثل المغایر تسمی تلک الجبال الا ثالیب کل جبل منقطع عن الاخر یطاف حوله وقد نقرفیه بیوت و نقر علٰی قدر الجبال التی تنقر فمها و هی بیوت فی غایة الحسن فیها نقوش و طیقان محکمة الصنعة و فی وسطها بیرالتی کانت تردها الناقة ۔ مراصد الا طلاع علٰی اسماء الامکنة والبقاع ۔

الحجر بکسر الحاء و سکون الجیم والراء دیار ثمود بواد القریٰ بین المدینة و الشام مشترک یاقوت الحموی ۔

قال ابن حوقل و الحجر بین جبال علٰی یوم من وادی القری اقول لم یحصل ذلک فان بینهما اکثر من خمسة ایام قال وکانت دیار ثمود الذین قال الله عنهم و ثمود الذین جابوا الصخر بالواد قال رایت تلک الجبال و مانحت منها کما اخبر الله تعالٰی و تنحتون من الجبال بیوتا فارهین و تسمٰی تلک الجبال الاثالیب اقول و هی التی ینزلها حجاج الشام و هی عن العلی علی نحو نصف مرحلة من جهة الشام ۔ تقویم البلدان ۔

و وادی القری فهو بادیة الجزیرة وما کان من بالس الٰی ایلة مواجها للحجاد معارضا لارض بتوک فهو بادیة الشام ۔ تقویم البلدان ۔

اب کہ ہم نے اس مقام پر ایک کامل فہرست سات مختلف اقوام عرب البائدہ کے مورثانِ اعلیٰ کی لکھ دی ہے اور اُن مقامات کو بھی بیان کر دیا ہے جہاں جہاں یہ مختلف قومیں آباد ہوئیں - تو اب ہم حتےٰ المقدور ان شعبوں اور شاخوں کی تفصیل بیان کریں گے جو اُن قوموں سے پیدا ہوئی ہیں :

اوّلاً - بنی کوش ، کسی عرب کے مؤرخ نے بنی کوش کا کچھ حال نہیں بیان کیا - سب کے سب خاموش ہیں اور اس سبب سے اُن کے حالات کچھ دریافت نہیں ہوئے - اسی بناء پر جارج سیل اور اُنہیں کی مانند اور انگریزی مصنفوں نے بیان کیا ہے کہ "کوش کی اولاد عرب میں آباد نہیں ہوئی تھی"- نویری نے اپنے جغرافیہ میں ایک یہ فقرہ لکھا ہے - "و ملک شرجیل علی قلیس و تمیم" اس فقرہ میں نویری نے بنی کوش کا ذکر بہ شمول بنی تمیم کے کیا ہے جس سے وہ حصہ سلطنت کا مراد ہے جو الحارث نے اپنے دوسرے بیٹے شرجیل کو بخشا تھا - نویری کے اس فقرہ پر رورنڈ مسٹر فارسٹر یہ استدلال کرتے ہیں کہ مشرقی مؤرخ بنی کوش کو عرب کے رہنے والوں میں شمار کرنے سے خاموش نہیں ہیں - مگر رورنڈ مسٹر فارسٹر کو اس میں کسی قدر دھوکا ہوا ہے کیوں کہ نویری کے فقرہ سے کسی طرح یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ بنی قیس اور بنی کوش ایک ہی خاندان میں یعنی حام کی اولاد میں ہیں - مشرقی مؤرخوں نے جو بنی کوش کا کچھ ذکر نہیں کیا اس کی وجہ ظاہرا یہ معلوم ہوتی ہے کہ خود مشرقی مؤرخ دھوکے میں پڑ گئے ہیں کیوں کہ کوش کی اولاد جو مشرق میں آباد ہوئی تھی اور یقطان کی اولاد جو جنوب کی طرف یمن اور اس کے گرد و نواح میں آباد ہوئے تھے اُن دونوں کے ناموں

میں ایک طرح کی مشابہت پائی جاتی ہے اور اس سبب سے مشرق مؤرخوں نے دھوکے کھا کر تمام واقعات و حوادث کو جو بنی کوش سے متعلق تھے بنی یقطان سے متعلق سمجھ لیا اور اُن تمام واقعات اور جوادث کو بنی یقطان کی طرف منسوب کر دیا ۔

مگر رورنڈ مسٹر فارسٹر[1] نے بڑی کوشش اور تلاش سے اور بڑی صحت اور قابلیت سے نہایت معتبر اور مستند حوالوں سے

---

۱ - یہ ایک عام اور مسلم رائے ہے کہ سباپسر کلاں کوش نے پہلے وہ حصہ وادی القرے کا آباد کیا جو دریائے فرات کے ملحق ہے اور یہ رائے بہ‌ظاہر وجوہات ذیل پر مبنی ہے ۔ ضلع مذکور کا '' خوزستان '' یعنی کوش کے اصلی وطن کے قریب واقع ہونا ۔ زمانہ ما بعد میں شہر '' سبی '' اور قوم سبا کا سرحد '' خالدیہ '' پر موجود ہونا - کوشی ناموں اور خاندانوں ، حویلاہ ، ستباہ ، راماہ ، دودان ، کا خلیج فارس کے کنارہ پر مسلسل سلسلہ میں واقع ہونا اور سب سے اخیر یہ کہ اشعیاہ نبی کی کتاب کے دو مقاموں میں کوش اور '' سبا '' کا ساتھ ساتھ بیان ہونا جس سے پایا جاتا ہے کہ '' سبا '' ''خوزستان'' سے ملحق ہے ۔ ''راس سنڈم'' کے قریب جس کو بطلیموس نے '' راس اسابی '' کرکے لکھا ہے : ہم مسٹر سیل کے نقشہ میں شہر '' کشکان '' جو توریت کے '' کشام '' کے مرادف ہے ، پاتے ہیں - بحر عمان کے اسی کنارہ پر '' عمنان '' یا '' عمان '' اور '' تامر '' یا '' سیب '' اور '' سوبا '' شہروں کے درمیان میں ہم ایک ساحل پاتے ہیں جس کو '' پلینی '' نے سواحل '' حام جو بالفعل '' ''ماحام'' کہلاتا ہے اس خاکنائے کے مقابل کی اطراف پر جو '' راس مسنڈم '' میں منتہی ہوتی ہے اور ''خلیج فارس'' کے دھانہ کے اندر شہر اور ضلع '' رعماہ '' جس کو یونانی ترجمہ توریت میں '' رغمہ '' اور بطلیموس نے '' رغامہ '' لکھا ہے پایا جاتا ہے ۔ خلیج کے باہر شہر اور ضلع ''دوان'' یا '' دوانہ '' کا پتہ ملتا ہے اور توریت میں جو '' دوان '' چھوٹے بیٹے '' رعماہ '' کا ذکر ہے اُس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے (فارسٹر صاحب کا جغرافیہ عرب صفحہ ۳۸) ۔ (سید احمد)

اس امر کو بیان کیا ہے کہ بنی کوش درحقیقت عرب میں خلیج فارس کے کنارہ کے برابر برابر آباد ہوئے تھے اور مشرقی کنارہ کے مختلف شہروں کے ناموں کا ان ناموں سے مقابلہ کرکے جو بطلیموس نے لکھے ہیں اپنے دعویٰ میں قطعی کامیابی حاصل کی ہے۔ لیکن مصنف موصوف نے جب کہ بنی کوش کو تمام جزیرہ عرب میں اور خصوصاً یمن اور خلیج عرب کے کناروں پر پھیلا دینے کی کوشش کی ہے تو اس کی دلیلوں میں ضعف آجاتا ہے اور اسی دھوکے میں پڑ جاتا ہے۔ جس میں مشرقی مؤرخ پڑ گئے تھے اور اسی سبب سے یمن تک پہنچنے پر اس کی بحث بدرجۂ غایت مہمل اور بے معنی ہو گئی ہے اور صرف ایک ناکارہ سلسلہ خیالی اور وھمی استنباطوں کا خیال کی جا سکتی ہے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ ''نمرود'' کے سوا جس کا ذکر تنہا کتاب مقدس میں کیا گیا ہے۔ اور اس سبب سے ہم کو یہ مستنبط کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ آباد نہ ہوا تھا باقی اولاد کوش کی جن کے نام سبا، حویلاہ، سبتاہ، رعماہ، سبتکا، تھے اور رعما کے بیٹے یعنی شبا اور دوان سب خلیج فارس کے کنارے آباد ہوئے تھے۔ ہم اس امر سے انکار کرنا نہیں چاہتے۔ کہ کوش کی اولاد میں سے کوئی جزیرۂ عرب کے اور اقطاع کی جانب بھی چلے گئے ہوں اور وہاں سکونت اختیار کی ہو، مگر ہم نے رورنڈ مسٹر فارسٹر کی جن دلیلوں کو لغو اور مہمل اور وھمی اور خیالی بیان کیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مصنف موصوف کو بنی کوش کے مقامات سکونت کی تحقیق میں کوئی ایسا مقام مل جاتا ہے۔ جس میں ذرا سی بھی مشابہت کوشی ناموں سے ھجوں میں یا صرف ایک حرف ھی کی مطابقت پائی جاتی ہے تو وہ اس مقام کو کوش کی اولاد کے متعلق کر دینے میں ذرا

بھی دریغ نہیں کرتا حالاں کہ بنی کوش کے اکثر نام ایسے ہیں جو بنی یقطان کے ناموں سے جو یمن میں رہتے تھے مشابہت تامہ رکھتے ہیں ۔

کتب مقدسہ کے لکھنے والوں نے بنی کوش کی وجہ سے تمام ملک عرب کو بنام ارض کوش یا اتھوپیا سے موسوم کیا ہے ۔ اور اس امر کے ثابت کرنے کو رورنڈ مسٹر فارسٹر نے نہایت مضبوط اور قابلانہ دلیلیں پیش کی ہیں ۔ وہ لکھتے ہیں کہ "توریت اور انجیل کے تاریخی جغرافیہ کے انگریزی ترجمہ میں الفاظ" "اتھوپیا" اور "باشندگان اتھوپیا" اکثر مستعمل ہوئے ہیں اور اُن کی جگہ عبرانی توریت میں اسم معرفہ کوش واقع ہوا ہے ۔ اور یہ لفظ کوش جب کہ کتاب مقدس میں اس طرح مستعمل ہوا ہے تو اس سے ہمیشہ ایشیائی اتھوپیا یعنی عرب مراد لیا گیا ہے نہ کہ افریقی اتھوپیا ، چند مصرح ورسوں کے مقابلہ کرنے سے یہ امر بہ خوبی واضح ہو جاتا ہے ۔ چناں چہ کتاب اعداد باب ۱۲ ورس ۱ میں لکھا ہے کہ مریام اور ہارون نے حضرت موسیٰ سے اُس اتھوپین (عبرانی میں ہے کوشی) عورت کی وجہ سے جس کے ساتھ اُنھوں نے شادی کی تھی گفتگو کی ، اس لیے کہ اُنھوں نے ایک اتھوپین (عبرانی میں ہے کوشی) عورت سے شادی کی تھی ۔ اور کتاب خروج باب ۲ ورس ۱۵ اور ۲۱ سے یہ امر محقق ہے (اور ہم حضرت موسیٰ کے دوسرے نکاح کے فرض کرنے کے واسطے کوئی دلیل نہیں پاتے) کہ ایک مدیانی عورت تھی یعنی حضرت ابراہیم کی اولاد میں بنی قطورہ کے سلسلہ میں تھی ۔ اور یہ امر بھی متحقق ہے کہ "مدیان" یا "مادیان" عرب میں بحر احمر کے کنارے پر ایک شہر یا ملک تھا ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی

بی بی ایک عرب کی عورت تھی اور اسی وجہ سے عبرانی لفظ کوشی کا ترجمہ لفظ اتھوپین کے ساتھ ٹھیک نہیں ہوا ہے تا وقت یہ کہ اس سے ایشیائی اتھوپیا عرب مرد نہ لیا جاوے۔ کیوں کہ افریقی اتھوپیا اس سے کسی طرح مراد نہیں لیا جا سکتا" (فارسٹر صاحب کا تاریخی جغرافیہ عرب صفحہ ۱۲)۔

ان دلیلوں سے کسی طرح شک اور شبہ نہیں رہتا کہ کتاب مقدس کے انگریزی ترجمہ میں جو لفظ کوش کا اتھوپیا ترجمہ کیا گیا ہے۔ وہ دو مختلف مقاموں پر مستعمل ہوا ہے۔ افریقی اتھوپیا پر اور ایشیائی اتھوپیا یعنی عرب کے ایک حصہ پر یا خود ملک عرب پر اور یہ ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے کیوں کہ اس سے کتب مقدسہ کے بہت سے مشکل مقامات کے حل ہونے میں مدد ملے گی۔

ثانیاً۔ عیلام یا جرہم الاولیٰ۔ جو کہ یہ قوم بنی کوش کے مقابلہ میں کچھ نام آور نہیں ہوئی اس لیے اس کی نسبت بجز اس کے کہ بنی کوش سے قرابت رکھتی تھی اور انھیں کے ساتھ رہتی تھی اور کچھ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا۔

ثالثاً۔ لود، اس کے تین بیٹے تھے، طسم، عملیق، امیم یہ لوگ بھی عیلام کی اولاد کی مانند کچھ اولوالعزم اور نام آور نہ تھے اس لیے ان کا حال بھی بہت کم معلوم ہے۔ مگر ان کے آثار ساحل خلیج فارس کے بعض مقاموں کے ناموں میں پائے جاتے ہیں مثلاً دریائے عمنان (جس کو پلینی نے عمان لکھا ہے) اور "ھمائیم" جو امیم کے نام سے جو لوہ کا تیسرا بیٹا تھا ماخوذ کیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ الف ھائے ہوز سے بدل جاتا ہے۔ جیسے اود سے ہود اور اجر سے ھاجرہ ہو گیا جو حضرت اسماعیل کی ماں کا نام تھا۔ رورنڈ مسٹر فارسٹر نے

اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش میں کہ عمنان یا همنان زمانہ حال کے عمان سے علاقہ رکھتا ھے غلطی کی ھے کیوں کہ سفر تکوین باب ۱۹ - ورس ۳۸ سے پایا جاتا ھے کہ حضرت لود کی چھوٹی بیٹی نے (ھمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ھے کیوں کہ جن پر بیٹیوں کا لفظ اطلاق کیا گیا ھے وہ حضرت لود کی بیٹیاں نہ تھیں بلکہ لونڈیاں تھیں) بیٹا جنا اور اُس کا نام ”بن عمی“ رکھا گیا جس سے بنی عمون کی قوم مشہور ھوئی حال کا عمان ھمارے نزدیک اسی نام سے علاقہ رکھتا ھے -

رابعاً - عوص اور خامساً - حول ، ارم کے بیٹے تھے - ھم ان دونوں کا بیان بالاشتراک کریں گے ان کے آثار بھی آج تک اُن مقامات کے ناموں میں پائے جاتے ھیں جو خلیج فارس کے کنارے پر یا قرب و جوار کے میدانوں میں واقع ھیں - مثلاً عول اور حول ایک ھی نام ھیں - رورنڈ مسٹر فارسٹر نے عول کے اشتقاق میں بھی مغالطہ کیا ھے ، کیوں کہ ان کا بیان ھے کہ یہ لفظ حویلاہ نام کی ایک مختلف شکل ھے -

قومِ عاد اولیٰ | عادِ اولیٰ - پسر ”عوص“ نے بہت شہرت حاصل کی اور اس کی اولاد ایک نامی قوم ھو گئی اور تمام مشرقی اور جنوبی عرب کی مالک بن گئی - انھوں نے عالیشان مکان بھی بنائے - اور اور قوموں پر تحکم بھی حاصل کیا - اس قوم کے آدمی اپنی جسامت اور قوت اور شان میں اور قوموں پر فوق لے گئے تھے جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ھے :

عرب کے جنوب اور مشرق کے باشندے بہ نسبت اور لوگوں کے تنومند اور قدآور ھوتے تھے - اُن کی نسبت مسٹر رورنڈ فارسٹر نے ولسٹڈ صاحب کے سفر نامہ ملک عرب سے یہ بیان نقل کیا ھے وہ لکھتے ھیں کہ ”میں نے حجاز کے عربوں اور اُن

عربوں کی وضع جسمانی میں جو خلیج فارس کے کنارہ جانب غرب پر آباد ھیں ایک بڑا فرق مشاھدہ کیا ۔ اعراب سکنائے ساحل خلیج کا حلیہ یہ ھے کہ آن کے چہرے قریب قریب بیضوی کے ھیں کے بال عموماً سیاہ بالکل منڈے ھوئے ھوتے ھیں بھنویں بھی سیاہ ھیں اور کھال چمکتی ھوئی ھے اور ھندوستان کے باشندوں کی نسبت آن کا رنگ کسی قدر کھلا ھوا ھے ۔ سواحل بحر احمر کے قرب کے باشندے لاغر اندام اور پستہ قد ھوتے ھیں مگر قوی ھیں ۔ چہرہ کسی قدر لمبا رخسارے بے گوشت کے اور سر کے بالوں کو دو لمبی زلفوں کے سوا جو دونوں طرف ھوتی ھیں اور جن کی وہ نہایت درجہ خبرداری کرتے ھیں اس قدر بڑھاتے جاتے ھیں کہ کمر تک آ جاتی ھیں آن کا رنگ کسی قدر کھلا ھوا ھوتا ھے ۔

” بیسپی “ سے چار پانچ منزل جنوب اور مشرق کی جانب سرما کے موسم میں اعراب ” دواسر “ رھتے ھیں ۔ اور گرمیوں کے موسم میں نجد کے سرسبز چراگاھوں میں چلے جاتے ھیں جس کی سبب سے قریب سرحد صرف آٹھ منزل ھے ۔ یہ لوگ گھوڑے نہیں رکھتے مگر لڑائی میں وھابیوں کی کمک کے لیے تین ھزار شتر سوار بھیجتے ھیں ۔ اعراب ” دواسر “ طویل القامت اور قریب قریب سیہ فام ھوتے ھیں (سفر نامہ ملک عرب ضمیمہ جلد ۲ صفحہ ۳۸۵) مگر یہ عجیب اختلاف درازی اور رنگ میں گرد و نواح کی قوموں سے کچھ اعراب ” دواسر “ ھی کے ساتھ مخصوص نہیں ھے ۔ خلیج فارس کے عربوں میں بھی یہی بات پائی جاتی ھے اور آن اطراف میں بھی جہاں کہ علماء کے نزدیک شہر سبا آباد تھا ۔ کرنیل چسنی کا بیان ھے کہ خلیج فارس کے عرب خوش ھیئت ھوتے ھیں۔ اور طویل القامت اور سیہ فام ھونے

میں مشہور ہیں اور اُن دونوں باتوں میں اقوام خلیج عرب سے
بہ درجہا اختلاف رکھتے ہیں (فارسٹر صاحب کا تاریخی جغرافیہ
عرب صفحہ ۳۱) مگر رورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بات کے خیال
کرنے میں کہ صرف بنی کوش ہی طویل القامت تھے غلطی کی
ہے کیوں کہ تمام قومیں جو خلیج فارس کے کنارہ پر رہتی تھیں
اور جن کو ہم نے عرب البائدہ کے ذیل میں بیان کیا ہے نہایت
بلند قامت تھیں ۔ زمانہ حال تک بھی خلیج فارس پر ہم دو قسم
کے آدمی پاتے ہیں جو درازی قد میں برابر ہیں مگر رنگ میں
مختلف ہیں ایک تو سیاہ رنگ کے ہیں اور دوسرے ذرا اُجلے رنگ
کے ہیں ۔

رورنڈ مسٹر فارسٹر کتاب اشعیاہ بنی کی باب ۴۵ ورس ۱۴
کی عبارت کا حوالہ دیتے ہیں ۔ جس میں لکھا ہے کہ ''خداوند
چنین می فرماید کہ معمول مصر و تجارت حبش و اهل سبا کہ
مردمان بلند قد اندبتو عبور نمودہ از آن تو خواہند بود'' اور
اس بات کو کہ بنی کوش سب دراز قد تھے ۔ اسی ورس پر
مبنی کرتے ہیں ۔ مگر صاحب موصوف نے اس میں دو وجہ سے
غلطی کی ہے ۔ اول اس وجہ سے کہ جملہ ''مردمان بلند قد''
سے خواہ نہ خواہ یہ مراد لینی کہ وہ لوگ طویل القامت تھے
محض غلط ہے بلکہ ان لفظوں سے یہ مراد ہے کہ وہ لوگ معزز
اور اشراف تھے چنان چہ عربی ترجمہ جو اشعیاہ بنی کی کتاب کا
ہے اُس میں یہی معنی لیے گئے ہیں ۔ اور اُس کی عبارت یہ ہے ۔
'' ھذہ یقولہا العرب تعب مصر و تجارت الحبش
و سبایم رجال اشراف یبرون الیک'' دوم اس وجہ سے
کہ باشندگان سبا متذکرہ عبارت مذکور کا کوش کی اولاد میں
ہونا ضرور نہیں ہے کیوں کہ کتب مقدسہ میں بنی سبا کا اطلاق

اور قوموں پر بھی ہوا ہے مثلاً بنی سبا جن کا ذکر کتاب ایوب باب ۱ ورس ۱۵ میں آیا ہے اور جو دریائے فرات کے بنی سبا سے ہر طرح مشابہت رکھتے ہیں اور بہ لحاظ اپنے آبائی نام کے ہجوں کے قاعدہ کے موافق سبا پسر کلاں کوش کی اولاد نہیں ہے بلکہ اُن تین سباؤں میں سے کسی نہ کسی کی اولاد بیان کیے گئے ہیں جن کو حضرت موسیٰ نے من جملہ اُن سو خیلوں کے بیان کیا ہے۔ جنھوں نے ملک عرب کو یکے بعد دیگرے آباد کیا تھا''۔

عاد کے پیغمبر حضرت هود۔

اس قوم کی ہدایت کے لیے خدا تعالیٰ نے ایک نبی جن کا نام ہود تھا اور جن کا لقب سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۱۴ میں عیبر آیا ہے مبعوث کیا تاکہ خدائے برحق کی عبادت کی ترویج اور بتوں کی پرستش کا استیصال کریں۔ لیکن جب اُن لوگوں نے اُن کے احکام اور ہدایت سے سرتابی کی تو خدا تعالیٰ کا قہر جوش میں آیا اور تین برس کا قحط اُن پر پڑا اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ لوگ اس بات سے آگاہ ہو گئے کہ خدا کے پیغمبر کے احکام سے سرتابی کی یہ سزا ہے۔ اس پریشانی کی حالت میں حضرت ہود پھر تشریف لائے اور بت پرستی ترک کرنے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے کی از سر نو ہدایت کی اور اُس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر تم ایسا کروگے تو خدائے رحیم باران رحمت نازل کرے گا۔ مگر وہ اپنی گمراہی پر ثابت قدم رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن پر ایک سخت طوفان آندھی کا جو اُس کے قہر کی نشانی تھی نازل کیا یہ طوفان آندھی کا سات رات اور آٹھ دن تک تمام اُس ملک میں ایسے زور شور سے جاری رہا کہ ہزارہا آدمی ہلاک ہو گئے۔ اور تمام قوم کا باستثنائے ان چند اشخاص کے جنھوں نے حضرت ہود

کا کہنا مان لیا تھا قریباً قریباً استیصال کلی ہوگیا اور جو لوگ بچے آخر کو حضرت ہود پر ایمان لے آئے یہ واقعہ سنہ دنیوی کی اٹھارھویں صدی میں یا بائیسویں صدی قبل حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے واقعہ ہوا تھا ۔

## جھوٹے قصے جو قوم عاد کی طرف منسوب ہیں

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ قوم عاد کے ہر شخص کا قد بارہ ارش لمبا تھا یعنی اس زمانہ کے جو لوگ ہیں اگر اپنے دونوں ہاتھوں کو سیدھا پھیلا دیں تو ان کی لمبائی سے بارہ گنا زیادہ لمبا قد قوم عاد کا تھا ۔ بعض کتابوں میں ان کے قد کے لمبان کا اس سے بھی زیادہ مبالغہ کیا گیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی قوت کا یہ حال تھا کہ چلنے میں ان کے پاؤں زانو تک زمین میں دھس جاتے تھے ۔

انھوں نے جو اس ریگستان میں کوئی محل بنایا تھا اس کی نسبت بھی بہت زیادہ مبالغہ کیا گیا ہے اور عاد ثانی کی اولاد کے قصہ کو اس قوم کے ساتھ جو عاد اولیٰ کی قوم ہے خلط ملط کرکے اس خیالی باغ کو جس کا نام ایشیائی مؤرخوں نے "ارم" قرار دیا ہے ، اسی قوم کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ اس محل اور باغ کی زمین میں لعل اور یاقوت بچھے ہوئے تھے اور اس کی دیواریں سونے اور چاندی کی تھیں اور درخت زمرد اور یاقوت اور نیلم اور ہر قسم کے بیش بہا جواہروں سے بنائے گئے تھے اور زعفران بجائے گھاس اور عنبر بجائے مٹی کے تھا ۔

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ معاویہ ابن ابی سفیان کے زمانۂ خلافت میں ایک شخص اپنا اونٹ ڈھونڈھتا ہوا وہاں چلا گیا اور بے شمار جواہرات وہاں سے رول کر اپنی جھولی میں بھر

لایا اور جب معاویہ ابن ابی سفیان نے اُس جگہ دوبارہ جانے کا اور اُس جگہ کے تلاش کرنے کا حکم دیا تو بہت سی تلاش کرنے کے بعد بھی وہ جگہ پھر نہ ملی - خلیفہ نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے اُس کو انسان کی آنکھوں سے پوشیدہ کر لیا ہے -

بعض کتابوں میں حضرت علی مرتضیٰ کی نسبت اور اور بعض معتبر اشخاص کی نسبت ایک جھوٹا اتہام کیا ہے اور لکھا ہے کہ انھوں نے یہ بات کہی کہ خدا تعالیٰ نے اُس باغ اور محل کو جو قوم عاد نے تعمیر کیا تھا دنیا سے اُٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا ہے اور قیامت کے دن وہ بھی من جملہ اور آسمانی بہشتوں کے ایک بہشت ہوگی -

عاد اولیٰ کی قوم کی بنائی ہوئی عمارات کے باب میں جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے ، اس لیے کہ اس قوم نے کوئی عمارت قابل شہرت نہیں بنائی تھی - اُن کی عمارتیں مثل اور معمولی عمارتوں کے بڑی اور چھوٹی ہر قسم کی تھیں -

بہت سے مصنفوں اور مؤرخوں نے جو تمام عاد اولیٰ کی طرف عماراتِ عالی شان بنانا منسوب کرنے میں غلطی کی ہے اُس کی وجہ ظاهرا یہ معلوم ہوتی ہے - کہ انھوں نے قرآن مجید کی اس آیت کے جو ذیل میں مندرج ہے ، معنی سمجھنے میں غلطی کی ہے اور وہ آیت یہ ہے :

" الم ترکیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلها فی البلاد " -

یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ کس طرح پر کیا ، تیرے پروردگار نے ، قوم عاد کے ساتھ جو " ارم " کی اولاد تھے اور ایسے قد آور تھے کہ اُن کی مانند شہروں میں پیدا نہیں کیے گئے تھے -

لفظ " ذات عماد " سے جو اُن کا قد آور ہونا مراد لیا گیا ہے اس کا ثبوت دوسری آیت سے ہوتا ہے ، جو ذیل میں لکھی جاتی ہے اور جس میں اُن کے مردہ پڑے ہوئے جسموں کو درختوں کے اکھڑے ہوئے تنوں سے مشابہت دی ہے اور وہ آیت یہ ہے ۔

و اما عاد فا ھلکوا بریح صرصرعاتیۃ سخرھا علیھم سبع لیال و ثمانیۃ ایام حسوما فتری القوم فیھا صرعیٰ کانھم اعجاز نخل خاویۃ ۔

تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی کی مندرجہ ذیل عبارتوں سے دو امر کا بہ خوبی ثابت ہوتا ہے ۔ ایک یہ کہ " ارم " سے مراد " بنی ارم " ہے اور " ارم " عاد کا دادا تھا ، جس طرح کہ بنی ہاشم اپنے دادا ہاشم کے نام سے مشہور ہیں اسی طرح قوم عاد اپنے دادا ارم کے نام سے مشہور تھی اور عاد ارم کہلاتی تھی ۔ دوسرے یہ کہ لفظ " ذات العماد " سے اُن کا دراز قد اور قوی ہونا مراد ہے جس طرح کہ بعض ملکوں کے لوگ دراز قد اور قوی ہوتے ہیں ۔ کوئی خاص عجیب بات اُن میں نہیں تھی ۔ چناں چہ تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی میں اس طرح پر لکھا ہے ۔

" الم تر " تعلم یا محمد " کیف فعل ربک بعاد ارم " ھی عاد الاولیٰ فارم عطف بیان او بدل منع الصرف للعلمیۃ و التانیث " ذات العماد " ای الطوال ـ ـ ـ ـ ـ " التی لم یخلق مثلھا فی البلاد " فی بطشھم و قوت ھم " جلالین "۔

" الم تر کیف فعل ربک بعاد " یعنی اولاد عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح قوم ھود سموا

باسم ابیہم کما سمی بنو ھاشم باسمہ " ارم "
عطف بیان لعاد علٰی تقدیر مضاف ای سبط ارم
---- " ذات العماد " ای ذات البناء الرفیع القدر
والطوال و الرفعۃ و الشبات " بیضاوی " ۔

زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کا یہ دستور ہے کہ اس قسم کے
پرانے قصوں کو ایک مذہبی قصہ بنا لیتے ہیں اور اُس میں
عجیب و غریب باتیں ملا کر اُس کو تعجب انگیز اور حیرت خیز
کر لیتے ہیں ۔ جس طرح کہ ملٹن شاعر نے اپنی کتاب پیریڈائز لاسٹ"
کو ایک عجیب قسم کا مذہبی قصہ بنا لیا ہے اسی طرح
زمانۂ جاہلیت کے عربوں نے بھی قوم عاد کا ایک قصہ گھڑ لیا
ہے ۔ جس میں بیان کیا ہے کہ قحط کے دنوں میں قوم عاد نے تین
شخص مکہ میں اس غرض سے بھیجے تھے کہ خدائے تعالٰی سے
مینہ برسنے کی دعا مانگیں ۔ اُن تینوں میں سے ایک کا نام لقمان
تھا وہ تو مسلمان تھا اور باقی دو کافر تھے ۔ لقمان کی عمر سات
گدوں کی عمروں کے مجموعہ کے برابر تھی اور اسی سبب
سے لقمان بڑی عمر ہونے میں ضرب المثل ہوگیا ہے ۔ عام لوگوں
کا خیال ہے کہ گد کی عمر ہزار برس کی ہوتی ہے اور اس لیے
لقمان کی عمر اُس وقت سات ہزار برس کی تھی ۔ اسی قسم کے اور
بہت سے لغو اور بیہودہ قصے عاد کی قوم کی نسبت جاہلوں نے
بنا لیے ہیں ۔ جن پر اہلِ علم کو متوجہ ہونا یا مذہبی اعتراضات
کی بنا اُن قصوں کو قرار دینا نہایت لغو اور بیہودہ بات ہے ۔

سادساً - جدیس ، سابعاً ، ثمود جس کو عاد ثانی کہتے
ہیں یہ دونوں گثر پسر " ارم " بن سام بن نوح کی اولاد تھے ، جن
کا بیان ہم ایک ساتھ کرتے ہیں ۔

جدیس کا حال بجز اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوا ۔

کہ بیابان میں آباد ہوا تھا اور اُس کی اولاد بعد انقضائے عرصہ دراز کے مثل دیگر اقوام صحرائی کے معدوم ہو گئی -

قوم ثمود یا عاد ثانی | اولاد ثمود نے بہت بڑا نام پیدا کیا اور جلد ایک زبردست قوم ہو گئی اور اُس حصہ ملک پر جو "الحجر" کے نام سے مشہور ہے اور اُس میدان پر جو وادی القرے کہلاتا ہے اور جو ملک شام کی جنوبی اور عرب کی شمالی حد بناتا ہے ، قبضہ کر لیا ہے - قرآن مجید میں اس قوم کا بھی چند جگہ ذکر آیا ہے - اُنھوں نے پہاڑیوں کو کھود کر اُن کے اندر گھر بنائے تھے اور نقش و نگار سے مرتب کیے تھے جو اثالیب کے نام سے مشہور ہیں - عرب کے لوگ اور چند غیر قوم کے لوگ جنھوں نے عرب میں سفر کیا ہے اُن پہاڑی گھروں کی جو پرانے زمانے کی باتوں کی تلاش کرنے والوں کو تشفی دیتے ہیں اور ان قوموں کے حالات جنھوں نے اُن کو بنایا ہے بتلانے کو موجود ہیں شہادت دے سکتے ہیں - اسی طرح ان پہاڑی گھروں سے قوم ثمود کی تاریخ کے اُس حصہ کی جو قرآن مجید میں بیان ہوا ہے بہ خوبی صداقت پائی جاتی ہے -

حضرت صالح پیغمبر | کچھ زمانہ کے بعد یہ قوم بھی بت پرستی کی طرف مائل ہوئی اس واسطے اُن کی فہمائش و ہدایت کے واسطے خدا تعالیٰ نے حضرت صالح بن عبید بن آسف بن ماشج بن عبید بن جادر بن ثمود کو مبعوث کیا - بعض لوگ اُن پر ایمان لائے - اور بہتوں نے اُن کا یقین نہیں کیا اُن لوگوں نے حضرت صالح سے کہا اگر تو سچا ہے تو کوئی نشانی بتلا ! حضرت صالح نے جواب دیا کہ اے میری قوم یہ خدا کی اونٹنی تمھارے لیے نشانی ہے اُس کو چھوٹا پھرنے دو تا کہ خدا کی زمین پر چرتی پھرے اور اُس کو کچھ ایذا مت پہنچاؤ ! مبادا تم پر اُس کے

عوض عذاب نازل ہو ۔ اس فہمائش کے سبب کچھ عرصے تک آن لوگوں نے اونٹنی کو پھرنے دیا اور کچھ ایذا نہیں پہنچائی ۔

کچھ عرصے کے بعد وہاں قحط واقع ہوا ۔ اور آس خشک سالی میں پانی کا بھی قحط ہو گیا پانی نہیں ملتا تھا اور جہاں کہیں تھوڑا سا بھی پانی ہوتا تھا تو اونٹنی اپنی طبعی خاصیت سے جو خدا نے اونٹ میں پیدا کی ہے پانی کو تلاش کر لیتی تھی اور پی لیتی تھی یا خراب کر دیتی تھی اور لوگ آس کو روک نہ سکتے تھے ۔ حضرت صالح نے کہا کہ ایک دن اونٹنی کو پانی پی لینے دیا کرو اور کوئی اس کا مزاحم نہ ہو اور دوسرے دن تم لوگ پانی لیا کرو ۔ اور اونٹنی کو وہاں نہ جانے دیا کرو ۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصے کے بعد مختلف نو فرقوں کے سرداروں نے جو آس زمانے کے کافروں کے فرقے تھے حضرت صالح کو مار ڈالنے کا منصوبہ کیا مگر جب وہ اپنے اس بد منصوبہ پر کامیاب نہ ہوئے تو انھوں نے غصے میں آ کر اس اونٹنی کو مار ڈالا ۔ آس وقت حضرت صالح نے آن سے کہا کہ تین دن تک تم اپنے مکانوں میں چین کر لو ۔ بعد اس کے تم ہلاک ہو گے ۔ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ جب ہمارے حکم کی تعمیل ہونے کو ہوئی تو ہم نے صالح کو اور آن لوگوں کو جو آن پر ایمان لائے تھے بہ سبب اپنے رحم کے آس روز کی ذلت سے بچا لیا ۔ آفت جو آن پر آئی تھی وہ یہ تھی کہ آسمان سے ایک خوفناک آواز آئی جو غالباً رعد اور زلزلوں کی اور آسی قسم کی آفت ارضی و سماوی کی آواز تھی ۔ صبح کو وہ لوگ اپنے مکانوں میں مردہ اور سرنگوں پڑے ہوئے ملے گویا کہ آن مکانوں میں رہتے ہی نہ تھے ۔ یہ واقعہ آسی زمانے میں واقع ہوا تھا جب کہ سدوم اور

گیارہ اور ادماب اور زھائین شہر آسمانی آگ سے جلائے گئے تھے یعنی ۲۱۰۷ دنیوی یا ۱۸۹۷ قبل حضرت مسیح کے ۔

## جھوٹی روایتیں جو قوم ثمود کی نسبت مشہور ھیں

مفسرین اور مؤرخین کا بیان ھے کہ جو کفار نے حضرت صالح سے اُن کی رسالت کے ثبوت میں اس معجزہ کی درخواست کی تھی کہ اگر اس پہاڑی میں سے ایک اونٹنی پیدا ھو اور بہ مجرد پیدا ھونے کے ایک سرخ بالوں کا بچہ جنے اور وہ بچہ اُسی وقت ھمارے سامنے بڑی اونٹنی کے برابر ھو کر چرتا پھرے اور ھم اُس اُونٹنی کا دودھ پیئیں تب ھم ایمان لاویں گے ۔

یہ روایت محض ساختہ اور مصنوعی ھے ۔ اس روایت کے موضوع کہنے سے اس وقت ھمارا یہ منشا نہیں ھے کہ ھم امکان معجزہ سے انکار کریں اور اس پر بحث شروع کریں ۔ بلکہ ھم اس وقت صرف سادی طرح سے اس روایت کو اس لیے موضوع کہتے ھیں ۔ کہ اُس کی صحت پر کوئی سند نہیں ھے اگر یہ روایت صحیح ھوتی تو ایسے عجیب واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں ضرور ھوتا یا کسی مستند حدیث سے اُس کا ثبوت پایا جاتا ۔ اسی طرح یہ بھی مصنوعی بات ھے کہ اُس اونٹنی سے انسان اور حیوان دونوں ڈرتے تھے اور وہ اونٹنی قوم ثمود کے تمام چشموں اور حوضوں کا پانی ایک گھونٹ میں پی کر سب کو سکھا دیتی تھی کیوں کہ وہ ایسا ملک تھا جہاں کثرت سے پانی میسر ھی نہیں ھو سکتا تھا ۔

اسی طرح یہ ایک لغو روایت ھے کہ اگرچہ قوم ثمود کو بتلا دیا گیا تھا کہ اونٹنی کا قتل کرنا اُن کی ھلاکت کا باعث ھوگا ، لیکن حضرت صالح نے اُن سے یہ بھی پیشین گوئی کی تھی کہ

تمھاری قوم کا ایک لڑکا جس کا حلیہ ایسا ایسا ھوگا اس اونٹنی کو مار ڈالے گا اور اس طرح پر تمھاری ساری قوم پر تباھی اور بربادی آوے گی - اس تباھی سے بچنے کے لیے جس کی پیشین گوئی حضرت صالح نے کی تھی - لڑکوں کو مار ڈالنا شروع کیا ، جو لڑکا پیدا ھوتا تھا اور اُس میں اُس نشانی کا شبہ ھوتا تھا جو حضرت صالح نے بتلائی تھی اُس لڑکے کو مار ڈالتے تھے - مگر وہ لڑکا جس کے ھاتھ سے اُس قوم کا برباد ھونا مقدر ہیں تھا کسی نہ کسی طور سے بچ گیا اور مارا نہیں گیا - جب کہ وہ جوان ھوا تو آخرکار اُس نے اُس اونٹنی کو مار ڈالا -

اسی طرح حضرت صالح کے مخالفوں کے مارے جانے کی نسبت ایک بیہودہ روایت آئی ھے اور وہ یہ ھے کہ حضرت صالح کے مخالفوں نے جب اُن کے قتل کا ارادہ کیا تو وہ اُن پہاڑوں کی گھاٹیوں میں گئے جہاں حضرت صالح آیا جایا کرتے تھے ، اس غرض سے کہ کوئی عمدہ کمین گاہ تلاش کرکے اختیار کریں - خدا تعالیٰ نے ایک پہاڑ کو زمین پر سے بہت اونچا اُٹھا لیا اور جہاں سے وہ پہاڑ اُٹھا تھا وھاں ایک غار ھوگیا - حضرت صالح کے مخالفوں نے اُس غار کو اپنی کمین گاہ کے لیے پسند کیا اور جب کہ وہ اس غار کے اندر جا کر چھپے تو خدا تعالیٰ نے اوپر سے اُن کے سروں پر اُس پہاڑ کو چھوڑ دیا اور سب کے سب ایک لمحہ میں کچل کر مر گئے -

اگرچہ ھم نے اس مقام پر عرب البایدہ کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ھے مگر اُن کا ایک شجرہ بھی اس مقام پر لکھتے ھیں ، جس سے تمام بیانات کے سمجھنے میں آسانی ھوگی -

# دوم

## عرب العاربہ یعنی ٹھیٹ عرب

عرب العاربہ یقطان بن عیبر بن شالح بن ارفخشد بن شام بن نوح کی اولاد میں ہیں۔ بعض مؤرخوں کا یہ قول ہے کہ عرب البایدہ اور عرب العاربہ دونوں یقطان کی اولاد ہیں اور اس لیے عربوں کو وہ بجائے تین قوموں کے صرف دو قوموں پر منقسم کرتے ہیں یعنی عرب العاربہ اور عرب المستعربہ۔

قریباً تمام مؤرخوں کی رائے ہے کہ کتب خمسہ موسیٰ میں جو یقطان نام آیا ہے وہی ایک نام ہے جس کو عرب قحطان کہتے ہیں اور یونانی انجیلوں میں اس کو ''جوقطان'' کرکے لکھا ہے اور اسی شخص کی اولاد عرب میں آباد ہوئی ہے۔

روورنڈ مسٹر فارسٹر نے نہایت عجیب اور مستحکم دلیلوں سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ ان تینوں مذکورہ بالا ناموں سے ایک ہی شخص مراد ہے اور یہ کہ یہی شخص یقطان عرب میں آباد ہوا تھا ، چناں چہ وہ اپنی کتاب جغرافیۂ عرب میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ''کتاب بطلیموس میں بھی ہم یقطان کا نام اور علانیہ قوم بنی یقطان کو پاتے ہیں جو عربوں کے قحطان اور انجیل کے جوقطان کے بالکل مشابہ ہے'' (صفحہ ۸۰) -

ایک اور مقام پر وہ لکھتے ہیں کہ ''اس قومی روایت کا قدیم اور عام ہونا جو عربوں کے قحطان کو انجیل کے جوقطان سے مشابہ کرتے ہیں ، ہر ایک پڑھنے والے پر روشن ہے'' - (صفحہ ۸۸) -

ایک اَور مقام پر اُنھوں نے لکھا ہے کہ ''یہ امر کہ قحطان ایک خاندانی نام کی صرف مختلف شکلیں ہیں خود عرب ہی ہمیشہ سے بیان کرتے آئے ہیں اور اُن کی عادت سے بھی جس سے وہ حرفوں کو تبدیل کر لینے میں (یعنی معرّب کر لینے میں) نہایت درجہ میلان رکھتے ہیں، یہ نتیجہ قرار واقعی نکل سکتا ہے'' (صفحہ ۸۸) -

ایک اور مقام پر یہ لکھا ہے کہ ''قدیمی قوم سبا کے دارالسلطنت مشہور بہ مارب میں اعراب یقطان سے جس کی مشابہت توریت کے یقطان کے ساتھ ہے یقطانی نام حویلاہ کے وقوع سے از سرِ نو ثابت اور مسلّم ہو گئی ہے''- (صفحہ ۹۰) -

روورنڈ فارسٹر نے مسعودی کے اس قول پر کہ بنی سعد اور بنی قحطان بہت قدیم زمانہ سے عرب کی قوموں میں مشہور چلے آتے ہیں یہ لکھا ہے کہ ''تاریخ عرب قوم عظیم قحطان کی قدامت کے باب میں آواز دے رہی ہے اور یہ ایک ایسی آواز ہے کہ

ایک طرف قدیمی عام قومی روایت اس کی تائید کرتی ہے اور دوسری طرف شاید اس سے بھی زیادہ مضبوط شہادت متوسط اور جنوبی عرب کے موجودہ مقاموں اور آبادیوں کے ناموں سے اُس کی حامی ہے'' ۔ (صفحہ ۷۹)

بہرحال امر مذکورہ سے نہ تو مشہور اور معروف سیاح مسٹر برق ہردط[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا بیان ہے کہ اسی

---

۱۔ اس کتاب کے پڑھنے والے الفاظ ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کو دیکھ کر جو مسٹر برق ہردط کے نام کے بعد لائے گئے ہیں ۔ بلا شک متحیر ہوں گے اور اس حیرت کے رفع کرنے کے واسطے میری دانست میں اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ نہایت ذی فہم و ذی علم گاڈ فری ہیگنس صاحب کی کتاب کی کسی قدر عبارت کا ترجمہ اس جگہ لکھ دیا جاوے ۔ ''مشہور و معروف سیاح برق ہردط جس نے دارالعلوم کیمبرج میں تعلیم پائی تھی ، ایک نہایت پر غور تحقیق کے بعد اور خوب سوچ کر مسلمان ہو گیا اور اپنے عیسائی دوستوں کے مجمع میں بحالت اسلام انتقال کیا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو مسائل دین اسلام کی تلقین بہ مقام حلب ایک آفندی نے کی تھی اور اسی نے اُس کو مسلمان کیا اور اُس نے وہاں علانیہ اسلام کا اقرار کیا اور جب کہ بہ نیت حج روانہ ہوا تو مکہ کے قریب اپنے مذہب اور مسائل اسلام کی واقفیت میں اُس کو سخت امتحان دینا پڑا ۔ جس کے باعث وہ ہمیشہ حاجی کے لقب کا دعویٰ کرتا رہا ۔ اُس کی ذی مسلمی سچی اور صاف باطن معلوم ہوتی ہے ، اگرچہ میں خیال کرتا ہوں کہ اُس کے عیسائی دوستوں سے علی‌العموم پوشیدہ تھی'' ۔

''میں اس بات کے بیان کرنے سے نہایت خوش ہوں کہ میں ایک شریف آدمی سے جو بالفعل مئی ۱۸۲۹ء سے برٹش گورنمنٹ میں ایک معزز عہدہ پر مامور ہے ، واقفیت رکھتا ہوں ۔ مگر اس کا نام ظاہر کرنے کا میں مجاز نہیں ہوں ۔ ان صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مسٹر برق ہردط کے انتقال سے تھوڑے عرصہ پہلے میں وہاں موجود تھا ۔ اور مسٹر برق ہردط نے مجھے نہایت سنجیدگی کے ساتھ یقین دلایا کہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۷ پر)

یقطان کی اولاد عرب میں آباد ہوئی تھی اور نہ سر ولیم میور انکار کرتے ہیں ۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ)

درحقیقت مسلمان ہوں اور اسی حالت میں مرنے کی آرزو ہے ۔ اس کا گمنام سوانح عمری لکھنے والا اپنی کتاب میں جو بعد اُس کے مشتہر ہوئی اس کی موت کا حال بیان کرتا ہے مگر اُس کے مذہب کے بارے میں کوئی لفظ منہ سے نکالنے سے احتیاطاً پرہیز کرتا ہے ۔ غالباً اس کو معلوم ہوگا کہ اگر حق بات زبان سے نکلی تو پادریوں کے بدنام اور رسوا کرنے کی وجہ سے میری کتابوں کے فروخت میں ہرج واقع ہوگا - لیکن ایک فقرہ جو میرے بیان کی تائید کے واسطے کافی ہے ، اُس کی زبان سے نکل گیا ہے ۔ وہ اُسی شب کو ہونے بارہ بجے بغیر افسوس اور واویلا کرنے کے مرگیا ۔ تجہیز و تکفین اُس کی وصیت کے موافق بر طریق اسلام کی گئی اور اُس معزز رتبہ کا جو وہ دیسی لوگوں کی آنکھوں میں رکھتا تھا ، کما حقہٗ لحاظ کیا گیا ، اگر وہ فی الحقیقت مسلمان تھا تو ضرور اُس نے مسلمانوں کی شرع کے موافق تجہیز و تکفین کی استدعا کی ہوگی اور یقیناً اگر عیسائی اس کی وصیت پر لحاظ نہ کرتے تو حکام بہ مجبوری ان سے کراتے یہ بعید از قیاس ہے کہ وہ عیسائیوں کا مسلمانوں کو ایک ایسے نو مسلم کے شرف سے محروم رکھنا گوارا کرتے مگر یہ ظاہر ہے کہ انھوں نے اُس کو بلا تکلف قنصل انگریزی کی نگرانی میں اور اُس کے ہم وطنوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا جن کو کہ پورا پورا موقع اُس کی تجدید مذہب کے واسطے اپنی لیاقتیں صرف کرنے کا ملا تھا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اسلام کی بلا وجہ تقلید و تائید کرنے میں اس کو کوئی غرض مضمون نہ تھی ۔ بلکہ برخلاف اس کے اُن عیسائیوں سے جن کی طرف سے وہ مامور تھا اور جن کی وجہ سے اُس کا گذارہ ہوتا تھا اُس کو مخفی رکھنا ضروری سمجھتا تھا '' ۔

''اگر اس کی سوانح عمری لکھنے والے کا اعتبار کیا جاوے تو وہ اعلیٰ اصول اور بہترین چال و چلن کا آدمی معلوم ہوتا ہے ۔ من جملہ اور پسندیدہ کیفیتوں کے جو اس مرتد کافر کی بابت جس طرح کہ اُس کو عیسائی لوگ کہیں گے ، مرقوم ہوئی ہیں ایک یہ بھی ہے کہ اُس نے اپنی موروثی جائداد قیمتی دس ہزار روپے کو اپنی ماں کے نان و نفقہ کے واسطے دے کر اپنے آپ کو محض مفلس و قلاش بنا دیا تھا'' ۔
(ہیگنس اپالوجی صفحہ ۱۰۶ مطبوعہ لنڈن ۱۸۲۹ء) ۔ (سید احمد)

یقطان کی اولاد کے آباد ہونے کی جگہ کی نسبت توریت میں یہ لکھا ہے کہ ''اُن کی آبادی میشا سے لے کر جہاں تک کہ تو سفار تک جو مشرق میں ایک پہاڑی ہے ، چلا جاوے ، تو وہاں تک تھی'' ۔ مسٹر برق ھردط کے نزدیک میشا اور ''موزہ'' جو یقطانی قوم سبا کا خلیج عرب کے دہانہ کے نزدیک ایک بندرگاہ تھا ، ایک ھی مقام ہے اور سفار سے جبلی یعنی پہاڑی حصہ یمن کا جہاں کہ بہ قول بطلیموس شہر سفار اور قوم سفار یہ آباد تھی مراد ہے ، لیکن رورنڈ فارسٹر اس مقام کو جس کو مسٹر برق ھردط صاحب نے بیان کیا ہے اور جو وسعت میں قریب ڈیڑھ سو میل کے ہے ، ایک نہایت کثیر قدیمی خاندان کی حدود کے ایک نہایت معتدلانہ معقول اندازہ کے واسطے محض غیر مکتفی خیال کرتے ھیں اور نہایت ضعیف دلائل سے ان کو نجد کے پہاڑوں تک پھیلا دینے کی کوشش کرتے ھیں مگر اصل بات یہ ہے کہ مقدس کاتب توریت نے یقطان کی اولاد کی آبادی کی کچھ حد مقرر نہیں کی ہے بلکہ وہ سمت بتلائی ہے جہاں وہ جا کر آباد ہوئی تھی ۔

یقطان کے تیرہ بیٹے پیدا ہوئے ۔ الموداد ، شلف ، حضر ماوث ، یرح ، ھدورام ، اوزال ، دقلاہ ، عوبال ، ابیمائیل ، شبا ، اوفر ، حویلاہ ، یوباب ، تمام قوم عرب العاربہ کی مع اپنی مختلف شاخوں اور شعبوں کے اشخاص مذکورہ بالا کی اولاد میں ھیں ، جیسا کہ ھم آگے بیان کریں گے ۔

الموداد ۔ اس شخص کا خاندان یمن یا عرب المعمور میں اور اُس ضلع میں جو بحرین تک چلا گیا ہے ، آباد ھوا اور اُس الموداٸی سے مطابقت رکھتا ہے ، جس کو بطلیموس نے یمن کی درمیانی قوم لکھا ہے ۔

شلف ۔ یہ شخص کوہ ذامس کے مغربی حصہ میں یا اس وسیع میدان میں جو کاظم اور مدینہ کے مابین واقع ہے، آباد ہوا ۔ یہ قوم بطلیموس کی بیان کی ہوئی سالفی قوموں سے مطابقت رکھتی ہے ۔ عربوں میں یہ قوم بنام بنی سالف مشہور ہے ، جو عبرانی نام شلف کی یونانی شکل ہے ۔

حضرماؤث ۔ اس قوم نے اپنی سکونت کے واسطے وہ زرخیز قطعہ جو خلیج عرب کے برابر برابر پھیلا ہوا ہے اور جو اس قوم کے نام (حضرموت) سے آج تک مشہور ہے ، اختیار کیا۔ اس قوم کے لوگ یونانی اور رومیوں کے ہاں اپنی وسیع تجارت اور فن جہاز رانی اور لڑائی میں جرأت اور بہادری کے لیے مشہور تھے ۔

ھدورام ۔ یرح کا حال یہاں چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ ہم اس کو اخیر پر ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں ۔ ھدورام کی اولاد نے مشرق کی سمت اختیار کی اور اسی نواح میں آباد ہوئی۔قصبہ ھدرمہ اس قوم کی بہت سی یادگاروں میں سے موجود ہے ۔ ابوالفدا کا بیان ہے کہ صوبہ دار قرامطاب کی بنا اسی قوم سے ہوئی ہے ۔

اوزال ۔ یہ خاندان اوزال میں جس کو اب صنعا کہتے ہیں اور جو سرسبز اور شاداب صوبہ یمن میں واقع ہے ، آباد ہوا۔ (حزقیل باب ۲۷ ورس ۱۹) ۔

دقلاہ ۔ یہ قوم بھی یمن میں آباد ہوئی اور ذوالخلاعہ جو یمن کی ایک قوم ہے اور جس کا ذکر پوکاک صاحب نے کیا ہے اسی کی اولاد میں سے ہے ۔

عوبال ۔ اس کا نشان عرب میں نہیں پایا جاتا مگر رورنڈ فارسٹر صاحب کا بیان ہے کہ یہ قوم افریقہ کو چلی گئی ۔

ابیمائیل - بہت سے آثار جو مختلف اشخاص نے بیان کیے ہیں اس قوم کے بنی سالف اور حجاز کے قرب و جوار میں متوطن ہونے کے شاھد ہیں -

شبا - اگرچہ یہ بھی جنوب کی جانب گیا اور یمن میں سکونت پذیر ہوا ، مگر یہ وہ شبا نہیں ہے جس نے یمن میں خاندان شبا کی سلطنت قائم کی تھی اور شہر مارب اور شہر سبا کو بنایا تھا - اکثر مؤرخ عرصۂ دراز تک اس غلطی میں پڑے رہے - کیوں کہ وہ دوسرا شبا عرف عبدالشمس تھا کہ جس نے سلطنت خاندان شبا قائم کی تھی اور شہر ہائے مارب اور سبا کو بنایا تھا اور جس کا ذکر ہم آگے کریں گے -

اوفر - یہ قوم صوبہ عمان میں سبا کے مشرق میں آباد ہوئی جہاں کہ شہر اوفر میں اُن کے نشانات اب تک پائے جاتے ہیں (ملوک اول باب ۹ ورس ۲۸) -

حویلاہ - یہ شخص مارب کے ٹھیک شمال میں بسا تھا -

یوباب - یہ بھی مارب کی جانب روانہ ہو کر اسی نواح میں آباد ہوا - قوم جو بارٹی جس کا بطلیموس نے ذکر کیا ہے اور جس کو عرب بنی جوبار کہتے ہیں،اُسی کی اولاد میں ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں -

ان قوموں کے مختلف شعبوں اور شاخوں نے جو عرب میں

ایک ہی اصل سے پیدا ہوئی تھیں صرف دو وجہ سے علٰحدہ علٰحدہ نام حاصل کیے تھے - یا تو بہ ہیئتِ مجموعی اپنی بڑی قوت اورتعداد کی وجہ سے یا قوم کے کسی شخص کی شہرت اور کارہائے نمایاں کے باعث سے - پس ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا اشخاص میں سے کسی نے کوئی کار نمایاں جس سے وہ اپنے لیے کوئی مخصوص نام اختیار کرنے کے مستحق ہوتے، نہیں کیا اور اسی

سبب سے شعبوں میں منقسم نہیں ہوئے۔ مگر یرح کا حال ایسا نہیں ہے جس کا بیان ہم اب کسی قدر طوالت کے ساتھ کرتے ہیں۔

عرب کے جغرافیہ دان یقطان کے بے شمار لڑکوں میں سے صرف دو شخصوں کا ذکر کرتے ہیں یعنی یعرب اور جرہم کا۔ چند مؤرخوں کی یہ رائے ہے کہ یعرب اور یرح سے ایک ہی شخص مراد ہے۔ اور اگرچہ یہ قاعدہ ہے کہ "ج" اور "ی" کا باہم تبادلہ ہو جاتا ہے مگر جرہم کے باب میں رائیں مختلف ہیں۔ بعضے کچھ کہتے ہیں اور بعضے کچھ؛ مگر جمہور کی یہ رائے ہے کہ یعرب اور جرہم دونوں یرح کے بیٹے تھے۔ اور اسٹریبو۔ اور جارج سیل کی بھی یہی رائے ہے، لیکن ابوالفدا اپنی کتاب کے ایک مقام میں یعرب اور جرہم کو دو مختلف اشخاص بیان کرتا ہے اور دوسرے مقام پر جہاں کہ وہ مختلف اقوام عرب کے متفرق شعبوں کا ذکر کرتا ہے، تو جرہم کو تنہا مورثِ اعلیٰ تمام فرقوں کا بتلاتا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ یعرب اور جرہم سے ایک ہی شخص مراد ہے اور اولاد یعرب کی مختلف شاخیں بنی جرہم میں شامل ہیں۔

مشرق مؤرخوں نے اس اختلاف کو غیر منفصل چھوڑ دیا ہے مگر رورنڈ فارسٹر صاحب نے نہایت لیاقت سے ثابت کیا ہے کہ جرہم اور یعرب ایک ہی شخص تھے اور جس جگہ کہ انھوں نے اس نام کی چند قدیم و جدید مسلم شکلیں بیان کی ہیں، اس جگہ بیان کیا ہے کہ ستّر مترجموں نے اس نام کو جرخ لکھا ہے اور سینٹ جروم نے جیر اور حال کے عربوں نے جرح اور سرح اور شرح اور زہران لکھا ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ ان فرضی مختلف ناموں کی مطابقت حسب قواعد تہجی بیان کرکے صاحبِ موصوف لکھتے ہیں کہ

”علی العموم جو شہادت که خود عرب بھی اپنے جرهم کو جرهه پسر یقطان کے ساتھ مطابقت کرنے میں زمانه دراز سے دیتے آئے هیں ۔ اس کی تصحیح و تصدیق کتاب بطلیموس میں غیر مبدل توریتی نام کے واقع هونے سے هو گئی هے اور یه ایک ایسی مثال هے جس کا هم کو بارها حواله دینا پڑا هے یعنی بطلیموس کے اس جمله کا ' انسیولا جراچیوری ' جس کا ترجمه هے جزیره بنی جرهه جو اسی حصه حجاز کے کناره کے پرے ایک جزیره هے ۔ “

جرهه یا جرهم کی مطابقت تسلیم کر لینے میں همیں کچھ بھی کلام نہیں هے اور عرب العاربه کے شجرۂ انساب میں هم اُن کو ایک شخص قرار دے کر یعنی یرح یا یعرب یا جرهه یا جرهم اُن کا شجره لکھیں گے ۔

تاریخ عرب العاربه میں اس شخص کی اولاد کا حال بہت مذکور هے یه اسی کی اولاد تھی ۔ جس نے مختلف فرقوں میں منقسم هو کر بڑے بڑے کام کیے اور زبردست سلطنتوں کے بانی هوئے مگر عرب العاربه کی تاریخ لکھتے وقت اُن کے کاموں اور اُن سلطنتوں کے قائم هونے کے زمانه کا متعین کرنا سب سے زیاده مشکل کام هے ۔ ایک تو اس وجه سے که زبانی روایتوں میں جو زمانه بیان هوتا هے وه کبھی غلطیوں سے خالی نہیں هوتا اور اس کو معتبر نہیں مانا جا سکتا ۔ دوسرے اس سبب سے که مورخان عرب نے ان واقعات کی تاریخیں سیپٹو ایجنٹ یعنی یونانی ترجمه توریت سے اخذ کی هیں ۔ توریت کے یونانی ترجمه میں اور اصل عبرانی توریت میں جواب موجود هے زمانوں کا بہت سا اختلاف هے مگر قریباً قریباً تمام عیسائی ملکوں میں عبرانی توریت کے زمانے تسلیم کیے جاتے هیں گو اُس کے مندرجه زمانے بھی نہایت مشتبه

اور نا قابل اعتبار ھیں - تیسرے اس باعث سے کہ عرب کے مؤرخوں نے دو قسم کی تاریخوں کو یعنی اُس کو جو زبانی روایتوں سے عرب میں چلی آتی تھی اور اُس کو جسے یونانی توریت سے اخذ کیا تھا خلط ملط کر دیا ھے - اور اس سبب سے بڑی ابتری اُن کی تاریخ میں پڑ گئی ھے بعض واقعات کا زمانہ تو زبانی روایتوں کے بہ موجب متعین کرتے ھیں اور بعض کا یونانی توریت کے موافق - پس ان مشکلات پر غالب آنا جن سے تواریخ عرب بھری پڑی ھے کوئی آسان کام نہیں -

اس پیچیدہ اور مشکل کام کے حل کرنے کے لیے ھم نے تین ذریعے اختیار کیے ھیں :

اول - اصل عبری توریت جس کو اُس زمانہ میں قریباً قریباً ھر ایک ذی علم قوم نے تسلیم کر لیا ھے اور علم تواریخ کو اسی کی مندرجہ تاریخ پر مبنی کیا ھے - اُنھوں نے عبری توریت کو اصل اصول فرض کرکے اور اُس کے مندرجہ زمانوں کو تسلیم کر کے بہت سی کتابیں تاریخ کی تصنیف کی ھیں اور ھر قسم کے مباحثوں میں خواہ مذھب سے متعلق ھو ، خواہ علم تواریخ سے ، خواہ علم الارض سے ، خواہ علم حیوانات سے ، خواہ کسی اور علم سے اُسی کے مندرجہ زمانوں پر استدلال کرتے ھیں - اس واسطے ھم نے بھی اپنی اس کتاب میں اُنھیں کی تقلید کو قرین مصلحت سمجھا ھے - دوسرے یہ کہ ھم نے متعدد واقعات کو جو عرب میں واقع ھوئے اُن کے ھم عصر واقعوں سے جو بنی اسرائیل پر واقع ھوئے اور جن کا حال توریت میں مندرج ھے - مقابلہ کرنے کا طریقہ اختیار کیا ھے اور اس طرح پر ھم عرب کے واقعات کا صحیح زمانہ متعین کرنے میں کسی قدر کام یاب ھوئے ھیں - تیسرے یہ کہ بعض تواریخی واقعات جو عرب میں واقع ھوئے

وہ ایسے ہیں کہ اَور ملکوں مثلاً فارس ، اطالیہ اور مصر کے واقعات سے علاقہ رکھتے ہیں اور یہ ایسے ملک ہیں جن کی تواریخ اور اُن واقعات کا زمانہ جو وہاں واقع ہوئے ۔ دنیا میں بہ خوبی مشہور ہے ، علاوہ اس کے بہت سے واقعات ایسے ہیں جو عرب میں واقع ہوئے ہیں اور اُن کے وقوع کا زمانہ قریب بہ صحت معلوم ہے اس لیے ہم نے اپنی تحقیقات میں اُن دونو تاریخوں کو بہ طور رہنما کے اختیار کیا ہے ۔

## عرب کے بادشاہ اور اُن کی حکومتیں

قحطان اول شخص تھا جو عرب میں بادشاہ ہوا اور اپنی دارالسلطنت زرخیز اور شاداب صوبہ یمن میں مقرر کی جو کہ قحطان فالغ کا بھائی تھا اس واسطے اُس کی تاریخ ولادت فالغ کی تاریخ ولادت سے بہت بعید نہ ہوگی اور اس لیے وہ تاریخ قریب ۱۷۵۷ دنیوی یا ۲۲۰۰ قبل حضرت مسیح کے قرار پاتی ہے ۔ زبانوں کے اختلاف کے بعد جو بابل میں مینار کی تعمیر کی وجہ سے عارض ہوگئیں، نمرود پسر کوش ملک بابل یا اشور کا بادشاہ ہوا اور حام پسر مصریم مصر کا ۔ اُسی زمانہ میں قحطان بھی یمن کا بادشاہ ہوا ، یعنی ۱۷۷۱ دنیوی یا ۲۲۳۴ قبل مسیح میں ۔

> اول من نزل الیمن قحطان بن عابر بن شالح و قحطان المذکور اول من ملک ارض الیمن و لبس التاج (ابوالفدا) ۔

اس کے مرنے پر یعرب یا جرہم اپنے باپ کا جا نشین ہوا اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اُس کے قبضہ میں یمن اور حجاز کے صوبے تھے جو

> ثم مات قحطان و ملک بعده ابنه یعرب بن قحطان (ابوالفدا) ۔

اُس وقت میں بنی جرھم کے نام سے مشہور تھے - رورنڈ فارسٹر صاحب اور اور مؤرخ اس باب میں متفق الرائے ھیں اور اتفاق کی صحت اکثر مقامات کے ناموں کی مطابقت سے جو اُن صوبہ جات میں پائے جاتے ھیں ، ھوتی ھے - جرھم کے یمن میں آباد ھونے کے باب میں مصنف موصوف نے ایک بہت معقول وجہ ثبوت پیش کی ھے یعنی یہ کہ جرھم ابو یمن کے نام سے ملقب ھوا تھا -

جرھم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا یشحب تخت پر بیٹھا اور

ثم ملک بعده ابنه یشحب بن یعرب ثم ملک بعده ابنه عبد شمس بن یشحب - - - - و سمی سبا و هو الذی بنا السد بارض مارب - - - - و بنی مدینة مارب و عرفت مدینة سبا - - - - و خلف سبا المذکور عدة اولاد منهم حمیر و عمرو و کهلان و اشعر و غیرهم - - - - و لما مات سبا ملک الیمن بعده ابنه حمیر ابن سبا (ابوالفدا)

اس کے بعد اُس کا بیٹا عبدالشمس ملقب بہ سبا اکبر تخت نشین ھوا - یہ شہزادہ یمن میں مشہور سلطنت سبا کا بانی ھوا اور اسی نے شہر سبا اور شہر مارب بنایا اور اس کے بعد اُس کے بیٹے حمیر نے تخت سلطنت پر جلوس کیا -

اب چوں کہ حمیر یقطان سے چوتھی پشت میں تھا اور ترح بھی فالغ سے چوتھی پشت میں تھا اس لیے ہم یہ نتیجہ نکالنے کے مجاز ھیں کہ حمیر کی ولادت ترح کی پیدائش سے بہت دور نہیں ھوگی - یعنی ١٨٧٨ دنیوی یا ٢١٢٦ قبل حضرت مسیح میں اُس کی ولادت ھوئی ھوگی -

ترح کے تین بیٹے تھے ابرام ، ناحور ، حاران اور حمیر کے بیٹے بھی تین تھے - واثل ، عوف ، مالک ، اس لیے ترح اور حمیر

کی اولاد کو بھی ہم عصر خیال کرنا چاہیے یعنی یہ کہ وہ ۱۹۴۸ دنیوی یا ۲۰۵۶ قبل حضرت مسیح کے تھے -

وائل کا بیٹا سکسک اور عوف کا بیٹا فاران ہوا - اب اول اُس مدت پر جو ایک پشت کے واسطے عموماً دی گئی ہے - لحاظ کرکے اور بعد ازاں تاریخ پیدائش لوط پسر حاران پر غور کرکے سکسک اور فاران کی ولادت کی تاریخ قرار دینی چاہیے جو ۱۷۷۸ دنیوی یا ۲۱۲۶ قبل حضرت مسیح میں یعنی تیس برس قبل ولادت حضرت ابراہیمؑ کے قرار پاتی ہے -

وائل اپنے باپ کا جانشین ہوا اور عوف کسی جگہ حجاز اور نجد کے مابین آباد ہوا - یہ امر اس بات سے ثابت ہے کہ پہاڑ جو نجد کی جانب مغرب واقع ہے آج تک جبل عوف کے نام سے مشہور ہے - فاران ابن عوف اپنے باپ کے پڑوس میں آباد ہوا - یعنی اُس وادی غیر ذی زرع میں جہاں بالفعل مکہ معظمہ موجود ہے فاران کا اطلاق صرف اُس وسیع شمالی بیابان پر نہیں ہوتا جو قادیش تک چلا گیا ہے بلکہ اُن پہاڑوں پر ہوتا ہے جو اس میں واقع ہیں اور اُن پہاڑوں ہی کے نام کی وجہ سے اس وسیع میدان کو فاران کا میدان کہہ سکتے ہیں - تمام مشرقی مؤرخ اور نیز وہ

ثم ملک بعده (اے بعد حمیر) ابنه وائل ابن حمیر ثم ملک بعده ابنه السکسک بن وائل ثم ملک بعده یعفر بن السکسک ثم وثب علی ملک الیمن ذوریاش و ھو عامر بن ماران (فاران) (پاران) (باران) بن عوف بن حمیر (ابوالفدا) -

عوف بفتح اوله و سکون ثانیه و اخره فاء جبل بنجد --- و عوق بالفتح ارض فی دیار غطفان بین نجد و خیبر (مراصد الاطلاع علٰی اسماء الامکنة و البقاع) -

لوگ جو قدیم روایتوں کے معتقد ہیں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اور توریت مقدس میں بھی صاف صاف مذکور ہے کہ یہی نواح بنام فاران موسوم تھا ۔ جو کہ ہم اس مضمون کو زیادہ تر تفصیل سے عرب المستعربہ کے ذکر میں بیان کریں گے اس لیے کچھ حال فاران بن عوف کا بیان کرتے ہیں ۔

ابوالفدا اپنی تاریخ عرب میں بیان کرتا ہے کہ فاران عوف کا بیٹا تھا ۔ یہ تاریخ مع اپنے لاطینی ترجمہ کے ۱۸۳۱ء میں از سر نو چھاپی گئی تھی اور اس کا لاطینی زبان میں یہ نام ہے (ابوالفدا ہسٹوریا اینٹی اسلام کا اریبس) یعنی تاریخ ابوالفدا در باب عرب ایام جاہلیت اور اس کا ایڈیٹر ''ہنریکس آرتھو بیس فلیچر'' تھا ۔ لفظ فاران اصل کتاب کے صفحہ ۱۱۴ میں اس شکل سے چھپا ہے (داران) یعنی حرف اول پر کوئی نقطہ نہیں ہے ۔ اب ہم یہ سوچتے ہیں کہ وہ پہلا حرف کیا ہے ف ہے یا ب ہے یا پ ہے ۔ اور اس موقع پر یہی تین صورتیں ہونی ممکن ہیں ۔ مگر باوجود اس نقطہ کی غلطی کے یہ متحقق ہے کہ یہ لفظ بجز فاران کے اور کچھ نہیں ہو سکتا ۔

عربی مصنفوں کا دستور ہے کہ جب کسی لفظ کا تلفظ 'ف' سے ہوتا ہے تو اس کو 'ف' کے حرف سے لکھتے ہیں ، بعض یہودی حرف 'ف' کا تلفظ مثل حرف 'پ' کے کرتے ہیں ۔ مگر عربی مصنف 'پ' کی جگہ 'ب' کا تلفظ کرتے ہیں اور 'ب' ہی سے اس لفظ کو لکھتے ہیں کیوں کہ ان کی الف بے میں 'پ' کا حرف نہیں ہے ۔ اسی وجہ سے ابوالفدا نے لفظ فاران کو جس کا یہودی تلفظ پاران 'پ' سے تھا ، باران 'ب' کے ساتھ لکھا ہے ۔ جس کا نقطہ چھپنے میں رہ گیا ہے اور اس کا ثبوت لاطینی ترجمہ سے ہوتا ہے کہ اس میں اس کا ترجمہ ''بارانی'' 'ب' سے کیا گیا ہے ۔

پس اب اس بات میں کہ میں کہ عوف کا بیٹا فاران تھا کچھ شک باقی نہیں رہا۔

جس مقام پر کہ عوف نے سکونت اختیار کی تھی وہاں کوئی ایسا ربانی کرشمہ واقع نہیں ہوا۔ جس سے اُس کی شہرت کو جو اُس نے عوف کے نام سے حاصل کی تھی گھٹا دیتی یا مٹا دیتی اور اس لیے وہ مقام اور وہ پہاڑ عوف ھی کے نام سے مشہور رہا۔ مگر جس جگہ کہ فاران آباد ہوا تھا اُس کا حال ایسا نہیں ہوا کیوں کہ وہاں ایک ربانی کرشمہ کے واقع ہونے کا وعدہ کیا گیا تھا اور جب وہ ربانی کرشمہ واقع ہوا جو تمام چیزوں پر جن کی عرب تعظیم اور حرمت کرتے تھے سبقت لے گیا اور اُن کی شہرت کے چاند کو گہن لگا دیا۔ فاران کی شہرت مدھم پڑ گئی اور اُس کی جگہ خدائے مقدس کے نام کی شہرت قائم ہوئی۔ فاران کا نام نسیاً منسیاً ہوگیا اور بیت اللہ الحرم کے نام سے اُس مقام نے شہرت پائی جو امید ھے کہ قیامت تک اسی طرح مشہور اور معزز رہے گا۔

واثل کے بعد اُس کا بیٹا سکسک اور اس کا بیٹا یعفر جانشین ہوا۔ اس کا چچا زاد بھائی عامر زورپاش پسر فاران پسر عوف نے جو حجاز میں آباد ہوا تھا یعفر کی سلطنت پر حملہ کیا اور فتح کر لیا لیکن نعمان بن یعفر نے اُس کو نکال دیا اور وہ حجاز کی طرف چلا گیا اور نعمان نے اپنی سلطنت واپس لے لی۔ اس کارنمایاں کی

ثم نهض من بنی واثل النعمان بن یعفر بن السکسک بن واثل بن حمیر و اجتمع علیه الناس و طرد عامر بن باران عن الملک و استقل النعمان المذکور بملک الیمن و لقب نعمان المذکور بالمافر۔

ثم ملک بعده ابنه اشمح
بن المعافر المذکور ثم
ملک بعده شداد بن عاد
بن الملطاط بن سبا
و اجتمع له الملک و
غزا البلاد ان بلغ اقصی
المغرب و بنی المدائن
و المصانع و ابقی الآثار
العظیم (ابوالفدا) ۔

وجه سے اُس کا لقب المعافر
هوگیا ۔ اسی قاعده کے به موجب
جس سے که هم نے اس قدر
اشخاص کی ولادت کی تاریخیں
معین کی هیں هم کو معلوم
هوتا هے که یعفر ،ابن سکسک
اور عامر بن فاران ور حضرت
ابراهیم کے تولد کی تاریخ
قریب قریب ایک هی زمانه
میں هے ۔ یعنی ۲۰۰۸ دنیوی میں یا ۱۹۹۶ قبل حضرت مسیح میں ۔
اب جو قدرتی قاعده پشتوں کے توالد و تناسل کا هے اُس کے مطابق هم نعمان کے زمانه پیدایش کو دریافت کر سکتے هیں جس کا وقوع ۲۰۳۸ دنیوی میں یا ۱۹۶۶ قبل حضرت مسیح میں واقع هوتا هے ۔

اس پچھلے زمانے کے پینتالیس برس بعد حضرت ابراهیم مقام ''اُور'' سے جو قوم کالدی سے متعلق تھا حاران کو جو عراق عرب میں واقع هے ، بلائے گئے تھے اور یه ایک ایسا زمانه هے جس کے متعلق جمیع واقعات هم کو اس نتیجے کی ره نمائی کرتے هیں که عامر اور نعمان کی جنگ اسی زمانے میں هوئی هوگی ۔ اس لیے یه مستنبط هو سکتا هے که یهی وقت تھا جب که نعمان نے عامر کو بھگا کر اپنے آبائی تخت کو حاصل کیا تھا ۔ یعنی ۲۰۸۳ دنیوی یا ۱۹۲۱ قبل حضرت مسیح میں ۔ نعمان کے بعد اس کا بیٹا اشمح تخت پر بیٹھا اس کی سلطنت پر شداد نے حمله کیا اور اشمح کو شکست دے کر جلا وطن کر دیا ۔ شداد نے بڑی عظمت اور شهرت حاصل کی اور اپنی حکومت استحکام کے

ساتھ قائم کرنے میں کامیاب ھوا، اُس نے بہت سی عالی شان عمارتیں بنائیں[1] جن کے نشان اب بھی پائے جاتے ھیں۔

شداد کا نام ایسا مشہور ھے کہ قریب قریب ھر مشرقی باشندہ اُس سے واقف ھے اور اُس کی عظمت و شوکت کی نسبت بہت سے عجیب و غریب قصے اور روایتیں مشہور ھیں یہ شخص ماطاط بن عبدالشمس عرف سبا اکبر کی اولاد میں تھا اُس کے باپ کا نام عاد ھے۔ مورخوں نے اس عاد کو پہلے عاد کے ساتھ غلط ملط کردیا ھے اور اس طرح پر مختلف روایتیں جو درحقیقت پہلے عاد سے متعلق تھیں اس کی طرف منسوب کی ھیں اور اس عاد کی روایتیں پہلے عاد کی طرف۔

ان دونوں عادوں کے باھم تمیز کرنے کے لیے ھم نے اس پچھلے عاد کو جس کا ابھی ذکر ھوا بنام عاد ثالث موسوم کیا ھے کیوں کہ اس نام کا یہ تیسرا شخص ھے۔

مشرقی تاریخوں میں ھم شداد اور سبا اکبر کے مابین صرف

---

۱۔ مسٹر رورنڈ فارسٹر صاحب بوقت بیان کتبات قوم عاد کے جو مختلف اقطاع عرب میں ظاھر ھوئے ھیں لقب الحجر کے قدیمی آثار کا جو حضر موت میں ھیں، ذکر کرتے ھیں۔ حصن غراب کے آثار بھی کچھ کم مشہور نہیں ھیں۔ عدن میں بعض عمارتوں کے آثار بڑی قدامت کا دعویٰ کرتے ھیں اور لوگوں کو بہت شوق دلاتے ھیں اور قوم عاد سے منسوب ھیں بعض نشانات حوضوں کے جو عموماً تالاب کہلاتے ھیں عدن میں اب تک پائے جاتے ھیں اور جن کی قدامت کی وجہ سے ھر سیاح کی توجہ و اشتیاق کو کشش ھوتی ھے۔ ان کا باقی شداد کو کہتے ھیں۔ علاوہ اُن آثار کے جن کا ذکر ھو چکا ھے بہت سے اور دریافت ھوئے ھیں جو خود اِن عمارات اورنیز اُن کے بانی کی قدامت کے شاھد ھیں۔ (سید احمد)

دو نام ایک عاد اور دوسرا ماطاط پاتے ھیں حالاں کہ آن کے مابین کم سے کم پانچ نام ھونے چاھئیں ۔ مشرقی تاریخوں میں جو سلسلہ انساب میں اس طرح ناموں کی کمی پائی جاتی ھے اُس کی وجہ یہ ھے کہ مشرقی مؤرخوں نے سلسلہ انساب کو پرانے عربی شعرا کے اشعار اور تحریروں سے اخذ کیا ھے ۔ اُن شاعروں کا قاعدہ تھا کہ اپنے اشعار میں اُنھیں لوگوں کا ذکر کیا کرتے تھے ، جنھوں نے کسی بڑے بڑے کاموں کی وجہ سے شہرت حاصل کی ھو اور جن لوگوں نے ایسی شہرت نہیں حاصل کی اُن کے نام اُن اشعار میں نہیں پائے جاتے تھے اور یہی سبب ھے کہ مشرقی مؤرخوں نے جو سلسلہ انساب قائم کیا ھے اس میں سے وہ نام چھوٹ گئے ھیں ۔

عرب العاربہ کا شجرہ انساب ھم اپنے اس مضمون کے اخیر میں شامل کریں گے اس شجرہ میں جہاں ھم کہیں ھم کو اس طرح پر ناموں کے رہ جانے کا شبہ ھوا ھے یا جہاں کہیں خود مشرقی مؤرخوں نے ناموں کے رہ جانے کا اقرار کیا ھے ۔ وھاں ھم نے ایک نشانی ستارہ کی بنا دی ھے ۔ جس سے ظاھر ھوگا ۔ کہ کس قدر نام ھماری دانست میں اُس سلسلہ میں سے چھوٹ گئے ھیں ۔

جس زمانے میں کہ شداد نے یمن والوں پر غلبہ حاصل کیا اور سلطنت کی باگ اپنے ھاتھ میں لی ۔ اس کا صحت کے ساتھ متعین کرنا کسی قدر غیر ممکن ھے با ایں ھمہ کہہ سکتے ھیں کہ نعمان کی تخت نشینی سے چند سال بعد یا اُس کی وفات سے بہت ھی تھوڑے عرصہ میں شام کے پانچ بادشاھوں کے باھم لڑائی شروع ھوئی ۔ توریت مقدس سے معلوم ھوتا ھے کہ اِس لڑائی کا اثر عرب میں بھی پہنچا تھا ۔ کیوں کہ اُس میں لکھا ھے کہ ”پس

در سال چہار دهم کدر لاعومر و ملوکے کہ بهمراهش بودند آمده رفائیان را در عشتروث قرنیم و زوزیان را در هام و ایمیان را در شاوه قریا تایم شکست دادند و نیز حوریان را در کوه خود شاں سیعیرتا ایل پاران کہ در نزدیک صحر است و برگشته بعین مشپاط کہ قادیش است آمدند و تمامی مرزو بوم عمالیقیان و اهم اموریانی کہ در حصصون تا مار ساکن بودند شکست دادند۔'' (سفر تکوین باب ۱۴ ورس ۵ و ٦ و ۷)۔

ظاہر ہے کہ یہ حملہ آور قادیش کے شمال سے آئے ہوں گے کیوں کہ سیعیر کے پہاڑ اُس جگہ سے شمال میں واقع ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قادیش کے جنوب میں دور جا کر فاران میں چلے گئے جس سے آج تک حجاز مراد لیا جاتا ہے۔ کیوں کہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس بیان کے کہ حملہ آور پاران سے قادیش کو لوٹ گئے کچھ بھی معنی نہ ہوتے، اگر یہ کہیں کہ یہ لوگ مغرب کی جانب گئے ہوں گے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیوں کہ اُس طرف بنی عملیق رہتے تھے، جن سے کہ ان حملہ آوروں نے اپنی پہلی مہم سے قادیش کو واپس آنے کے بعد جنگ کی تھی۔

اس وقت اشمح کی حکومت اور عمل داری صوبہ یمن اور حجاز پر پھیل گئی جو کہ یہ زمانہ اُس کے عہد حکومت کی ابتدا کا تھا۔ اس لیے خیال ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا حملے کی وجہ سے اُس کی طاقت میں کسی قدر ضعف آ گیا ہو۔ جس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ سلطنت یمن کی اس ضعف اور شکستہ حالت کو دیکھ کر شداد نے جو ہمیشہ ایسے موقع کا منتظر رہتا تھا، اشمح پر حملہ کیا ہو اور اس کو حکومت سے بے دخل کرکے تخت چھین لیا ہو۔ ان وجوہ کی بنا پر ہم کو اس بات کے یقین کرنے

کی ترغیب ہوتی ہے کہ اشمح ۲۰۹۱ دنیوی یا ۱۹۱۳ قبل حضرت مسیح میں تخت پر بیٹھا تھا اور شداد نے ۲۰۹۲ دنیوی یا ۱۹۱۲ قبل حضرت مسیح میں اُس کی سلطنت کو چھین لیا تھا اور یہ زمانہ اُس عام قاعدہ سے جو علم انساب میں پشتوں کے پیدا ہونے کے لیے قرار دیا گیا ہے، بالکل مطابق ہوتا ہے۔

شداد کے بعد اُس کے دو بھائی لقمان اور ذو شدد یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے اور ذو شدد کے بعد اُس کا بیٹا الحارث بادشاہ ہوا۔ اُس زمانے تک اور اُس کے بہت عرصہ بعد تک وہاں دو خود مختار سلطنتیں رہیں ایک یمن کی اور دوسری حضر موت کی آخر کو ایک دوسرا شخص مسمی الحارث جس کا لقب رائش ہوا تخت پر بیٹھا۔ اُس نے ان دونوں سلطنتوں کو ملا کر ایک کر دیا۔ اس لیے بعض مؤرخوں نے غلطی سے پہلے الحارث اور دوسرے الحارث کو ایک ہی شخص سمجھا اور اُسی کی طرف دونو سلطنتوں کو ملانا منسوب کیا۔ اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن بادشاہوں کے نام جو اُن دونو الحارثوں کے مابین فرماں روا ہوئے تھے ہر ایک مورخ نے چھوڑ دیے اور اُن کے نام معدوم ہو گئے۔ اس غلطی کا ثبوت اس طرح پر ہوتا ہے کہ جو زمانہ ان بادشاہوں کا گذرا ہے اور جو تعداد بادشاہوں کی لکھی ہے وہ بہ‌لحاظ امتداد زمانہ کے نہایت کم ہے۔

ثم ملک بعده اخوه لقمان بن عاد ثم ملک بعده اخوه ذو شدد بن عاد ثم ملک بعده ابنه الحرث بن ذی شدد ویقال له الحارث الرایش (ابوالفدا)

حمزہ اصفہانی اپنی تاریخ میں بیان کرتا ہے کہ الحارث الرایش ذو شدد کا بیٹا اور

الحارث الرائش هوالحارث

بن قیس بن صیفی بن سبا الاصغر الحمیری و کان الرائش اول غزا منهم فاصاب الغنائم و ادخلها ارض الیمن فار تاشت حمیر فی ایامه و کان هو الذی راشهم فبذالک سمی الرایش و بین الرائش و بین حمیر خمسة عشراباً تاریخ سنی ملوک الارض و الا نبیاء لحمزة اصفحانی۔

جانشین نہ تھا بلکہ حضر موت کے خاندان میں سے تھا ۔ افسوس کی بات ہے کہ یہ مصنف آن بادشاھوں کی تعداد بھی نہیں بتلاتا جن کے نام معدوم ہو گئے ھیں لیکن اس کا یہ بیان کہ حمیر اور الحارث الرایش کے مابین پندرہ پشتیں گذری تھیں ۔ ھم کو کسی قدر ٹھیک ٹھیک وقت کے معین کرنے پر قادر کرتا ھے ۔

اگر ھم بیان صدر پر اعتماد کریں تو ھم کو یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ھے کہ الحارث ابن شدد کے اور الحارث الرایش کے مابین سات یا آٹھ اور بادشاہ ھوئے ھوں گے ۔

الحارث الرایش قیس بن صیفی بن سباالاصغر کا جو حمیر کی اولاد

ثم ملک بعده ابنه ذو القرنین الصعب بن الرایش ثم ملک بعده ابنه ذوالمنار ابرهه بن ذی القرنین ثم ملک بعده ابنه آفریقش بن ابرهه ثم ملک بعده ذو الاذعار عمرو بن ذو المنار ثم ملک بعده شرحبیل بن عمرو

میں ھے ، بیٹا تھا اور جیسا کہ اوپر مذکور ھوا وہ یمن اور حضر موت دونو سلطنتوں کو ملانے میں کامیاب ھوا اور اسی سبب سے رایش یا تبع الاول کا لقب پایا ۔

اس کے بعد صعب ملقب بہ ذو القرنین اور ابرھہ ملقب بہ ذو المنار ۔ اور افریقش ، اور

بن غالب بن المنتات بن زيد بن يعفر بن السكسک بن واثل بن حمير . . ثم ملک بعده ابنه الهدهاد بن شرحبيل ثم ملکت بعده بنته بلقيس بنت الهدهاد و بقيت فی ملک اليمن عشرين سنة و تزوجها سليمان بن داؤد (ابو الفدا) ۔
وقد نقل ابن سعيد المغربی ان ابن عباس سئل عن ذی القرنين الذی ذکره‌الله تعالیٰ فی کتابه العزيز فقال هو من حمير و هو الصعب المذکور فيکون ذوالقرنين المذکور فی الکتاب العزيز هو الصعب بن الرايش المذکور لا الا سکندر الرومی (ابوالفدا) ۔
و کان اول من ابن السدسبا الاکبر و اسمه عامر و قيل عبد شمس بن يشحب بن يعرب بن قحطان ثم

عمر و ملقب به ذو الا ذعار يکے بعد ديگرے تخت نشين هوئے ۔
عمرو ذوالاذعار کے عهد حکومت میں شرحبیل نے اُس پر حمله کیا اور بے شمار خون ریز لڑائیوں کے بعد عمرو ذوالا ذعار کو شکست دی اور اُس کی سلطنت پر قابض هو گیا ۔ شرحبیل کے بعد اُس کا بیٹا الهدهاد جانشین هوا اور اُس کے بعد ملکه بلقیس تخت پر بیٹھی، جس نے بیس برس سلطنت کرکے حضرت سلیمان بادشاه یهود سے نکاح کر لیا ۔ اس ملکه کی حکومت کا اختتام توریت مقدس سے ۳۰۰۰ دنیوی یا ۵۰۰ قبل حضرت مسیح میں پایا جاتا هے ۔ اس لیے نسلوں کے پیدا هونے کے معینه قاعده کے مطابق الحارث الرایش اور صعب ذوالقرنین یا تو اٹھائیسویں صدی دنیا کے آخر میں یا آنیسویں صدی کے شروع میں هوئے هوں گے یعنی ۱۲۰۰ قبل حضرت مسیح کے ۔

بناہ حمیر ابن سبا بعد
موت ابیہ ثم اتمہ بعد
ذالک ذو القرنین الحمیری
و ھو الصعب بن ابی مراید
و کان السد من جبل مارب
الی جبل الابلق و ھما
جبلان منیفان علی
الجبال الشافحۃ الممتد
من یمین السدو شمالہ
(العقود اللولویہ فی
اخبار دولۃ الرسولیہ
یمنی) ۔
ثم ملک بعد ھا عمہا
ناشر النعم بن شرحبیل
۔ ۔ ۔ ثم ملک بعدہ شمر
برعش بن ناشر النعم
۔ ۔ ۔ ثم ملک بعدہ ابنہ
ابو مالک بن شمر ثم
ملک بعدہ عمران بن
عامر الازدی ۔ ۔ ۔ ثم ملک
بعدہ اخوہ مزیقیا (ابوالفدا)

ابن سعید مغربی کا بیان ہے کہ
جب حضرت ابن عباس سے اس
ذوالقرنین کی نسبت جس کا ذکر
قرآن مجید میں ہے ۔ پوچھا گیا
تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ
صعب حمیری تھا ۔ اس دلیل
پر ابو الفدا نے بیان کیا ہے
کہ اسی ذو القرنین کا ذکر
قرآن مجید میں ہے نہ کہ
سکندر اعظم کا ۔
ایک مشہور و معروف کام سد
کی تعمیر کا اسی ذو القرنین کے
عہد میں اختتام کو پہنچا ۔
شاہان یمن کی تاریخ سے ظاہر
ہوتا ہے کہ اس سد کی بنا
سبا اکبر نے شروع کی تھی ۔
اس کے بیٹے اور جانشین حمیر
نے اس کو جاری رکھا اور
ذو القرنین نے اسے اختتام کو
پہنچایا ۔ وہ سد دو پہاڑوں کے
درمیان تھی ۔ ایک پہاڑ کا نام
مارب اور دوسرے کا نام ابلق تھا ۔

بلقیس کے بعد اس کا چچا زاد بھائی مالک ملقب بہ ناشر النعم تخت نشین ہوا اور اس کے بعد اس کا بیٹا شمر برعش اور اس کے بعد اس کا بیٹا ابو مالک تخت پر بیٹھا ۔ اس بادشاہ کی سلطنت

مین عمزان نے جو خاندان ازد سے تھا ، اُس پر حملہ کیا اور شکست دے کر تخت چھین لیا اور سلطنت بنی حمیر کے خاندان سے بنی کہلان کے خاندان مین منتقل ہو گئی۔ عمران کے بعد اُس کا بھائی عمر مزیقیا تخت نشین ہوا ۔

اُس کے زمانے میں الاقرن بن ابو مالک نے اپنے باپ کی سلطنت کا دعویٰ کیا اور مزیقیا سے لڑ کر اُس کو شکست دی ،

ملک الاقرن بن ابی مالک ثم ملک بعده ذوحبشان بن الا قرن ... ثم ملک بعده اخوه تبع بن الاقرن ثم ملک بعده ابنه کلیکرب بن تبیع ثم ملک بعده ابو کرب اسعد و هو تبع اوسط و قتل ثم ملک بعده ابنه حسان بن تبع ... ثم قتله اخوه عمرو من تبع و ملک ... فسمی ذالاعواد ثم ملک بعده عبد کلال ابن ذوی الاعواد ثم ملک بعده تبع بن حسان ابن کلیکرب و هو تبع الا صغر ثم ملک بعده ابن اخته الحارث بن عمرو و تهود الحارث المذکور

اور سلطنت چھین لی اور حمیر کے خاندان میں دوبارہ سلطنت لوٹ آئی ۔

اس کے بعد اس کا بیٹا ذوحبشان مالک تاج و تخت ہوا ۔ اُس کے بعد اُس کا بھائی تبع اکبر اُس کے بعد اُس کا بیٹا کلیکرب اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا ابو کرب اسعد طبع اوسط اُس کے بعد اُس کا بیٹا حسان اُس کے بعد اُس کا بھائی عمر ذوالاعواد اُس کے بعد اُس کا بیٹا عبد کلال تخت نشین ہوا ۔ تبع اصغر پسر حسان نے اُس بادشاہ سے سلطنت چھین لی اور خود بادشاہ ہوگیا ۔ اُس کے بعد اُس کا بھتیجا حارث بن عمر تخت پر بیٹھا ۔ تمام مؤرخوں کا اتفاق ہے کہ حارث نے یہودی

ثم ملک بعده مرثد ابن
کلال ۔ ۔ ۔ ثم ملک بعده
و کیعه ابن مرثد
(ابو الفدا) ۔

ثم ملک ابرهه بن
الصباح ثم ملک صمبان
بن محرث ثم ملک عمر
بن تبع ثم مالک بعده
ذوا نواس وکان من لا یتهود
القاه فی اخدود مضطرم
ناراً فقیل له صاحب
الاخدود ثم ملک بعد
ذوجدن و هو اخر ملوک
الحمیر (ابوالفدا) ۔

من کتاب ابن سعید
المغربی ان الحبشه
استولوا علی الیمن بعد
ذی جدن الحمیری
المذکور و کان اول ملک
الیمن من الحبشه ارباط
ثم ملک بعده ابرهة
الاشرم صاحب الفیل الذی
قصد مکة ثم ملک
بعده یکسوم ثم ملک
بعده مسروق بن ابرهه و

مذهب اختیار کر لیا تھا ۔ اس
کے بعد مرثد ابن کلالِ اور
اس کے بعد وکیعه ابن مرثد
تخت نشین هوئے ۔

ان بادشاهوں کی حکومت
کا زمانه حارث بن عمر کے
یهودی مذهب اختیار کرنے کی
وجه سے کسی قدر صحت کے
ساتھ معلوم هو سکتا هے ۔ جب
که بخت نصر فلسطین کو فتح
کر کے اور بیت المقدس کو
مسمار کر کے حضرت دانیال اور
آن کے دوستوں کو قیدی بنا
کر بابل کو لے گیا آس وقت
کچھ یهودی بچ کر یمن کو
بھاگ گئے تھے ۔ آس زمانه
میں حضرت یرمیاه اور دانیال
پیغمبر تھے ۔ اس لیے یه بات
نهایت قرین قیاس معلوم هوتی
هے که ان مفرور یهودیوں کی
وجه سے الحارث نے خدائے
واحد کا اقرار کیا هوگا اور
یهودی مذهب کو قبول کیا
هوگا اور یه امر واقعی هے
که الحارث اور وکیعه آس

هو اخر من ملك اليمن من الحبشة ثم عاد ملك اليمن الى حمير و ملكها سيف بن ذی يزن الحميری (ابو الفدا)۔

زمانہ میں حکمران تھے یعنی ۳۴۰۰ دنیوی میں یا ۶۰۴ قبل حضرت مسیح میں۔ اس امر کا واقعی ہونا زیادہ تر اس لیے قابل اعتبار ہے کہ نسلوں کے پیدا ہونے کے قدرتی قاعدہ کے مطابق بھی یہ زمانہ ٹھیک ٹھیک صحیح آتا ہے۔ کیوں کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ مالک ناشر النعم ۳۰۰۱ دنیوی میں تخت پر بیٹھا تھا۔ مالک اور وکیعہ کے درمیان گیارہ اور بادشاہ گذرے ہیں جن کا زمانہ مجموعاً چار سو برس خیال کرنا قرین عقل ہے۔ وکیعہ کے بعد چھ اور بادشاہ خاندان حمیر میں سے تخت نشین ہوئے یعنی ابرھہ بن الصباح، صہبان بن محرث، عمر ابن تبع، ذوشناتر، ذو نواس لقب بہ ذواخدود ذوجدن جو کہ ان بادشاہوں کا خاندانی سلسلہ صاف صاف تحقیق نہیں ہوا۔ اس لیے ہم نے اُن کے ناموں کو شجرۂ انساب عرب العاربہ میں شامل کر دینے کی جرأت نہیں کی بلکہ اُن کے ناموں کو شجرہ کے حاشیہ پر لکھ دیا ہے۔ ان لوگوں کی سلطنت کا ٹھیک زمانہ بھی تحقیق نہیں ہوا ہے۔

ذونواس ایک متعصب یہودی تھا اور یہودی مذہب والوں کے سوا ہر مذہب کے معتقدوں اور پیرؤں کو آگ میں زندہ جلوا دیا کرتا تھا۔ اس بات کے خیال کے واسطے ایک عمدہ وجہ یہ ہے کہ یہ یہی وہ زمانہ تھا جب کہ آرٹا زرکسیز اوکس نے چند یہودیوں کو جو مصر میں قید ہوئے تھے کیوں کہ اُن کا ملک مصر سے ملا ہوا تھا ہرقانیہ (مازندراں) کو بھیج دیا اور چوں کہ یہ بادشاہ بھی یہودی تھا اُس کی سلطنت کو بھی سخت صدمہ پہنچا اور حبشیوں نے اُس پر غلبہ کر لیا اور

اس کو سلطنت سے خارج کر دیا ۔ پس یہ زمانہ اس خاندان کا آخری زمانہ معلوم ہوتا ہے اور ۳٦۵۰ دنیوی یا ۳۵۴ قبل حضرت مسیح کے مطابق ہوتا ہے ۔

اس زمانہ سے ہمارے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت تک نو سو بیس برس ہوتے ہیں ۔ اس درمیان میں افریقہ کے لوگوں کی جو ارباط حبشہ کہلاتے تھے اور نیز بعض عرب المستعربہ اور ابرہوں کی حکومت رہی ۔

مشرق مؤرخوں نے اس بات کے غلط خیال سے کہ ارباط حبشہ اور ابرھہ دو شخص تھے بیان کیا ہے کہ اس زمانہ میں صرف دو ہی بادشاہ ہوئے حالاں کہ ارباط حبشہ اور ابرھہ خاندانی لقب ہیں اور ان خاندانوں کے بادشاہ اپنے اصلی نام کے ساتھ خاندانی لقب کو شامل کر لیتے تھے ۔

اس خاندان ابرھہ میں ایک بادشاہ کا نام اشرم تھا جو ابرھہ اشرم صاحب الفیل کہلاتا ہے اور جس نے مکہ معظمہ پر ۴۵۷۰ دنیوی یا ۵۷۰ عیسوی میں چڑھائی کی تھی ۔ وہ اپنے ساتھ بہت سے ہاتھی اس نیت سے لے گیا تھا کہ خانہ کعبہ کو منہدم کر دے اس کے بعد اس کا بیٹا ابرھہ مسروق تخت نشین ہوا ۔ مگر سیف بن ذی یزن حمیری نے اس کو سلطنت سے بے دخل کر دیا جس کو کسریٰ نوشیرواں والی ایران نے بہت مدد دی تھی جیسا کہ آگے معلوم ہوگا ۔ اس کے بعد سے خاندان ابرھہ کی حکومت منقطع ہو گئی ۔

سیف بن ذی یزن جو حمیر کے شاہی خاندان سے تھا اپنے آپ کو سلطنت یمن کا وارث اور حق دار سمجھتا تھا اس نے روم کے بادشاہ وقت سے مدد چاہی اور شہر روم میں اسی غرض سے دس برس تک پڑا رہا ۔ مگر جب کہ اس کی امید منقطع

ہوگئی تو وہاں سے کسریٰ نوشیرواں کے پاس چلا گیا اور اس سے کمک کی استدعا کی ۔

اس بادشاہ نے اُس کی درخواست کو منظور کیا اور بہت بڑا لشکر اُس کی کمک کو دیا اور اس نے اُس لشکر کی مدد سے اپنے دشمن کو شکست دی اور خاندان ابرھه کا خاتمہ ہو گیا اور سیف بن ذی یزن از سر نو تخت پر بیٹھا ۔

اُس نے اپنی سکونت شاہی محل غم دان میں اختیار کی اور عیش و عشرت میں محو ہو گیا ۔ اس بادشاہ کے عہد کے شعرا نے اس کی بہت تعریف و توصیف کی ہے اور جو کہ ان اشعار میں بعض تاریخی واقعات ملتے ہیں اس لیے ہم چند شعر اس جگہ نقل کرتے ہیں ۔

لا تقصد الناس الاّ کابن ذی یزن
اذ خیم البحر للاغداء احوالا

وافی هرقل و قد شالت نعمامته
فلم یجد عنده النصر الذی سالا

ثم انتحی نحو کسرے بعد عاشرة
من السنین یهبن النفس و المآلا

حتّٰی اتی ببنی الاحرار یقدمهم
تخالهم فوق متن الارض اجبالا

لله درهم من فتیه صبر
ما ان راُیت لهم فی الناس امثالا

ببض مرازبة غلب اساورة
اسدٌ تربت فی الغیضات اشبالا

فاشرب هنیاً علیک التاج مرتفقا
برا س غمدان دارآ منک محلالا

تلک المکارم لا قعبان من لبن
شیبا بماء فعادا بعد ابوالا

سیف بن ذی یزن کو ایک آس کے درباری حبشی مصاحب نے قتل کیا ۔ آس کے بعد آس صوبہ کو نوشیرواں نے اپنے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا اور اپنی جانب سے وهاں عامل مقرر کرتا رها ۔ آن عاملوں میں سے اخیر عامل باذان تھا ۔ اس کا زمانه اور آنحضرت صلی الله علیه وسلم کا زمانه متحد تھا چناں چه وه آنحضرت پر ایمان لایا اور مسلمان هو گیا ۔

و کان سیف بن ذی یزن المذکور قد اصطفی جماعة من الحبشان و جعلهم من خاصة فاغتالوه و قتلوه فارسل کسریٰ عاملا علی الیمن و استمرت عمال کسریٰ علی الیمن الیٰ ان کان آخرهم باذان الذی کان علیٰ عهد النبی صلی الله علیه وسلم و اسلم (ابوالفدا) ۔

عرب العاربه میں خاندان قحطان نے بڑی طاقت اور شہرت حاصل کی اور صوبه حیره میں ایک زبردست سلطنت قائم کی ۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ مالک بن فہم تھا اس کے بعد آس کے بھائی عمرو کو تخت ملا ۔ اس کے بعد جذیمه بن مالک تخت پر بیٹھا ۔ یه جریح مگر طامع بادشاه تھا ۔ آس نے اپنی سلطنت کو بہت قوی اور مستحکم کر لیا تھا ایک طرف

اول من ملک علی العرب بارض الحیره مالک بن فهم ۔ ۔ ۔ ثم ملک بعده اخوه عمرو بن فهم ثم ملک بعده ابن اخیه جذیمه بن مالک بن فهم ۔ ۔ ۔ وکانت له اخت تسمی رقاش (ابو الفدا) ۔ لما قتل جذیمه ملک بعده ابن اخته

عمرو بن عدی بن نصر
بن ربیعہ ۔۔۔ ثم مات
و ملک بعدہ ابنہ
امرؤ القیس ۔۔۔ و کان یقال
لامرؤ القیس البداے
الاول ثم ملک بعد
امرؤ القیس ابنہ عمرو بن
امرؤالقیس ۔۔۔ ثم ملک
بعدہ اوس بن قلام
العملیقی ثم ملک اخو
من العمالیق ثم رجع
الملک الی بنی عمرو
بن عدی بن نصر
بن ربیعہ اللخمیین
المذکورین و ملک
منہم امرؤ القیس من
ولد عمرو بن امرؤ القیس
المذکور و یعرف ھذا
امرؤ القیس الثانی
بالمحرق لانہ اول من
عاقب بالنار ثم ملک
بعدہ ابنہ النعمان
الاعور بن امرؤالقیس ۔۔۔
ثم تزھد و خرج من
الملک ۔۔۔ ملک بعدہ

تو دریائے فرات اُس کی سلطنت
کی حد تھی اور دوسری طرف
حدود شام تک پھیل گئی
تھی ۔ شام تک سلطنت پھیلانے
میں اُس کو عملیق سے لڑنا
پڑا ۔ اور ایک سخت اور
خونریز لڑائی کے بعد اُن کو
شکست دی ۔ اس بادشاہ کی
بہن نے جس کا نام رقاش تھا
ایک شخص مسمے عدی سے
جو بنی لخم میں سے تھا شادی
کی تھی ۔

جذیمہ کے بعد اُس کا
بھانجا عمرو بن عدی تخت نشین
ہوا اُس کے بعد اُس کا بیٹا
امرو القیس اور اس کے بعد
اُس کا بیٹا عمرو بادشاہ ہوا
مگر اُس کو ”اوس“ بن
قلام عملیقی نے تخت سے اُتار
دیا ۔ اُس کے بعد ایک یا دو
اور بادشاہ اُسی خاندان کے
فرمانروا ہوئے جن کے نام
معلوم نہیں ۔ لیکن اس قدر
محقق ہے کہ امروالقیس ثانی
بن عمرو نے بہت جلد اپنے

ابنه المنذر بن نعمان
--- ثم ملک بعده ابنه
الاسود بن المنذر
(ابو الغدا) -

ثم ملک بعده اخوه
المنذر بن المنذر بن
نعمان الاعور ثم ملک
بعده علقمة الذمیلی
ذو میل بطن من لخم
ثم ملک بعده
امرؤ القیس بن النعمان
بن امرؤ القیس المحرق
--- ثم ملک بعده ابنه
المنذر بن امرؤالقیس ---
لقب بماء السماء ---
وطرد کسری قباد المنذر
المذکور عن ملک الحیرة
و ملک مرضعه الحرث بن
عمر بن حجرالکندی ---
ثم لاتمکن کسری نوشیروان
بن قباد المذکور فی الملک
طرد الحارث و اعاد المنذر
بن ماء السماء الی ملک
الحیرة (ابوالفدا) -

ثم ملک بعد المنذر

بھائی کی کھوئی ہوئی سلطنت
کو لے لیا اور دوبارہ سلطنت
کو اپنے خاندان میں منتقل
کر لیا - یہ اول شخص تھا
جس نے کہ انسانوں کو زندہ
جلانے کی وحشیانہ رسم کو
رواج دیا تھا اور اس سبب
سے اُس نے المحرق کا لقب
حاصل کیا تھا - اس کے بعد
نعمان جانشین ہوا - مگر دنیا
کے ترددات اور جھگڑوں سے
کبیدہ خاطر ہوکر تیس برس
تک سلطنت کرنے کے بعد
بادشاہت کو چھوڑ دیا اور
عبادت میں مصروف ہوا - اُس
کے بعد اس کا بیٹا المنذر الاول
تخت پر بیٹھا- اُس کے بعد اُس
کا بیٹا اسود تخت نشین ہوا
جس کو غسانی بادشاہوں سے
چند لڑائیاں لڑنی پڑیں- اس کے
بعد اُس کا بھائی المنذر الثانی
تاج و تخت کا مالک ہوا -
اس کے بعد علقمہ ذہیلی اور
اُس کے بعد امرؤالقیس ثالث
بن نعمان نے زمام سلطنت اپنے

عمرو مفرط الحجاره ---
ثم ملک بعده اخوه
قابوس --- ثم ملک بعده
اخوهما المنذر بن المنذر
ثم ملک بعده ابنه
النعمان بن المنذر بن
المنذر بن ماء السماء
و کنیتا ابو قابوس
و هو الذی تنصر ---
ثم انتقل الی ایاس ابن
قبیصة الطائ --- ثم
ملک بعد ایاس زاویه بن
ماهان الهمدانی ثم عاد
الملک الی الخمیین فملک
بعد زاویه المنذر بن
النعمان بن المنذر بن
المنذر بن ماء السماء
سمعته العرب المغرور
و استمر مالکاً للحیرة
الی ان قدمّ لها خالد بن
الولید و استولی علی
الحیرة (ابوالفدا) -

اول من ملک غسان
جفنة بن عمرو بن ثعلبة
بن عمر بن مزیقیا ---

هاتھ میں لی - اس کے بعد
اس کا بیٹا المنذر الثالث لقب
به ماء السماء جانشین ہوا - مگر
اس بادشاہ کو کسریٰ قباد
نے سلطنت سے خارج کر کے
الحرث کو جو "کندی"
خاندان میں سے تھا اور جس
نے ایران کے بادشاہ کا مذہب
اختیار کر لیا تھا مقرر کیا -
جب که کسریٰ نوشیروان
تخت پر بیٹھا اس نے الحرث
کو حکومت سے علحدہ کر دیا
اور المنذر الثالث کو پھر
حکومت دی - اس کے بعد اس
کا بیٹا عمرو اور اس کے بعد
اس کا بھائی قابوس اور اس کے
بعد اس کا بھائی المنذر الرابع
اور اس کے بعد اس کا بیٹا
نعمان ابو قابوس تخت پر بیٹھا -
اس نعمان نے عیسائی مذہب
اختیار کر لیا اور خسرو پرویز
کے زمانہ میں ایک مشہور
لڑائی میں جو ایرانیوں کے
ساتھ ہوئی تھی مارا گیا - اس
کے بعد ایاس ابن قبیصہ الطائی

ثم هلک و ملک بعد
ابنه عمر بن جفنه ---
ثم ملک و ملک بعده
ابنه ثعلبة بن عمرو ---
ثم ملک بعده ابنه الحارث
بن ثعلبه ثم ملک ابنه
جبلة بن الحارث ثم ملک
ابنه الحرث --- ثم ملک
بعد ابنه المنذر الاکبر
(ابوالفدا) ـ

ثم هلک المنذر الاکبر
المذکور و ملک بعد
اخوه النعمان ابن الحرث
ثم ملک بعده اخوه جبلة
بن الحارث ثم ملک بعده
اخوهم عمرو بن الحارث
ثم ملک جفنته الاصغر
--- ثم ملک بعده اخوه
النعمان الاصغر ثم ملک نعمان
بن عمرو بن المنذر --- ثم
ملک بعده النعمان
المذکور ابنه جبلة بن
النعمان --- ثم ملک
بعده النعمان بن الایهم
--- ثم ملک اخوه الحرث

اور اُس کے بعد زاویه اور
اُس کے بعد المنذر الخامس بن
نعمان ابو قابوس بادشاه هوا
اس بادشاه کو خالد بن ولید
سردار لشکر اسلام نے شکست
دے کر سلطنت کو چھین لیا ـ

جس زمانه میں یه سب
بادشاه حکمران هوئے اُس
زمانه کا ٹھیک ٹھیک معین
کرنا اگر غیر ممکن نہیں تو
مشکل توبے شک هے مگر اخیر
بادشاهوں میں سے کم سے کم
دو بادشاهوں کی فرماں روائی
کا زمانه ٹھیک ٹھیک بدرجه
یقین معلوم هے اور اگر نسلوں
کے هونے کے معمولی قاعده پر
غور کیا جاوے تو بعض
اور بادشاهوں کے عهد
سلطنت کے زمانه کے محقق
هونے کے لیے کافی پته لگ
جاوے گا ـ

عمرو بن المنذر ماء السماء
کی حکومت کے آٹھویں سال
میں محمد رسول الله صلی الله
علیه وسلم نبی آخر الزمان پیدا

ابن الایهم ثم ملک ابنه
النعمان ابن الحرث ---
ثم ملک بعده ابنه المنذر
بن النعمان ثم ملک
اخوه عمرو بین النعمان
ثم ملک اخوهما حجر بن
النعمان ثم ملک ابنه
الحارث بن حجر ثم ملک
ابنه جبلة بن الحرث ثم
ملک ابنه الحارث ابن
جبلة ثم ملک ابنه
النعمان بن الحرث وکنیة
ابوکرب و لقبه قطام
ثم ملک بعده الایهم بن
جبلة --- ثم ملک بعده
اخوه المنذر بن جبله
ثم ملک اخوهما -
سراحیل بن جبلة
ثم ملک اخوهم عمرو
بن جبلة ثم ملک بعده
ابن اخیه جبله بن
الحرث بن جبله ثم
ملک بعده جبله بن
الایهم بن جبله و هو
آخر ملوک الغسان و

ہوئے تھے اس واسطے یہ
بادشاہ ۴۵۶۲ دنیوی تا ۵۶۲
عیسوی میں تخت پر بیٹھا ہوگا -
محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم پر پہلے پہل وحی
ایاس کی حکومت کے چھٹے
مہینے میں نازل ہوئی تھی اس
واسطے ایاس ۶۴۱۰ دنیوی یا
۶۱۰ عیسوی میں تخت نشین
ہوا ہوگا - عمرو کی تخت نشینی
سے پہلے آنیس بادشاہ ہو چکے
تھے اور اُن کی سطنتوں کے
زمانوں کے مجموعہ کا بطرز
معقول پانسو پچاس برس خیال
کیا جا سکتا ہے جس کا نتیجہ
یہ ہے کہ پہلا بادشاہ مالک
بن فہم اکتالیسویں صدی
دنیوی کے آغاز میں یا حضرت
مسیح کے زمانۂ ولادت کے
قریب تخت پر بیٹھا ہوگا -
عرب العاربہ نے ایک
اور سلطنت صوبہ غسان میں
قائم کی تھی اور اس سلطنت کے
حاکم عرب الشام کے نام سے
مشہور تھے - اگر صحیح طور

هو الذی اسلم فی خلافة
عمر ثم سار الی الروم و
تنصر (ابو الفدا) ۔

فلما ملک حجر
سدد امورهم و ساسهم
احسن سیاسة و انتزع
من اللخمیین ما کان
بایدهم من ارض بکر
ابن وائل ۔۔۔ و ملک
بعد الحجر المذکور
ابنه عمرو بن حجر ۔۔۔
ثم ملک بعده ابنه
الحرث بن عمرو
(ابوالفدا) ۔

و ملک اخوه (ای
اخا یعرب) جرهم الحجاز
ثم ملک بعد جرهم
ابنه عبد یالیل بن
جرهم ثم ابنه جرشم بن
عبد یالیل ثم ابنه عبد
المدان بن جرشم ثم
ابنه ثعلبة بن عبد
المدان ثم ابنه عبد
المسیح بن ثعلبه
ثم ابنه مضاض بن

پر غور کیا جاوے تو یه
حاکم قیصر روم کی طرف سے
بطور عمال کے تھے مگر شاهی
لقب اختیار کرنے کی وجه سے
تاریخ عرب میں بادشاهوں کے
ذیل میں بیان هوتے هیں ۔ جو
که بعض امور ان لوگوں سے
ایسے متعلق هیں جن سے هم
کو بعض امور کی تحقیقات اور
تجسس میں آسانی هوگی ۔ اس لیے
ان سلطنتوں کا ایک مختصر حال
اس مقام پر لکھتے هیں ۔

اس سلطنت کی بناء چار
سو برس قبل ظهور اسلام کے
هوئی اور یه زمانه تینتالیسویں
صدی دنیوی یا تیسری صدی
عیسوی سے مطابقت رکھتا هے ۔

جفنه بن عمرآس اس
خاندان کا پهلا شخص تھا ۔
جس نے لقب شاهی اختیار کیا
یه شخص ”ازد“ کی اولاد
میں سے تھا جو خاندان کهلان
سے علاقه رکھتا تھا وه عرب
جو اس سے پیشتر غسان میں
رهتے تھے ضجاعمه کهلاتے

عبد المسیح ثم ابنه
عمرو بن مضاض ثم
اخوه الحرث بن مضاض
ثم ابنه عمرو بن
الحارث ثم اخوه بشر
بن الحارث ثم مضاض بن
عمرو بن مضاض
(ابو الفدا) ۔

من ملوک العرب
زهیر ابن جباب بن حبل
۔۔۔ و کان زهیر المذکور
قد اجتمع بابرهة
الاشرم صاحب الفیل
(ابوالفدا) ۔

تھے اُن لوگوں نے عرصہ دراز
تک مستعدی کے ساتھ اُس کا
مقابلہ کیا مگر آخر کار جفنیہ
نے اُن پر فتح پائی اور اُن کو
مطیع کر لیا ۔

اس کے بعد اس کا بیٹا
عمرو تخت پر بیٹھا اور اُس کے
بعد اُس کا بیٹا ثعلبہ تخت نشین
ہوا ۔ ایک عرصہ تک
اختیارات شاہی یکے بعد
دیگرے ، الحارث ، جبلہ ،
الحرث ، المنذر الاکبر کے
ہاتھوں میں رہے ۔ اس اخیر
بادشاہ کا جانشین اُس کا بھائی
نعمان ہوا اُس کے بعد اُس کا بھائی جبلہ اور اُس کے بعد اس
کا بھائی ایہم اور اس کے بعد اس کا بھائی عمرو تخت نشین
ہوا ۔ اُس کے بعد جفنة الاصغر بن المنذر الاکبر کی باری آئی
اُس کے بعد نعمان الاصغر اور اُس کے بعد اس کا بھتیجا نعمان
ثالث بن عمرو بادشاہ ہوا ۔ اُس کے بعد جبلہ بن نعمان ثالث
کے ہاتھ سلطنت لگی ۔ یہ بادشاہ خاندان حیرہ سے بادشاہ
المنذر ماء السماء کا ہمعصر تھا اور اس سے چند لڑائیاں بھی
لڑا تھا ۔ اُس کے بعد نعمان رابع بن الایہم اور اُس کے بعد
الحرث الثانی اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا نعمان الخامس اور
اس کے بعد اُس کا بیٹا المنذر تخت نشین ہوا ۔ اُس کے بعد
عمرو برادر المنذر اور حجر برادر عمرو یکے بعد دیگرے

تخت نشین ہوئے ۔ اُس کے بعد الحارث بن حجر اور جبلہ بن الحارث اور الحارث بن جبلہ باری باری سے بادشاہ ہوئے ۔ پھر نعمان ابو کرب بن الحارث اور ایہم عم نعمان تخت پر بیٹھے ۔ الایہم کے بعد اُس کے تین بھائی المنذر ، سراحیل ، عمرو یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے عمرو کے بعد اُس کے بھتیجے جبلہ بن الایہم بن جبلہ کو سلطنت نصیب ہوئی ۔ یہ بادشاہ حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ تک زندہ تھا پہلے مسلمان ہو گیا ۔ اور اُس کے بعد روم کو بھاگ کر عیسائی ہو گیا ۔ اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ قریب ۴۶۴۰ دنیوی یا ۶۴۰ عیسوی میں ہو گیا ۔

عرب العاربہ کی ایک اور چھوٹی اور چند روزہ سلطنت کی بنیاد ”کندہ“ کی اولاد نے جو خاندان کہلان سے تھا ڈالی تھی ۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ حجر بن عمرو ہوا ۔ جس نے کہ مملکت حیرہ کے ایک حصہ کو دبا کر ایک نئی سلطنت قائم کی تھی اُس کے بعد اُس کا بیٹا عمرو اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا الحرث تخت پر بیٹھا ۔ ۔ یہ وہی شخص ہے جس نے کسریٰ قباد کا مذہب اختیار کر کے اُس کی اعانت سے سلطنت حیرہ کو فتح کیا تھا ۔ مگر جب نوشیرواں نے اُس سے المنذر کو سلطنت واپس دلا دی تب الحارث دیار کلب کو بھاگ گیا ۔ مگر اُس کے بیٹے چند روز تک چند مقالات پر حکومت کرتے رہے ۔ حجر بنی اسد پر حکمران رہا ۔ سراحیل بکر ابن وائل پر معدی کرب قیس عیلان پر ۔ سلمہ تغلب اور نمر پر حاکم رہا ۔

حجر کے بعد جو مارا گیا تھا اُس کے بیٹے امروالقیس نے از سر نو بنی اسد کو مطیع کر لیا ۔ یہ امروالقیس وہی بہت

بڑا مشہور شاعر عرب کا ہے ۔ جب کہ منذر ماء السماء از سر نو تخت سلطنت پر بیٹھا تو امرؤالقیس اُس کے خوف سے بھاگا اور کہیں روپوش ہو گیا ۔ ان سب بادشاہوں نے پنتالیسویں یا چھیالیسویں صدی دنیوی یا پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی میں حکومت کی تھی ۔

ایک اور سلطنت حجاز میں قائم ہوئی تھی ۔ جس زمانہ میں یمن اور حیرہ کی سلطنتیں اندرونی جھگڑوں سے ضعیف ہو گئی تھیں اُس زمانہ میں اولاد یعرب یا جرہم نے ایک نئی اور خود مختار سلطنت حجاز میں قائم کی تھی ۔ ابوالفدا کے نزدیک اس سلطنت کا پہلا بادشاہ جرہم تھا جس کا بھائی یعرب یمن میں حکمران تھا ۔ مگر یہ غلطی ہے اور اس وجہ سے عارض ہوئی ہے کہ ابوالفدا نے غلطی سے یعرب اور جرہم کو دو شخص خیال کیا تھا حالاں کہ یہ دونوں نام ایک شخص کے ہیں اور یہی ایک شخص یمن اور حجاز دونوں پر حاکم تھا ۔ ابوالفدا نے مندرجہ ذیل نام بیان کیے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ لوگ بھی یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے تھے اور وہ نام یہ ہیں ۔ یالیل ، جرشم بن یالیل ، عبد المدان بن جرشم ، ثعلبہ بن عبدالمدان ، عبد المسیح بن ثعلبہ ، مضاض بن عبدالمسیح ، عمرو بن مضاض ، الحرث برادر مضاض ، عمرو بن الحرث ، بشر بن الحرث ، مضاض بن عمرو بن مضاض ۔

اگر ابوالفدا کے نزدیک یہ بادشاہ حضرت اسمعیل بن حضرت ابراہیم سے پیش تر گذرے ہیں تو وہ بڑی غلطی پر ہے کیوں کہ عبد المسیح کے نام سے بلاریب ثابت ہوتا ہے کہ وہ عیسائی تھا اور اس لیے ممکن نہیں کہ وہ حضرت اسمعیل سے پیش تر گذرا ہو یا اُن کا ہم عصر ہو کچھ شک نہیں کہ

یه سلطنت اُس وقت قائم ہوئی تھی - جب کہ یمن اور حیرہ اور کندہ کی سلطنتیں زوال کی حالت میں تھیں اور اس لیے ہم کو یقین ہے کہ اس سلطنت کے بادشاہ پینتالیسویں اور چھیالیسویں صدی دنیوی یا پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں گذرے ہیں -

یہ بھی واضح ہو کہ عمرو بن لاحی ۳۲۱۰ دنیوی یا تیسری صدی عیسوی کے آغاز میں اسی سلطنت پر حکمران تھا - ابوالفدا کا بیان ہے کہ اسی شخص نے بت پرستی کو عرب حجاز میں رواج دیا تھا - اور کعبہ میں تین بت ، ہول کعبہ کی چھت پر اور اساف اور نائلہ اور مقاموں پر رکھے تھے -

مثل دیگر عرب العاربہ کے جو حجاز میں متوطن ہوئے اور پھر وہیں کے بادشاہ ہوئے - زهیر ابن جباب نے بھی لقب شاہی اختیار کیا - یہ بات اُس وقت کی ہے جب کہ ابرھہ اشرم نے مکہ معظمہ پر حملہ کیا تھا - کیوں کہ یہ بات مشہور ہے کہ زهیر بھی ابرھہ اشرم کے ساتھ اُس مہم میں شریک تھا اس لیے بآسانی محقق ہو سکتا ہے کہ اُس کا عہد حکومت چھیالیسویں صدی دنیوی یا چھٹی صدی عیسوی کے آخری حصہ میں ہوگا - سب سے مشہور واقعہ اُس کے عہد حکومت کا یہ تھا کہ اُس نے بنی غطفان کے اُس مقدس معبد کو جو انھوں نے کعبہ کے مقابلہ کے لیے بنایا تھا بالکل برباد کر دیا تھا -

## قبائل عرب العاربہ

اب ہم اِس مقام پر عرب العاربہ کے انساب کا شجرہ لکھتے ہیں - تمام قوم کا شجرہ لکھنا تو محالات سے ہے مگر یہ شجرہ انھیں لوگوں کا ہے جن کا ذکر ہم نے اس مقام پر کیا ہے - اس شجرہ سے اُن مطالب کے سمجھنے میں جو اس جگہ بیان ہوئے ہیں آسانی ہوگی -

تمام عرب العاربہ کا جن کا ہم نے اوپر مفصل ذکر کیا ہے - بنی جرہم کے خاندان سے علاقہ رکھتے ہیں مگر وقتاً فوقتاً بلحاظ اپنے مورثوں کے متعدد قبیلوں میں منقسم ہوتے گئے ہیں - اُن قبیلوں میں سے جو نامی قبیلے گذرے ہیں اور جن کا ذکر اکثر کتابوں میں آتا ہے - اُن کا بیان ہم اس مقام پر کرتے ہیں ان قبیلوں کی تقسیم کرنے میں ہم نے ابوالفدا اور معارف ابن قتیبہ سے استفادہ کیا ہے -

۱- یعرب یا جرہم سے - بنو جرہم -
۲- عبد الشمس بن یشجب سے - بنو سبا -
۳- حمیر ابن سبا سے - بنو حمیر -
۴- کہلان ابن سبا سے - بنو کہلان -
۵- اشعر ابن سبا سے - اشعری -
۶- انمار ابن سبا سے - بنو انمار -
۷- عاملہ بن سبا سے - عاملی -
۸- عدی بن انمار بن سبا سے - بنو عدی -
۹- لخم بن عدی سے - لخمی -
۱۰- جذام ابن عدی سے - بنو جذام -
۱۱- حدس ابن لخم سے - بنو حدس -
۱۲- غنم ابن لخم سے - بنو غنم -
۱۳- بنو الدار بن ھانی بن لخم سے - داری -
۱۴- غطفان ابن حیرام ابن جذام سے بنو غطفان -

قبائل ذیل بنو غطفان کی نسل میں ہیں:

۱۵- بنو نضلۃ -
۱۶- بنو احنف -
۱۷- بنو الضبیب -
۱۸- بنو ھدالہ -
۱۹- بنو نفاثہ -
۲۰- بنو ضلیع -

۲۱- بنو اعایزه -
۲۲- بنو شبره -
۲۳- بنو عبداللہ -
۲۴- بنو الخضره -
۲۵- بنو سلیم -
۲۶- بنو بجاله -
۲۷- بنو غنم -
۲۸- بنو الفاله -
۲۹- سعد بن مالک بن حیرام سے - بنو سعد -
۳۰- وائل بن مالک سے - بنو وائل -

## قبائلِ ذیل بنو سعد کی نسل میں ہیں

۳۱- بنو عوف -
۳۲- بنو عایزه -
۳۳- بنو فہیره -
۳۴- بنو صبحه -
۳۵- بنو الاخنس -
۳۶- بنوحی -
۳۷- حشم بن جذام سے - حشمی -
۳۸- حطمه بن جذام سے - بنو حطمه -

## قبائلِ ذیل بنو انمار کی نسل میں ہیں

۳۹- خثعمی -
۴۰- بجیلی -
۴۱- قسری -
۴۲- بنو احمس -
۴۳- دہان بن عامر بن حمیر سے - دہانی -
۴۴- یحصب بن دہان سے - یحصبی -
۴۵- اسلف بن سعد بن حمیر سے - سلفی -
۴۶- اسلم بن سعد سے - اسلمی -
۴۷- رعین بن حرث بن عمرو بن حمیر سے - آل ذی رعین -
۴۸- قضاعه بن مالک بن حمیر سے - بنو قضاعه -

## قبائلِ ذیل قضاعه کی نسل میں ہیں

۴۹- کلب ابن وبره سے - بنو کلب -
۵۰- عدی ابن جباب سے - بنو عدی -

۵۱- علیم ابن جباب سے - بنو عایم -
۵۲- بنو العبید -
۵۳- بنو رفیدہ -
۵۴- بنو مصار -
۵۵- بنو القین -
۵۶- بنو سلیح -
۵۷- بنو تنوخ -
۵۸- جرم ابن ربان سے - بنو جرم -
۵۹- راسب ابن جرم سے راسبی -
۶۰- بنو بہراء -
۶۱- بنو بلی -
۶۲- بنو مہرہ -
۶۳- بنو عذرہ -
۶۴- بنو سعد -
۶۵- بنو ھذیم عبد حبشی -
۶۶- خنہ ابن سعد سے خنی -
۶۷- سلامان ابن سعد سے - سلامانی -
۶۸- بنو جہینہ -
۶۹- بنو نہد -
۷۰- التبابعہ -

## قبائلِ ذیل التبابعہ کی نسل میں ھیں

۷۱- ذوقلاع -
۷۲- ذونواس -
۷۳- ذو اصبح -
۷۴- ذوجدن -
۷۵- ذوقایش -
۷۶- ذویزن -
۷۷- ذوجوش -
۷۸- بنو شحول -
۷۹- وائلہ ابن حمیر سے - بنو وائل -
۸۰- سکاسک بن وایلہ سے - بنو سکاسک -
۸۱- عوف بن حمیر سے - بنو عوف -
۸۲- فاران ابن عوف سے - بنو فاران -
۸۳- طے بن ادد کہلانی سے - طائی -
۸۴- غوث بن ادد سے - غوثی -

## قبائلِ ذیل طائی کی نسل میں ہیں:

۸۵- بنو بنہان - ۸۶- بنو ثعل -

۸۷- حاتمی - ۸۸- بنو السنبس -

۸۹- بنو تمیم -

۹۰- ثور بن مالک بن مرتہ کہلانی سے - ثوری -

۹۱- کندہ بن ثور سے - کندی -

۹۲- سکون بن کندہ سے - سکونی -

۹۳- اوسلہ بن ربیعہ بن خیار بن مالک کہلانی سے اوسلی -

۹۴- همدانی -

۹۵- سبیعی - ۹۶- وداعہ -

۹۷- مذحج بن یحابر بن مالک کہلانی سے مذحج -

۹۸- مراد بن مذحج سے - مرادی -

۹۹- سعد بن مذحج سے - سعدی یا سعد الشعیرہ -

۱۰۰- خالد بن مذحج سے - بنو خالد -

۱۰۱- عنس بن مذحج سے - عنسی -

۱۰۲- جعفی بن سعد سے - جعفی -

۱۰۳- جنب بن سعد سے جنبی -

۱۰۴- حکم بن سعد سے - حکمی -

۱۰۵- عایذ اللہ بن سعد سے - عایذی -

۱۰۶- جمل بن سعد سے - جملی -

۱۰۷- مران بن جعفی سے - مرانی -

۱۰۸- حریم بن جعفی سے - حریمی -

۱۰۹- زبید بن سعد سے - زبیدی -

۱۱۰- جدینہ بن خارجہ بن سعد سے - جدیلی -

۱۱۱- ابو خولان بن عمرو بن سعد سے - خولانی -
۱۱۲- انعم بن مراد بن مزحج سے انعمی -
۱۱۳- نخع بن جسر بن اوله بن خالد بن مرحج سے - نخعی -
۱۱۴- کعب بن عمرو سے - بنو النار -
۱۱۵- کعب بن عمرو سے - بنو الحاس -
۱۱۶- بنو قنان -
۱۱۷- الازد بن غوث کہلانی سے - ازدی -
۱۱۸- مازن بن ازد سے - مازنی یا غسانی -
۱۱۹- دوس بن ازد سے - دوسی -
۱۲۰- هنو بن ازد سے - هنوئی -
۱۲۱- جفنه بن ازد مازنی سے - جفنی -
۱۲۲- آل عنقا -
۱۲۳- آل محرق -
۱۲۴- جبلی -
۱۲۵- سلامان ابن میدعن بن ازد سے - سلامانی -
۱۲۶- دوس بن عدثان بن زهران الازدی سے - دوس عدثی -
۱۲۷- جذیمه بن مالک بن فہم بن غنم بن دوس سے - جذیمی -
۱۲۸- جهاضم بن مالک سے - جهاضمی -
۱۲۹- سلیمه بن مالک سے - سلیمی -
۱۳۰- هنابه مالک سے - بنو هنابه -
۱۳۱- معین بن مالک سے - معینی -
۱۳۲- یحمد بن معین سے - بنو یحمد -

## قبائل ذیل ازد کی نسل میں هیں :

۱۳۳- الغطریف -
۱۳۴- بنو یشکر -
۱۳۵- بنو الجدره -

۱۳۶- لہب بن عامر سے - بنو لہب -
۱۳۷- غامد بن عامر سے - غامدی -

## قبائلِ ذیل عبداللہ بن ازد کی نسل میں ھیں :

۱۳۸- قساملی - ۱۳۹- بنو عتیک -
۱۴۰- بنو بارق - ۱۴۱- بنو عوف -
۱۴۲- شہران بن عوف سے - بنو شہران -
۱۴۳- طاحیہ بن سود سے - بنو طاحیہ -
۱۴۴- بنو ھداد - ۱۴۵- خزاعی -
۱۴۶- قمیری - ۱۴۷- بنو حلیل -
۱۴۸- بنو المصطلق - ۱۴۹- بنو الکعب -
۱۵۰- بنو الملیح - ۱۵۱- بنو عدی -
۱۵۲- بنو سعد - ۱۵۳- اسلمی -
۱۵۴- جشمی -
۱۵۵- خزرج بن سالبتہ العنقا سے - خزرجی -

## قبائلِ ذیل خزرج کی نسل میں ھیں :

۱۵۶- جشمی - ۱۵۷- بنو تزید -
۱۵۸- سلمی - ۱۵۹- بنو بیاضہ -
۱۶۰- بنو سالم - ۱۶۱- بنو الجبلی -
۱۶۲- القراقل - ۱۶۳- بنو النجار -
۱۶۴- بنو ساعدہ -

## قبائلِ ذیل اوس کی نسل میں ھیں :

۱۶۵- اشہلی - ۱۶۶- بنو ظفر -
۱۶۷- بنو الحارثہ - ۱۶۸- اھل قبا -
۱۶۹- اجحجبی - ۱۷۰- جعادرہ -

۱۷۱- بنو واقف -　　　۱۷۲- سلمی -
۱۷۳- بنو خطمه -

# سوم

## عرب المستعربه یعنی پردیسی عرب

عرب المستعربه کے تمام قبیلے ایک هی اصل سے نکلے هیں. ان کا نسب ترح بن ناحور بن ساروغ بن راعو بن فالغ بن عیبر بن شالح بن ارفخشد بن سام تک پہنچتا هے - ترح کی اولاد جو عرب میں آباد هوئی پانچ شاخوں میں منقسم تھی اور اسی وجه سے عرب المستعربه بھی پانچ شاخوں میں منقسم هیں -

اول - اسمعیلی یا بنی اسماعیل بن ابراهیم بن ترح - (سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۲۸ ، باب ۱۶ ورس ۱۵) -

دوم - ابراهیمی یا بنی قطوره یعنی ابراهیم بن ترح کی اولاد قطوره کے سلسله سے (سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۲۸ و باب ۲۵ ورس ۱) -

سوم- ادومی یا بنی عیسو یعنی اولاد ادوم بن اسحاق بن ابراهیم بن ترح - (سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۲۸ و باب ۲۱ ورس ۳ و باب ۲۵ ورس ۲۵) -

چہارم - ناحوری یا بنی ناحور یعنی اولاد ناحور برادر ابراهیم بن ترح - (سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۲۸ و ۲۹) -

پنجم - هارانی یا بنی هاران یعنی اولاد مواب و عمان بن

لود بن هاران بن ترح - یہ اخیر قبیلہ کبھی تو موابی کہا جاتا ہے اور کبھی عمانی مگر ہم نے اس کو ہارانی اس واسطے لکھا ہے کہ ہاران ان دونوں کے مورث کا نام ہے اور دونوں پر حاوی ہے (سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۲۸ و ۲۹ و باب ۱۹ ورس ۳۰ و ۲۸) -

اب ہم اس مقام پر ہر ایک مذکورہ بالا قبیلہ کا علیحدہ علیحدہ بیان کریں گے اور اسی درمیان میں یہ بھی ثابت کریں گے کہ "فاران" جہاں سے ربانی ہدایت کے چمکنے کی توریت مقدس میں پیشین گوئی کی گئی تھی وہ جگہ حجاز اور بالخصوص مکہ کے متصل کے پہاڑ ہیں اور اس خطبہ اسی اس کا ثابت کرنا مقصود اصلی ہے -

## اول - اسمٰعیلی یا بنی اسمٰعیل

تمام مورخ مسلمان اور غیر مسلمان سب کے سب اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت اسمعیل کی اولاد عرب میں آباد ہوئی اور ملک عرب کا ایک بڑا حصہ حضرت اسمعیل کے بارہ بیٹوں کی نسل سے معمور ہو گیا - ان میں جو کچھ اختلاف ہے وہ ان کے مقام سکونت میں ہے اس لیے ہم ان کے مقام سکونت کو اس مقام پر تحقیقات کریں گے -

حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کے نکالے جانے کے قصے کی تحقیق

توریت مقدس میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیل کے نکالے جانے کے واقعہ کو اس طرح پر بیان کیا ہے "وسارہ پسر ہاجر مصری را کہ بجہت ابراھیم زائیدہ شدہ بود دید کہ استہزامی نماید - با ابراھیم گفت کہ ایں کنیزک و پسر او را اخراج نما زیرا کہ پسر ایں کنیزک با پسر من اسحق وارث نخواھد شد - و ایں سخن در نظر ابراھیم بسیار ناخوش آمد

به سبب پرسش ۔ و خدا با ابراهیم گفت بجهت این جوان و کنیزکت در نظرت ناخوش نیاید هر چه که سا راه بتو گفته باشد قولش را استماع نما زیرا که ذریعه تو از اسحق خوانده میشود و از پسر کنیزک نیز امتے خواهم گردانید زیرا که از نسل تست ۔ و ابراهیم در صبحدم سحر خیزی نموده نان و مطهره آب را گرفته بهاجر داده بدو شش گذاشت و هم پسرش را (با و داده) او را روانه نمود پس راهی شده در بیابان بیرشبع سرگردان شد ۔ و آبے که در مطهره بود تمام شد ، و پسر را در زیر بوته از بوتها گذاشت ۔ و روانه شده در برابرش به مسافت یک تیر پرتاب نشست و گفت که مرگ پسر را نه بینم و در برابرش نشسته آواز خود را بلند کرده گریست ۔ و خدا آواز پسر را شنید و ملک خدا هاجر را از آسمان آواز داده با و گفت که اے هاجر ترا چه واقع شد مترس زیرا که خدا آواز پسر را در جائے بودنش شنیده است ۔ بر خیز و پسر را بردار و بدستت او را بگیر زیرا که او را امت عظیمے خواهم کرد ۔ و خدا چشمان او را کشاده کرد و چاه آبے دید و روانه شده مطهره را از آب پر کرد و به پسر نوسانید ۔ و خدا با پسر بود که نشو و نما نمود و در بیابان ساکن شده تیر انداز گردید ۔ و در بیابان پاران ساکن شد و مادرش از برایش از دیار مصر زنے گرفت ۔ '' (سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۹ لغایت ۲۱)[۱] ۔

---

۱۔ اس فارسی عبارت کا اُردو ترجمه یه هے ۔

'' اور ساره نے دیکھا که هاجره مصری کا بیٹا جو اُس کے (خاوند) ابرهام (ابراهیم) سے هوا تھا ۔ ٹھٹھے مارتا هے ۔ تب اُس نے ابرهام سے کہا که اس لونڈی کو اور اُس کے بیٹے کو نکال دے ۔

(بقیه حاشیه اگلے صفحه پر)

اس فارسی عبارت میں لفظ مطہرہ کا انگریزی میں بوتل
ترجمہ کیا گیا ہے وہ صحیح ہے ۔ قدیم عربی ترجمہ میں ''سقاء''

---

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ)

کیوں کہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اضحاق (اسحق) کے ساتھ وارث نہ ہوگا ۔ پر ابرہام کو اُس کے بیٹے کے باعث یہ بات نہایت بری معلوم ہوئی اور خدا نے ابرہام سے کہا کہ تجھے اس لڑکے اور اپنی لونڈی کے باعث برا نہ لگے ۔ جو کچھ سارہ تجھ سے کہتی ہے تو اُس کی بات مان ۔ کیوں کہ اضحق سے تیری نسل کا نام چلے گا اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی میں ایک قوم پیدا کروں گا اس لیے کہ وہ تیری نسل ہے ۔ تب ابرہام نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کا ایک مشکیزہ لیا اور اُسے ہاجرہ کو دیا ۔ بلکہ اُسے اُس کے کندھے پر دھر دیا اور لڑکے کو بھی اُس کے حوالے کر کے اُسے رخصت کر دیا ۔ سو وہ چلی گئی اور بیرشبع کے بیابان میں آوارہ پھرنے لگی اور جب مشکیزہ کا پانی ختم ہو گیا تو اُس نے لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا اور آپ اس کے مقابل ایک تیر کے ٹپے پر دور جا بیٹھی اور کہنے لگی کہ میں اس لڑکے کا مرنا تو نہ دیکھوں سو وہ اُس کے مقابل بیٹھ گئی اور چِلّا چِلّا کر رونے لگی اور خدا نے اُس لڑکے کی آواز سنی اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اُس سے کہا کہ اے ہاجرہ! تجھ کو کیا ہوا ؟ مت ڈر ۔ کیوں کہ خدا نے اُس جگہ سے جہاں لڑکا پڑا ہے اُس کی آواز سن لی ہے ، اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اُسے اپنے ہاتھ سے سنبھال ۔ کیوں کہ میں اُس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا ۔ پھر خدا نے اُس کی آنکھیں کھولیں اور اُس نے ایک پانی کا چشمہ دیکھا اور جا کر مشکیزہ کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے کو پلایا اور خدا اُس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اُس کی ماں نے ملک مصر سے اُس کے لیے بیوی لی'' ۔

(محمد اسماعیل پانی پتی)

ترجمه کیا گیا ہے اور فارسی ترجمه میں "مطهره" اردو میں
اُس کا ترجمه "مشکیزه" یا "چھاگل" صحیح ترجمه ہے جو
مشرق ملکوں میں مروج ہے اور جس میں چند روز کے پینے کے
لائق پانی سما سکتا ہے۔

اس واقعه کی نسبت مسلمانوں کی متبرک کتابوں میں بھی
چند روایتیں آئی ہیں اور جو که صحیح بخاری مسلمانوں میں سب
سے زیاده معتبر کتاب ہے اُس میں دو روایتیں اس واقعه کی نسبت
آئی ہیں۔ اس لیے اُن دونوں کو اس مقام پر نقل کیا جاتا ہے۔

ان دونوں روایتوں میں اختلاف ہے۔ ایک میں ایک
مضمون ہے اور ایک میں نہیں۔ ایک میں کچھ بیان ہوا ہے
اور ایک میں کچھ۔ اس لیے ہم دونوں روایتوں کو دو مقابل
کے کالموں میں اس طرح پر لکھیں گے که جو اختلاف اُن دونوں
میں ہے وہ بمجرد دیکھنے کے معلوم ہو جاوے۔

یه بات کہنی که یه حدیثیں بخاری میں ہیں اور ضرور ہے
که ان کو صحیح مانا جاوے صرف ایک فرضی بات ہے ورنه
جو اصول که حدیث کے ثبوت کے لیے قرار پائے ہیں اُن کے
مطابق اُس روایت کا پیغمبر خدا صلی الله علیه وسلم سے سنا جانا
ثابت نہیں ہے یه دونوں روایتیں ابن عباس نے بیان کی ہیں اور
یه نہیں بیان کیا که انھوں نے کس سے سنیں اور اُس لیے ہرگز
ثابت نہیں ہوتا که در حقیقت پیغمبر خدا صلی الله علیه وسلم
نے اُن کو فرمایا تھا بلکه صاف ظاہر ہوتا ہے که جو باتیں
یہودیوں میں مشہور تھیں۔ انھیں کو ابن عباس نے بیان کیا ہے
پس وہ روایتیں ایک مقامی روایتوں سے زیاده معتبر ہونے کا
درجه نہیں رکھتی ہیں۔ بخاری میں اس طرح پر روایتیں مندرج
ہونے سے یه لازم نہیں آتا که در حقیقت وہ پیغمبر کی حدیث ہے

بلکه صرف اتنا ثابت ہوتا ہے که بخاری نے جس شخص سے اُس کو سنا اُس نے اسی طرح بیان کیا تھا ۔

| پہلی روایت | دوسری روایت |
| --- | --- |
| ۱۔ عن ابن عباس قال لما كان بين ابراهيم و بين اهله ما كان خرج باسمعيل و ام اسمعيل ۔ | ۱۔ قال ابن عباس اول ما اتخذ النساء المنطق من قبل ام اسمعيل اتخذت منطقا لتعفى اثرها على سارة ثم جاء بها ابراهيم و بابنها اسمعيل ۔ |
| ۲۔ و معهم شنة فيها ماء ۔ | ۲۔ - - - - - - |
| ۳۔ فجعلت ام اسمعيل تشرب من الشنة فيدر لبنها على صبيها ۔ | ۳۔ و هى ترضعه ۔ |
| ۴۔ حتى قدم مكة فوضعها تحت دوحة ۔ | ۴۔ حتى وضعهما عند البيت عند دوحة ۔ |
| ۵۔ - - - - - - | ۵۔ فوق زمزم فى اعلى المسجد و ليس بمكة يومئذ احد و ليس بها ماء فوضعهما هناك ۔ |
| ۶۔ - - - - - - | ۶۔ و وضع عِندهما جراباً فيه تمر ۔ |
| ۷۔ - - - - - - | ۷۔ و سقاء فيه ماء ۔ |

| | |
|---|---|
| ٨- ثم رجع ابراهيم الى اهله فاتبعته ام اسمعيل - | ٨- ثم قفا ابراهيم منطلقا فتبعته ام اسمعيل - |
| ٩- حتى لما بلغوا كداء - | ٩- - - - - - - |
| ١٠- نادته من ورائه يا ابراهيم الى من تتركنا - | ١٠- فقالت يا ابراهيم اين تذهب و تتركنا - |
| ١١- - - - - - - | ١١- فى هذا الوادى الذى ليس فيه انيس و لاشى فقالت له ذلک مرارا وجعل لا يلتفت اليها فقالت له الله امرك بهذا - |
| ١٢- قال الى الله - | ١٢- قال نعم - |
| ١٣- قالت رضيت بالله - | ١٣- قالت اذن لا يضيعنا - |
| ١٤- قال فرجعت - | ١٤- ثم رجعت - |
| ١٥- - - - - - - | ١٥- فانطلق ابراهيم حتى اذاكان عند الشنيعة حيث لا يرونه استقبل بوجهه البيت ثم دعا بهولاء الدعوات ورفع يديه فقال رب انى اسكنت من ذريتى بواد غير ذى زرع عند بيتک |

المحرم حتى بلغ يشكرون .

| | |
|---|---|
| ١٦- فجعلت تشرب من الشنة و يدر لبنها على صبيها حتى لما فنى الماء ـ | ١٦- و جعلت ام اسمعيل ترضع اسمعيل و تشرب من ذلك الماء حتى اذا نفد ما فى السقاء ـ |
| ١٧- - - - - - | ١٧- عطشت و عطش ابنها و جعلت تنظر اليه يتلوى اوقال يتليط فا نطلقت كراهية ان تنظر اليه ـ |
| ١٨- قالت لو ذهبت فنظرت لعلى احس احدا قال فذهبت ـ | ١٨- - - - - - |
| ١٩- فصعدت الصفا فنظرت و نظرت هل تحس احدا ـ | ١٩- فوجدت الصفا اقرب جبل فى الارض يليها فقامت عليه ثم استقبلت الوادى تنظر هل ترى احدا فلم تراحدا فهبطت من الصفا ـ |
| ٢٠- فلما بلغت الوادى سعت اتت المروة و فعلت ذلك اشواطاً ـ | ٢٠- حتى اذا بلغت الوادى رفعت طرف درعها ثم سعت سعى الانسان المجهود حتى جاوزت |

| | |
|---|---|
| | الوادی ثم اتت المروة فقامت علیها ۔ |
| ٢١- - - - - - - | ٢١- فنظرت هل ترى احدا فلم تراحداً ۔ |
| ٢٢- ثم قالت لوذهبت فنظرت ما فعل تعنی الصبی فذهبت فنظرت فازا هو علی حاله کانه ینشغ للموت فلم تقرها نفسها فقالت لو ذهبت فنظرت لعلی احس احد فذهبت فصعدت الصفا فنظرت و نظرت فلم تحس احدا ۔ | ٢٢- - - - - - . |
| ٢٣- حتی اتممت سبعاً ۔ | ٢٣- ففعلت ذلک سبع مرات ۔ |
| ٢٤- - - - - - - | ٢٤- قال ابن عباس قال النبی صلی الله علیه وسلم فذالک سعی الناس بینهما ۔ |
| ٢٥- ثم قالت لوذهبت فنظرت ما فعل فازا هی بصوت ۔ | ٢٥- فلما اشرفت علی المروة سمعت صوتا ۔ |
| ٢٦- - - - - - - | ٢٦- فقالت صه ترید نفسها ثم تسمعت |

ایضا فقالت قد اسمعت ـ

| | |
|---|---|
| ۲۷ـ فقالت اغث ان کان عندك خیر ـ | ۲۷ـ ان کان عندک غواث ـ |
| ۲۸ـ فاذا هو جبریل ـ | ۲۸ـ فاذا هی بالملک عند موضع زمزم ـ |
| ۲۹ـ قال فقال بعقبه هکذا و غمر عقبه علی الارض قال فانبثق الماء فدهشت ام اسمعیل فجعلت تحفر ـ | ۲۹ـ فبحث بعقبه اوقال بجناحه حتی ظهر الماء فجعلت تحوضه و تقول بیدها هکذا ـ |
| ۳۰ـ ـ ـ ـ ـ ـ | ۳۰ـ و جعلت تغرف من الماء فی سقائها و هو یفور بعد ما تغرف ـ |
| ۳۱ـ قال فقال ابو القاسم صلی الله علیه وسلم لو ترکته کان الماء ظاهرا ـ | ۳۱ـ قال ابن عباس قال النبی صلی الله علیه وسلم یرحم الله ام اسمعیل لو ترکت زمزم اوقال لو لم تغرف من الماء لکانت زمزم عیناً معیناً ـ |
| ۳۲ـ قال فجعلت تشرب من الماء و یدر لبنها علی صبیها الیٰ اخر الحدیث (بخارے کتاب الانبیاء) ـ | ۳۲ـ قال فشربت و ارضعت الیٰ اخر الحدیث (بخاری کتاب الانبیاء) ـ |

مذکورہ بالا روایتوں سے ظاہر ہے کہ وہ مستند نہیں ہیں یعنی حضرت ابن عباس نے اس کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مستند نہیں کیا ۔ پس معلوم نہیں کہ ابن عباس نے وہ روایت کس سے سنی اور کس بنیاد پر انھوں نے اس کو بیان کیا ۔ بخاری کا ادب صرف اس بات کا مقتضی ہے کہ ہم تسلیم کر لیں کہ ابن عباس نے سعید ابن جبیر سے یہ روایت بیان کی اور سعید ابن جبیر نے اور لوگوں سے جن سے بخاری تک یہ روایت پہنچی ۔ مگر اس سے یہ بات لازم نہیں آتی ۔ کہ ابن عباس نے در حقیقت اس کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا ۔

ان روایتوں میں دو فقرے (۲۴ و ۳۱) ایسے ہیں جن سے کہ بادی النظر میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ابن عباس نے یہ روایتیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوں گی ۔ لیکن یہ بات نہیں ہے کیوں کہ ان دونوں فقروں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ دونوں فقرے ان روایتوں کے نہیں ہیں اور کسی مقام کے ہیں کیوں کہ خود راوی نے ان دونوں فقروں کو سلسلہ بیان روایت سے علیحدہ کر کے اور بالتخصیص انھیں دونوں فقروں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بیان کیا ہے اور یہ ثبوت اس بات کا ہے ۔ کہ راوی نے باقی مضمون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں سمجھا ہے ۔

ایک اور امر جوان روایتوں کی صحت پر شبہ ڈالتا ہے یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت ابراہیم کی یہ دعا ''ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی ذرع عند بیتک المحرم'' بیان ہوئی ہے اور راوی نے غلطی سے یہ سمجھا ہے

کہ جس زمانہ میں حضرت ابراھیم نے اپنی بی بی ھاجرہ اور اپنے بیٹے اسمعیل کو نکالا تھا اُسی زمانہ میں وہ خود مکہ میں اُن کے بسانے کو آئے تھے حالاں کہ یہ بات بالکل غلط ھے ۔ نہ اُس زمانہ میں حضرت ابراھیم اُن کو یہاں بسانے کے لیے آئے اور نہ اس زمانہ میں بیت اللہ الحرام بنایا گیا تھا ۔ راوی نے دو مختلف زمانوں کے واقعہ کو ملا دیا ھے ایک اُس زمانہ کے واقعہ کو جب کہ حضرت ابراھیم نے حضرت ھاجرہ اور حضرت اسمعیل کو بیابان بیر شبع میں بے سہارے چھوڑ دیا تھا اور دوسرے اُس زمانہ کے واقعہ کو جب کہ حضرت ھاجرہ اور حضرت اسمعیلؑ نے زمزم کے پاس سکونت اختیار کر لی تھی اور دوبارہ حضرت ابراھم ان کے پاس آئے تھے اور بیت اللہ الحرام بنایا تھا اور جاتے وقت یہ دعا مانگی تھی کہ ”رب انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ۔“

قرآن مجید میں حضرت اسمعیل کی عمر کا جب کہ اُن کو حضرت ابراھیم نے نکال دیا کچھ ذکر نہیں ۔ بخاری کی اُن روایتوں سے جن کا مشتبہ ھونا بخوبی ثابت ھو گیا ھے اگر حضرت اسمعیل کی عمر کا کچھ اندازہ ظاھر بھی ھوتا ھو تو بھی مذھب اسلام پر کوئی الزام عاید نہیں ھو سکتا کیوں کہ یہ روایتیں اگر مشتبہ ثابت نہ ھوتیں تو بھی بہ منزلہ وحی کے متصور نہیں ھو سکتیں ۔

اصل یہ ھے کہ خود توریت مقدس میں حضرت اسمعیل کی عمر کی نسبت جب کہ وہ نکالے گئے نہایت اختلاف پایا جاتا ھے ۔ بعض ورسوں سے ظاھر ھوتا ھے کہ وہ نہایت بچے تھے اور بعض سے پایا جاتا ھے کہ وہ سولہ سترہ برس کے تھے ۔ اس اختلاف کی بنا پر عرب کے یہودیوں میں اُن کا بچہ ھونا مشہور تھا اسی

یہودی روایت کو ابن عباس نے بیان کیا ہوگا اور اسی وجہ سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کو منسوب نہیں کیا ۔

توریت مقدس میں جو حضرت اسمعیل کی عمر کے باب میں اختلاف ہے وہ اس طرح پایا جاتا ہے ۔ سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۱۴ کا فارسی ترجمہ جو ہم نے اوپر لکھا ہے وہ یہ ہے ”و ابراہیم در صبح دم سحر خیزی نمودہ نان و مطہرہ آب را گرفتہ و بہ ہاجرہ دادہ بہ دو ششں گذاشت و ہم پسرش را (با و دادہ) او را روانہ نمود پس راہی شدہ در بیابان بیرشبع سرگردان شد“ اس ترجمہ میں لفظ ”با و دادہ“ دو ہلالی خطوط میں لکھا ہے جس کا یہ اشارہ ہے کہ یہ لفظ اصل عبری توریت میں نہیں ہے در حقیقت یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے ۔ صحیح ترجمہ عبری لفظوں کا یہ ہے کہ ”پانی کے مشکیزے اور اس کے بیٹے کو ہاجرہ کے کندھے پر رکھ کر اس کو روانہ کر دیا ۔“ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اُن کی عمر بہت چھوٹی تھی اور اسی وجہ سے لوگوں نے دودھ پیتا ہوا خیال کیا تھا ۔ حالاں کہ اسی باب کی چودھویں آیت اس کے برخلاف ہے ۔

عیسائی عالموں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اس چودھویں آیت سے بلاشبہ حضرت اسمعیل کی اس زمانہ میں بہت چھوٹی عمر ہونا پایا جاتا ہے جو توریت کی بہت سی آیتوں کے بر خلاف ہے ۔ اس لیے انھوں نے اس کی نسبت بہت کچھ بحث کی ہے ۔

مسٹر فارسٹر لکھتے ہیں کہ ”اگر ہم حضرت اسمعیل کی عمر پر غور کریں ۔ تو رنج آگین شوق اور بھی دو بالا ہوتا ہے ۔ یہ لڑکا اب کچھ بچہ نہیں تھا بلکہ کم از کم

پندرھویں برس میں تھا مگر تکلیف کی وجہ سے بچہ کی طرح مضغہ سا ہو رہا تھا معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں اُس کی بچاری ماں جب تک کہ اُس کو طاقت رہی ہوگی - اُس کو ہاتھوں میں اُٹھائے رکھی ہوگی اور جب وہ تھک گئی ہوگی تو اس کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا ہوگا (مگر ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ یہ تاویل کیسی لغو اور بیہودہ ہے) اس کے بعد مسٹر فارسٹر لکھتے ہیں کہ ٹھیک ٹھیک عمر حضرت اسمعیل کی بآسانی معلوم ہو سکتی ہے - تیرہ برس کی عمر میں اُن کا ختنہ ہوا تھا حضرت اسحاق اُس وقت تک پیدا نہیں ہوئے تھے - بلکہ اُس کے اگلے سال پیدا ہوئے ہیں اور حضرت ہاجرہ اور اُن کے بیٹے کے بیابان میں بھیجے جانے سے پیشتر اُن کا یعنی حضرت اسحاق کا دودھ چھوٹ چکا تھا" (فارسٹر صاحب کا تاریخی جغرافیہ عرب صفحہ ۱۷٦) -

توریت اور انجیل کے اکثر محققین اور علی الخصوص "جیروم لی کاوک" اور "روزن ملر" خیال کرتے ہیں کہ حضرت اسمعیل کی عمر اس وقت سترہ برس کی تھی - اس لیے یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت ہاجرہ نے ان کو اپنے کندھے پر رکھ لیا ہو -

جیسی بیہودہ تاویل مسٹر فارسٹر نے کی ہے اُس سے زیادہ عجیب تاویل - "بشپ ہارسلی" نے کی ہے - وہ لکھتے ہیں کہ "عبرانی توریت کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکے کو اُس کی ماں نے مع روٹی اور پانی کے اپنے کندھے پر رکھ لیا - یہی معنے یونانی ترجمہ میں بھی سمجھے گئے ہیں اور یہ جملہ بھی کہ بچہ کو جھاڑی میں ڈال دیا جو پندرھویں آیت میں ہے اسی معنی کی تائید کرتا ہے - حضرت اسحاق[۴] کی ولادت کے وقت

حضرت اسمعیلؑ کی عمر چودہ برس سے کم نہ تھی اس واسطے
آن کی ولادت کے وقت کم سے کم وہ پندرہ سال کے ہوں گے۔
مگر یہ یاد رکھنا چاہیے۔ کہ حیاتِ انسانی گو اس زمانہ میں
بہت مختصر رہ گئی ہے تاہم زمانہ حال کی مدت عمر سے زیادہ
دراز ہوتی ہوگی اور جو کہ طفولیت اور ہر ایک درمیانی زمانہ
عمر کی حالت تمام عمر کے مجموعہ کے ساتھ جب کہ آدمی
ڈیڑھ سو برس یا زیادہ عمر کے ہوتے تھے ہمیشہ کوئی معین
مناسبت رکھتی ہوگی اس لیے قرین قیاس ہے کہ اس زمانہ میں
چودہ یا سولہ برس کی عمر تک ضعیف اور ناتوان رہتے ہوں گے
اور میرے نزدیک اس قصہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ
حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹوں کے زمانہ میں یہی صورت ہوگی۔
جو سفس کے ذہن میں بھی یہی بات آئی تھی کیوں کہ اس کا
صریح بیان ہے کہ حضرت اسمعیلؑ اس وقت تنہا نہیں جا
سکتے تھے۔ مگر یہ دلیل کیسی بیہودہ ہے کیوں کہ تین ہی
پشتوں کے بعد یہ سب باتیں بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اس لیے
کہ حضرت یوسفؑ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے کے بیٹے سترہ برس
کی عمر میں اپنے بھائیوں کے ساتھ باپ کے مویشی چرایا
کرتے تھے اور تیس برس کی عمر میں عزیز مصر کے خواب کی
تعبیر بیان کی تھی اور اس کے وزیر ہو گئے تھے۔

اس مضمون پر ایک اور مصنف یہ لکھتا ہے کہ
حضرت اسمعیلؑ گو بچہ کہلاتے تھے مگر سولہ سترہ برس کے
ہوں گے اور اس لیے اپنی والدہ کی اعانت اور مدد کرنے کے
قابل ہوں گے جس طرح کہ انھوں نے بعد کو کی۔

ایک اور مصنف کہتا ہے کہ اس جملہ کو ”کندھے پر
رکھ دیا“ خطوط ہلالی کے اندر رکھ دیا جاتا جیسا کہ

بشپ کڈیر اور اسٹیک ھوس اور پائل نے کیا ھے (جس سے اشارہ ھوتا ھے کہ یہ لفظ توریت میں نہیں ھیں) تو یہ آیت مشتبہ نہ ھوتی -

حضرت ھاجرہ کا اس مقام پر آباد ھونا جہاں اب شہر مکہ آباد ھے

اصل واقعہ صرف اتنا ھے کہ حضرت ابراھیم نے اپنی بی‌بی سارہ کے کہنے سے اپنی دوسری بی‌بی ھاجرہ اور اُن کے بیٹے اسمعیل کو جو ھوشیار اور بڑے ھو گئے تھے گھر سے نکال دیا اور وہ دونوں بیابان بیر شبع میں چلے گئے - چلتے چلتے اور منزلیں طے کرتے ھوئے وہ اُس مقام پر پہنچے جہاں اب مکہ ھے - پیاس کی شدت سے حضرت اسمعیل کی حالت خراب ھو گئی اور مرنے کی نوبت پہنچ گئی - حضرت ھاجرہ اُن کو ایک درخت کے سایہ میں بٹھا کر پانی کی تلاش کو ادھر اُدھر دوڑتی پھریں اور بہ مشکل پانی ملا اور جہاں پانی ملا تھا اُسی جگہ انھوں نے سکونت اختیار کر لی - کیوں کہ عرب میں اُسی جگہ لوگ سکونت اختیار کرتے تھے جہاں پانی دستیاب ھوتا تھا -

قرآن مجید سے بھی یہی ثابت ھوتا ھے اُس میں یہ آیت ھے ”ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم“ اس سے ظاھر ھے کہ حضرت اسمعیل اُس مقام کے پاس سکونت پذیر ھوئے تھے جہاں کہ بالفعل خانہ کعبہ واقع ھے اور جہاں کہ اب شہر مکہ آباد ھے - عبرانی لفظ مدبر اور عربی لفظ وادی اور الفاظ ”غیر ذی زرع“ جو قرآن مجید میں آئے ھیں ایک ھی معنے رکھتے ھیں - لفظ فاران اور لفظ ایل فاران جو سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۱۴ اور باب ۱۴ ورس ٦ میں آیا ھے اُن دونوں سے ایک ھی مقام مراد ھے - اور لفظ ایل فاران سے بالتخصیص وہ پہاڑ مراد ھیں جو کعبہ کے گرد

واقع ہیں اور صفا اور مروہ اور ابو قبیس اور حرا وغیرہ کے نام سے مشہور ہیں ۔ عبرانی زبان میں " ایل " کے معنی خدا کے ہیں۔ فاران کے پہلے " ایل " کا لفظ لگانے سے انسان کا دل اُس کی وجہ کی تفتیش پر متوجہ ہوتا ہے اور اس پر قرار پاتا ہے کہ اُس جگہ ضرور کوئی ربانی کرشمہ ظاہر ہوا ہے یا ظاہر ہونے والا ہے ۔ خانہ کعبہ کے گرد جو پہاڑ ہیں اور جہاں کہ مسلمان حج ادا کرتے ہیں علی العموم بنام " الال " مشہور ہیں ۔ بعض صرف و نحو کے عالموں نے " الال " کو واحد لکھا ہے اور بعضوں کے نزدیک جمع کا صیغہ ہے ۔ اس لفظ کے صحیح اشتقاق کی نسبت بہت بحث ہے بعض کچھ کہتے ہیں اور بعض کچھ مگر کوئی بات اطمینان کے قابل نہیں ہے ۔ ہماری رائے میں کچھ شک نہیں ہے کہ یہ اسی لفظ " ایل " سے مشتق ہوا ہے ۔ ابتدا میں پہاڑ کے نام کے ساتھ اس کا استعمال تھا بمعنی کوہ خدا ۔ پھر جو کہ ایل فاران خاص حجاز میں تھا عربوں نے اُس نواح کے تمام پہاڑوں کے لیے " ایل " کی جمع " الال " بنا لی اور مکہ کے پہاڑوں پر اُس کا اطلاق کرنے لگے ۔

اگرچہ واقعات مندرجہ توریت مقدس اور قرآن مجید جن کا ہم نے اوپر بیان کیا آپس میں مطابقت رکھتے ہیں تاہم تین بڑے بڑے سوالات ہیں جو حضرت اسمعیل کی سکونت سے علاقہ رکھتے ہیں ۔

اول یہ کہ : حضرت ابراہیم نے حضرت اسمعیل اور اُن کی والدہ کو گھر سے نکال دینے کے بعد کہاں چھوڑا تھا ۔

دوم یہ کہ : حضرت اسمعیل اور حضرت ہاجرہ نے بیابان میں آوارگی کے بعد کس جگہ سکونت اختیار کی ۔

سوم یہ کہ : آیا وہ اُسی جگہ متوطن ہوئیں جہاں کہ

پہلے پہل ٹھہری تھیں یا کسی اور جگہ ۔

قرآن مجید میں ان امور کی بابت کچھ تذکرہ نہیں ہے لیکن بعض ملکی روایتوں اور چند حدیثوں میں اس کا بیان ہے ۔ وہ حدیثیں غیر مسند ہیں اور اس وجہ سے راویوں کا سلسلہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتا اور جو کہ مقامی روایتوں میں اُن واقعات کو جو مختلف موقعوں پر واقع ہوئے تھے خلط ملط کر دیا ہے اس لیے اُن پر اعتبار نہیں ہو سکتا ۔ پس ہمارے نزدیک اول سوال کی نسبت جو کچھ توریت مقدس میں لکھا ہے اُس سے زیادہ بحث کرنی فضول ہے ۔ توریت میں لکھا ہے ۔ کہ ”اُس نے یعنی ابراھیم نے اُس کو یعنی ھاجرہ کو روانہ کر دیا اور وہ چلی گئی اور بیان بیر شبع میں پھرتی رھی“ (سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۱۴) ۔

دو باقی ماندہ سوالوں کے باب میں توریت مقدس کی عبارت اس طرح پر ہے کہ ایک جگہ لکھا ہے ۔ ”اور وہ یعنی اسمعیل بڑا ھوا اور بیابان میں سکونت پذیر ھوا اور ایک تیر انداز ھو گیا“ (سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۲۰) اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ ”اُس نے یعنی اسمعیل نے بیان فاران میں سکونت اختیار کی“ (سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۲۱) ۔ توریت کا کوئی مفسر نہیں بیان کرتا اور نہ ملکی روایت سے یہ بات ثابت ھوتی ہے کہ حضرت اسمعیل پہلے کسی ملک میں آباد ھوئے ھوں اور پھر کسی اور ملک میں چلے گئے ھوں اس لیے یہ بات تسلیم کرنی ضرور ہے کہ حضرت اسمعیل اور اُن کی والدہ جس حصہ ملک میں آباد ھوئی تھیں اُسی میں آباد رھیں پس توریت میں جہاں صرف بیابان میں آباد ھونے کا ذکر ہے اُس سے بیابان فاران ھی مراد ہے جس کی تصریح دوسرے ورس میں

کی گئی ہے ۔ پس ان سوالوں کا حل کرنا اس بات کی تحقیق پر منحصر ہے کہ بیابان فاران جہاں کہ حضرت اسمعیل کا سکونت پذیر ہونا بیان کیا گیا ہے کون سی جگہ ہے ۔

فاران کی تحقیق | مشرق جغرافیہ دانوں کا بیان ہے کہ تین مقام بنام فاران موسوم ہیں اول وہ مقام اور اُس کے گرد و نواح کے پہاڑ جہاں اب شہر مکہ واقع ہے کیوں کہ اس زمانہ میں وہ بیابان تھا ۔ دوم وہ پہاڑ اور گاؤں جو مشرق حصہ یا عرب الحجر میں واقع ہے ۔ سوم ایک ضلع جو سمرقند کی نواح میں واقع ہے ۔

مشرق جغرافیہ دانوں نے جو کچھ فاران کی نسبت لکھا ہے اُس کو ذیل میں مندرج کرتے ہیں ۔

فاران المذکور فی التوراة فی قوله جاء الله من سینا و اشرف من ساعیر و استعلن من فاران فساعیر جبال فلسطین و هو انزاله الانجیل علی عیسیٰ و فاران مکة او جبالها علی ما تشهد به التوراة و استعلائه منها انزاله القرآن علیٰ رسوله محمد صلعم و فاران قریة من نواحی سغد من اعمال سمرقند و قیل فاران و الطور کورتان من کور مصر قبیله ۔ (مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنة و البقاع و معجم البلدان یاقوت حموی) ۔

و الطور جبل بارض مصر عند کورة تشمل علی عدة قری قبلیها و بالقرب منها جبل فاران ۔ مراصد الاطلاع و معجم البلدان ۔

فاران ثلثة مواضع فاران اسم جبال مکة و قیل لها اسم جبال الحجاز ولها ذکر فی التوراة یج

فی اعلام نبوة النبی صلعم قال الامیر ابو نصر ابن ماکولا ابو بکر نصر بن القاسم بن قضاعة القضاعی الفارانی الاسکندری سمعت ان ذلک نسبة الی جبال فاران وهی الحجاز و فاران قال ابو عبد الله القضاعی فی کتاب خطط مصر فاران و الطور کورتان من کور مصر القبلیة و فاران من قری سمرقند ۔ مشترک یاقوت الحموی ۔

الطور سبعة مواضع و الطور ایضا علم الجبل بعینه عند کورة تشتمل علی عدة قری بارض مصر من جهته القبلیة بینها و بین جبل الفاران ۔ مشترک ۔

و طریق آخر علی ساحل البحر القلزمی ۔۔۔ من مصر الی عین شمس ۔۔۔ ثم الیٰ بطن مغیره ۔۔۔ ثم الیٰ جون فاران ۔۔۔ و بالقرب من فاران موضع صعب اذا سلک و الریح ایضا مغربا و الدیور مشرقا و یسمی جبلان من جبلان الی جبل الطور الی ایله الخ ۔ نزهة المشتاق لشریف الادریسی ۔

مجھے معلوم نہیں ہے کہ کسی غیر ملک اور مذہب کے مؤرخ نے فاران اور حجاز کو جہاں اب مکہ معظمہ واقع ہے ایک ہی قرار دیا ہو ۔ لیکن عربی ترجمہ توریت سامری میں جس کو آرکوئی ٹن صاحب نے ۱۸۵۱ء میں بمقام لگڈنی بٹاورم چھپوایا ہے اس میں فاران اور حجاز سے ایک ہی جگہ مراد لی ہے اور فاران کے لفظ کے آگے خطوط ہلالی میں حجاز کا لفظ لکھ دیا ہے اور وہ عبارت یہ ہے :

"او سکن فی بریۃ فران (الحجاز) و اخذت لہ امہ امراۃ من ارض مصر" (عربی ترجمہ توراۃ سامری) -

عموماً عیسائی مؤرخ اس بات کو کہ فاران اور حجاز ایک ہی جگہ سے مراد ہے تسلیم نہیں کرتے اس تسلیم نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ اگر وہ اس کو تسلیم کر لیں تو اس بات کی تسلیم بھی لازم آتی ہے - کہ جو پیشین گوئی توریت میں فاران کی نسبت بیان ہوئی ہے بلاشبہ اس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا مراد ہے -

بہر حال ان مصنفوں کا فاران کی نسبت مختلف طرح کا بیان ہے -

اول - یہ کہ بعض کہتے ہیں کہ فاران وہ وسیع قطعہ زمین ہے جو بیر شبع کی شمالی حد سے لے کر کوہ سینا تک چلا گیا ہے اور ان کے نام سے مشہور ہے - اس کی حدود اربع عموماً یہ بتلاتے ہیں شمال میں کنعان - جنوب میں کوہ سینا - مغرب میں مصر اور مشرق میں کوہ سعیر - اس میں بے شمار چھوٹے چھوٹے بیابان ہیں جن کو ملا کر کل بیابان بنتا ہے اور وہ چھوٹے چھوٹے بیابان علیحدہ علیحدہ ناموں سے معروف ہیں مثلاً شور، بیر شبع، ایثام سین، زین، عیدم وغیرہ -

دوم - بعض مصنفوں کا گمان ہے کہ قادیش جہاں کہ حضرت ابراہیم نے ایک کنواں موسوم بہ بیر شبع کھودا تھا اور فاران ایک ہی مقام ہے -

سوم - بعضوں کی یہ رائے ہے کہ فاران اس بیابان کا

نام ہے جو کوہ سینا کے مغربی ڈھلاؤ[1] پر واقع ہے - بے شمار

---

۱- یہ ایک ایسا نام ہے جس کا اطلاق توریت میں اس سارے صحرا پر معلوم ہوتا ہے جو کہ یہودیہ کی سرحد سے لے کر حوالی سینا تک پھیلتا ہے - جو کہ ہم فاران کو حوالی سینا کے جنوب کے قطع میں (سفر اعداد باب ۱۰ ورس ۱۲ اور شمالی جانب قادیش سے (سفر اعداد باب ۱۳ ورس ۲۶) ملحق اور اور جگہ بھی پاتے ہیں اس لیے اس بات کا فرض کر لینا کہ فاران اس تمام قطع کا نام تھا جو ان حدود سے محدود ہے آسان معلوم ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ مقابل کے دو قطعوں کا ایک ہی نام قرار دیں - اس لئے وہ دقت جو اس نام کی صحیح صحیح تطبیق میں عارض ہوتی ہے ظاہر ہو گئی ہے جب کہ یہ دیکھا جائے کہ سب جداگانہ مقامات جو مختلف مصنفوں نے اس کے واسطے قرار دیے ہیں - اس قدرے وسیع قطع میں مجتمع ہوتے ہیں جو کہ ہمارے نزدیک اس کا مصداق ہے یہ نام وادی فاران میں بھی بخوبی موجود ہے جو سینائے اسفل کی ایک وادی ہے اور جس میں ہو کر بنی اسرائیل ہنگام کوچ بہ جانب ممالک اعلیٰ گزرے تھے (کیتوز سائیکلو پیڈیا آف بائیبل) -

ایک بیابان فلسطین کے جنوب کی جانب جہاں کہ حضرت اسمعیل سکونت پذیر ہوئے تھے (سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۲۱) جو کہ مغرب میں ہلال اور یلق شمال میں یہودیہ کے جنوبی پہاڑ اور مشرق میں قادیش کا بیابان اور اس کے پہاڑ یہ ایل پاران یا بیابان پاران ہے (سفر تکوین باب ۱۴ ورس ۶) نیز وہ ملک جس کے بعض اقطاع ، موسم برشکال میں گھاس اور سبزہ بہت ہوتا ہے جہاں کہ حضرت ہاجرہ نے بود و باش اختیار کی تھی قادیش اور شور کے مابین اور جہاں کہ بنی اسرائیل کا قادیش کو جاتے وقت گذر ہوا تھا - (سفر اعداد باب ۱ ورس ۱۶ و باب ۱۳ ورس ۲۸) بیابان فاران سے مراد ان پہاڑوں سے بھی ہو سکتی ہے - جو اس میدان کے مشرق کی جانب اور بیابان قادیش کے جنوب کی طرف واقع ہیں - یا بیابان قادیش یا بیابان فاران بھی بدان ملحق کی وجہ سے کہلاتا تھا - جس طرح وہ بھی قادیش کے نام ، بوجہ چشمہ قادیش کے مشہور تھا - (پیپلز بائیبل ڈکشنری) - سید احمد

عمارتوں اور پرانی قبروں اور میناروں وغیرہ کے آثار وہاں اب بھی پائے جاتے ہیں مسٹر روبر کا بیان ہے کہ میں نے ایک کلیسا کے نشانات جو پانچویں صدی عیسوی میں بنایا گیا ہوگا۔ دریافت کیے اور اُن کا یہ بھی بیان ہے کہ چوتھی صدی میں اُس مقام پر عیسائی آباد تھے اور ایک بطریق بھی وہاں رہتا تھا۔ ان بیانات کی تصدیق کرنے میں اور اس بات کے خیال میں کہ یہ شہر اُس شہر سے مطابقت رکھتا ہے جس کا مشرق مؤرخوں نے مشرقی کنارہ مصر پر موجود ہونا بیان کیا ہے ہمیں کچھ بھی کلام نہیں ہے۔

مگر یہ سب بیانات درست نہیں ہیں۔ جن کی غلطی ہم ثابت کریں گے۔ اگرچہ پہلے دو بیانات کی تائید میں کسی قسم کی شہادت موجود نہیں ہے اور اس لیے اُن کی نسبت صرف یہ کہہ دینا کہ وہ ثابت نہیں ہیں کافی تھا۔ لیکن اس غرض سے کہ اُن کے غلط ہونے میں کچھ شبہ باقی نہ رہے۔ ہم اُن کی تردید کرتے ہیں۔

اول بیان کی تردید کے لیے یعنی اُس بیان کی تردید کے لیے جس میں فاران کو ایک وسیع بیابان قرار دیا ہے اور اُس میں اور چھوٹے چھوٹے بیابان مثل شور اور سینا وغیرہ کے شامل کیے ہیں اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ اُس کی تردید میں توریت مقدس کی چند آیتیں نقل کر دیں کیوں کہ اُن سے صاف منکشف ہوتا ہے کہ فاران خود ایک جداگانہ بیابان ہے اور گرد و نواح کے بیابان اُس میں شامل نہیں۔

(الف) ”و بنی اسرائیل از بیابان سینی کوچ نمودند و ابر در بیابان پاران ساکن شد“[۱]۔

---

۱- یعنی بنی اسرائیل بیابان سینا سے کوچ کرکے نکلے اور وہ ابر دشت فاران میں ٹھہر گیا۔ (محمد اسماعیل)

(سفر اعداد (گنتی) باب ۱۰ ورس ۱۲) - اس عبارت سے جس کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے بیابان سینا سے کوچ کیا اور بیابان فاران میں مقام کیا - قرار واقعی ثابت ہوتا ہے کہ وہ دونوں بیابان ایک دوسرے سے علیحدہ اور جداگانہ تھے -

(ب) ”پس در سال چہار دھم کدرلاعومرو ملوکے بہمراهش بودند آمدہ رفائیان را کہ در عشتروث قرنیم و زوزیان را در ہام وایمیان را در شاوہ قریا شایم شکست دادند - و نیز حوریان را در کوہ خودشان سیعیر تا ایل پاران کہ در نزدیک صحراست“ (سفر تکوین (پیدائش) باب ۱۴ ورس ۵ و ۶) - (یعنی چودھویں برس کے بعد کدر لاعو مرا اور اُس کے ساتھ کے بادشاہ آئے اور رفائم کو عستارات قرنیم میں اور زوزیون کو ہام میں اور ایمم کوسوی قریتیم میں اور حوریوں کو اُن کے کوہ شعیر میں مارتے مارتے ایل فاران تک جو بیابان سے لگا ہوا ہے آئے - محمد اسماعیل)

پس جب تک کہ بیابان فاران کو ایک علیحدہ مقام نہ تسلیم کیا جاوے اس ورس کی عبارت مہمل ہو جاتی ہے -

(ج) ”و خداوند موسیٰ را خطاب کردہ گفت - کہ مردمانے بہ سفر امت تا آن کہ زمین کنعن را کہ بنی اسرائیل میدھم تجسس نمایند از ہر سبط آبائے ایشان یک نفرے کہ درمیان ایشان سرور باشد بفرستید - پس موسیٰ ایشان را بہ فرمان خداوند از بیابان پاران فرستاد و آن مردمان ہمگی روسائے بنی اسرائیل بودند“ (سفر اعداد (گنتی) باب ۱۳ ورس ۱ و ۲ و ۳) - (یعنی اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ آدمیوں کو بھیج کہ وہ ملک کنعان کا جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں حال دریافت کریں - اُن کے باپ دادا کے ہر قبیلے سے ایک آدمی بھیجنا جو اُن کے

هاں کا رئیس ہو - محمد اسماعیل)

(د) ''وروانہ شدہ پیش موسیٰ و ہارون و تمامی جماعت بنی اسرائیل در بیابان پاران بہ قادیش رسیدند و بہ ایشان و ہم بہ تمامی جماعت خبر رساند و ہم بہ ایشان میوۂ زمین را نمودند''۔ (سفر اعداد (گنتی) باب ۱۳ ورس ۲۶) - (یعنی وہ چلے اور موسیٰ اور ہارون اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت کے پاس دشت فاران کے قادس میں آئے اور اُن کو اور ساری جماعت کو سب کیفیت سنائی اور اُس ملک کا پھل اُن کو دکھایا - محمد اسماعیل)

(ہ) ''کہ گفت - خداوند از سینی بر آمد و از سیعیر بر ایشان تجلی کرد و از کوہ پاران درخشندہ شد و با ہزار ہزاران مقدساں ورود نمود و از دست راستش بایشاں شریعتے آتشیں رسید''۔ (سفر توریہ مثنی (استثناہ) باب ۳۳ ورس ۲) - (یعنی اُس نے کہا خدا سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر ظاہر ہوا اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور ہزاروں ہزار پاک بازوں کے ساتھ آیا - اُس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشین (نورانی) شریعت تھی - محمد اسماعیل)

(و) ''خداوند از تیمان و قدوس از کوہ پاران آمد - سلاہ - جلالش آسمان ہا مستور کرد و زمین از حمدش پر شد'' (کتاب حقوق باب ۳ ورس ۳) - (یعنی خدا تیمان سے آیا اور قدوس کوہ فاران سے - سلاہ - اُس کے جلال نے آسمانوں کو ڈھانک لیا اور زمین اُس کی حمد سے معمور ہوگئی - محمد اسماعیل)

(ز) ''و از مدیان برخاستند و بہ پاران آمدند و مردمان چندے از پاران بہ ہمراہ خودشاں گرفتند و بہ مصر بہ خدمت فرعون بادشاہ مصر آمدند'' (کتاب اول ملوک (سلاطین)

باب ۱۱ ورس ۱۸) - (یعنی انھوں نے مدیان کو چھوڑ دیا اور فاران میں چلے آئے اور یہاں سے کچھ آدمیوں کو اپنے ھمراہ لے کر فرعون بادشاہ مصر کے پاس گئے - محمد اسماعیل)

اور دوسرے بیان کی یعنی اس کی کہ قادیش اور فاران ایک ھی مقام ھے توریت مقدس کے مندرجہ ذیل ورسوں سے تکذیب ھوتی ھے -

(الف) ''و نیز حوریان را در کوہ خودشان سیعیر تا ایل پاران کہ در نزدیک صحراست - و در گشتہ بہ عین مشپاط کہ قادیش است آمدند و تمامی مرز و بوم عالیقان و ھم اموریاتی کہ در حصصون تا مار ساکن بودند شکست دادند'' (سفر تکوین (پیدائش) باب ۱۴ ورس ٦ و ۷) - (یعنی اور حویوں کو اُن کے کوہ شعیر میں مارتے مارتے ایل فاران تک جو بیابان سے لگا ھوا ھے آئے - پھر وہ لوٹ کر عین مصفات یعنی قادس پہنچے اور عالیقیوں کے تمام ملک کو اور اموریوں کو جو حصصون تمر میں رھتے ھیں شکست دی - محمد اسماعیل)

یہ ظاھر ھے کہ جب تک قادیش اور فاران دو جداگانہ اور مختلف بیابان نہ قرار دیے جاویں - ورس مذکورہ بالا کے کوئی معنی نہیں ھو سکتے -

(ب) ''و روانہ شدہ پیش موسیٰ و ھارون و تمامی جماعت بنی اسرائیل در بیابان پاران بہ قادیش رسیدند و بہ ایشان و ھم بتمامی جماعت خبر رساندند و ھم بہ ایشان میوۂ زمیں را نمودند''- (سفر اعداد (گنتی) باب ۱۳ ورس ۲٦) - (یعنی اور وہ چلے اور موسیٰ اور ھارون اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت کے پاس دشت فاران کے قادس میں آئے اور اُن کو اور ساری جماعت کو سب کیفیت سنائی اور اُس ملک کا پھل اِن کو دکھایا - محمد اسماعیل)

اس ورس میں جن لفظوں کے نیچے ہم نے لکیر کر دی ہے
اُن کے ترجمہ میں ہم کو شبہ ہے اس لیے ہم اُس کا ایک نہایت
قدیم ترجمہ عربی کا جو ۱۶۷۱ عیسوی میں مع لیٹن ترجمہ کے
چھپا ہے اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

و قدموا الی موسیٰ و هارون و جماعة بنی اسرائیل
الی بریة فاران الی قادس۔ (سفر العدد الاصحاح
۱۳ - ۲۶)۔

اصل ابری عبارت میں صرف یہ لفظ ہیں ” ال مدبر فاران
قادیش “۔ عربی زبان میں جو قاعدہ بدل اور متبدل منہ کا ہے
وہ عبری زبان میں نہیں ہے اور اس لیے فاران اور قادیش بدل اور
مبدل منہ نہیں ہو سکتے اور ضرور ہے کہ اِن دونوں کے درمیان
کوئی لفظ مقدر مانا جاوے فارسی مترجم نے حرف ب کو مقدر
مانا ہے اور ” بہ قادیس “ ترجمہ کیا ہے اور عربی مترجم نے
” الی “ مقدر مانا ہے اور ” الی قادیش “ ترجمہ کیا ہے اور
لیٹن کے مترجم نے جو لفظ مقدر مانا ہے اُس کا ترجمہ یہ ہے
” جو کہ ہے بیچ قادیش کے “ مگر عربی قدیم ترجمہ صحیح
معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ فاران کے ما قبل بھی ال یعنی ” الی “
کا لفظ آیا ہے اور وہی لفظ قادیش پر سے محذوف کر دیا ہے
پس اس ترجمہ کے مطابق معنی یہ ہوتے ہیں کہ ” آئے بیابان
فاران کی طرف قادیش کی طرف سے یعنی قادیش کے رستہ سے “
اس صورت میں صریح ظاہر ہوتا ہے کہ فاران اور قادیش دو
مختلف مقاموں کے نام ہیں اور اسی کی تائید سفر تکوین کے
ورسوں سے ہوتی ہے جو اوپر مذکور ہوئے ہیں۔

اب ہم کو تیسرے فاران پر غور کرنا چاہیے جس کا

کوہ سینا کے مغربی ڈھلاؤ پر واقع ہونا بیان ہوا ہے ۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہاں ایک مقام ہے جو فاران کے نام سے مشہور ہے مگر سوال یہ ہے کہ آیا وہ وہی بیابان ہے جس کا ذکر سفر تکوین میں آیا ہے کہ حضرت اسمعیل صحرائے بیرشبع میں سرگردانی کے بعد وہاں آ کر ٹھہرے تھے اور کیا وہ وہی مقام ہے جہاں حضرت اسمعیل فی الحقیقت متوطن ہوئے تھے اس لیے کہ اگر از روئے تجسس اور تفتیش کے یہ ثابت ہو جاوے کہ حضرت اسمعیل وہاں متوطن نہیں ہوئے تھے تو اُس سے لازم آوے گا کہ یہ فاران وہ فاران نہیں ہے جس کا ذکر سفر تکوین میں آیا ہے ۔

کوئی ملکی روایت ایسی موجود نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ حضرت اسمعیل نے اس جگہ سکونت اختیار کی تھی ۔ رورنڈ مسٹر فارسٹر جو اسی مقام کو حضرت اسمعیل کی سکونت کی جگہ خیال کرتے ہیں اور جس قدر دلائل اُس کی تائید میں لاتے ہیں وہ کسی قسم کی شہادت پر مبنی نہیں ہیں ۔ مگر ہم اس غرض سے کہ اُن کے غلط ہونے میں کچھ شبہ باقی نہ رہے اُن دلیلوں کی غلطی بیان کرتے ہیں ۔

مصنف موصوف نے سفر تکوین باب ۲۵ ورس ۱۸ پر جس کی یہ عبارت ہے ۔ ”و ایشان از حویلاہ تا شور کہ ہنگام رفتن تو بہ اشور در برابر مصر ست ساکن بودند و مسکن او در حضور تمامی برادرانش افتاد“ ۔ استدلال کر کے بیان کیا ہے کہ ”خدائے تعالیٰ کے وعدے اسی میں ایفا ہو گئے تھے جب کہ اسماعیلیوں کی آبادی شور سے حویلاہ تک انتہائے عرب میں یعنی سرحد مصر سے لے کر دھانہائے فرات تک پھیل گئی تھی ۔“

اول غلطی صاحب موصوف کی یہ ہے کہ حویلاہ کو دھانہائے[1] فرات پر قرار دیا ہے - در اصل حویلاہ جس کے بانی کا نام سفر تکوین باب ۱۰ ورس ۲۹ میں مذکور ہے نواح یمن میں عرض بلد شمالی ۱۷ درجہ ۳۰ دقیقہ اور طول بلد شرقی ۴۲ درجہ ۳۶ دقیقہ پر واقع ہے اور اس کی کامل تصدیق عرب کے اس نقشہ کے معاینہ سے ہو سکتی ہے جو عرب کے جغرافیہ کی شکل کے مطابق ہے - واکر صاحب کے نقشہ کلاں سے چھوٹا کر کے بنایا گیا ہے اور اسی کے ساتھ شام اور مصر کے ان تمام اقطاع کو بھی زیر نظر رکھنا چاہیے- جن کا نقشہ رورنڈ کار ٹرٹ پی کیرے - ایم - اے - نے مرتب کیا ہے -

---

۱- رورنڈ مسٹر فارسٹر صاحب حویلاہ کی سکونت کی نسبت لکھتے ہیں کہ ''ارض حویلاہ سے جو حضرت موسیٰ کے پہلے صحیفہ میں مذکور ہے وہ حصہ عرب کا مراد ہے جو دھان ھائے فرات سے ملحق ہے اور جنوب کی جانب ساحل خلیج فارس کے برابر برابر چلا گیا ہے -'' یہ بیان اس بنا پر ہے ( اگرچہ ہمارے نزدیک قابل وقعت نہیں ہے ) کہ جزائر بحرین میں سب سے مشہور جزیرے ''اوال'' کے نام میں اصلی نام حویلاہ کے آثار پائے جاتے ہیں - اس دلیل کے استحکام میں صاحب موصوف یہ بیان کرتے ہیں کہ ''آگے آنے والی مثالوں سے عربی زبان کے استعمال میں جو مختلف تصرفات اس نام میں ہوئے ہیں معلوم ہوں گے جیسے : اوال ، اوآل ، حویل ، حویلاہ ، خر ، خط ، خولان ، چول ، چولان - ان لفظوں میں سے بعضے لفظ ایک ہی جگہ یا ضلع کے مختلف نام ہیں -'' ایسے عظیم سوالات کا اس طرح پر حل کرنا اور ان سے نتائج کا استنباط کرنا کامل اور ناطرفدارانہ تحقیقات کے قواعد معینہ کے مطابق نہیں ہے اور اسی لیے وہ قابل وقعت نہیں ہیں اور اسی باعث سے ہم نے کہا ہے کہ رورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بیان میں غلطی کی ہے علی الخصوص اس وجہ سے کہ یہی نام پورا پورا عرب کے دوسرے حصہ میں موجود ہے - (سید احمد)

دوسری غلطی یہ ہے کہ مصنف موصوف نے اور عیسائی مورخوں اور جغرافیہ دانوں کی تقلید اختیار کر کے "شور" کو عرب الحجر کے مغرب میں قرار دیا ہے جہاں کہ صحرائے ایتام واقع ہے اور یہ قطعی غلطی ہے کیوں کہ صحرائے "شور" سے توریت مقدس میں مراد تمام اس وسیع میدان سے ہے جو شام سے لے کر جانب جنوب ملک مصر تک منتہی ہوتا ہے ۔

اصل عبری توریت میں صرف دو نام ہیں ۔ شور اور اشورہ بغیر الحاق لفظ صحرا کے موجود ہیں ۔ ان دونوں ناموں میں سے شور سے مراد شام اور اشورہ سے مراد اسریا ہے ۔

اس سے صاف واضح ہے کہ بنی اسمعیل اس وسیع قطعہ میں آباد ہوئے تھے ۔ جو شمالی حدود یمن سے جنوبی سرحد شام تک منتہی ہوتا ہے ۔ یہ جگہ اب بنام حجاز معروف ہے اور فاران سے مطابقت رکھتی ہے ہمارے اس نتیجہ کی اس امر سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ یہی سر زمین ٹھیک مصر کے سامنے واقع ہوتی ہے ۔ اگر کوئی شخص وہاں سے اسریا کی جانب عزیمت کرے اور توریت مقدس کی اس آیت کی کما حقہٗ تصدیق ہوتی ہے جہاں لکھا ہے " جو کہ سامنے مصر کے ہے اگر تو اسریا کی طرف روانہ ہو ۔" یعنی مصر کے سامنے سے اگر تم ایک خط مستقیم وہاں سے اسریا تک کھینچو ۔

فاران کی حدود اربعہ جو رورنڈ مسٹر فارسٹر نے بہ حوالہ ڈاکٹر ولز کے قرار دی ہیں کہ اس کے مغرب میں بیابان شور ہے اور مشرق کوہ سیعیر اور شمال میں ارض کنعان اور جنوب میں بحر احمر یہ حدود بھی بالکل غلط ہیں ۔

سینٹ پال حواری نے جو خط گلاٹیوں کے نام لکھا ہے اس کے چوتھے باب میں بائیسویں ورس سے چھبیسویں ورس تک

یہ عبارت مندرج ہے '' یہ لکھا ہے کہ ابراہیم کے دو بیٹے تھے۔ ایک لونڈی سے دوسرا آزاد سے۔ وہ جو لونڈی سے تھا جسم کے طور پر پیدا ہوا اور جو آزاد سے تھا سو وعدے کے طور پر پیدا ہوا۔ اس کے یہ معنی ظاہر ہیں کہ یہ عورتیں دو عہد نامے ہیں ایک تو کوہ سینی کی جو صرف غلام جنتی ہے ہاجرہ ہے کہ وہ ہاجرہ عرب کا کوہ سینی ہے اور یہاں کے یروشالم کی ہم جنس ہے اور اپنے لڑکوں کے ساتھ غلامی مین ہے۔ پر اوپر کی یروشلم آزاد ہے۔ سو ہم سبھوں کی ماں ہے'' اس پر رورنڈ مسٹر فارسٹر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کوہ سینا اور ہاجرہ ایک ہی ہین۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول خود مصنف موصوف ہی کا قول ہے کیوں کہ جہاں تک ہم کو واقفیت ہے ہم کسی عیسائی مصنف کا قول اس کے مطابق نہیں پاتے ہین۔ کوئی مشرق مورخ یا جغرافیہ دان ایسا نہیں معلوم ہوتا جس نے کوہ سینا اور ہاجرہ کو ایک ہی سمجھا ہو اور نہ انجیل مقدس کی کسی آیت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ کوہ سینا اور ہاجرہ سے ایک شے مراد ہے۔ سنٹ پال حواری کا اصلی منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی کوہ سینا پر دو معاہدے کیے گئے تھے ایک حضرت اسحاق کے ساتھ اور دوسرا حضرت اسمعیل پسر ہاجرہ کے ساتھ۔ سنٹ پال حواری نے کنایتاً فرمایا کہ '' یہ ہاجرہ کوہ سینا ملک عرب میں ہے'' یعنی یہ ہاجرہ یعنی بنی ہاجرہ وہ معاہدہ ہے جو کوہ سینا پر بھی کیا گیا تھا اور اورشلیم کا ہمپایہ ہے جو بالفعل موجود ہے اور اس کی اولاد کے ساتھ غلامی میں ہے۔ عبارت مذکور بالا کو اس طرح پر پھیرنا کہ اس کے معنی سے ہاجرہ اور سینا کا مقام واحد ہونا ثابت ہو جاوے بالکل غیر ممکن ہے۔

کتاب اول تواریخ ایام باب ۵ ورس ۹ اور ۱۰ میں بعض اقوام بنی اسرائیل کے آباد ہونے کے ذکر کے ساتھ یہ عبارت مندرج ہے ''و بہ طرف شرق تا مدخل بیابان کہ بہ کنارہ نہر فرات باشد ساکن می شدند زیرا کہ در زمین گلعاد گلہ ہائے ایشان زیاد می شدند ۔ و در زمان شاول ایشان باھگریاں دعویٰ کردند کہ آنہا بدست ایشان افتادند و در چادر ہائے ایشان در تمامی مرزو بومے کہ بہ طرف گلعاد باشد ساکن شدند ۔'' (یعنی اور مشرق کی طرف دریائے فرات سے بیابان میں داخل ہونے کی جگہ تک بسا ہوا تھا کیوں کہ ملک جلعاد میں اُن کے چوپائے بہت بڑھ گئے تھے اور ساؤل کے زمانہ میں انھوں نے ہاجریوں سے لڑائی کی جو اُن کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور وہ جلعاد کے مشرق کے سارے علاقہ میں اُن کے ڈیروں میں بس گئے ۔ محمد اسماعیل) ۔

ان ورسوں پر استدلال کر کے رورنڈ مسٹر فارسٹر بیان کرتے ہیں کہ گلعاد کے شرقی نواح جو رود فرات اور خلیج فارس کی سمت میں ہے حضرت اسمعیل کے ابتدائی مقام سکونت سے مطابق ہوتا ہے ایک عرصہ کے بعد حضرت اسمعیل کی اولاد قریب سارے جزیرہ نمائے عرب میں پھیل گئی اور انھیں سے بعض لوگ مقام متذکرہ بالا کو قدیمی باشندوں سے چھین کر وہاں جا بسے ۔

مگر ان ورسوں سے جو مقصد رورنڈ مسٹر فارسٹر کا ہے وہ حاصل نہیں ہوتا کیوں کہ اُن سے صرف یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بنی ہاجرہ نے سواحل خلیج فارس پر شکست کھائی اور یہ شکست آٹھ سو برس بعد حضرت اسمعیل کے واقع ہوئی تھی ۔ ان ورسوں سے یہ بات کسی طرح ثابت نہیں ہوتی کہ یہ وہی

جگہ تھی جہاں خود حضرت اسمعیل متوطن ہوئے تھے ۔

روورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بات کے ثابت کرنے کے لیے کہ حضرت اسمعیل کی اولاد نے خلیج فارس کے شمالی سمت سے لے کر یمن تک تمام ملک پر قبضہ کر لیا تھا ۔ مختلف مقامات کے ناموں کی بنی ہاجرہ کے ناموں کے ساتھ مطابقت کرنے میں از حد کوشش کی ہے ۔ بعض مطابقتیں اس طرح پر کی ہیں ۔ جن پر اعتبار نہیں ہو سکتا اور بعض میں اپنے معمولی قاعدہ کے مطابق صرف ایک حرف کے مطابق ہو جانے کو کافی سمجھا ہے اور بعض ناموں کے مطابق کرنے میں اُن کو کام یابی بھی ہوئی ہے ۔ لیکن جس امر کے قائم کرنے میں روورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس قدر جاں فشانی سے ناکام کوشش کی ہے دو وجہ سے قابل التفات اور لائق توجہ نہیں ہے ۔

اول اس لیے کہ ہمارے نزدیک بھی حضرت اسمعیل کی اولاد یعنی اُن کے بارہ نامور بیٹے اور اُن بیٹوں کی اولاد صرف اُس تنگ قطعہ زمین میں محصور نہیں رہی جو مکہ معظمہ کے گردا گرد ہے ۔ بلکہ امتداد زمانہ میں اُن کی اولاد قریب قریب تمام جزیرہ نمائے عرب میں پھیل گئی تھی ۔ مشرق مؤرخ بھی اس کے قائل ہیں جیسا کہ عبارت مندرجہ ذیل سے ثابت ہوتا ہے ۔ پس یہ امر متنازعہ فیہ نہیں ہے ۔

و لما کثر ولد اسمعیل علیہ السلام ضاقت علیہم مکۃ فانتشروا فی البلاد فکانوا لا یدخلون بلداً الا اظہرھم اللہ علی اھلہ وھم نفوا العمالیق ۔ (معارف ابن قتیبۃ) ۔

دوم اس لیے کہ اس مقام پر یہ امر بحث طلب نہیں ہے کہ امتداد زمانہ کے بعد حضرت اسمعیل کی اولاد کہاں کہاں پھیل

گئی تھی - بلکہ اس بات پر بحث ہے کہ حضرت اسمعیل اور ان کی اولاد ابتدا میں کس جگہ آباد ہوئی تھی - پس جو کچھ کہ رورنڈ مسٹر فارسٹر نے لکھا ہے اُس سے امر بحث طلب کو کچھ علاقہ نہیں -

اب ہم اس امر کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کتب خمسہ حضرت موسیٰ میں اُس فاران کا جو مشرق مصر میں کوہ سینا کے مغربی ڈھلاؤ پر واقع ہے کچھ بھی ذکر نہیں ہے اور یہ امر اُس وقت بخوبی واضح ہو جاتا ہے جب کہ حضرت موسیٰ اور اُن کے ہمراہیان بنی اسرائیل کی صحرا نوردیوں کے مقامات پر لحاظ کیا جاوے - سفر خروج باب ۱۵ ورس ۲۲ میں لکھا ہے - ”پس موسیٰ اسرائیلیاں را از دریائے احمر کوچانید و بہ بیابان شور رفتند و سہ روز در بیابان راہی شدہ آب نیافتند -“ (یعنی پھر موسیٰ بنی اسرائیل کو بحر قلزم سے آگے لے گیا اور وہ شور کے بیابان میں آئے اور بیابان میں چلتے ہوئے تین دن تک اُن کو کوئی پانی کا چشمہ نہ ملا - محمد اسماعیل) اور جب کہ انھوں نے بیابان مین کو طے کیا تب عمالیق کی قوم آئی اور رفیدیم میں بنی اسرائیل سے لڑی - دیکھو (سفر خروج باب ۱۷ ورس ۸) -

بنی عملیق قدیم رہنے والے رفیدیم کے نہیں تھے بلکہ اُس وادی کے رہنے والے تھے جس کا ذکر سفر اعداد باب ۱۴ ورس ۲۵ میں ہے اور اس ورس میں بھی جو لفظ ”آئے“ کا استعمال ہوا ہے اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ رفیدیم کے رہنے والے نہ تھے -

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ رفیدیم سینا کے جانب مغرب یعنی مشرق مصر مین واقع ہے اور یہ وہی جگہ ہے جہاں

حضرت موسٰی نے اپنے اعجاز سے ایک چٹان میں سے پانی کا چشمہ نکالا تھا اور اس کا نام ''مساہ'' اور ''مریبا'' رکھا تھا (دیکھو سفر خروج باب ۱۷ ورس ۶ و ۷) اور اسی جگہ حضرت موسٰی نے ایک قربان گاہ بنائی تھی اور اس کا نام ''یہوانسی رکھا تھا (دیکھو سفر خروج باب ۱۷ ورس ۱۵) -

حضرت موسٰی اب آگے کو مشرق کی طرف بڑھے اور صحرائے سینا میں پہنچ کر کوہ خدا کے پاس ڈیرے ڈالے اور اور اسی مقام پر ان کے خسر مسمی یثرو کاہن ان سے ملنے کو آئے (دیکھو سفر خروج باب ۱۸ ورس ۵ و باب ۱۹ ورس ۲) -

اس میں کچھ شک نہیں کہ یثرو کاہن حضرت موسٰی کے خسر کوہ سینا کے مشرق کی جانب سے آئے تھے - کیوں کہ مدیان جہاں کہ وہ کاہن تھے اس کے مشرق کی سمت میں واقع ھے - اس تمام سفر میں جو حضرت موسٰی نے مصر سے سینا تک کیا فاران کا کچھ ذکر نہیں آیا -

سینا سے بنی اسرائیل کا کوچ شمال مشرق کی سمت میں تھا - اس سفر کے باب میں سفر اعداد باب ۱۰ ورس ۱۲ میں یہ لکھا ھے ''و بنی اسرائیل از بیابان سینی کوچ نمودند و ابر در بیابان پاران ساکن شد'' - حضرت موسٰی نے اس سفر میں پہلی منزل اس مقام پر کی تھی جس کا نام ''تبعیراہ'' تھا (دیکھو سفر اعداد باب ۱۱ ورس ۳) - پھر وھاں سے ''قبروث ھتاواہ'' کو روانہ ھوئے اور وھاں سے ''حصیروث'' کو کوچ کیا (دیکھو سفر اعداد باب ۱۱ ورس ۳۴ و ۳۵) اور اس اخیر مقام سے کوچ کر کے بیابان پاران میں داخل ھوئے (دیکھو سفر اعداد باب ۱۲ ورس ۱۶) جو کہ یہ پاران وھی جگہ ھے

جہاں ابر کا ٹھہرنا بیان کیا گیا ہے اس لیے کچھ شک نہیں کہ حضرت موسیٰ کا کوچ شمالی اور مشرقی سمت میں تھا یعنی قادیش کی طرف (دیکھو سفر اعداد باب ۱۳ ورس ۲۶) اور اس لیے وہ فاران جس کا ذکر حضرت موسیٰ نے کیا ہے سینا کے مغرب کی جانب نہیں ہو سکتا۔

پس بآسانی یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ شہر فاران جس کو روپر صاحب نے بیان کیا ہے اور جس کے آثار انھوں نے پائے ہیں اور جو مشرقی مؤرخوں کی نظر سے بھی چھپا ہوا نہ تھا حضرت موسیٰ کے زمانہ میں موجود نہ تھا اور یہ کب خیال میں آ سکتا ہے کہ ایسے بیابان میں جس کی نسبت حضرت موسیٰ نے بیان کیا ہے کہ ''بیابان وسیع و ہولناک کہ دراں مار سو زندہ و عقرب و زمین خشک بے آبے بود'' اس زمانہ میں کوئی شہر موجود ہو (دیکھو سفر توریہ مثنیٰ باب ۸ ورس ۱۵)۔

عیسائی مصنفوں نے بیابان فاران کا جو مقام قرار دیا ہے اس پر اعتبار کرنا حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کی صحرا نوردی کے بیان کی صحت پر منحصر ہے اور اس امر کی نسبت کہ حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل صحرا نوردی کی حالت میں کن کن مقاموں پر ہو کر گذرے تھے خود عیسائی علماء اور فضلا میں اس قدر اختلاف ہے کہ اس قدر اختلاف شاید ہی کسی اور امر کی نسبت ہو۔ ہم اس مقام پر حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کی صحرا نوردی کا ایک نقشہ شامل کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ خود علماء عیسائی نے پانچ مختلف رستے صحرا نوردی کے بیان کیے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کی نسبت بطور یقین کے بیان کیا جا سکے کہ درحقیقت ان پانچوں میں سے صحرا نوردی کا کون سا صحیح

رستہ ہے -

فاران پسر عوف کی اولاد بنی فاران کے نام سے مشہور تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ کہ حضرت موسیٰ کے زمانہ کے بعد کسی وقت میں کچھ لوگ اس قبیلہ کے یمن والوں اور قرب و جوار کی قوموں کے ساتھ دائمی جھگڑوں اور قضوں کے سبب سے شمال اور مشرق سمت کو چلے گئے ہوں گے اور کوہ سینا کی مغرب کی جانب مشرق مصر میں قیام کیا ہوگا جہاں رفتہ رفتہ ایک گاؤں یا قصبہ اسی قوم فاران کے نام سے آباد ہو گیا ہوگا۔ جس کا ذکر آوپر صاحب اور اور مشرق مؤرخوں نے کیا ہے مگر حضرت موسیٰ کے وقت میں اس کا کچھ وجود نہ تھا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ اپنے ہم نام بیابان یا پہاڑ سے جس کا ذکر توریت میں ہے بالکل علیحدہ ہے ۔

اگر بیابان فاران سے وہ سارا وسیع میدان مراد لیا جائے جو شام سے یمن تک چلا گیا ہے جیسا کہ خود کتاب مقدس میں مذکور ہے اور صرف ملکی روایتیں ہی اس کی تائید نہیں کرتیں بلکہ مشرق مؤرخ بھی اس کے موید ہیں تب حضرت موسیٰ کے کوچ کے تمام بیان کی تطبیق ہو جاتی ہے اور اس کی صحت کی تصدیق ہوتی ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا ۔

اس تمام وسیع میدان پر جو شام کے جنوب میں واقع ہے کاتبین مقدس عموماً ارض شور کا اطلاق کرتے ہیں مگر بعض مقام میں اس کو صرف " بیابان " سے تعبیر کیا ہے (دیکھو سفر خروج باب ۱۳ ورس ۱۸) اور بعض جگہ " بیابان عظم " سے (دیکھو سفر توریہ مثنٰی باب ۸ ورس ۱۵) اور اس بیابان میں ایثام ، سین ، سینا ، سن ، قادیش ، عیدام جو چھوٹے چھوٹے بیابان ہیں اور نیز ایک حصہ فاران کا شامل ہے ۔

جو کچھ کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم نے شور اور شام کو ایک ہی ملک قرار دیا ہے ۔ سفر تکوین باب ۲۵ ورس ۱۸ میں دو نام آئے ہیں ایک شور اور دوسرا اشورہ ۔ تمام عیسائی مصنف اشورہ کو ”اسریا“ سے تعبیر کرتے ہیں ۔ پس کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ شور سے شام مراد ہے ۔ اگر کوئی اس سے انکار کرے تو اُس کی وجہ بجز اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اس تطبیق کا تسلیم کرنا اسلام کے مفید مطلب ہے کیوں کہ سفر توریہ مثنٰی باب ۳۳ ورس ۲ اور کتاب حبقوق باب ۳ ورس ۳ میں پیشین گوئی ہے اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت صادق آتی ہے ۔

ہمارے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ فاران کی شمالی حد پر قادیش اور مغربی حد پر صحرائے ”سن“ اور خلیج عرب واقع ہے ۔

جبکہ کہ حضرت موسٰی سینا سے روانہ ہوئے تو ابر قادیش کے نزدیک فاران میں ٹھہرا ۔ (دیکھو سفر اعداد باب ۱۰ ورس ۱۲) اور حضرت موسٰی ”تبعیراہ“ ، ”قبروث ہتاواہ“ اور ”حصیروث“ ہو کر فاران میں آئے جو قادیش کے نواح میں ہے ۔ اس جگہ سے انھوں نے ایلچی روانہ کیے ۔ جو واپس آتے وقت اول قادیش میں پہنچے اور اُس کے بعد فاران میں یہ ایک سیدھا اور صاف بیان ہے جس سے حضرت موسٰی کے فاران میں سفر کرنے کا معما بخوبی حل ہو جاتا ہے ۔

اب ہم توریت مقدس کے اُن ورسوں پر غور کریں گے جو حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیل کے نکال دینے کے باب میں ہیں ۔ سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۱۴ و ۱۵ میں لکھا ہے کہ ”ابراہیم در صبحدم سحر خیزی نمودہ نان و مطہرہ آب را گرفتہ

و بہ ہاجرہ دادہ بہ دو شش گزاشت و ہم پسرش را (با و دادہ) او را روانہ نمود پس راہی شدہ در بیابان بیر شبع سر گردان شدہ ۔ و آبے در مطہرہ بود تمام شد ۔ و پسر را در زیر بوتہ از بوتہا گذاشت ۔'' (یعنی ابراہیم نے صبح ہی صبح اٹھ کر روٹی اور پانی کا ایک مشکیزہ لیا اور اسے ہاجرہ کو دیا بلکہ اس کے کندھے پر دھر دیا اور لڑکے کو بھی اس کے حوالے کر کے اسے رخصت کر دیا ۔ سو وہ چلی گئی اور بیر شبع کے بیابان میں آوارہ پھرنے لگی اور جو پانی مشکیزہ میں تھا جب وہ ختم ہو گیا تو اس نے لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا ۔ محمد اسماعیل) جس عبارت کے نیچے ہم نے خط کھینچ دیا ہے اس کے خواہ نخواہ یہ معنی نہیں ہیں ۔ کہ حضرت ہاجرہ بیابان بیر شبع ہی میں پھرتی رہیں اور اسی مقام پرصرف وہی پانی جو حضرت ابراہیم نے ان کو دیا تھا ان کے پاس تھا اور وہی ختم ہو گیا تھا ۔ بلکہ دو وجہ سے اس ورس کے ایسے معنی لینے صحیح نہیں ہیں ۔ اول اس وجہ سے کہ بیر شبع جو حضرت ابراہیم نے قادیش کے نزدیک کھودا تھا اور جس کے نواح میں وہ خود ایک عرصہ دراز تک رہے تھے ایک ایسا مقام تھا جس کے حالات اور جس کے قریب پانی کے کنوؤں کا ہونا حضرت ہاجرہ سے پوشیدہ نہ تھا ۔ دوم اس وجہ سے کہ بیابان بیر شبع میں پانی کا اس قدر نایاب ہونا نا ممکن تھا ۔ کیوں کہ وہاں صرف حضرت ابراہیم ہی کے بنائے ہوئے کنوئیں نہیں تھے بلکہ قوم فلسطین کے تعمیر کیے ہوئے بھی موجود تھے (دیکھو سفر تکوین باب ۲۶ ورس ۱۸ لغایت ۲۲) ہمارے نزدیک اس عبارت کے معنی جو عیسائی مصنفوں نے قرار دیے ہیں اس سے زیادہ تر صحیح اور صاف یہ ہیں کہ مکان سے نکلنے کے بعد حضرت ہاجرہ بیابان

بیر شبع میں پھرتی رھیں مگر ملک کا وہ حصہ سکونت کے قابل نہ تھا کیوں کہ بیر شبع کے ارد گرد ایسی قومیں رھتی تھیں جو لڑاکا اور جھگڑالو تھیں اور ذرا سا رحم بھی ان کے دل میں نہ تھا ۔ اس لیے حضرت ھاجرہ نے ایسے مقام پر جانے کا خیال کیا ھوگا جہاں اُن کو امن ملے اور آسائش سے رہ سکیں اور ایسا مقام بلاشبہ وہ تھا جہاں عرب العاربہ کی قومیں رھتی تھیں اور اس لیے کچھ شک نہیں رھتا کہ حضرت ھاجرہ نے اُس نواح میں جانے کا قصد کیا ۔

جو ایک چھاگل پانی حضرت ابراھیم نے اُن کے ساتھ کر دیا تھا وہ ختم ھو گیا ھوگا اور رستہ میں متعدد جگہ سے جہاں کہیں پانی دستیاب ھوا ھوگا حضرت ھاجرہ نے بھر لیا ھوگا ۔ لیکن جب وہ بیابان فاران میں پہنچی ھوں گی تو پانی ملنے کی مشکل پیش آئی ھوگی ۔ کیوں کہ اُس بیابان میں پانی نہایت کمیاب ھے ۔ ایسا معلوم ھوتا ھے کہ جب حضرت ھاجرہ اُس مقام پر پہنچیں جہاں اب مکہ معظمہ ھے ۔ تو اُن کے پاس باقی پانی نہیں رھا تھا اور حضرت اسمعیل تشنگی کے سبب سے ضعیف اور قریبِ مرگ ھوگئے ھوں گے اور حضرت ھاجرہ نہایت تشویش اور اضطراب کی حالت میں ادھر ادھر پانی تلاش کرنے کو دوڑتی پھرتی ھوں گی ۔ یہ بیان ایسا صاف ھے جس میں کوئی امر خلاف قیاس یا خلاف فطرت انسانی نہیں ھے ۔

خانہ بدوش عرب پانی کے چشمہ کو جو اُن کو جنگل میں ملتا تھا جھاکڑ وغیرہ ڈال کر مٹی سے چھپا دیتے تھے ۔ تا کہ اُن کے سوا اور کسی کو اس کا پتہ نہ ملے اور یہ رسم پانی کے کمیاب ھونے سے اُن میں جاری تھی اور اب تک جاری ھے ۔

یہ بات نہایت قرین قیاس ھے کہ اسی طرح عربوں نے اُس

چشمہ کو جو اُس مقام پر واقع تھا جہاں اب چاہ زمزم واقع ہے چھپا دیا ہوگا ۔ کیوں کہ لفظ ”بیر“ عبری میں چشمہ آب کے معنی میں بھی آیا ہے ۔

ان تمام حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس وقت حضرت ہاجرہ مضطربانہ ادھر اُدھر دوڑ رہی تھیں تو اُن کو وہ چشمہ مل گیا ۔ توریت مقدس کی عبارت سے بھی اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جہاں لکھا ہے ”و خدا چشمان او را کشادہ کرد و چاہ آبے دید و روانہ شدہ مطہرہ را از آب پر کردہ و بہ پسر نوشانید ۔“ (یعنی خدا نے اُس کی آنکھیں کھولیں ۔ اُس نے پانی کا ایک چشمہ دیکھا تو اُس میں سے مشکیزہ بھرا اور لڑکے کو پلا کر روانہ ہو گیا ۔ (سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۱۹ ) ۔ محمد اسماعیل) عربی روایتوں میں اس واقعہ کو اس طرح پر تعبیر کیا ہے کہ ایک فرشتہ نے اُس مقام پر اپنے بازو یا پاؤں سے ایک گڑھا کر دیا جس میں سے پانی نکل آیا ۔ یہ بیان اسی قسم کا ہے جیسا کہ مذہبی روایتوں کو ایک عظمت دینے کے لیے ہوتا ہے مگر جو اصلی واقعہ ہے وہ اس سے صاف پایا جاتا ہے ۔

بخاری کی حدیث ہم نے اوپر نقل کی ہے اور اُس کو بجائے پیغمبر کی حدیث ہونے کے ایک قومی اور ملکی روایت کا درجہ دیا ہے اُس سے بھی اتنی بات کہ حضرت ہاجرہ جب اُس مقام پر پہنچیں جہاں اب مکہ ہے تو پانی ہو چکا اور حضرت اسمعیل تشنگی سے قریب المرگ ہو گئے تو وہاں اُن کو چشمہ مل گیا بخوبی ثابت ہوتی ہے ۔ پس یہ ایک ایسی روایت ہے جس کو ایام جاہلیت کے عربوں نے ہمیشہ مستند تسلیم کیا ہے اور باوجودے کہ وہ لوگ بے شمار قوموں اور فرقوں میں جو ایک دوسرے کے مخالف تھے اور ہر ایک کا مذہب اور اعتقاد بھی

جداگانہ تھا منقسم ہو گئے تھے - اس پر بھی مذکورہ بالا امر میں سب متفق تھے - اس لیے ہم اُس روایت کو جھوٹی اور موضوع نہیں خیال کرتے خصوصاً اس صورت میں کہ توریت مقدس کے متعدد مقامات سے بھی اُس کی تصدیق ہوتی ہے -

بہر حال حضرت ہاجرہ نے اُس مقام پر جہاں اُن کو پانی کا چشمہ ملا تھا رہنا شروع کیا جب اور لوگوں کو اس چشمہ کی خبر ہوئی تو بنی جرھم کے بہت سے لوگ اُس کے قرب و جوار میں آ کر آباد ہوئے -

حضرت اسماعیل کا نکاح اور اُن کی بیویاں

بخاری نے حضرت اسمعیل کے نکاح کرنے کی بابت ایک روایت لکھی ہے جس کو ہم بجنسہ ذیل میں لکھتے ہیں -

قال (ابن عباس) فمر ناس من جرھم ببطن الوادی فاذا ھم بطیر کانھم انکروا ذلک و قالوا ما یکون الطیر الا علی ماء فبعثوا رسولھم فنظر فاذا ھو بالماء فاخبرھم فاتوا الیھا فقالوا ایا ام اسمعیل اتاذنین لنا ان نکون معک او نسکن معک فبلغ ابنھا فنکح فیھم امراۃ قال ثم انہ بدا لابراھیم فقال لاھلہ انی مطلع ترکتی قال فجاء فسلم فقال این اسمعیل فقالت امرتہ ذھب یصید قال قولی لہ اذ جاء غیر عتبۃ بیتک فلما جاء اخبرتہ فقال انت ذلک فاذھبی الی اھلک قال ثم انہ بدا لابراھیم فقال لاھلہ انی مطلع ترکتی فجاء فقال این اسمعیل فقالت امرتہ ذھب یصید فقالت الا تنزل فتطعم و تشرب فقال و ما طعامکم و ما شرابکم قالت طعامنا اللحم و شرابنا الماء قال

اللهم بارک لهم فی طعامهم و شرابهم قال فقال ابوالقاسم برکة یدعوه ابراهیم (صلی الله علیهما وسلم) قال ثم انه بدا لابراهیم فقال لا هله انی مطلع ترکتی فجاء فوافق اسمعیل من وراء زمزم یصلح بنلا له فقال یا اسمعیل ان ربک امرنی ان ابنی له بیتاً قال اطع ربک قال امرنی ان تعیننی علیه قال اذا فعل اوکما قال فقاما فجعل ابراهیم یبنی و اسمعیل ینا و له الحجارة و یقولان ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم قال حتی ارتفع البناء و ضعف الشیخ عن نقل الحجارة فقام علی حجر المقام فجعل ینا و له الحجارة و یقولان ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم (بخاری کتاب الانبیاء) ۔

یہ روایت بھی انھیں وجوہات سے جو ہم نے بخاری کی پہلی حدیث کی نسبت بیان کی ہیں ایک ملکی روایت کی مانند ہے نہ کہ پیغمبر صاحب کی فرمائی ہوئی حدیث کی مانند ۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اسمعیل نے ایک عورت سے نکاح کر لیا اور اُس کے بعد جب حضرت ابراہیم حضرت اسمعیل سے ملنے کو آئے تو اُس عورت سے نکاح کرنے کو ناپسند کیا اور طلاق دے دینے کا اشارہ کیا ۔ چناں چہ حضرت اسمعیل نے اُس کو طلاق دے دی اور وہاں کے نو آباد لوگوں میں سے ایک اور عورت سے نکاح کر لیا ۔ اُس کے بعد جب دوسری دفعہ حضرت ابراہیم اُن سے ملنے کو آئے تو اس عورت سے نکاح کرنے کو پسند کیا ۔

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمعیل

کی دونوں بیبیاں بنی جرہم کی قوم سے تھیں مگر توریت مقدس سے پایا جاتا ہے کہ اُنھوں نے پہلی دفعہ ایک مصری عورت سے نکاح کیا تھا ۔

ہم کو اس بات کے یقین کرنے کی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا روایت میں جو پہلی بیوی کا بنی جرہم سے ہونا بیان کیا گیا ہے صحیح نہیں ہے ۔ غالباً پہلی بیوی ایک مصری عورت تھی اور یہی وجہ ہوگی ۔ کہ حضرت ابراہیم نے اُس عورت سے نکاح کرنا ناپسند کیا ہوگا ۔ یہ بھی قرین قیاس ہے کہ بنی جرہم نے ابتداء میں اپنی قوم کی بیٹی کو حضرت اسمعیل کے نکاح میں دینے سے تامل کیا ہوگا کیوں کہ وہ حضرت اسمعیل کو غیر قوم اور غیر جنس خیال کرتے ہوں گے ۔ مگر باہم سکونت پذیر ہونے سے وہ خیال جاتا رہا ہوگا اور اس لیے یقین ہوتا ہے کہ اُن کی دوسری بیوی بنی جرہم کی قوم سے تھیں ۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل کا خانہ کعبہ کو تعمیر کرنا

قرآن مجید میں نسبت تعمیر خانہ کعبہ کے یہ آیت موجود ہے ۔ ”و اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمعیل. ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم“ (سورۃ البقرہ آیت ۱۲۱) (یعنی جب ابراہیم اور اُس کا فرزند اسمعیل بیت اللہ کی دیواریں کھڑی کر رہے تھے تو اُنھوں نے خدا سے دعا مانگی کہ اے ہمارے رب ! تو ہماری عرض کو قبول کر لے ۔ تو یقیناً سننے والا اور جاننے والا ہے ۔ محمد اسمعیل پانی پتی) ۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے اور تمام قومی روایتوں سے یقیناً متحقق ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل نے خانہ کعبہ کو بنایا تھا ۔

قرآن مجید کی رُو سے بغیر کسی شک کے ہم مسلمان اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت اسمعیل پیغمبر تھے اور خدا نے اُن کو مثل حضرت ابراہیم ان کے باپ کے وحی بھیجنے اور اپنی مرضی ظاہر کرنے کے لیے مبعوث کیا تھا۔ تا کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور وحدانیت کی طرف ہدایت کریں۔ توریت مقدس میں جو وعدہ کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے حضرت اسمعیل کی نسبت کیا تھا۔ وہ اس طرح پر مندرج ہے ''و در حق اسمعیل ترا شنیدم اینک او را برکت داده ام و او را بارور گردانیده بغایت زیاد خواهم نمود و دوازده سرور تولید خواهد نمود او را امت عظمیٰ خواهم نمود'' (سفر تکوین باب ۱۷ ورس ۲۰) یہ وعدہ پورا ہوا اور آخیر تک پورا ہوتا چلا آیا (اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے ''اور اسمعیل کے حق میں میں نے تیری دعا کو سنا۔ دیکھ میں اُسے برکت دوں گا اور اُسے برو مند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا اور اُس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اُسے بڑی قوم بناؤں گا۔ محمد اسماعیل)

عیسائی مصنف اس وعدہ کے ہونے کی نسبت تو کچھ کلام نہیں کر سکتے۔ مگر از راہ مکابرہ یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ جسمانی یعنی دنیوی طرز کا وعدہ تھا نہ روحانی طرز کا۔ اگرچہ یہ اُن کا کہنا صریح غلط ہے مگر اس مقام پر ہم اس مسئلہ پر بحث نہیں کرنے کے بلکہ آئندہ مضمون میں جس میں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی بشارات کا توریت اور انجیل میں موجود ہونا بیان کریں گے اسی مضمون میں اس امر پر بھی بحث کریں گے۔

ذکر جو حضرت اسماعیل کے قربان ہونے کا مشہور ہے

ایک اور روایت عموماً لوگوں میں مشہور ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حضرت اسمعیل کی قربانی کر ڈالنے کا حکم

دیا تھا ۔ اس روایت کی کچھ اصلیت نہیں ہے زیادہ تر تقویت اُس روایت کو ہوتی ہے جس میں حضرت اسحاق کی قربانی کرنے کے حکم ہونے کا ذکر ہے اور اس اختلاف کا جو سبب ہے وہ ہم آگے بیان کریں گے ۔

حضرت ابراہیم نے جو اپنے بیٹے کی قربانی کرنے کا ارادہ کیا اُس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے ۔ "قال یا بنی انی اری فی المنام انی اذ بحک فانظر ما ذا تری قال یا ابت افعل ما تومر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین ۔ فلما اسلما و تلہ للجبین و نادینٰہ ان یا ابراھیم ۔ قد صدقت الرویا انا کذالک نجزی المحسنین ۔ ان ھذا لھو البلاء المبین ۔ و فدینٰہ بذبح عظیم" (سورۃ الصفات آیت ۱۰۱ لغایت ۱۰۷) ۔ (یعنی (ابراھیم نے) کہا "اے میرے بیٹے ! میں نے خواب دیکھا (جیسے) میں تجھے ذبح کر رہا ہوں ۔ پس سوچ کر جواب دے کہ اس معاملہ میں تیری کیا مرضی ہے ؟ اُس نے کہا اے میرے باپ ! جو حکم آپ کو خدا سے ملا ہے اُسے کر گذریے ۔ آپ مجھے انشاء اللہ صابر پائیں گے ۔ پھر جب وہ دونوں فرماں برداری پر آمادہ ہو گئے اور باپ نے اُسے ماتھے کے بل (زمین پر) گرا لیا تو ہم نے اُسے پکار کر کہا کہ اے ابراھیم ! تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ۔ ہم اسی طرح محسنوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں ۔ یہ یقیناً (ابراھیم کی) سخت آزمائش تھی اور ہم نے اُس کا فدیہ ایک بڑی قربانی کے ذریعہ سے دے دیا" ۔ محمد اسماعیل)

قرآن مجید میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ حضرت اسحاق کی نسبت قربانی کا حکم تھا یا حضرت اسمعیل کی نسبت اور

نہ کسی معتبر اور مستند حدیث سے اس کی تفصیل پائی جاتی ہے۔

بعض مسلمان مؤرخوں کا قول ہے کہ حضرت اسحاق کی نسبت قربانی کا حکم تھا اور بعض کا قول ہے۔ کہ حضرت اسمعیل کی نسبت تھا یہ اختلاف توریت مقدس کی اس آیت کے مبہم اور غیر مصرح ہونے کی وجہ سے ہے۔ جس میں اس مقام کا ذکر ہے جہاں مذکورہ بالا قربانی کا عمل میں آنا تجویز ہوا تھا اور وہ آیت یہ ہے ''خدا ابراہیم را امتحان نمود و باو گفت اے ابراہیم و او گفت اینک حاضرم و خداوند گفت کہ حالی پسر یگانہ خود اسحاق را کہ دوست می داری بگیر و بر زمین موریاہ[1]

---

١- موریا کے معنی تلخی خدا یا حکم خدا یا خوف خدا اور نیز اور شلیم کے اس پہاڑ کا نام ہے جس پر بیت المقدس تعمیر ہوا تھا اور جس پر بالفعل حضرت عمر کی بنائی ہوئی مسجد واقع ہے اسی مقام کو عموماً وہ مقام خیال کرتے ہیں جہاں کہ حضرت ابراہیم کو اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسحاق کی قربانی کرنے کا حکم ہوا تھا گو کہ اس بات کے فرض کرنے میں بعض مشکلات پیش آتی ہیں۔ توریت سامری سفر تکوین باب ٢٢ ورس ٢ میں بجائے موریا کے سر زمین مرہ لکھا ہے جیسا کہ انگریزی ترجمہ میں ہے اور مرہ کی نسبت لوگوں کو اطمینان ہو گیا تھا کہ یہ وہی مرہ ہے جو ''شکم'' کے قریب تھا اور جہاں حضرت ابراہیم پہلے رہا کرتے تھے (سفر تکوین باب ١٢ ورس ٦) اور وہ پہاڑ جس پر ان کا معبد بنا تھا ''جوزیم'' تھا اور یہ اخیر رائے کسی قدر لحاظ کے قابل ہے۔ اگر یہ متحقق ہو جاوے کہ قوم سامری نے اس مقام کو اپنی حدود کے اندر لانے کے واسطے اس ورس میں کچھ تحریف نہیں کی ہے۔ بیر شبع سے اس مقام کا فاصلہ ترجمہ سامری کا کسی قدر موئد ہے کیونکہ بیرشبع سے مرہ تک پورا تین روز کا رستہ ہے مگر بیر شبع اور بیت المقدس کے درمیان فاصلہ بہت قلیل ہے بشرطیکہ راستہ میں کوئی امر حارج نہ ہو گیا ہو۔ مسلمان راوی ہیں کہ اس واقع کا موقع وہ ہے جہاں کہ زمانہ ما بعد میں ان کا مشہور و معروف

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

برو (عربی ترجمہ میں بجائے لفظ ”موریاہ“ کے ”ارض الرویا“ لکھا ہے اور توریت سامری کے عربی ترجمہ میں ”ارض المختارہ المرشدہ“ لکھا ہے) ”ودراں جا او را در یکے از کوہ ہائے کہ بہ قومی گویم از برائے قربانی سوختنی تقریب نما“ (سفر تکوین باب ۲۲ ورس ۱ و ۲) بعض مسلمان مصنفوں نے اس گمنام جگہ کو بیت المقدس اور اُس کے پہاڑ قرار دیے ہیں اور بعض نے مکہ معظمہ کے قریب کے پہاڑ جو لوگ اُس مقام کو مکہ معظمہ کے پہاڑ قرار دیتے ہیں وہ اپنی رائے کی تائید میں بیان کرتے ہیں کہ عبری لفظ ”ہریم“ جس کے معنی جبال کے ہیں تثنیہ اور جمع دونوں صیغوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس لیے وہ استدلال کرتے ہیں کہ اُس سے مکہ معظمہ کے مشہور دو پہاڑوں صفا اور مروہ میں سے ایک مراد ہے ۔

توریت مقدس میں اسی باب کی چودھویں آیت میں یہ لکھا ہے ”و ابراہیم اسم آں مکان را یہواہ یراہ گذاشت کہ تا امروزش چنیں ہم میخانند و در کوہ خداوند نمایاں است“ مسلمان مؤرخوں کے نزدیک یہ مقام وہ ہے جو مکہ معظمہ کے پاس واقع ہے اور آج تک عرفات کے نام سے مشہور ہے پس جو لوگ اُس قربان گاہ کو مکہ معظمہ میں قرار دیتے ہیں وہ

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

معبد بمقام مکہ بنایا گیا تھا اور اس معاملہ میں اور نیز دیگر معاملات میں وہ حضرت اسحاق کی جگہ حضرت اسمعیل کو بتلاتے ہیں یہ ایک عجیب بات ہے کہ یہودی ، سامری ، مسلمان سب اپنے اپنے معبدوں کے موقعوں کو حضرت ابراہیم کے ایمان کی آزمائش یا امتحان کے مقام ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں (بائیبل سائکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۲۳۰) ۔
(سر سید)

کہتے ہیں کہ قربانی کا حکم حضرت اسمعیل کی نسبت ہؤا تھا اور جو لوگ اس قربان گاہ کو بیت المقدس میں قرار دیتے ہیں وہ حضرت اسحاق کی نسبت قربانی کا حکم ہونا کہتے ہیں جیسے کہ مسعودی نے لکھا ہے جس کی عبارت یہ ہے ۔

و قد تنازع الناس فی الذبح فمنهم من ذهب الی انه اسحق و منوهم من رای انه اسمعیل فان کان الامر بالذبح و قع بمنی فالذبح اسمعیل لان اسحق لم یدخل الحجاز و ان کان الامر بالذبح و قع بالشام فالذبیح اسحق کان اسمعیل لم یدخل الشام بعد ان حمل منه (مروج الذهب مسعودی) ۔

مگر ذی علم مسلمان عالموں کا صاف بیان ہے کہ حضرت اسحاق کی نسبت قربانی کا حکم ہوا تھا نہ کہ حضرت اسمعیل کی نسبت اور یہی امر مندرجہ حدیث سے بھی پایا جاتا ہے ۔

عن محمد ابن المنتشر قال ان رجله نذر ان ینحر نفسه ۔ ۔ ۔ (فقال له مسروق) لا تنحر ۔ ۔ ۔ و اشتر کبشا فا ذبحه للمساکین فان اسحق خیر منک و فدی بکبش ۔ ۔ ۔ (رواه ابن رزین مشکواة) ۔ اس حدیث میں مسروق کا صاف قول ہے کہ حضرت اسحاق قربان ہونے والے تھے ۔

| حضرت اسمعیل کے بارہ بیٹے تھے ۔ نبایوث ۔ قیدار ۔ ادبئیل ۔ مبسام ۔ مشماع دو ماہ ۔ مسا ۔ حدر ۔ تیما ۔ یطور ۔ نافیش ۔ | حضرت اسماعیل کے بیٹے اور اُن کے آباد ہونے کے مقامات |
|---|---|

قید ماہ ۔

(۱) نبایوث ۔ یہ شخص شمالی مغربی حصہ عرب میں آباد ہوا ۔ ٹھیک مقام اس قوم کے آباد ہونے کا نقشہ مرتبہ

روورنڈ کاٹیری پی کیری ایم - اے میں مابین ۲۸ و ۳۰ درجات عرض بلد شمالی ۳٦ و ۳۸ درجات طول بلد شرقی میں واقع ہے - روورنڈ فارسٹر بیان کرتے ہیں کہ یہ قوم عرب الحجر کے وسط سے لےکر مشرق کی جانب اور وادی القریٰ کے اندر تک اور جنوب کی طرف کم از کم منتہائے خلیج عیلام اور حدود حجاز تک پھیلی ہوئی تھی - امنطر ابواس سے بھی زیادہ وسیع قطعہ آن کی طرف منسوب کرتا ہے کیوں کہ وہ دو مقاموں کا ذکر کرتا ہے جو خلیج عرب پر واقع ہیں اور جن سے صریح ظاہر ہے کہ ان کی مملکت کی وسعت جنوبی اور عربی سمت میں مدینہ کی عرض بلد پر منتہی ہوتی تھی اور یہ دو مقام شہر و بندرگاہ حور یعنی بندرگاہ سفید جو ینبوع کے شمال میں ہے اور خود بندرگاہ ینبوع ہیں روورنڈ فارسٹر کہتے ہیں کہ اس مختصر بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قوم صرف پتھریلے بیابان عرب ہی میں نہیں بلکہ صوبجات عظیم حجاز اور نجد کے اندر تک بھی پھیلی ہوئی تھی -

ممکن ہے کہ یہ قوم وقتاً فوقتاً اِس وسیع ملک میں بھی پھیل گئی ہو جس کا اوپر ذکر ہوا - کتاب اشعیاہ نبی کے مندرجہ ذیل ورس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک نامی اور زبردست قوم تھی اور ورس یہ ہے "تمامی گوسفنداں قیدار نزد تو گرد آمدہ توچھائے نبایوث بکارت خواہند آمد و برمذ بحم برضامندی بر خواہند آمد و خانۂ جلال خود را جلیل خواہم کرد" (کتاب اشعیاہ باب ٦۰ ورس ۷) - (یعنی "قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی نبایوث کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے - وہ میرے مذبح پر مقبول ہوں گے اور میں اپنے پر شوکت گھر کو جلال بخشوں گا" -

(محمد اسماعیل)

(۲) قیدار - یہ شخص بنی نبت کی جنوب کی طرف گیا اور حجاز میں آباد ہوا - زبور داؤد ، کتاب اشعیاہ ، ارمیاہ ، حزقیل وغیرہ میں اس قوم کی عظمت و شوکت کی بے شمار شہادتیں ہیں اسی قوم میں سے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے - اُن کی بعثت سے خدا تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں پر ظاہر ہوئی - اُن کی ذات پاک کے سود مند اثروں سے رفتہ رفتہ دنیا کے ایک بڑے حصہ پر خدا کی برکت اور خدائے واحد کی عبادت پھیل گئی اور اب تک پھیلتی جاتی ہے - عربوں اور مشرقی اقوام کے ہاں بے شمار روایتیں اس قوم کے باب میں موجود ہیں - مگر ہم اس مقام پر اس روایت کا بیان کرنا چاہتے ہیں جس کو رورنڈ مسٹر فارسٹر نے مستند تسلیم کیا ہے -

مصنف موصوف نے لکھا ہے کہ " اشعیاہ نبی کے کلام سے (جو اوپر مذکور ہے) جو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ قیدار کی خیمہ گاہ اس اخیر حصہ ملک میں تلاش کرنی چاہیے ، اس کی کما حقہ' تصدیق اسی نبی کے کلام کے ایک اور مقام سے بھی ہوتی ہے یعنی ارض قیدار کے بیان سے جس کو ہر شخص جو جغرافیہ عرب سے واقف ہوگا پہچان لے گا کہ اس قطعہ حجاز کا نہایت صحیح بیان ہے جس میں نامی شہر مکہ اور مدینہ واقع ہیں - جس شخص کو زیادہ ثبوت اس مشابہت کا درکار ہو تو اُس کو حجاز کا جغرافیہ جدیدہ معائنہ کرنا چاہیے جہاں کہ ینبوع کے قریب شہر ہائے الخضیر اور نبت جو اسمائے معرفہ قیدار اور نبایوث کی باقاعدہ عربی شکلیں ہیں خط حد کنندہ آج تک چلا آتا ہے اور کسی قدر معنی رکھتا ہے - "

اس کے بعد رورنڈ مسٹر فارسٹر لکھتے ہیں کہ "یہاں تک تو

هم نے قیدار کے آثار جغرافیہ قدیمہ کی استعانت سے دریافت کیے ہیں اب یہ دیکھنا رہا ہے کہ یونانی اور رومی بیانات کا عربی روایتوں سے مقابلہ کرنے میں کس قدر ثبوت کی زیادتی حاصل ہوتی ہے کیونکہ محققین یورپ کی رائے میں عربی روایتوں کی غیر موئدہ شہادت کیسی ہی قابل اعتراض اور مشکوک کیوں نہ ہو مگر منصفانہ بحث کے مسلمہ قواعد کی رو سے اُن کا قطعی اتفاق تواریخ دینی اور دنیوی سے انکار کرنا صریح غیر ممکن ہے - خود عربوں کے ہاں زمانۂ نامعلوم سے یہ ایک روایت چلی آتی ہے کہ قیدار اور اُس کی اولاد ابتداً حجاز میں آباد ہوئے تھے اس شخص کی اولاد میں ہونے کا بالتخصیص قوم قریش جو مکہ کے والی اور کعبہ کے محافظ تھے ہمیشہ فخر کیا کرتے تھے اور خود محمد (صلعم) نے قرآن میں اپنی قوم کی ریاست اور اعزاز کے دعووں کی اسی بناء پر تائید کی ہے[۱] کہ اسمعیل کی اولاد میں قیدار کے سلسلہ سے تھے - ایسی قومی روایت کا اعتبار جیسے کہ یہ ہے تاریخی روایت کے پایہ کو پہنچ جاتا ہے جب کہ اُس کی تائید ایک طرف تو کتب مقدسہ کے اُن بیانات سے ہوتی ہے جن سے قیدار کا اسی حصہ جزیرہ نما میں ہونا ثابت ہوتا ہے اور دوسری جانب - اریانوس ، بطلیموس ، پلینی اکبر کے زمانوں میں ملک حجاز میں قوم کیدڑی ، درائی ، کدرون تائی یا کدیتی کی موجودگی کی غیر مشتبہ اور ناقابل اشتباہ امر سے اُس کی تصدیق ہوتی ہے'' (جغرافیہ تاریخی جلد اول صفحہ ۲۴۸) -

(۳) ادبئیل - مشرقی مؤرخوں نے اس شخص کی نسبت کچھ نہیں لکھا - رورنڈ مسٹر فارسٹر کا بیان ہے کہ کتب مقدسہ میں صرف ایک مرتبہ اس کا ذکر آیا ہے اور انھوں نے جو

---

۱- قرآن مجید آں حضرتؐ کا بنایا ہوا نہیں بلکہ خدا کا کلام ہے -
(محمد اسماعیل)

جوسفس کی سند پر بیان کیا ھے کہ ادبئیل کا ابتدائی مقام سکونت اُس کے بھائیوں کے قرب و جوار میں تھا ۔ اس قدر بیان کے صحیح ہونے میں کچھ شبہ نہیں ھو سکتا ۔ لیکن جب وہ اُس کے آثار دریافت کرنے پر متوجہ ہوتے ھیں اور مقاموں کے ناموں میں صرف چند حرف کی مشابہت ہونے سے اُس کے آثار قرار دیتے ھیں تو اس پر اعتماد نہیں ھو سکتا ۔

(۴) مبسام ۔ حال کے جغرافیہ اور عرب کی تاریخ میں اس شخص کا کچھ پتہ نہیں لگتا ۔ رورنڈ مسٹر فارسٹر کا بھی بیان ھے کہ اس اسمعیلی کے نام و نسل کے آثار بہ نسبت اس کے اور بھائیوں کے کم تر اور ضعیف تر ھیں ۔ پورا نام نہ قدیم جغرافیہ عرب میں پایا جاتا ھے اور نہ جدید جغرافیہ میں ۔

(۵) مشماع ۔ مشرقی تاریخوں میں اس شخص کا کچھ پتہ نہیں چلتا ۔ لیکن اگر رورنڈ مسٹر فارسٹر کی یہ بات تسلیم کی جاوے کہ سفر تکوین اور تواریخ الایام کا مشماع اور یونانی توریت کا مسما اور جوسفس نے جس کو مساوس اور بطلیموس نے مسی مانیس اور عربوں نے بنی مسما لکھا ھے اس سے ایک ھی شخص مشماع مراد ھے تو یہ کسی قدر آسانی سے کہا جا سکتا ھے کہ اس شخص کا ابتدائی مقام سکونت نواح نجد مین تھا ۔

(۶) دو ماہ ۔ اس شخص کی اولاد اول تہامہ کے جنوب میں مدینہ کے قرب و جوار میں آباد ہوئی مگر جب کہ اُس کی اولاد بڑھ گئی تو نقل مکانی کرنے کے لیے مجبور ہوئی ۔ اور اس مقام پر آباد ہوئی ۔ جہاں کہ بالفعل دومۃ الجندل واقع ھے شام اور مدینہ کے درمیان اور بہت سے مقامات ھیں ۔ جن کے نام اس شخص کے نام پر ھین ۔ رورنڈ مسٹر فارسٹر بھی اس بات

کو تسلیم کرتے ھیں اور مشرق مؤرخوں کا بھی یہی قول ھے جس کی سند ذیل میں درج ھے -

دومة الجندل - - - و قد جاء فی حدیث الواقدی دوماء الجندل و عدھا ابن السقفیه من اعمال المدینة سمیت بدوم ابن اسمعیل بن ابراھیم و قال الزجاجی دومان ابن اسمعیل و قیل کان لاسمعیل ولد اسمه دما لعله مغیر منه قال ابن الکلبی دوماه بن اسمعیل قال و لما کثر ولد اسمعیل عم بالتهامة خرج دوماه بن اسمعیل حتی نزل موضع دومة و بنی له حصناه فقیل دوماه و نسب الحصن الیه - - - قال ابوعبید السکونی دومة جندل حصن و قوی بین الشام و المدینه قرب جبلی طی و دومة من القریات من وادی القری - (معجم البلدان) -

(۷) مسا - رورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بات کے کہنے میں که اس شخص کی اولاد عراق عرب (الجزیره) میں آباد ھوئی تھی بلاشبه غلطی کی ھے اس میں کچھ شک نہیں که یه قوم یمن میں آباد ھوئی اور اس امر کی تائید "موسا" کے نام سے ھوتی ھے جو اب تک یمن میں موجود ھے یه مقام پی کیر صاحب کے نقشه کے بموجب ۱۳ درجه ۳۰ دقیقه عرض بلد شمالی اور ۴۳ درجه ۳۰ دقیقه عرض بلد شرقی میں واقع ھے -

معلوم ھوتا ھے که یه قوم ابتداء نواح حجاز میں متوطن ھوئی تھی مگر اس مقام کی تنگی کے باعث بعد کو یمن میں چلی گئی جو بوجه اپنی انتہا شادابی اور بکثرت پیداوار کے ملک حجاز پر بدرجہا فوقیت رکھتا ھے -

(۸) حدد - تواریخ الایام میں اس کو "حدد" لکھا ہے - اس شخص نے جنوبی سمت اختیار کی اور حجاز میں آ بسا - اس امر کی تصدیق بے شمار بیرونی اور اندرونی شہادتوں سے ہوتی ہے - ایک مسلمان مؤرخ "الزہیری"، "حدد" کو منجملہ اُن بے شمار قوموں کے جن میں عرب کے باشندے منقسم تھے بالتصریح بیان کرتا ہے - یمن میں شہر حدیدہ اور بنی حدد کا موجود ہونا صریح ہمارے بیان کی صحت پر دلالت کرتا ہے -

(۹) تیما - حضرت اسمعیل کے پہلے دو بیٹوں کے بعد باعتبار شہرت کے تیما کا درجہ ہے - اس شخص کا ابتدائی مقام سکونت صوبۂ حجاز تھا لیکن کسی نہ کسی زمانہ میں اُس کی اولاد تمام وسط نجد میں پھیل گئی اور بعض اُن میں سے خلیج فارس کے ساحل کے برابر منتشر ہو گئے مگر ہم کو حضرت موسیٰ کے کلام کی تصدیق جس سے حضرت اسمعیل کے بیٹوں کی ابتدائی آبادی کی جگہ پائی جاتی ہے منظور ہے تو ہم کو اُسی مقام کی تحقیق اور تدقیق پر جہاں کہ اُن میں سے ہر ایک شخص نے ابتداءً سکونت اختیار کی تھی زیادہ تر توجہ مبذول کرنی چاہیے - اُس جگہ کی نسبت جہاں کہ اُن کی اولاد بعد کو جا بسی -

(۱۰) یطور - رورنڈ مسٹر فارسٹر کہتے ہیں کہ اس بات پر یقین کرنے کے واسطے کامل دلیل ہے کہ اس قوم کا ابتدائی مقام سکونت ضلع "جدور" تھا - جبل قاسیوں کے جنوب اور جبل الشیخ کے مشرق اور شاہ راہ حجاج کے مغرب میں -

(۱۱) نافیش - مشرقی مؤرخ کچھ نہیں بیان کرتے کہ اس شخص نے کہاں سکونت اختیار کی تھی - مگر رورنڈ مسٹر فارسٹر کہتے ہیں کہ اس کی اولاد سے ایک قوم عرب کا وادی القرے

میں موجود ہونا حضرت موسیٰ اور مصنف تواریخ الایام اور جوسفس کی سہ گانہ شہادت سے بلاشک و اشتباہ متحقق ہے ۔

(۱۲) قید ماہ ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ملک یمن کی نواح میں آباد ہوا ۔ کیونکہ مسعودی کا قول ہے کہ ایک قوم موسوم بہ "قدمان" یمن میں تھی ۔ چناں چہ اُس نے لکھا ہے ۔

اصحاب الرأس کانوا من ولد اسمعیل و هم قبیلتان یقال لاحد اهما قدمان ولاخری یامین و قیل دعویل و ذلک بالیمن ۔ (مروج الذهب مسعودی) ۔

رورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بات کے خیال کرنے میں عجیب غلطی کی ہے ۔ کہ "کاظمہ" جو خلیج فارس پر واقع ہے اور جس کا ذکر ابو الفدا نے کیا ہے اسی قید ماہ سے مطابقت رکھتا ہے ۔

اولاد اسماعیل کے آثار

تمام تلاش اور تفتیش کے بعد جو ہم نے حضرت اسمعیل کی اولاد کے ابتدائی مقام سکونت کے باب میں کی اُس سے یہ نتیجہ پیدا ہوا ۔ کہ اُن کے آثار یمن ۔ (حویلاہ) سے لے کر شام (شور) تک پائے جاتے ہیں اور اس طرح پر حضرت موسیٰ کے اُس بیان کی تصدیق ہوتی ہے جو سفر تکوین باب ۲۵ ورس ۱۸ میں مندرج ہے کہ "وہ حویلاہ سے شور تک آباد ہوئے جو سامنے مصر کے ہے جب کہ تو اسریا کو روانہ ہوا ۔"

حضرت اسمعیل ۲۰۹۴ دنیوی مطابق ۱۹۱۰ قبل حضرت مسیح کے پیدا ہوئے تھے اور گھر سے نکالے جانے کے وقت اُن کی عمر سولہ برس کی تھی ۔ اگر اس مدت عمر پر بیس برس اور اضافہ کیے جاویں تو ہمارے نزدیک حضرت اسمعیل کے بارہ بیٹوں کی ولادت کے واسطے کافی مدت ہوگی ۔ پس ہم

اس بات کو کہہ سکتے ہیں کہ ۲۱۳۰م دنیوی یا ۱۸۷۴ قبل حضرت مسیح تک ان کا کوئی بیٹا پیدا نہیں ہوا تھا -

ان بارہ بیٹوں نے کوئی اور بڑی شہرت حاصل نہیں کی بجز اس کے کہ عرب کی بارہ مختلف قوموں کے مورث ہوئے اور اسی باعث سے یہ قومیں مختلف شعبوں اور فرقوں میں منقسم نہیں ہوئیں بلکہ یکساں حالت میں رھیں - مگر ایک مدت مدید کے بعد عدنان کی اولاد جو قیدار ابن اسمعیل کی نسل میں تھا - مختلف شعبوں میں منفرق ہوگئی اور کارھائے نمایاں سے شہرت حاصل کی -

عدنان

مشرقی مؤرخ متفق الرائے ہیں کہ عدنان کے دو بیٹے تھے " معد " اور " عک " - عک کی نسبت اُن کا صرف اس قدر بیان ھے کہ وہ یمن کو چلا گیا - مگر اُن کتبوں سے جن کو رورنڈ مسٹر فارسٹر نے عاد کی قوم کے کتبوں سے موسوم کیا ھے اور جو حضر موت میں بمقام " حصن غراب دریافت ہوئے صاف ثابت ہوتا ھے کہ اُس نے کچھ عرصہ تک اُس ملک میں بادشاھی کی تھی - یہ کتبے مذکورۃ الصدر مقام میں ۱۸۳۴ء میں آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہاز مسمی " پالی نورس " کے افسروں نے دریافت کیے تھے - ان کتبوں کا پورا پورا بیان مع کتبوں کی نقل کے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے جرنل کی تیسری جلد میں ملے گا - رورنڈ مسٹر فارسٹر نے جو کچھ لکھا ھے - اُس سے پایا جاتا ھے - کہ اُس زمانہ میں " عک " وھاں کا فرماں روا تھا -

اس شاعرانہ کتبہ کی ٹھیک ٹھیک تاریخ قائم کرنے کی غرض سے رورنڈ مسٹر فارسٹر بیان کرتے ہیں کہ " عک " عدنان کا بیٹا تھا اور بموجب حدیث حضرت اُم سلمہ کے جو

آں حضرت صلعم کی ازواج مطہرات میں سے تھیں عدنان حضرت اسمعیل سے چوتھی پشت میں تھا۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ کتبہ مضر کے قحط سے تھوڑے ہی عرصہ پہلے لکھا گیا ہوگا۔ لیکن رورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس میں بڑی غلطی کی ہے کیوں کہ انھوں نے اس بات کے ثبوت میں کوئی کافی سند پیش نہیں کی ہے کہ آں حضرت صلعم نے عدنان کا حضرت اسمعیل کی چوتھی پشت میں ہونا کبھی بیان کیا تھا۔ انساب کی معتبر روایتوں کے بموجب عدنان آں حضرت صلعم سے بائیس پشت پہلے تھا۔ اب ایک پشت کی قدرتی میعاد پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عک انتالیسویں صدی دنیوی میں یا دوسری صدی قبل حضرت مسیح میں ہوگا۔

وائلہ ملقب بہ کلیب ابن ربیعہ بھی جو عدنان کی اولاد میں تھا بادشاہ ہوا تھا اور یمن والوں سے چند لڑائیاں بھی لڑا تھا۔

زہیر ابن جذیمہ اور نیز قیس ابن زہیر بھی باری باری سے حجاز کے بادشاہ ہوئے تھے مگر ان لوگوں کی تاریخیں معین کرنے کے واسطے ہمارے پاس کوئی معتبر سند نہیں ہے اس لیے ہم کسی قدر تیقن کے ساتھ تاریخیں قرار نہیں دے سکتے۔ لیکن خیال کرتے ہیں کہ یہ وہی زمانہ ہوگا جب کہ سلطنت یمن اور اور سلطنتیں حالت زوال میں تھیں۔

آں حضرت صلعم عدنان کی نسل سے ہیں

عدنان کی نسل میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۴۵۷۰ دنیوی یا ۵۷۰ء میں پیدا ہوئے اور تمام جزیرہ نمائے عرب پر دینی اور دنیوی حکومت حاصل کی۔ عیسائی مصنفوں نے آں حضرت صلعم کے نسب نامہ کی نسبت بہت کچھ لکھا ہے اور اس کو غیر مثبت

قرار دینے کے لیے سعی بے حاصل کی ہے اور یہ مناسب موقع تھا
کہ ہم بھی اس بحث میں شامل ہوتے اور عیسائی مصنفوں کے
ہر ایک اعتراض کی تردید کرتے ۔ لیکن جو کہ ہمارا ارادہ ہے
کہ اس مضمون پر ایک جداگانہ خطبہ لکھیں گے اس لیے بالفعل
اس بحث کا ملتوی کر دینا مناسب ہے ۔

## دوئم ۔ ابراھیمی یا بنی قطورہ

توریت مقدس میں لکھا ہے ''و دیگر ابراہیم زنے گرفت
کہ اسمش قطو راہ بود و برایش زمران و یقشان و مدان و مدیان
و یشباق و شرح را زائید و یقشان شبا و ودان را تولید نمود و
پسران ودان اشوریم و لطوشیم و لومیم بودند و پسران مدیان
عیفاہ و عیفر و حنوک و ابیداع والد اعاہ بودند تمامی ایشان
پسران قطو راہ بردند ۔ پس ابراہیم تمامی مایملک خود را بہ
اسحق داد ۔'' (سفر تکوین باب ۲۵ ورس ۱ لغایت ۵) ۔

یہ سب لوگ عرب کو چلے گئے اور اس قطعہ میں آباد ہوئے
جو حدود حجاز سے خلیج فارس تک منتہی ہوتا ہے اور ان
کے نشانات اب تک جو اس ملک میں واقع ھیں پائے جاتے ھیں ۔

انھی ابراھیمیوں میں سے حضرت شعیب نبی کو خدا تعالیٰ
نے اقوام عائکہ اور مدیان کو اپنی خالص عبادت کی تلقین
اور ھدایت کرنے کے واسطے معبوث کیا تھا ۔

مگر ہم ٹھیک نہیں کہہ سکتے کہ یہ نبی کس زمانہ میں
ہوئے تھے ۔ لیکن اگر ہم یترو کاھن مدیان کو جن کا ذکر
سفر خروج باب ۱۸ ورس ۱ و ۲ میں ہے اور شعیب کو ایک
ہی شخص خیال کریں جیسا کہ عرصہ دراز سے لوگوں کو گمان
ہے تو البتہ یہ کہنا بہت صحیح ہے کہ یہ نبی اس وقت میں

تھے - جب کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر لائے تھے -

## سوم - ادومی یا بنی عیسو

عیسو یعنی ادوم کی تین بیویاں تھیں : عاداہ ، اھلیبا ماہ ، باسمث - دختر حضرت اسمعیل و خواھر نبایوث - پہلی بیوی سے ” الی فز “ پیدا ھوا - دوسری بیوی سے یعوش اور یعلام اور قورح پیدا ھوئے - تیسری سے رعوئیل پیدا ھوا - الی فز کے بیٹے تیمان ، اومر ، سفو ، گعتم ، قنز ، عمالیق تھے - رعوئیل کے بیٹے نحث ، زرح ، شماۃ ، مزاہ پیدا ھوئے (سفر تکوین باب ۳٦) -

عیسو کی تمام اولاد قریباً قریباً کوہ سیعیر کے قرب و جوار میں آباد ہوئی تھی - بعض نے ان میں سے اپنی سکونت عرب الحجر میں اور حجاز کی شمالی سرحد پر اختیار کی تھی - مگر ان لوگوں کی تعداد اس قدر کم تھی کہ اسی وجہ سے بعض مصنفوں نے بیان کیا ھے کہ عیسو کی اولاد کبھی عرب میں آباد نہیں ھوئی -

## چہارم - بنی ناحور

سرولیم میور بیان کرتے ھیں کہ ” عوص “ اور ” بوز “ (دیکھو سفر تکوین باب ۲۲ ورس ۲۱) - پسران ناحور برادر ابراھیم شمالی عرب کی بے شمار قوموں کے مورث تھے اور اس کی سند میں کتاب ایوب باب ۱ ورس ۱ اور نباحات یرمیاہ باب ۴ ورس ۲۱ ، در کتاب یرمیاہ باب ۲۵ ورس ۲۰ کا حوالہ دیتے ھیں -

## پنجم - بنی ھاران

سر ولیم میور لکھتے ھیں ” یہ قوم بہ نسبت دیگر اقوام

متذکرہ بالا کے سب سے زیادہ شمال کی جانب رھتی تھی ۔ اُن کے نہایت جنوبی مقامات بحرلوط (ڈڈسی) کے مشرق میں واقع تھے اور اُن میں عمدہ سبزہ زار "بلکا" اور "کرک" کے شامل تھے ۔"

ھاران کے بیٹے حضرت لوط تھے ۔ حضرت لوط کے بیٹے مواب اور بن عمی تھے ۔ توریت مقدس میں اُن کے پیدا ھونے کا نہایت ناپاک واقعہ اس پر طرح لکھا ھے ۔ " و لوط از صوعر بر آمد و در کوہ ساکن شد و دو دخترانش بہ ھمراھش زیرا کہ از مکون در صوعر ترسید و اودو دخترانش در مغارہ ساکن شدند ۔ و دختر بزرگ بہ دختر کوچک گفت کہ پدر ما پیر شد و کسے در زمین نیست کہ موافق عادت کل زمین بما در آید ۔ بیا پدر خود را شراب بنو شانیم و با او بخوابیم و از پدر خود نسلے را زندہ نگاہ داریم ۔ پس دراں شب پدر خویشتن را شراب نوشانیدند و دختر بزرگ داخل شدہ با پدر خود خوابید واو نہ بوقت خوابیدنش و نہ بوقت برخاستنش اطلاع بہم رسانید ۔ و روز دیگر واقع شد کہ دختر بزرگ بہ دختر کوچک گفت کہ اینک دی شب با پدر خود خوابیدم امشب نیز او را شراب بنو شانیم و تو داخل شدہ با او بخوابی و از پدر خود نسلے را زندہ نگاہ داریم ۔ و آں شب نیز پدر خود را شراب نوشانیدند و دختر کوچک برخاستہ با او خوابید کہ او نہ بوقت خوابیدنش و نہ بوقت برخاستنش اطلاع بہم رسانید ۔ و دو دختر لوط از پدر خود شان حاملہ شدند ۔ و دختر بزرگ پسرے را زائید و اسمش را مواب نامید کہ بحال پدر موابیان او است ۔ و دختر کوچک او نیز پسرے را زائید و اسمش را بن عمی نامید کہ تا بحال پدر بنی عمون اوست ۔" (سفر تکوین (پیدائش) باب ۱۹ ورس ۳۰ لغایت ۳۸) ۔ (یعنی " اور لوط ضغر سے نکل کر پہاڑ

پر جا بسا اور اُس کی دونوں بیٹیاں اُس کے ساتھ تھیں - کیوں کہ اُسے ضغر میں بستے ڈر لگا اور وہ اور اُس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے - تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے موافق ہمارے پاس آئے - آؤ ہم اپنے باپ کو شراب پلائیں اور اُس سے ہم آغوش ہوں - تا کہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں سو اُنھوں نے اُسی رات اپنے باپ کو شراب پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی - لیکن اُس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اُٹھ گئی اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھو کل رات میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی - آؤ آج رات بھی اُسے شراب پلائیں اور تو بھی جا کر اُس سے ہم آغوش ہو - تا کہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں - سو اُس رات بھی اُنھوں نے اپنے باپ کو شراب پلائی اور چھوٹی گئی اور اُس سے ہم آغوش ہوئی ، لیکن اُس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اُٹھ گئی - سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں اور بڑی کے ایک بیٹا ہوا اور اُس نے اُس کا نام مواب رکھا - وہی موابیوں کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں اور چھوٹی سے بھی ایک بیٹا ہوا اور اُس نے اُس کا نام بن عمی رکھا - وہی بنی عمون کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں -" محمد اسماعیل)

حضرت لوط اور اُن کی بیٹیوں کی نسبت جو کچھ اس مقام میں لکھا ہے عیسائی اُس سب کو قبول کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ حضرت لوط نے اپنی صلبی بیٹیوں سے مقاربت کی تھی - مگر ایسا یقین کرنا در حقیقت تضحیک کے قابل ہے اگر ایسا ہوا ہوتا تو کیا یہ ایک مقدس شخص کی تہذیب اور

متانت کے متناقض نہیں ہے ؟ اور کیا حضرت لوط جیسے پاک شخص کے خلاف شان نہیں ہے ؟

مسلمان اس بات کو تسلیم نہیں کرتے اور قرآن مجید میں اگرچہ لوط کا قصہ ہے مگر اُس میں یہ بات کہ اُنھوں نے اپنی بیٹیوں سے مقاربت کی تھی مذکور نہیں ہے -

توریت مقدس میں جو کچھ بیان ہے اُس کی نسبت ہم خیال کرتے ہیں کہ جو معنی عیسائی مصنفوں نے لیے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں - آٹھویں ورس میں لوط کا قول لکھا ہے کہ ”مرا دو دختریست کہ مردے را ندانستہ اند تمنا اینکہ ایشاں را بہ شما بیرون آورم و با ایشاں آں چہ در نظر شما پسند است بکنید“ (یعنی ”میری دو لڑکیاں ہیں جو مرد سے واقف نہیں - مرضی ہو تو میں اُن کو تمہارے پاس لے آؤں اور جو تم کو بھلا معلوم ہوتی ہے کرو -“ محمد اسماعیل)

قرآن مجید میں اس جگہ تثنیہ کا لفظ نہیں ہے بلکہ جمع کا ہے جیسا کہ سورہ ہود میں ہے ”ھؤلاء بناتی ھن اطھر لکم“ اور سورۂ حجر میں ہے - ”قال ھؤلاء بناتی ان کنتم فاعلین“ مسلمان عالموں کا قول مختار یہ ہے کہ لفظ ”بنات“ سے حضرت لوط کی صلبی بیٹیاں مراد نہیں ہیں بلکہ قوم کی عورتیں مراد ہیں اور یہ بات حضرت لوط نے اس مراد سے کہی تھی - جیسے کہ وہ ہمیشہ اُن کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ تم اپنی خراب عادت فعل خلاف فطرت انسانی کو چھوڑو اور عورتوں سے نکاح کرو اور اُن کے ساتھ رہو کہ وہ تمہارے لیے پاکیزہ زندگی ہے -

توریت مقدس میں اس مقام پر لفظ بنوت آیا ہے جو بمعنی بنت کے ہے - مگر جس طرح عربی زبان میں بنت کا استعمال

سوائے اصلی بیٹیوں کے اور عورتوں پر بھی ہوتا ہے اسی طرح عبری زبان میں بھی عام عورتوں پر بھی ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ولیم اسمتھ کی عبرانی ڈکشنری میں لفظ "بث" اور "بنوث" کی نسبت لکھا ہے کہ وہ عام عورتوں پر بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ کتاب امثال سلیمان باب ۳۱ ورس ۲۹ میں استعمال ہوا ہے۔ پس اس مقام میں بھی اس لفظ سے اصلی بیٹیاں مراد نہیں ہیں عورتیں مراد ہیں بلکہ غالباً لونڈیاں۔ کیوں کہ حضرت لوط کی جو بیٹیاں تھیں جیسے کہ سفر تکوین باب ۱۹ ورس ۱۲ میں لکھا ہے اُن کی شادیاں ہو چکی تھیں اور اُن کے شوہر موجود تھے۔

جب حضرت لوط سدوم سے فرار ہوئے تو ان کے داماد اور اُن کی بیٹیاں اُن کے ساتھ نہیں گئے صرف حضرت لوط کی بیوی اور وہی دو عورتیں جن کا اوپر ذکر ہوا اور جن کو بیٹیاں کر کے تعبیر کیا ہے اور جو غالباً لونڈیاں تھیں ساتھ گئی تھیں۔ رستہ میں اُن کی بیوی زندہ نہیں رہی صرف دو چھوکریاں اُن کے ساتھ تھیں۔

قرآن مجید میں اگرچہ اس مقاربت کا جو مغائرہ کوہ میں اُن دونوں چھوکریوں نے حضرت لوط کے ساتھ کیا کچھ ذکر نہیں ہے۔ لیکن جو کچھ کہ توریت مقدس میں لکھا ہے اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جاوے تو بھی اُن دونوں چھوکریوں کا حضرت لوط کی اصلی بیٹیاں ہونا اُسی وجہ سے جو ہم نے اوپر بیان کی قابل یقین نہیں ہے اور جب کہ وہ لونڈیاں تھیں تو اُن کے ساتھ مقاربت گو کہ وہ دھوکے ہی سے ہو بموجب اُس زمانہ کی شریعت کے ناجائز نہ تھی۔

سفر تکوین باب ۱۹ ورس ۳۲ و ۳۳ میں لکھا ہے کہ ان

دونوں چھوکریوں نے حضرت لوط کو باپ کہہ کر تعبیر کیا ہے اس کہنے سے بھی اُن چھوکریوں کا اصلی بیٹیاں ہونا ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ باپ کا لفظ بہت زیادہ ہے اور اُس کا اطلاق مالک اور بزرگ شخص پر عموماً ہوتا ہے -

سر ولیم میور کے اس بیان کو کہ بنی عمان عرب کے کسی حصہ میں آباد نہیں ہوئے - بلکہ شمال ہی میں رہے ہم تسلیم نہیں کر سکتے کیوں کہ ہمارے نزدیک بنی عمان خلیج فارس کے برابر برابر بستے تھے اور ان کا نام اب تک اس حصہ عمان میں پایا جاتا ہے - جو تمام قطعہ کے درمیان موجود ہے - اگر بنی عمان عرب میں آباد نہیں ہوئے تھے جیسے کہ سر ولیم میور کی رائے ہے تو اُن کو اقوام عرب میں شمار کرنا مناسب نہ تھا -

تمام عرب المستعربہ میں جو ترح کی نسل سے ہیں صرف بنی اسمعیل ہی کی کثرت ہوئی اور کچھ عرصہ کے بعد مختلف قوموں اور شعبوں میں منقسم ہو گئے - مگر اُن کے مقابل کی قومیں ایک سکون اور غیر مبدل حالت میں رہیں -

جب کہ ہم ان قوموں کے شعبوں کا شمار اور حال بیان کریں گے تو یہ بات ظاہر ہوگی کہ ایک قوم کے کسی شخص کو اپنی قوم چھوڑ کر دوسری قوم میں جا ملنا اگر بالکل نا ممکن نہ تھا تو حد سے زیادہ دشوار تو ضرور تھا خصوصاً اس وجہ سے کہ اس زمانہ میں تمدنی حالت نہایت محدود تھی اور لوگ اپنے مورثوں کے کارہائے نمایاں کی بڑی عظمت کرتے تھے اور اُن کو فخریہ یاد رکھتے تھے اور ہر ایک شریف قوم کا آدمی خود سرائی کا بندہ تھا اور بالتخصیص عرب کی مختلف قومیں اپنی قوم کے امتیاز موجودہ کو قائم اور بر قرار رکھنے اور اپنی قوم کو اور قوموں کی ملاوٹ سے

علیحدہ رکھنے میں نہایت درجہ محتاط تھیں ۔

## مندرجہ فہرست اُن قوموں کی ہے جو سکون اور غیر مبدل حالت میں رہیں

۱۔ بنی ناحور ابن ترح سے ۔ بنو ناحور ۔
۲۔ هاران ابن ترح سے ۔ بنو هاران ۔
۳۔ مواب ابن لوط ابن هاران ابن ترح سے ۔ بنو موآب ۔
۴۔ عمان ابن لوط سے ۔ بنو عمان ۔
۵۔ اولاد ابراهیم سوائے اولاد اسمعیل سے ۔ بنو ابراهیم ۔
۶۔ اولاد ابراهیم بطن قطورہ سے ۔ بنو قطورہ ۔
۷۔ عیسو عرف ادوم ابن اسحاق ابن ابراهیم سے ۔ بنو ادوم ۔

مندرجہ ذیل قومیں اسمعیل کی اولاد میں ھیں جو بمقابل اور قوموں کے بہت جلد بڑھ گئیں اور عرب کے تمام ملک میں پھیل گئیں ۔

۸۔ اسمعیل ابن ابراهیم سے ۔ بنو اسمعیل ۔ مگر اسمعیل کے بارہ بیٹوں کے نام سے علیحدہ علیحدہ بارہ قومیں چلیں ۔
۹۔ بنایوث سے ۔ بنو بنایوث ۔
۱۰۔ قیدار سے ۔ بنو قیدار ۔
۱۱۔ ادبئیل سے بنو ادبئیل ۔
۱۲۔ مبسام سے ۔ بنو مبسام ۔
۱۳۔ مشماع سے ۔ بنو مشماع ۔
۱۴۔ دو ماہ سے ۔ بنو دو ماہ ۔
۱۵۔ مسا سے ۔ بنو مسا ۔
۱۶۔ حدر سے ۔ بنو حدر ۔
۱۷۔ تیما سے ۔ بنو تیما ۔

۱۸- یطور سے - بنو یطور -
۱۹- نافش سے - بنو نافش -
۲۰- قید ماہ سے - بنو قید ماہ -

حضرت اسمعیل کے بارہ بیٹوں میں سے قیدار کی اولاد نے ایک عرصہ کے بعد شہرت حاصل کی اور مختلف شاخوں میں متفرع ہو گئی - مگر بہت صدیوں تک یہ بھی اپنی اصلی حالت پر رہی اور مدت تک اُن میں ایسے لئیق اور نامی اشخاص جنھوں نے اپنی لیاقتوں اور عجیب و غریب قابلیتوں کی وجہ سے نامور ہونے کا استحقاق حاصل کیا ہو یا سلطنتوں اور قوموں کے بانی ہوئے ہوں پیدا نہیں ہوئے اور اسی وجہ سے قیدار کی اولاد کی تاریخ کے سلسلہ کو مرتب کرنے میں بہت سی صدیوں کا فصل واقع ہو جاتا ہے - مگر یہ ایک ایسا امر ہے - جس سے عرب کی قومی اور ملکی روایت کی جو حضرت اسمعیل کی نسبت چلی آتی ہے کماحقہ' تصدیق ہوتی ہے - کیوں کہ ایک جلا وطن ماں اور بیٹے کی اولاد کی کثرت اور ترقی کے واسطے جو ایسی بیکس اور مصیبت زدہ حالت میں خانہ بدر کی گئی تھی ضرور بلکہ یقیناً ایک عرصہ درکار ہوا ہوگا - خصوصاً ایسی ترقی کے واسطے جس نے انجام کار اُن کو دنیا کی تاریخ میں ایک نہایت نامور اور ممتاز جگہ پر پہنچایا اور اُن کی اولاد نے ایسے ایسے کارہائے نمایاں کئے جن کی نظیر کسی قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی -

مگر باوجود ان تمام باتوں کے ہم عرب کی تاریخ میں قیدار کی اولاد میں اُس قوم کی ابتدا سے اُس وقت تک کہ اُس کو شہرت ہوئی آٹھ نام پاتے ہیں یعنی حمل ، نابت ، سلامان ، الہمیسع ، الیسع ، آدد ، اُد ، عدنان -

یہ وھی عدنان ھے جس کا بیٹا عک یمن کا بادشاہ ھوا تھا
اور جس کا ذکر ھم اوپر کر چکے ھیں ۔

## مندرجہ ذیل قبائل عدنان کی اولاد میں ھیں

۲۱- ایاد ابن معد ابن عدنان سے ۔ ایادی ۔
۲۲- قنص ابن معد سے ۔ قنصی ۔
۲۳- مضر ابن نضر ابن معد کے ۔ بنو مضر ۔
۲۴- ربیع ابن نضر ابن معد کے ۔ بنو ربیعہ ۔
۲۵- اسد ابن ربیع سے ۔ بنو اسد ۔
۲٦- صبیعہ ابن ربیعہ سے ۔ بنو صبیعہ ۔

## قبائل ذیل صبیعہ کی اولاد میں ھیں

۲۷- بنو ابوالکلب ۔ ۲۸- بنو شحنہ ۔
۲۹- جدیلہ ابن اسد ابن ربیعہ سے ۔ بنو جدیلہ ۔
۳۰- عنزہ ابن اسد سے ۔ بنو عنزہ ۔
۳۱- عمیر ابن اسد سے ۔ بنو عمیر ۔
۳۲- عبدالقیس ابن اقصیٰ ابن دومی ابن جدیلہ سے بنو عبدالقیس ۔
۳۳- الدیل ابن شن ابن اقصیٰ ابن عبدالقیس سے ۔
بنو الدیل شنی ۔

## قبائل ذیل الدیل کی اولاد میں میں

۳۴- بنو بجثہ ۔
۳۵- ضوحان ابن وادیہ ابن نکیر ابن اقصیٰ ابن عبد القیس
وائلہ سے ۔ بنو وائلہ ۔
۳٦- انمار ابن عمرو ابن وادیہ سے ۔ بنو انمار ۔
۳۷- عجل ابن عمرو سے ۔ بنو عجل قیسی ۔

۳۸- محارب ابن عمرو سے - بنو المحارب -

۳۹- الدیل ابن عمرو سے - بنو الدئیل -

## قبائل ذیل الدیل کی شاخ ھیں

۴۰- بنو صوحان -

۴۱- العوق ابن عمرو ابن وادیه سے - بنو العوق یا عوق -

۴۲- اولاد بکر ابن ھبیب ابن عمرو ابن غنم ابن تغلب - ابن وایل ابن قاست ابن ھنب ابی اقصیٰ ابن دومی ابن جدیله سے - الا راقم -

۴۳- بکر ابن وایل ابن قاست سے - بنو بکر -

۴۴- ثعلب ابن وایل ابن قاست سے - بنو ثعلب -

## قبائل ذیل ثعلب کی اولاد میں ھین

۴۵- بنو عکنب - ۴۶- بنو عدی -

۴۷ بنو کنانه یا قریش ثعلب -

۴۸- بنو ازھیر - ۴۹- بنو عتاب -

۵۰- غنم ابن ھبیب ابن کعب ابن یشکر ابن وایل سے - بنو غنم -

۵۱- لجیم ابن صعب ابن علی ابن بکر سے - بنو لجیم -

## قبائل ذیل لجیم کی اولاد میں ھیں

۵۲- بنو ھفان - ۵۳- بنو عجل -

۵۴- اولاد مالک ابن صعب سے - بنو ازمان -

۵۵- ذھل ابن ثعلبه ابن عقبه ابن صعب سے - بنو ذھل -

۵۶- شیبان ابن ثعلبه سے - بنو شیبان -

## قبائل ذیل شیبان کی اولاد میں ہیں

۵۷- بنو الورثه ۔ ۵۸- بنو الجدره ۔
۵۹- بنو الشقیقه ۔
۶۰- اولاد تیم اللات ابن ثعلبه سے اللهازم ۔
۶۱- سدوس ابن شیبان اهل ذهل سے ۔ سدوسی ۔
۶۲- قمعه عرف قیس عیلان ابن الیاس ابن مضر سے ۔ قیس عیلانی یا بنو قیس ۔
۶۳- عمر ابن قیس عیلان ۔ بنو عمرو ۔

## قبائل ذیل عمرو کی اولاد میں ہیں

۶۴- بنو خارجه ۔ ۶۵- بنو وابش ۔
۶۶- بنو یشکر ۔ ۶۷- بنو عوف ۔
۶۸- بنو رهم ۶۹- بنو رباح ۔
۷۰- سعد ابن قیس عیلان سے ۔ بنو سعد ۔
۷۱- غطفان ابن سعد سے ۔ بنو غطفان ۔
۷۲- معن ابن عسر ابن سعد سے ۔ بنو معن ۔
۷۳- غنی ابن عسر سے ۔ بنو غنی ۔

## قبائل ذیل غنی کی اولاد میں ہیں

۷۴- بنو ضبینه ۔ ۷۵- بنو بهثه ۔
۷۶- بنو عبید ۔
۷۷- منبهه ابن عسر سے ۔ بنو منبهه ۔

## قبائل ذیل منبهه کی اولاد میں ہیں

۷۸- بنو حسر ۔ ۷۹- بنو سنان ۔
۸۰- اشجع ابن غطفان ابن صعب سے ۔ بنو اشجع ۔

## قبائل ذیل اشجع کی شاخ ہیں

۸۱- بنو دہان -

۸۲- ذبیان ابن بغیض ابن ریس ابن غطفان سے - بنو ذبیان -

## قبائل ذیل ذبیان کی اولاد میں ہیں

۸۳- بنو فزارہ - ۸۴- بنو العشراء -

۸۵- عبس ابن بغیض سے - بنو عبس -

۸۶- سعد ابن ذبیان ابن بغیض - بنو سعد -

## قبائل ذیل سعد کی اولاد میں ہیں

۸۷- بنو جحاش - ۸۸- بنو سبیع -

۸۹- بنو حشور -

۹۰- خصفہ ابن قیس عیلان سے - بنو خصفہ -

## قبائل ذیل خصفة کی شاخ ہیں

۹۱- بنو جسر -

۹۲- ابو مالک بن عکرمہ ابن خصفہ سے - بنو ابو مالک -

۹۳- منصور ابن عکرمہ سے - بنو سلیم -

## قبائل ذیل منصور کی اولاد میں ہیں

۹۴- بنو حرام - ۹۵- بنو خفاف -

۹۶- بنو سماں - ۹۷- بنو رعل -

۹۸- بنو ذکوان - ۹۹- بنو مطرود -

۱۰۰- بنو بہز - ۱۰۱- بنو قنفذ -

۱۰۲- بنو رفاعہ - ۱۰۳- بنو شرید -

۱۰۴- بنو قبتہ -

۱۰۵- سلامان ابن عکرمه سے - سلامانی -
۱۰۶- ھوازن ابن منصور سے - بنو ھوازن -
۱۰۷- مازن ابن منصور سے - بنو مازن -
۱۰۸- سعد ابن بکر ابن ھوازن سے - بنو سعد -
۱۰۹- نصر ابن معاویه ابن بکر سے - بنو نصر -
۱۱۰- مره ابن صعصعه ابن معاویه سے - بنو مره
بنو سلول -
۱۱۱- نمیر ابن عامر ابن صعصعه سے - نمیری -
۱۱۲- ھلال ابن عامر سے - بنو ھلال -
۱۱۳- ربیعه ابن عامر سے - بنو مجد -
۱۱۴- اولاد عمرو ابن عامر سے - بنو البکا -
۱۱۵- معاویه ابن کلاب ابن ربیعه سے - بنو معاویه -
۱۱۶- جعفر ابن کلاب سے - بنو جعفر -
۱۱۷- اولاد ابن عمرو ابن کلاب سے - بنو ددان -
۱۱۸- اولاد عبد اللہ ابن کعب ابن ربیعه سے - بنو العجلان -
۱۱۹- اولاد قشیر ابن کعب سے - بنو ضمره -
۱۲۰- اولاد منبه ابن ھوازن سے - ابو ثقیف -

## قبائل ذیل ابو ثقیف کی اولاد میں ھیں

۱۲۱- بنو مالک -
۱۲۲- بنو احلاف -
۱۲۳- طابخه ابن الیاس ابن مضر سے - بنو طابخه -
بنو خندف -
۱۲۴- تیم ابن عبد منات ابن عد ابن طابخه سے - بنو تیم -
۱۲۵- عدی ابن عبد منات سے - بنو عدی -
۱۲۶- ثور ابن عبد منات سے - ثوری -

## قبائل ذیل عبد منات کی اولاد میں ھیں

۱۲۷- الرباب -
۱۲۸- بنو نصر -
۱۲۹- بنو مازن -
۱۳۰- بنو السیل -
۱۳۱- بنو عایذه -
۱۳۲- بنو تیم اللات -
۱۳۳- بنو زبان -
۱۳۴- بنو عوف -
۱۳۵- بنو شثیم -
۱۳۶- بنو الزھل -
۱۳۷- بنو بجاله -
۱۳۸- مزینه ابن عد ابن طانجه سے - مزنی -

## قبائل ذیل ظاعنه کی شاخ ھیں

۱۴۰- بنو صوفه -
۱۴۱- تمیم ابن مر سے - بنو تمیم -

## قبائل ذیل تمیم کی اولاد منں ھیں

۱۴۲- حبطات -
۱۴۳- بنو عصیه -
۱۴۴- البراجم -
۱۴۵- بنو کلیب -
۱۴۶- بنو ریاح -
۱۴۷- بنو مره -
۱۴۸- بنو مقره -
۱۴۹- بنو حمان -
۱۵۰- بنو حنظله -
۱۵۱- بنو دارم -
۱۵۲- بنو عدویه -
۱۵۳- بنو لطیهه -
۱۵۴- آل صفوان -
۱۵۵- آل عطارد -
۱۵۶- بنو عوف -
۱۵۷- مدرکه ابن الیاس ابن مضر سے - بنو مدرکه بنو خندف -
۱۵۸- حذیل ابن مدرکه سے - بنو حذیل یا حذیلی -
۱۵۹- تمیم ابن سعد ابن حذیل سے - بنو تمیم -

۱۶۰- حریب ابن سعد سے - بنو حریب -
۱۶۱- مناعه ابن سعد سے - بنو مناعه -
۱۶۲- خناعه ابن سعد سے - بنو خناعه -
۱۶۳- جهم ابن سعد سے - جهمی -
۱۶۴- غنم ابن سعد سے - غنمی -
۱۶۵- حرث ابن سعد سے - حرثی -
۱۶۶- خزیمه ابن مدرکه سے - بنو خزیمه -
۱۶۷- الهون ابن خذیمه سے - بنو الهون -

## قبائل ذیل الہون کی اولاد میں ہیں

۱۶۸- بنو القاره -
۱۶۹- عضلی -
۱۷۰- الدیشی -
۱۷۱- اسد ابن خزیمه سے - بنو اسد -
۱۷۲- دودان ابن اسد سے - دودانی -
۱۷۳- کاهل ابن اسد سے - کاهلی -
۱۷۴- حمله ابن اسد سے - حملی -
۱۷۵- عمرو ابن اسد سے - عمری -

## قبائل ذیل عمرو کی اولاد میں ہیں

۱۷۶- بنو فقعس -
۱۷۷- بنو الصیدا -
۱۷۸- بنو نصر -
۱۷۹- بنو الزینه -
۱۸۰- بنو عاضره -
۱۸۱- بنو نعامه -
۱۸۲- کنانه ابن خزیمه سے - بنو کنانه -
۱۸۳- مالک ابن کنانه سے - ابو مالک -

## قبائل ذیل مالک کی اولاد میں ہیں

۱۸۴- بنو فقین -
۱۸۵- بنو فراس -

۱۸۶- بنو بجر -
۱۸۷- ملکان ابن کنانه سے - بنو ملکان -
۱۸۸- عبد منات ابن کنانه سے - بنو عبد منات -

## قبائل ذیل عبد منات کی اولاد میں ھیں

۱۸۹- بنو مدلج -
۱۹۰- بنو جزیمه -
۱۹۱- بنو لیث -
۱۹۲- بنو الدیل -
۱۹۳- بنو ضمره -
۱۹۴- بنو غفار -
۱۹۵- بنو عریج -
۱۹۶- عمرو ابن کنانه سے - عمریون -
۱۹۷- عامر ابن کنانه سے - عامریون -

## قبائل ذیل کنانه کی شاخ ھیں

۱۹۸- الا حابیش -
۱۹۹- نضر ابن کنانه سے - بنو النظر -
۲۰۰- مالک ابن نضر سے - بنو مالک -
۲۰۱- الحرث ابن مالک سے - مطیبین -

## قبائل ذیل الحرث کی شاخ ھیں

۲۰۲- بنو الخلج -
۲۰۳- فہر ابن مالک سے - بنو فہر یا قریش -
۲۰۵- محارب ابن فہر سے - بنو محارب -
۲۰۵- غالب ابن فہر سے - بنو غالب -
۲۰۶- تیم ابن غالب سے - بنو تیم یا بنو الادرم -
۲۰۷- لوی ابن غالب سے - بنو لوی -
۲۰۸- عامر ابن لوی سے - بنو عامر -

## قبائل ذیل عامر کی اولاد میں ھیں

۲۰۹- حسل - ۲۱۰- معیص -
۲۱۱- سامه ابن لوی سے - بنو سامه -
۲۱۲- سعد ابن لوی سے - بنو سعد -

## قبائل ذیل سعد کی شاخ ھیں

۲۱۳- بنانه -
۲۱۴- خزیمه ابن لوی سے - بنو خزیمه -

## قبائل ذیل خزیمه کی شاخ ھیں

۲۱۵- بنو عایذه -
۲۱۶- حرث ابن لوی سے - بنو الحرث -
۲۱۷- عوف ابن لوی سے - بنو العوف -
۲۱۸- کعب ابن لوی سے - بنو کعب -
۲۱۹- عدی ابن کعب سے - بنو عدی -
۲۲۰- ھصیص ابن کعب سے - بنو ھصیص -

## قبائل ذیل ھصیص کی اولاد میں ھیں

۲۲۱- بنو سہم - ۲۲۲- بنو جمح -
۲۲۳- مره ابن کعب سے - بنو مره -
۲۲۴- تیم ابن مره سے - بنو مره -
۲۲۵- مخزوم ابن مره سے - بنو مخزوم -
۲۲۶- کلاب ابن مره سے - بنو کلاب -
۲۲۷- زھره ابن کلاب سے - بنو زھره -
۲۲۸- قصی ابن کلاب سے - بنو قصی یا مجمع -

## قبائل ذیل کلاب کی اولاد میں ھیں

۲۲۹- نوفلییون -
۲۳۰- عبد الدار ابن قصی سے - داری -

## قبائل ذیل عبدالدار کی شاخ ھیں

۲۳۱- شیبی -
۲۳۲- امیه ابن عبد الشمس ابن عبد مناف ابن قصی سے - بنو آمیه -
۲۳۳- هاشم ابن عبد مناف سے - بنو هاشم -
۲۳۴- عبد المطلب ابن هاشم سے - بنو مطلب -
۲۳۵- عباس ابن عبدالمطلب سے - عباسی -
۲۳۶- علی ابن ابو طالب ابن عبدالمطلب سے - علوی -
۲۳۷- فاطمه بنت محمد صلی الله علیه وسلم سے - سادات بنی فاطمه علیها السلام -

اس مطلب سے که اقوام مذکوره بالا کا سلسله بخوبی ذهن نشین هو جائے اور آسانی سے سمجھ میں آ جائے ، اس مقام پر ایک شجره عرب مستعربه کی قوموں کا شامل کیا جاتا ھے -

عرب کی قوموں کے بیان کو ختم کرتے وقت اس بات کا بیان کرنا مناسب ھے که عرب میں ایک دستور تھا که ایک ضعیف قوم یا وه قوم جو زوال کی حالت میں پڑ جاتی تھی اکثر اپنے آپ کو کسی زبردست قوم میں ملا دیتی تھی - اس اختلاط کے مقصد کو نه سمجھنے سے غیر ملک کے مؤرخ اب تک یہی سمجھتے هیں که ایسا اختلاط نسب کے اختلاط سے علاقه رکھتا ھے اور اس کے بعد وه دونوں قومیں ایک هی لقب یعنی زبردست قوم کے لقبِ نسبی سے ملقب هو جاتی تھیں اور اسی

بناء پر اُن کا مقولہ ہے کہ عرب کی قومیں انقلابات اجتماع کے ہمیشہ زیر مشق رہی ہیں۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے کیوں کہ وہ دونوں قومیں اس طرح پر مخلوط نہیں ہوتی تھیں کہ ایک ہی مورث اعلیٰ کی نسل سے خیال کی جاتی ہوں بلکہ اُس اختلاط کے یہ معنی تھے۔ کہ زبردست قوم زبردست قوم کے تابع اور اُس قوم کے قوانین اور رسم و رواج کی پابند ہو جاتی تھی اور ضرورت کے وقت اور ہر ایک امر میں اُس قوم کی ساتھی اور مددگار ہوتی تھی دونوں قوموں کے آدمی ایک ہی نامی سردار کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوتے تھے اور اگر اُن دونوں قوموں کے کسی آدمی سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا۔ جس کے عوض تمام قوم سے تاوان لیے جانے کا دستور تھا۔ تو وہ تاوان برابر دونوں قوموں پر عاید ہوتا تھا۔

## انگریزی لفظ ''سراسین'' کی تحقیق

اس خطبہ کے ختم کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ لفظ ''سراسین'' کی بابت جو یونانیوں نے زمانہ جاہلیت کے بعض عربوں کی نسبت استعمال کیا ہے اور جس کا اطلاق انجام کار تمام جزیرہ نمائے عرب کے باشندوں پر قبل ظہور اسلام اور نیز بعد ظہور اسلام ہو گیا ہے کچھ گفتگو کی جاوے۔ متعدد مؤرخوں نے اپنی ذہانت کو اس لفظ کے ماخذ کے بیان کرنے کی کوشش میں صرف کیا ہے اور ہر ایک نے ایک نیا ڈھنگ اُس کے ماخذ تلاش کرنے کا اختیار کیا ہے۔ جس نے بارہا پرانے تعصبات کو ظاہر کر دیا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ بات کافی ہے کہ رورنڈ پوکاک صاحب نے اپنی کتاب تاریخ عرب میں جو کچھ اُس کی نسبت لکھا ہے بعینہ اُس کو اس مقام پر ترجمہ کر دیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ اُس مضمون پر ہمارے مصنفوں نے اب تک جو کچھ چھاپا ہے اس میں کسی جگہ میں اس امر کی قابل اطمینان دلیل نہیں پاتا ہوں کہ وہ لوگ جو پہلے عرب کہلاتے تھے آخر میں "سراسین" کے نام سے کیوں موسوم ہوئے جن لوگوں نے کہ اس نام کو "سرح" سے مشتق کیا ہے اُن کی رائے کی کما حقہ' تردید ہو گئی ہے اب عموماً یہ گمان ہے کہ یہ نام "سرق" (چوری) سے نکلا ہے جس سے ایک وحشی اور لٹیری قوم سے صریح مراد ہے ۔ مگر یہ نام اُن کو کہاں سے ملا ؟ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے ۔ کہ نام خود اُنھیں کے ہاں سے نہیں شروع ہوا ہوگا ۔ بلکہ کسی اور قوم کی زبان سے یہ لفظ لیا گیا ہے کیوں کہ عرب ایسے نام کو جو موجب رسوائی اور ذلت کا ہے اپنے لیے کب گوارا کرتے ۔ اب عالموں کو یہ تحقیق کرنا باقی ہے کہ آیا ان لوگوں کے نام کو جو عام طور پر اور علانیہ قزاقی اور رہزنی کے لیے مشہور ہیں لفظ "سرق" سے مشتق کرنا جائز ہو سکتا ہے ۔ جس کے معنی خفیہ چوری کرنے کے ہیں یا نہیں ۔ اب اگر کوئی "سراسین" کی تحقیق میں میری تبعیت کرنا چاہے تو اُس کو اپنی آنکھیں شرق کی طرف کھولنی چاہئیں ۔ کس واسطے کہ "سراسینس" اور "سراسی نائے" کی آواز میں "شرق" اور اُس کی جمع "شرقیوں" اور "شرقین" کی نسبت کیا فرق ہوگا جس کے معنی اہل الشرق یعنی باشندگان شرق کے ہیں جس طرح کہ سابق میں عربوں کو علی الخصوص یہودی خیال کرتے تھے کیوں کہ اُس کی سرزمین کا شرقی حصہ (حسب قول طلسیطوس) عرب سے محدود ہے ۔ اسی طرح توریت مقدس (سفر تکوین باب ۱۰ ورس ۳۰) یقطان کی اولاد کو جو عرب

تھی - مشرق میں بیان کرتی ھے یعنی ساحل کے اُس حصه پر جو
مابین ''مبشام'' اور ''سفار'' کے جو مشرق میں ایک پہاڑ ھے
واقع ھے - یعنی اگر ''آرساڈیاس'' قابل اعتبار ھو ''من مكة
الی تجئی مدینة الجبل الشرق'' یعنی مکه سے وھاں
تک که تم اس مشرق پہاڑ کے شہر تک آؤ - یا جیسا که مسودۂ
''کوڈیکس'' میں مرقوم ھے ''ای المدینة الشرق'' -
یعنی مشرق شہر تک (جس سے میری دانست میں مدینه منوره
مراد ھے جو جانب شرق واقع ھے - حضرت سلیمان کی عقل
تمام اهل الشرق کی عقل سے بڑھ کر خیال کی گئی ھے یعنی
(حسب بیان اُس یہودی کے گو وہ کوئی ھو جس نے که صحف
ملوک کا عربی میں ترجمه کیا ھے) ''سراسین'' یا عربوں
کی عقل سے اس طرح یرمیاہ نبی (باب ۴۹ ورس ۲۸) میں
اعراب بنی قیدار کو ''اهل الشرق'' کہا ھے - علامه
''هیوگو گروشیس'' بیان کرتا ھے که عیسائیان سابق کی یه
رائے تھی که وہ عقلاء جو حسب بیان متی حواری (باب ۲)
پرستش کو آئے تھے ملک عرب سے آئے تھے اور اُس کا خود
بھی یہی عقیدہ تھا - ننّاسوس (فولیس میں) لکھتا ھے که میں نے
اپنی سفارت کی جو بجانب بنی عثوفیه - بنی حمیر - اور سراسین
اور دیگر اقوام پرستش کننده کی تھی تعمیل کر دی - اس لیے
''سراسینس'' کا اور مشرق اقوام کے زمرہ میں شامل ھونا صرف
اسی وجه سے تھا که وہ مشرق میں آباد تھے - مجد الفروز آبادی -
صفی الدین اور لوگوں کا بیان ھے که مشرق کے چند اور
مقامات بھی بدیں وجه که وہ مشرق کے اور حصوں میں
واقع تھے بنام ''شرقه'' و ''شرقیه'' موسوم تھے اور ان کا
یه بھی بیان ھے که ھم نے سنا ھے که ایسے مقامات کے باشندے

اهل الشرق کہلاتے ہیں - ایسی ہی دلیل سے اُن لوگوں کو بھی جو ایسے ملک میں بستے ہوں کہ بلحاظ اور ملکوں کے "الشرق" یعنی پورب کہلاتا ہو اُسی نام سے ملقب کیوں نہیں کرنا چاہیے ورنہ وہ اپنے اور اُن لوگوں کے درمیان جو اپنی ہی بولی میں اپنے آپ کو مغربی یعنی باشندۂ جزیرۂ موری تانیا کہتے ہیں کس طرح پوری پوری تمیز کر سکتے ہیں - اسی طرح سے جیسے کہ باشندہائے ملک مغرب "المغاربہ" کہلاتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو عرب میں متوطن ہیں "مشارقہ" یا "سراسینس" کہے جا سکتے ہیں اور یہ نام اُن کی عادات و اوضاع کے لحاظ سے نہیں رکھا گیا ہے بلکہ باعتبار اُن کی جائے سکونت کے رکھا گیا ہے - اسی طرح سے تم اُس مشہور و معروف حکیم بو علی سینا کی اُس نامی کتاب کا نام "سراسینک فلاسفی" یعنی "الفلسفہ المشرقیہ" کچھ اُس کی جاہلیت کی وجہ سے نہیں کہتے ہو بلکہ اُس کے مشرقی ہونے کے سبب سے - رہی یہ بات کہ عربی حرف ش کا یونانی کی مانند تلفظ ہوا ہے اس سے کوئی دشواری نہیں ہو کیوں کہ وہ عبرانی حرف کا بھی اسی طرح تلفظ کرتے تھے - لفظ "سراسینس" کا ایک اور مادہ بھی ہو سکتا ہے یعنی "شرک" اس واسطے کہ وہ خدائے واحد کے شریک قرار دیتے تھے - لیکن یہ نام جو قدیمی عربوں کی نسبت اس قدر موزوں ہے مسلمان لوگ اُن کا اطلاق از راہ بے انصافی و ناحق اندیشی عیسائیوں پر کرتے ہیں اور عیسائی اُس سے استغفار بھیجتے ہیں مگر یہ امر ہمارے مضمون سے علاقہ نہیں رکھتا -

# النصوص الباهره فی حریة الهاجرة علی مایستفاد من کتب الیهود افادها

المولوی عنایت رسول چڑیا کوٹی سلمه الله تعالیٰ

ام حضرت اسمعیل علیه السلام کا نام عبری زبان میں (هاغار) اور عربی میں (هاجر) هے یه بادشاه مصر کی بیٹی تهیں -

سفر الیشار میں جو یهودیوں کی ایک معتبر تاریخ هے لکها هے که "شهر بابل دارالسلطنت نمرود میں جهاں تارح یعنی آذر اور ابراهیم علیه السلام اور اُن کے تمام خاندان کے لوگ رهتے تهے ایک شخص حکیم هنر مند ذکی الطبع فطین جو اکثر علوم صنائع میں کمال رکهتا تها رهتا تها اس کا نام (رقیون) تها مگر وه بهت مفلس و محتاج و مفلوک تها تنگدستی و سختی سے وطن میں رهنا نامناسب سمجهه کر مصر کی راه لی جب وه وهاں پهنچا اور اُس کی لیاقت و دانش مندی باشندگان مصر پر ظاهر هو گئی تو بادشاه مصر نے اُس کو براه قدر دانی عیان سلطنت میں داخل کیا رفته رفته بالکل حاوی هوا بالآخر وهاں کا بادشاه هو گیا یه پهلا شخص هے جس کا لقب فرعون هوا - اُسی فرعون کے زمانه بادشاهت میں بوجه قحط سالی کے حضرت ابراهیم علیه السلام فلسطین سے مع اپنے اهل بیت کے مصر میں تشریف لے گئے -

رقیون اور هاغار دونوں عبری لفظ هیں اور اس سے استدلال هو سکتا هے که وه دونوں عبرانی یعنی بنی عبیر تهے اور کیا عجب هے که اُسی قبیله کے هوں جس قبیله کے حضرت ابراهیم تهے اور ظاهرا اسی خیال سے که بادشاه مصر اُن کا

هم وطن یا هم قبیلہ ہے اس قحط و مصیبت میں حضرت ابراهیم نے مصر میں جانے کا قصد کیا هو جیسا کہ هر ایک انسان کو ایسے موقع پر اس قسم کا خیال هو سکتا ہے ۔

جب حضرت ابراهیم مصر میں پہنچے اور آنھوں نے حضرت سارہ کا اپنی بی بی هونا ظاهر نہ کیا بلکہ بہن هونے کا جو رشتہ تھا وہ ظاهر کیا ۔ تو فرعون نے حضرت سارہ سے سے شادی کرنی چاهی اور حضرت ابراهیم کو بہت کچھ دے کر حضرت سارہ کو بقصد شادی اپنے گھر لے گیا ۔

اس واقعہ سے بھی استدلال هو سکتا ہے کہ فرعون بادشاہ مصر کو بسبب هم قوم هونے کے زیادہ تر حضرت سارہ سے شادی کرنے کی رغبت هوئی تھی ۔

غرض کہ هنوز شادی نہ هونے پائی تھی کہ مختلف قسم کے صدمات فرعون پر واقع هوئے اور آن کے سبب سے فرعون نے حضرت سارہ کے حال کی زیادہ تفتیش کی تو معلوم هوا کہ وہ حضرت ابراهیم کی بیوی بھی هیں اسی وقت فرعون نے آن کو حضرت ابراهیم کے پاس بھیج دیا اور هاجرہ اپنی بیٹی کو بھی آن کے سپرد کر دیا ۔

فرعون نے جو اپنی بیٹی هاجر کو حضرت سارہ کے ساتھ کر دیا ظاهر آس کے کئی سبب معلوم هوتے هیں ۔ ابراهیم اور سارہ کی نیکی اور بزرگی اور آن کا اور فرعون و هاجر کا هم قوم هونا آس بات کے لیے بڑی رغبت هوئی هوگی کہ فرعون اپنی بیٹی کو آن کی تعلیم اور تربیت اور صحبت میں سپرد کرے کیونکہ مصری آس کی قوم و قبیلہ سے نہ تھے ۔ علاوہ اس کے آس زمانہ میں اور آس خاندان میں شادی و بیاہ میں هم کفو هونے کا بہت خیال تھا مصر میں رقیون فرعون مصر کے خاندان

کا کوئی شخص نہ تھا اور یہ بہت بڑی ترغیب اس بات کی تھی
کہ ہاجر سارہ کے سپرد کی جاوے تا کہ اُن کی تربیت میں رہے
اور کہیں کفو میں اُس کی شادی ہو جاوے۔ رخصت کے وقت
فرعون نے اپنی بیٹی ہاجر کو سمجھایا کہ تیرا رہنا ان کے
ساتھ تیرے لیے میرے پاس رہنے سے بہتر ہے۔ اس سمجھانے
سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کس خیال سے فرعون نے اپنی
بیٹی اُن کے سپرد کی تھی۔

بعد اس کے جب حضرت ابراہیم مع ہاجر فرعون کی بیٹی
کے وہاں سے چلے تو فرعون نے اُن کے ساتھ پیادے مامور کیے
تاکہ بحفاظت پہنچ جاویں چناں چہ یہ سب لوگ بآرام تمام مع
احمال و اثقال و لونڈی و غلام وغیرہ کے جو بادشاہ مصر نے
اُن کو دیے تھے اپنے ملک میں جہاں اُنھوں نے سکونت اختیار
کی تھی بخیر و خوبی پہنچ گئے اُس وقت ابراہیم ہاجر کی بدولت
بہت دولت مند اور مال دار ہو گئے چناں چہ توریت میں
لکھا ہے۔

ہم ان لفظوں کو اس مقام پر عربی خط کے حرفوں
میں لکھتے ہیں۔

و یعل ابرام ممصرایم ھو واشتو و خل اشر
لو و لوط عمو ھنغبا و ابرام کابید متود بمقنہ و
بکسف وبزاھاب۔

ترجمہ عربی: ”فصعد ابرام من مصر ھو و زوجتہ و
کل مالہ و لوط معہ الی القبیلۃ و ابرام عظیم جدا
بالماشیۃ و الفضۃ و الذھب“۔

ترجمہ اُردو۔ ”اور کوچ کیا ابراہیم نے مصر سے اُس
کی بی بی نے مع اپنے کل مال کے اور لوط کے شمال کی طرف کو۔
(کتاب پیدائش باب ۱۳ آیت ۱ و ۲)۔

غرض کہ اس مورخ کے بیان سے ظاہر ہے کہ ہاجرہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں تعلیم تہذیب کے لیے سارہ کے سپرد کی گئی تھیں اور اُن کا ہم وطن ہونا بلکہ ادنٰی تامل سے اہل خاندان سے ہونا پایا جاتا ہے ۔

مفسرین توریت بھی حضرت ہاجرہ کو بادشاہ کی بیٹی لکھتے ہیں چناں چہ (ربی شلومو اسحاق) نے کتاب پیدائش کے سولھویں باب کی پہلی آیت کی تفسیر میں جو لکھا ہے اُس کو بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں ۔

اس عبارت کو عربی خط کے حرفوں میں لکھا جاتا ہے ۔

"بت برعہ ھا یشا کشر انسیم شنعسو اسارہ امر موطاب شتھا بتی شفحہ ببیت زہ و لو کبیرہ ببیت احیر ۔"

(ترجمہ عربی) ھی کانت بنت فرعون لما ارا الایات التی اخرجت بسارہ قال ما اطیب ان تکون بنتی خادمۃ فی بیت ذا ولا ان تکون سیدۃ فی بیت آخر ۔

ترجمہ اُردو : "وہ فرعون کی بیٹی تھی ۔ جب دیکھا ان کرامات کو جو بوجہ سارہ واقع ہوئیں تو کہا بہتر ہے کہ رہے میری بیٹی اُس کے گھر میں خادمہ ہو کر اس سے کہ ہو دوسرے کے گھر میں ملکہ ۔"

اس عبارت کا ترجمہ اس طرح پر بھی ہو سکتا ہے کہ "میری بیٹی کا رہنا اُس کے خاندان میں خادمہ ہو کر بہتر ہے دوسرے خاندان میں ملکہ ہو کے رہنے سے ۔"

۱۸۵۰ء میں بمقام کلکتہ اسی بات کا مباحثہ ہوا تھا اور اکثر یہودیوں نے اس بات کو تسلیم کیا تھا کہ حضرت ہاجرہ

لونڈی نہیں تھیں بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں -

توریت مقدس سے کسی طرح حضرت ہاجر کا لونڈی ہونا ثابت نہیں ہے نہایت صاف اور روشن بات ہے کہ اُس وقت کے حالات پر ہم جو نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں لونڈی و غلام دو طرح پر ہوتے تھے شرا سے اور غنیمت سے یعنی یا تو وہ لونڈی و غلام ہوتے تھے جو لڑائی میں اسیر ہو کر آتے تھے اور وہ (شیبوث حرب) کہلاتے تھے یعنی غنیمت جنگ صیف یا وہ لونڈی اور غلام کہلاتے تھے جو خریدے جاتے تھے اور ان کو مقنث کسف کہتے تھے یا اُن کی اولاد لونڈی و غلام ہوتے تھے یلیدبایث و لید البیت یعنی خانہ زاد مگر حضرت ہاجرہ ان باتوں سے پاک تھیں - پھر وہ کیونکر لونڈی ہو سکتی تھیں ان کو لونڈی کہنا محض بہتان ہے -

اب رہی یہ بات کہ یہودی ان کو کیوں لونڈی کہتے تھے اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ یہودی بنی اسمعیل کی ہمیشہ حقارت کرتے ہیں اور ضد و عداوت سے ایسی باتیں جن سے بنی اسمعیل بہ نسبت بنی اسرائیل کے حقیر سمجھے جاویں منسوب کرتے ہیں اور اسی خیال سے اُن لوگوں نے غلط طور پر توریت مقدس سے بھی حضرت ہاجرہ کے لونڈی ہونے پر استدلال کیا ہے مگر وہ استدلال سرتا پا غلط اور بالکل تحریف ہے جس کو بالتفصیل ہم بیان کرتے ہیں -

حضرت سارہ ادھیڑ ہو گئی تھیں اور اُن کی اولاد نہ ہوئی تھی - اس لیے اُنھوں نے حضرت ہاجرہ کو زوجہ بنانے کی اجازت دی کہ انہیں سے کچھ اولاد پیدا ہو چناں چہ ہاجرہ سے حضرت اسمعیل پیدا ہوئے - اس کے چند روز بعد

حضرت سارہ بھی حاملہ ہو گئیں اور حضرت اسحاق پیدا ہوئے ۔ حضرت اسحاق کئی برس کے ہو گئے تھے اُن کا دودھ بھی چھٹ چکا تھا اور حضرت اسمعیل اُن سے عمر میں کچھ بڑے تھے ۔ دونوں میں آپس میں کچھ تکرار ہو گئی ۔ جیسا کہ دو بچوں میں ہو جاتی ہے ۔ حضرت سارہ کو یہ بات بری معلوم ہوئی اور اُس لڑائی جھگڑے میں حضرت ابراہیم سے کہا کہ اس لونڈی کو اور اُس کے لڑکے کو نکال دو ۔ اس مقام پر جو حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ کو لونڈی کہا اس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ درحقیقت میں لونڈی تھیں ۔ بلکہ جس طرح عورتیں لڑائی غصہ میں خصوصاً جب کہ دو عورتوں بلکہ دو سوکنوں میں بچوں پر تکرار ہو جائے ایک دوسری کو تحقیر اور حقارت کے کلمے کہہ اٹھتی ہیں اسی طرح حضرت سارہ نے بھی یہ لفظ امہ یعنی لونڈی کا حضرت ہاجرہ کی نسبت کہا ۔ اس سے کسی طرح سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ وہ درحقیقت لونڈی تھیں مگر یہودیوں کو اور جو لوگ یہودیوں کی پیروی کرتے ہیں ۔ اُن کو ایک موقع حضرت ہاجرہ کو لونڈی کہنے کا مل گیا ۔

حضرت سارہ کی اس بات سے حضرت ابراھیم نہایت ناراض ہوئے مگر خدا نے اُن کی تسلی کی اور کہا کہ اس لونڈی اور بچہ کی طرف سے رنج مت کر تو ان کو نکال دے میں اُس لونڈی کے بچہ سے ایک قوم پیدا کروں گا ۔

اس مقام پر جو خدا نے لونڈی کہا وہ بعینہ نقل سارہ کے قول کی ہے یعنی سارہ نے جس کو حقارت سے لونڈی اور لونڈی کا بچہ کہا ہے اُسی سے میں ایک قوم پیدا کروں گا ۔ یہ ایسی بات ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی لائق آدمی کو کہے کہ یہ نالائق

کیا کام کرتا ہے پس اس دوسرے شخص کا بھی اس کو نالائق کہنا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا ۔ کہ درحقیقت وہ شخص نالائق ہے اور جب کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت ہاجر بیٹی رقیون بادشاہ مصر کی بلکہ ہم قوم و ہم وطن ابراہیم کی تھیں اور جو وجوہ رقیت کی اس زمانے میں تھیں ان سے بھی حضرت ہاجر بری تھیں ۔ تو ان الفاظ سے جو لڑائی و جھگڑے و غصہ میں بولے گئے ہیں اسی طرح ان کا واقعی لونڈی ہونا مراد نہیں ہو سکتا ۔

علاوہ اس کے لفظ امہ مجازاً محاورہ میں زوجہ پر بھی بولا جاتا ہے یہودیوں میں دستور تھا کہ دختر کا باپ بر وقت شادی کے بعوض دختر کے پسر کے باپ سے کچھ روپیہ لیتے تھے تب بیٹی دیتے تھے جیسے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی بعض قوموں میں دستور ہے اور اس دستور کو بیٹی کا بیچنا کہتے تھے مگر وہ لونڈی نہ ہوتی تھی بلکہ زوجۂ شرعی ہوتی تھی اور تمام حقوق زوجیت کے اس کو حاصل ہوتے تھے ایسی زوجہ پر بھی لونڈی کا مجازاً اطلاق ہوا ہے ۔ چناں چہ توریت مقدس کی دوسری کتاب باب ۲۱ ۔ آیت ساتویں میں لکھا ہے کہ "خدا نے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی لڑکی کو بیچے (امہ) ہونے کے لیے تو وہ لونڈیوں کی طرح نکل نہ جائے گی اگر وہ اپنے مالک کی نظر میں ناپسند ہو جس سے اس نے زفاف نہیں کیا تو فدیہ دے گا بوجہ ناپسند ہونے کے اجنبی قوم کے پاس بیچ نہیں سکتا اور اگر اپنے پسر کی خلوت میں دیا تو لڑکیوں کے دستور کے موافق برتاؤ ہوگا اور اگر اس کے اوپر دوسری کر لی تو حقوق زوجیت یعنی کھانا ، کپڑا ، خلوت کم نہ کرے گا اور اگر یہ تینوں امر اس کے ساتھ نہ کیے جاویں تو بلا تردد چھوٹ

جاوے گی ۔''

جو کہ ان آیتوں سے مسائل فقیہہ مستنبط ہوتے ہیں ۔ اس لیے علمائے یہود نے اس میں بہت غور کی ہے کل مباحثہ لکھنا طول ہے مگر جس قدر کہ اس مقام کے مناسب ہے مختصراً لکھا جاتا ہے ۔

ان آیتوں میں لفظ امہ سے لونڈی مراد نہیں ہو سکتی اول تو انھی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لونڈی سے بیوی یعنی زوجہ شرعی مراد ہے دوسرے یہ کہ یہ سب آیتیں بنی اسرائیل کی شان میں ہیں جیسا کہ سیاق دلالت کرتا ہے اور بموجب توریت مقدس کے لونڈیوں کی طرح بنی اسرائیل کی بیع و شرا جائز نہیں ہے چناں چہ اس کی تفصیل توریت مقدس کی تیسری کتاب باب ۲۵ ۔ آیت ۴۲ اور دوسری کتاب باب ۲۲ ۔ آیت ۳ میں مندرج ہے ۔ بنی اسرائیل چوری کے جرم میں یا دشمن کی قید میں سے چھڑانے کے لیے خریدے جا سکتے تھے اور صرف سات برس تک مالک کی بطور غلام کے خدمت کرتے تھے حضرت یوسف کے بھائی بھی چوری کے جرم میں بطور غلام رکھ لیے گئے تھے مگر وہ غلام نہ تھے ۔

اور اگر فرض کریں کہ اس وقت میں جو احکام ہیں وہ غیر بنی اسرائیل کے لیے ہیں تو بھی آیت کے معنی درست نہ ہوں گے کیوں کہ غیر بنی اسرائیل لونڈی و غلام پچاسویں برس از خود آزاد ہو جاتے تھے اور آیت میں حکم ہے کہ وہ آزاد نہ ہوگی اس مقام پر تفسیر رشی کی عبارت نقل کی جاتی ہے جس سے مطلب مذکور ثابت ہوتا ہے ۔

اس عبارت کی صورت عربی خط میں یہ ہے :۔

ام راعہ بیعنی ادونیہا شلا ناسشہ حیمن بعینا و

لخونساہ : آشرلا یعاداہ۔ شمہا یا لو لیعاداہ لھخنیساہ لولاشا و کسف قنیشاہ ھو کسف قدوشیھا و کان رامزلاخ ھکا ثوب شمصوہ بیعود و رامزلاخ شا ینا صریخہ قدوشیم احریم ۔

(ترجمہ عربی) و ان قبحۃ بعین بعلھا : لانہ لخلوتھا ما ھوی لذی لم یزفھا : و کان لہ ان یزفھا و یتخلی بھا للتزویج و ثمن شرایھا ھو ثمن نکاحھا و فی الایۃ کنایۃ با مر النکاح و بانہ لا یجوز مع الغیر عرسھا ۔

اُردو ترجمہ : (توریت) اگر بری ھے اپنے خاوند کی نظروں میں (تفسیر) کہ اُسے رغبت نہ ھوئی اُس کے ساتھ خلوت کی (توریت) جس نے زفاف نہ کیا (تفسیر) کہ اس کو مناسب تھا اُس سے زفاف اُس کے ساتھ خلوت کرنا جورو کرنے کے لیے اور قیمت اُس خرید کی قیمت ھے اُس کی شادی کی اور یہاں کنایہ ھے کہ آیت میں حکم شادی کا ھے اور کنایہ ھے کہ وہ دوسرے سے شادی کرنے کی مجاز نہیں ۔

اسی موقع پر اس بات کا بھی خیال کرنا چاھیے کہ جس طرح ایسی جورو پر جس کی بابت بعوض شادی روپیہ دیا گیا ھو مجازاً لونڈی کا اطلاق ھوا ۔ اسی طرح ایسی جورو پر بھی جو بطور ڈولہ کے آئی ھو مجازاً لونڈی کا اطلاق ھوا ھے ۔ جیسے کہ ابی غابل حضرت داؤد کی بیوی پر لونڈی اور خادمہ کا اطلاق ھوا ھے ۔ جس کا ذکر عنقریب آتا ھے اور جو کہ یہ امر حضرت ھاجر کے حال سے بھی نہایت مناسب تھا ۔ اس سے مجازاً اُن کی نسبت بھی امہ یعنی لونڈی بولا گیا ۔ مگر جب کہ رقیت کسی طرح ثابت نہیں ھے ۔ تو اُس لفظ سے حقیقی

لونڈی مراد نہیں ہو سکتی -

اگر یہ کہا جاوے کہ ان مقاموں میں بھی امہ سے جورو مراد ہے - مگر سریہ کا کہنا بھی صحیح نہ ہوگا - اس لیے کہ جب بنی اسرائیل کی لڑکیاں لونڈیاں ہو ہی نہیں سکتی تھیں - تو سریہ کیوں کر ہو سکتی ہیں -

اور اگر یہ شبہ کیا جاوے کہ جن مقاموں کا بیان ہوا وہاں قرینہ ہے جس لیے امہ سے لونڈی مراد نہیں ہو سکتی مگر جہاں حضرت ہاجرہ کی نسبت امہ کا اطلاق ہوا ہے وہاں کیا قرینہ ہے جس سے حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لیے جاویں اس شبہ کے رفع کرنے کو ناظرین کو ذرا توجہ کی تکلیف دی جاتی ہے -

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بلکہ اُس کے بعد بھی یہ دستور تھا کہ لونڈی میراث نہیں پاتی تھی چناں چہ اسی وجہ سے لیا اور راحیل یعقوب علیہ السلام کی بیویوں نے اُن سے کہا کہ " کیا اب ہمارے لیے اپنے باپ کے گھر میں کچھ حق میراث ہے کیا ہم اجنبیہ نہیں شمار کی گئیں کیوں کہ بیچ ڈالا ہم کو اور قیمت بھی کھا گیا " پیدائش باب ۳۱ - آیت ۱۴ و ۱۵ -

اور لونڈی کی اولاد جو دوسری سے ہو وہ بھی لونڈی اور غلام ہوتی تھی اُن کے لیے میراث نہ تھی چناں چہ یہ حکم موسیٰ کو بھی دیا گیا اور لونڈی کی اولاد جو مالک سے ہو وہ بیوی کی اولاد کے ساتھ میراث نہیں پاتی تھی جو کچھ ان کو باپ اپنی زندگی میں دیوے وہی ان کو ملتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام نے قطورہ کی اولاد کو اپنی زندگی میں کچھ دے کر الگ کر دیا تھا جیسا کہ کتاب

پیدائش باب ۲۵ میں مندرج ہے - جب کہ یہ قاعدہ شرعی معلوم ہوگیا تو اب اصل مطلب کی طرف رجوع کرنا چاہیے کہ جب سارہ نے حضرت ابراہم سے کہا کہ اس لونڈی اور اُس کے لڑکے کو نکال تو اس کی وجہ یہ بیان کی کہ میراث نہ پاوے لونڈی بچہ میرے بیٹے اسحاق کے ساتھ - اس سے صاف ظاہر ہے کہ سارہ کو اندیشہ یہی تھا کہ اسمعیل اسحاق کے ساتھ میراث پاویں گے - پس اگر ہاجرہ لونڈی ہوتیں یا اسمعیل لونڈی بچہ ہوتے تو میراث پانے کا خیال کیوں کر ہوتا - بلکہ اُس وقت کی شریعت میں یہ حکم تھا - کہ زوجۂ مطلقہ میراث نہیں پاتی تھی اور جس لڑکے کو باپ عاق یعنی ساقط المیراث کر دیتا تھا وہ بھی میراث سے محروم ہو جاتا تھا اس لیے حضرت سارہ نے حضرت ابراہم سے درخواست کی تھی کہ ہاجر کو اور اس کے لڑکے کو نکال دے یعنی ایک کو طلاق دے اور ایک کو عاق کرے تاکہ دونوں مستحق میراث نہ رہیں - یہ قرینہ ہے کہ ان آیتوں میں امہ کا لفظ جو خلاف محل واقع ہوا ہے اُس سے اُس کے مجازی معنی مراد ہیں اور حقیقی مراد نہیں ہو سکتے علاوہ اس سے اور بھی قرینے قویہ ہیں جن کا ذکر آگے آتا ہے -۔

ان مقامات کے سوا کسی مقام میں حضرت ہاجر کی نسبت لونڈی کا لفظ توریت میں نہیں آیا ہے بلکہ شفحہ کا لفظ آیا ہے اور شفحہ کے معنی لونڈی کے نہیں ہیں انقلوس یہودی نے جس نے توریت کا ترجمہ کالدی زبان میں کیا ہے شفحہ کا ترجمہ امتا جو بمعنی امة ھی لکھا ہے اور اس سبب سے اکثر مترجموں نے توریت کے ترجموں میں جو اور زبانوں مین کیے اُس لفظ کا لونڈی ترجمہ کیا حالاں کہ لونڈی کو عبری زبان مین (امہ)

کہتے ہیں جو عربی لفظ امۃ کا مرادف ہے اور شفحہ کے معنی خادمہ کے ہیں ہم تفرقہ بتانے کے لیے سمویل باب ۲۵ کی ۴۱ آیت نقل کرتے ہیں اس سے امہ اور شفحہ کا فرق ظاہر ہو جاوے گا۔

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

و تومر هنا اما ثخا لشفحه لرحوص رغلی عبدی ادونی۔

ترجمہ عربی : وقالت نعم انہ امۃ لہ خادمۃ تغسل رجعل حبید سیدی۔

ترجمہ اُردو : اور کہا ہاں اُس کی لونڈی خادمہ ہے اپنے سردار کے خادموں کا پانوں دھونے کے لیے۔

یہ قول ابی غایل حضرت داؤد کی بی‌بی کا ہے جب کہ حضرت داؤد نے اُس کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تھا اور وہ بطور ڈولہ کے حضرت داؤد کے ہاں آئی تھیں۔

شفحہ کے اصلی معنی جیسا کہ اہل لغت لکھتے ہیں قبیلہ کی عورت کے ہیں۔ مادہ اس لفظ کا اور (مشباحہ) کا جس کے معنی قبیلہ کے ہیں ایک ہے لیکن عرف میں اس کے معنی خادمہ کے ہیں پھر اس لفظ سے لونڈی سمجھنا یا غلطی ہے یا تعصب ہے۔

تیسرا مقام جہاں سے اُن کے لونڈی ہونے پر استدلال کرتے ہیں پیدائش باب ۲۵ پہلی آیت ۶ آیت تک جس کا ترجمہ یہ ہے اور ابراهیم نے پھر عورت کی جس کا نام قطورہ تھا اور اُس سے زمران ، یقشان ، مدان ، مدیان ، یشباق ، شودہ پیدا ہوئے : اور یقشان کے شبا اور دوان پیدا ہوئے۔ دوان کی اولاد اشوریم لطوشیم لامیم۔ مدیان کی اولاد عیفا عیفر حنوخ

ابی دع اور الداعا یہ سب قطورہ کی اولاد ہیں : اور دیا ابراہیم نے جو کچھ آن کے تھا اسحاق کو اور سریہ کی اولاد کو ابراہیم نے اپنی حیات میں کچھ دے کر اسحاق کے پاس سے نکال دیا پورب طرف شرق عرب میں ۔ یہاں چھٹی آیت میں واقع ہے لبنی ہپیلغشم جس سے استدلال کرتے ہیں پیلغش جسے کلدی میں پیلقتا یا پلقتا کہتے ہیں یا لحینسا بولتے ہیں اس کے معنی بے شبہ سریہ ہیں اس کی جمع موافق قاعدہ کے پیلغشیم آتی ہے ربی سلیمان ابن اسحاق نے لکھا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ جس کے لیے کتبہ صداق یعنی کابین نامہ ہو اسے ناشیم کہتے ہیں جس کے لیے کابین نامہ نہ ہو آسے پیلغشم کہتے ہیں ۔ بہر نوع یہ امر ثابت ہے کہ پیلغش سریہ ہے استدلال یہ ہے کہ آیت میں پیلغشم بلفظ جمع ہے اور اس سے مراد قطورہ اور ہاجر ہیں کیوں کہ سارہ کے سوا یہی دو بیویاں ابراہیم کی ثابت ہیں اس لیے یہ سریہ ہوں گی فقط یہ شبہ پیلغشم کے لفظ سے پیدا ہوا حال یہ ہے کہ عبری میں جمع ے اور میم سے آتی ہے ۔ لہٰذا جمع پیلغشیم ہونا چاہیے لیکن توریت میں اس مقام میں پیلغشم بدون ے کے وارد ہے پیلغشیم نہیں ہے اس لفظ پر مفسرین نے بحث کی ہے بعض نے اس کو جمع مانا ہے اور یے کے نہ ہونے کی یہ توجیہ کی ہے کہ ابراہیم کے ایک ہی سریہ تھی اس واسطے یے کو گرا دیا ۔ رشی مقصور لکھا گیا ۔ کیوں کہ ایک ہی سریہ تھی ۔ ساتھ ہی اس کے اس مفسر نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ وہ سریہ ہاجر تھیں اور وہی قطورہ ہیں ۔ یعنی ہاجر اور قطورہ ایک ہی کا نام ہے یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی جس کا بیان آئندہ ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ اور اسی طرح اکثر مفسرین

نے یہ تسلیم کیا ہے کہ سریہ ابراہیم کی ایک ہی تھی لہٰذا پیلغشم سے جمع مقصود نہیں اور نہ بصورت جمع ہے تو اسی وجہ سے اونقلوس نے جو قدیم مترجم ہے اس لفظ کے ترجمہ میں لحیناثا لفظ واحد اختیار کیا ہے ایسی حالت میں اس سے استدلال کیوں کر ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ مدار حجت جمعیت تھی اور وہ غیر مسلم ہے باقی رہی یہ بات کہ وہ سریہ جس کے شان میں یہ آیت وارد ہے ہاجر ہیں۔ اس بیان سے کہ ہاجر ہی کا نام قطورہ ہے دعوے بلا دلیل ہے سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ اس باب میں قطورہ اور اُن کی اولاد کا ذکر ہے اور اُنھیں کو آیت سریہ بتاتی ہے علاوہ اس کے سفر التواریخ اول کے پہلے باب کی ۳۲ آیت میں جہاں سب کے نسب نامے لکھے ہیں جو اہل کتاب میں معتبر ہے لکھا ہے "اور بنی قطورہ سریہ ابراہیم فلاں اور فلاں یہ وہی اشخاص جنھیں پیدائش کے باب ۲۵ میں قطورہ کی اولاد گنایا ہے اور فلسطین کے پورب کی طرف سکونت کی اجازت دی ہے یہاں سے قطورہ کا سریہ ہونا بخوبی ثابت ہے اور اسی مقام پر ۳۳ آیت کے اخیر میں لکھا ہے کہ یہ سب قطورہ کی اولاد ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ قطورہ ہاجر نہ تھیں ورنہ اسمعیل کو بھی اُن میں شمار کرتا بلکہ اس باب کی ۲۶ آیت میں گنایا ہے ابراہیم کے بیٹے اسحاق اور اسمعیل اُس وقت یہ دستور تھا یعنی اکثر یہ محاورہ تھا کہ بیان نسب میں سریہ کی اولاد کو ما کی طرف نسبت کرتے تھے اور بیوی کی اولاد کو باپ کی طرف۔ اسی لیے نسب نامہ اسمعیل کو ابراہیم کی طرف منسوب کیا اور قطورہ کی اولاد کی نسبت ابراہیم کی طرف نہیں بلکہ قطورہ کی طرف کی۔ علاوہ اس کے ہاجر کی اولاد پاران میں بسی اور قطورہ کی اولاد فلسطین کے پورب جیسا

توریت میں بیان ہوا ہے باوجود ان سب تباین اور تغایر کے دونوں کو ایک کہنا بناوٹ ہے ۔ علاوہ اس کے ابراہیم ہاجر کو طلاق دی تھی اور آئمہ کو زن مطلقہ سے نکاح جائز نہیں چناں چہ موسٰی کی شریعت میں یہ حکم منصوص ہے تو اگر یہی شریعت ابراہیم کے وقت میں بھی تھی جیسا کہ یہود دعوی کرتے ہیں ۔ تو یہ کہنا کہ قطورہ ہاجر ایک ہیں بالکل خلاف ہے اور اگر ابراہیم کے وقت میں یہ شریعت نہ بھی رہی تو خلاف دستور انبیاء کے ہے کسی نبی کا سوائے پیغمبر آخر الزمان کے زن مطلقہ سے نکاح کرنا ثابت نہیں ۔

اب ہم رجوع کرتے ہیں پیلغشم کے لفظ اور اُس آیت کے معنی کی طرف اگر تسلیم کیا جاوے کہ یہ لفظ جمع ہے جیسا اب جو نسخے موجودہ مطبوعہ لندن وامسٹر دام وغیرہ دیکھے گئے ان میں پیلغشیم ہے اور میم کے ساتھ لکھا ہوا خلاف بیان مفسرین کے پایا جاتا ہے ۔ تو بھی مدعا مستدل کا ثابت نہ ہوگا کیوں کہ جائز ہے کہ یہ جمع پیلغشی اسم منسوب کی ہو جیسا اسم منسوب کی جمع اس وزن پر متعارف ہے پیلغشی کے معنی سریہ زا ہیں جسے اس ملک میں پرستارزادہ کہتے ہیں معنی آیت کے یہ ہیں کہ ابراہیم نے سریہ زا لڑکوں کو کچھ دے کر وہاں سے رخصت کر دیا اور اُن کو فلسطین کے پورب میں بسنے کی اجازت دی ۔ لیکن اُن میں اسمعیل نہ تھے ۔ بلکہ اُسی باب کی نویں آیت میں لکھا ہے کہ دفن کیا ابراہیم کو اسمعیل اور اسحاق اُن کے لڑکوں نے ۔ توریت اور اُس کی تفسیر دیکھنے والوں پر بخوبی واضح ہو جاوے گا کہ ہاجر کا لونڈی ہونا کتب مقدسہ سے ثابت نہیں ۔

---

(۲)

# اقوامِ عرب کی رسوم و عادات اسلام سے قبل

افحکم الجاھلیه یبغون و من احسن من الله حکما لقوم یوقنون

عادات و خصائل اور رسوم اور توہمات

ایام جاھلیت کے عرب بلکه بالعموم سب عرب بغیر کسی استثنا کے (کیوں که زمانۂ حال کے بدو عرب بھی اپنے مورثوں سے بہت کم اختلاف رکھتے ھیں) ایک نہایت سادہ مزاج قوم تھی۔ اُن کی معاشرت کا سادہ اور بے تکلف طریقه قوانینِ قدرت کے قریب قریب تھا یا اُس سے بالکل مطابقت رکھتا تھا - وجودِ انسانی کا سلسله ابتدائی اور ادنیٰ درجه کی حالت سے رفته رفته ترقی حاصل کرتا گیا اور آخرکار گله بانی کے رتبه پر پہنچ گیا جو بمقابله اُس کی پہلی حالت کے نہایت عمدہ اور افضل تھا - اس حالت کے تبدیل ھونے سے انسانوں کو آپس میں امن اور صلح سے رھنے اور اپنی معدود اور سادہ احتیاجوں کے رفع کرنے کو بہت سا سرمایه مل گیا - بھیڑوں کی اُون سے ایک قسم کا موٹا ٹاٹ بنانا سیکھ لیا جس کو بذریعه میخوں کے زمین پر خیمه کی طرح کھڑا کرکے اُس کے اندر رہا کرتے تھے اور جب اُن کو

اپنے گلہ کو کسی دوسری عمدہ چراگاہ پر لے جانے کی ضرورت ہوتی تھی تو اپنے ڈیروں کو اس جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ لے جا کھڑا کرتے تھے اور وہیں رہنے لگتے تھے ۔ اُن کی پوشاک صرف ایک لمبی بن سی ہوئی چادر ہوتی تھی جس کو بطور تہمت کے اپنے کمر سے لپیٹ لیتے تھے ۔ اُن کا کھانا نیم برشت گوشت اور اونٹ کا دودھ اور کھجوریں ہوتا تھا۔ اُن کی تمام ملکیت اور جائداد مویشی گھوڑے اور وہ عرب کا بیش بہا جانور یعنی اُونٹ اور لونڈی اور غلام ہوتی تھی اور تمام ملکیت میں لونڈی اور غلام سب سے گراں بہا خیال کیے جاتے تھے ۔

بدو عرب کی معاشرت، جس کو خانہ بدوش اقوامِ عرب کا نمونہ خیال کرنا چاہیے، ایک چرواہے کے طریقۂ معاشرت سے کچھ زیادہ نہ تھی ۔ خیمہ میں رہا کرتا تھا، پانی اور چراگاہ کی جستجو میں پھرا کرتا تھا ۔ مگر بعض جو زیادہ تمدن پسند تھے باہم مجتمع ہو کر اپنے خیموں کی باقاعدہ ترتیب اور انتظام سے دیہات بنا لیتے تھے اور اگر اُن کی تعداد اور بھی بڑھ جاتی تھی تو قصبے اور شہر پیدا ہو جاتے تھے اور وہاں کے باشندے کسی قدر مہذب زندگانی کے فوائد سے جلد متمتع ہوتے تھے ۔ ان کا وقت کاشت کاری میں کھجوروں اور درختوں کے بونے میں جن کے پھلوں سے اوقات بسری ہو اور مختلف انواع کی دستکاری اور ہر قسم کی تجارت اور سوداگری میں صرف ہوتا تھا ۔ وہ ان اشیاء کی سوداگری کیا کرتے تھے :گرم مصالح ، بلسان ، مر ، لوبان ، دار چینی ، سنا ، لیڈنن ، سونا ، جواہرات ، موتی ، ہاتھی دانت ، آبنوس اور لونڈی اور غلام ۔

بہت پرانے زمانہ سے یہ لوگ مصر اور شام اور اُور

قرب و جوار کے ملکوں سے بذریعہ کارواں کے تجارت کرتے تھے - توریت سے بھی پایا جاتا ہے کہ یہ لوگ حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کے وقت میں بھی یہی پیشہ رکھتے تھے - مگر ان دونوں قوموں یعنی خانہ بدوش اور تجارت پیشہ کا قومی چال چلن ایک ہی سا تھا-کھانے پینے میں کم خرچ اور کفایت شعار ہونا اور اُس پر راضی اور قانع رہنا ایک عمدہ اور بیش بہا وصف خیال کیا جاتا ہے - باہلی ایک نامی شاعر اپنے بھائی کے ایک مرثیہ میں جس میں اُس نے اُس کی موت کا حال لکھا تھا اس طرح پر اپنے بھائی کی تعریف کرتا ہے :

تکفیہ فلذۃ لحم ان الم بہا
من الشواء و یکفی شر بہ الغمر

معتدل نیند کی بھی بہت تعریف کی جاتی تھی - ہذلی ایک نامی شاعر اس عادت کی یوں تعریف کرتا ہے :

قلیل غرار النوم اکبر ھمہ
دم الثار او یلقی کمیا مسفعا

علی الصباح اٹھنا بھی ایک عمدہ صفت شمار ہوتی تھی اور اُس آدمی کی قوت اور مستعدی پر دلالت سمجھی جاتی تھی - امراء القیس خود اپنی تعریف اس طرح پر کرتا ہے :

و قد اغتدی والطیر فی دکناتہا

نہایت فیاضی سے مہمان نوازی ان کا قومی خاصہ تھا اور اُس کو جملہ حسنات اور اوصاف میں اعلیٰ اور افضل سمجھتے تھے - مسافروں اور مہمانوں کی خاطرداری بے انتہا فیاضی سے کرنا اور مہربانی اور اخلاق اور تعظیم کے ساتھ پیش آنا ایک پاک فرض خیال کیا جاتا تھا اور اگر کوئی اُس

کو ترک کر دیتا تھا یا غفلت کرتا تو تمام لوگ اس کو دل سے برا جانتے تھے اور اس کی حقارت کرتے تھے هذلی شاعر خود اپنے پر اس شعر میں بد دعا کرتا ھے اگر وہ مہمان نوازی کے طریقہ میں کچھ قصور کرے۔

لا دردری ان اطعمت نازلکم
قشر الحتی و عندی البرسکنوز

همسایه کے حال پر مہربانی اور اس کی خبرگیری کرنا اور اس کے مکان اور خاندان اور مال کی نگرانی اور حفاظت کرنا نیک آدمیوں کے اوصاف میں سے تھا اور اگر کوئی اس باب میں ذرا بھی بے پروائی یا سستی کرتا تھا تو اس کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے اور اس کا کوئی معیوب لقب رکھ دیتے تھے۔ بکری شاعر علقمه کی اس طرح پر هجو کرتا ھے :

تبیتون فی المشتا ملاء بطونکم
وجارا تکم غرثی ببتن خماسا

اور ایک اور شاعر زبیدی اس صفت میں ایک شخص کی اس طرح تعریف کرتا ھے :

و جارهم احمی اذاضیم غیرهم

قیدیوں کو چھوڑانا اور محتاجوں اور بیکسوں کی مدد کرنا تمام نیکیوں میں افضل اور جمیع اوصاف میں سب سے زیادہ قابل ستایش خیال کیا جاتا تھا۔ ایک شاعر اپنی تعریف اس طرح پر کرتا ھے :

و فککنا غل امرء القیس منه
بعد ماطال حبسه والعناء

ایک اور شاعر طرفه اس صفت کا بیان اس طرح پر کرتا ھے :

و لکن متی یستر فد القوم ارفد

هذلی شاعر ایک صفت کو اس طرح بیان کرتا ھے :

و احمی المصاب اذا ما دعی

ایک شریف عرب کو اپنی عزت کا لحاظ اور اپنے وعدہ کا خیال ایسا ھی ضروری سمجھا جاتا تھا جیسے کہ مذکورہ بالا اور اوصاف ضروری سمجھے جاتے تھے ۔ عمرو ایک مشہور شاعر اس طرح پر کہتا ھے :

و نوجد نحن امنعهم ذمارا
و اوفاهم اذا عقد و ایمینا

صاف اور ستھری پوشاک اور خوشبودار چیزیں اور پسندیدہ اشیاء میں سمجھی جاتی تھیں ۔ عدوانی کی بیٹی اپنے شوھر کی تعریف میں اس طرح پر کہتی ھے :

حدیث الشباب طیب الثوب و العطر

بالوں کو مشک سے معطر کرنا اور خوشبودار چمڑے کی جوتیاں پہننی امارت کی نشانیاں تھیں ۔ ایک شاعر اپنی ممدوحہ کی اس طرح پر مدح کرتا ھے :

اذا التاجر الداری جاء بفارة
من المسک اراحت فی مفارقة تجری

پرھیزگاری بھی اوصاف حسنہ میں شمار کی جاتی تھی ۔ حاتم طائی اس طرح پر لکھتا ھے :

و اغفر عوراء الکریم ادخاره
و اعرض عن شتم اللیئم تکرماً

فصاحت و بلاغت لطافت و ظرافت بھی فضیلت کے دائرہ کی تکمیل کے لیے ضروری تھیں عمرو شاعر اپنے بیٹے غرار کی تعریف میں کہتا ھے :

وان غرارا ان یکن غیر واضح
فانی احب الجون ذاالمنطق الدمم

نابغہ شاعر کند زبان ہونے سے اس طرح خدا سے پناہ مانگتا ہے :

اعذنی رب من حصر وعی

گھوڑے کی سواری کی اگر بچپن ہی سے مشق کی جاتی تھی تو نہایت تعریف اور توصیف ہوتی تھی اور اگر کوئی بڑا ہو کر گھوڑے کی سواری سیکھتا تھا تو ہجو اور طعنہ کا نشانہ بنتا تھا ایک شاعر نے ایک قوم کی ہجو اس طرح پر کی ہے :

لم یرکبوا الا بعد ما کبروا
فیہم ثقال علی اکسنا فہم میل

بھیڑیہ کا شکار کرنا بہادر ہونے کا عمدہ ترین ثبوت تھا ۔ شامخ شاعر اس طرح پر کہتا ہے :

و ما قد دفعت الذئب عنہ

ریگستان کے طول و عرض کا اندازہ اس کی ریت کی ایک مٹھی بھر کر سونگھنے سے دریافت کرتے تھے ۔ امراء القیس شاعر اس طرح پر بیان کرتا ہے ۔

اذا الناقۃ العوذ الدنیا فی غر غرا

زمانۂ جاہلیت کے عرب میں شعر و شاعری نہایت اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئی تھی ۔

جہاں یہ خوبیاں ان میں تھیں اس کے ساتھ نہایت بد اخلاقی اور فحش عرب جاہلیت میں پھیلا ہوا تھا ۔ قصائد کے شروع میں جو تشبیب کے اشعار ہوتے تھے ان میں دولت مند اور امیروں کی لڑکیوں اور عورتوں اور بہنوں کا نام لے لے کر بیان کرتے تھے اور ہر طرح کے عیبوں کو علانیہ ان کی طرف

منسوب کرتے تھے اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ ہر شاعر کے اختیار میں ایک جن رہتا ہے اور جس قدر بڑا شاعر ہوتا ہے اُسی قدر زبردست جن اُس کے زیر حکم رہتا ہے ۔ حسن نامی شاعر اپنی تعلی میں اس طرح کہتا ہے :

و ما نفرتْ جنی و مافل مبردی

بدکاری اور زناکاری سے نادم نہیں ہوتے تھے اور ہر طرح کی غیر مہذب نظم میں از راہ بے شرمی اُس کو مشتہر کرتے تھے اور اُس پر فخر کرتے تھے ۔

سب لوگ شراب اور نہایت قوی منشی کے پینے سے بدرجۂ غایت اُنس رکھتے تھے اور مدھوشی کی حالت میں تمام لوگوں سے نہایت خراب اور معیوب باتیں سرزد ہوتی تھیں ۔

قماربازی سب لوگوں کا بلا استثناء ایک ہر دل عزیز کھیل تھا اور اگر کوئی خاص مقام قماربازی کا مشہور ہوتا تھا تو لوگ دور دراز مسافت سے وہاں جوا کھیلنے کو جایا کرتے تھے ۔ سود خواری بھی عام طور سے نہایت درجہ مروج تھی ۔

لونڈیوں کو جو قینات کہلاتی تھیں گانا بجانا اور ناچنا سکھایا جاتا تھا اور وہ حرام کاری کرنے کی مجاز تھیں اور اس حرام کاری کی آمدنی اُن کے آقا اپنے تصرف میں لاتے تھے ۔

رھزنی اور غارتگری اور قتل روز مرہ کی باتیں تھیں ۔ انسانوں کا خون بلا خوف اور بغیر تاسف کے ہر روز ہوا کرتا تھا ۔ لڑائی میں جو عورتیں قید ہوتی تھیں اُن کو فتح مند لونڈیاں بنا لیتے تھے ۔ حارث شاعر اس طرح پر کہتا ہے :

ثم ملنا علٰی تمیم فاحرمنا

و فینا بنات مرا مناء

ٹوٹکوں میں اور شگون لینے میں اُن کو نہایت مضبوط اعتقاد تھا - جب کوئی مصیبت یا تباھی اُن پر نازل ھوتی تھی تو پتھر کی چھوٹی کنکریوں پر کچھ پڑھ کر پھونکتے تھے - اور ان کو پھینکتے تھے اور ایسا کرنے سے اُس مصیبت کے دور ھونے کی توقع رکھتے تھے - جانوروں کے اُڑنے اور بولنے سے بھی نیک اور بد شگون لیا کرتے تھے - مثلاً اگر کوئی جانور کسی شخص کی بائیں طرف سے دائیں طرف رستہ کاٹ گیا تو اُس کو نیک شگون سمجھتے تھے اور "سانح" کہتے تھے لیکن اگر دائیں جانب سے بائیں طرف رستہ کاٹ گیا تو اُس کو بد شگونی سمجھتے تھے اور "جارح" کہتے تھے - اس قسم کی تفاؤل کا عام نام "طیرہ" تھا -

لبید ابن ربیعة نے اسلام قبول کرنے سے پہلے اس موقع پر جب کہ اُس کا بھائی بجلی کے صدمہ سے مارا گیا یہ شعر کہا تھا :

لعمرک ما تدری الضوا رب بالحصی
ولا اجرات الطیر ما اللہ صانع

جاھلیت کے عرب کسی کام کے ھو جانے پر بھیڑ کی قربانی کرنے کی منت مانتے تھے اور جب وہ کام ھو جاتا تھا تو بھیڑ کے بدلے ھرن کو مار دیتے تھے اور اُس ھرن کو عتیرہ کہتے تھے مگر بھیڑ کے بدلے ھرن کو مار دینا ایک معیوب کام خیال کیا جاتا تھا کعب شاعر اپنے خاندان کی تعریف میں کہتا ھے :

و ما عتر الظباء بحی کعب

اگر کوئی کسی کو مار ڈالتا تھا تو خون کے عوض خون ھی معزز بدلا گنا جاتا تھا - جو لوگ خون کے بدلے دیت لے

لیتے تھے اُن کو اُن کے ہم جنس اور ہم وطن حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے - عمرو ابن معدی کرب کی بہن اپنے بھائی کے خون کا کسی شرط پر تصفیہ کرنے سے منع کرتی ہے :

ولا تاخذوا منھم اقالا و ابکرا

اُن کا اعتقاد تھا کہ اگر کسی آدمی کے خون کا عوض خون نہ لیا جاوے تو ایک چھوٹا پردار کیڑا مقتول کے سر میں سے نکل کر آسمان میں چیختا پھرتا ہے اس عجیب کیڑے کو ”ھامہ“ اور ”صدی“ کہتے تھے - لبید شاعر ایک نوحہ میں اس طرح کہتا ہے :

فلیس الناس بعدک فی نفیر
و ما ھم غیرا صداء و ھام

ہر شخص کے مرنے کے بعد یہ دستور تھا کہ اُس کے اونٹ کو اُس کی قبر سے باندھ دیتے تھے - یہاں تک کہ بھوک اور پیاس کے مارے وہ مر جاتا تھا اور اُس اونٹ کو ”بلیہ“ کہتے تھے - لبید شاعر اپنے ممدوح کی سخاوت کی اس طرح تعریف کرتا ہے :

تاوی الاطناب کل ذریۃ
مثل البلیۃ قالص اھدا مھا

جب کوئی مر جاتا تھا تو برس روز تک اس کا سوگ رکھتے تھے اور اُس کو رویا کرتے تھے - لبید شاعر اپنے وارثوں کو یوں وصیت کرتا ہے :

الی الحول ثم اسم السلام علیکما
و من یبک حولاً کاملاً فقد اعتذر

لڑائی میں عورتیں مردوں کے ہمراہ ہوتی تھیں اور ہر طرح اُن کی مدد کرتی تھیں جب کہ اُن کے شوہر لڑائی میں

مصروف ہوتے تھے تو وہ پکار پکار کر کہتی تھیں "آگے بڑھو آگے بڑھو اے ہمارے جری اور بہادر خاوند اگر تم کوتاہی کرو گے اور ہم کو دشمن سے نہ بچاؤ گے تو ہم تمہاری بیویاں نہ ہوں گی۔"

قحط اور گرانی کے زمانہ میں اپنے اونٹوں کو مجروح کر کے اُن کا خون پیا کرتے تھے۔ خشک سالی میں مینہ برسنے کا ٹوٹکا اس طرح پر کرتے تھے کہ پہاڑوں میں ایک گائے کو لے جاتے تھے اور اُس کی دم میں سوکھی ہوئی گھاس اور کانٹے اور جھاڑیاں باندھ کر اُس میں آگ لگا دیتے تھے اور گائے کو پہاڑوں میں چھوڑ دیتے تھے۔

گھوڑ دوڑ اور اُس پر بازی لگانا جس کو وہ "رہان" کہتے تھے اُن میں مروج تھی۔ دو قوموں اور فریقوں کے باہم جنگ و جدل ایک تھوڑی سی غلط فہمی کی وجہ سے قائم ہو جاتی تھی۔ بعض اوقات یہ لڑائیاں ایک مدت مدید تک جاری رہتی تھیں جیسے کہ عیص اور ذبیان کے باہم پورے سو برس تک لڑائی جاری رہی۔

باوجودے کہ کوئی شخص اپنے غلاموں کو آزاد کر دیتا تھا تو بھی اُس کی ملکیت کا استحقاق اُس کو باقی رہتا تھا اور اُس استحقاق کو فروخت کر دینے کا بھی مجاز تھا اور مشتری اُن غلاموں پر اپنی ملکیت قائم کرتا تھا اور اس طرح سے یہ بد بخت ہمیشہ کی آزادی سے بالکل محروم تھے۔

عورتیں کسی جانور کا دودھ نہیں دوھتی تھیں اور اگر کسی خاندان کی عورتوں کو دودھ دوھتے دیکھ پاتے تھے۔ تو اُس خاندان کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے اور وہ خاندان لوگوں کی آنکھوں میں دفعتاً حقیر ہو جاتا تھا۔

مجرم کو فوج داری کی سزا مین جلتی هوئی ریت پر بٹها دیتے تهے - مرده جانوروں کا گوشت کهاتے تهے اور اس کو بہت لذیذ غذا سمجهتے تهے جو اونٹنی یا بهیڑ یا بکری دس دفعه بچه جن لیتی تهی - اس کو چهوڑ دیتے تهے اور وه چهوٹی پهرا کرتی تهی اور جب وه مر جاتی تهی تو اس کا گوشت مرد کهاتے تهے اور عورتوں کو اس کا گوشت کهانے کی ممانعت تهی - اگر اونٹنی یا بهیڑ یا بکری پانچویں دفعه ماده بچه جنتی تهیں تو اس کے کان کاٹ کر اس کو چهوڑ دیتے تهے اور اس کو "بحیره" کہتے تهے اور اس کا گوشت کهانا اور دوده پینا منع تها -

کسی کام کے هو جانے پر اونٹوں کو بطور سانڈ کے چهوڑ دینے کی منت مانتے تهے اور جب وه کام هو جاتا تها تو اونٹ کو بطور سانڈ کے چهوڑ دیتے تهے اور وه جہاں چاهتا تها پهرا کرتا تها -

اگر کوئی اونٹنی دس بچے دے چکتی تهی اور بکری سات بچے تو عورتوں کو اس کا گوشت کهانے کی ممانعت تهی اور صرف مرد هی اس کا گوشت کها سکتے تهے -

اگر کسی بکری کے ماده بچه هوتا تها تو مالک اس کو اپنے لیے رهنے دیتا تها اور اگر نر پیدا هوتا تها - تو بتوں پر بطور نذر کے چڑهایا جاتا تها اور اگر دو بچے ایک نر اور ایک ماده پیدا هوتے تهے تو مالک دونوں کو اپنے لیے رکهتا تها اور وه "وصیله" کہلاتی تهی -

جو اونٹ که دس بچوں کا باپ هو چکتا تها وه چهوڑ دیا جاتا تها اور جہاں وه چاهتا تها پهرا کرتا تها اور بنام "حامی" موسوم هوتا تها -

قسم لینے کا نہایت سنجیدہ قاعدہ یہ تھا کہ آگ جلا کر اُس میں نمک اور گندھک پیس کر ڈالتے تھے یہ آگ "ھولہ" کہلاتی تھی اور اُس کا جلانے والا "مہول" کہلاتا تھا ۔ عوص شاعر اس طرح پر کہتا ہے :

اذا استقبلته الشمس صد بوجهه
کما صد عن نار المهول حالف

قسم کے مستحکم کرنے کا ایک یہ بھی طریقہ تھا کہ میزاب خانہ کعبہ کے نیچے چابک کمان اور جوتی رکھ دیتے تھے اور اس طرح کرنے سے قسم پختہ ہو جاتی تھی ۔

اقرار اور وعدہ کے مستحکم کرنے کو اپنے بزرگوں کی اور بتوں کی قسم کھایا کرتے تھے ۔

بالغ مرد اپنے والدین کی وراثت پانے کے مستحق ہوتے تھے ۔ نابالغ لڑکے اور عورتیں حصہ نہیں پاتے تھے ۔

قرضہ پر سود لیتے تھے ۔ ایک قاعدہ یہ تھا کہ اگر قرضہ وقت معینہ پر ادا نہ ہوتا تھا تو اُس کی تعداد کو دو چند کر دیتے تھے اور میعاد ادا کو بڑھا دیتے تھے ۔

عرب جاھلیت انتقام لینا واجب سمجھتے تھے لیکن مختلف قوموں میں باہم حقوق کی برابری کو نہیں مانتے تھے ۔

اگر کسی شخص کے قاتل کا سراغ نہ لگتا تھا ۔ تو جس قوم کے شخص پر قتل کا شبہ ہوتا تھا پچاس معزز شخص فرداً فرداً اپنی بے گناہی کی قسم کھاتے تھے ۔

ہر شخص کو وہ اجنبی ہی ہو دوسرے شخص کے گھر میں درانہ چلے آنے کا مجاز تھا اور اندر آنے سے پہلے اندر آنے کی اجازت طلب نہیں کرتے تھے ۔

کسی رشتہ دار کے گھر کھانا کھانا معیوب سمجھا جاتا تھا ۔

دس آدمی بشراکت ایک جانور کو خریدتے تھے اور ہر ایک شخص کے حصہ کو متعین کرنے کے واسطے دس پانسے (جس میں ایک سادہ ہوتا تھا اور باقی نو پر حصوں کے اندازہ کا نشان بنا ہوتا تھا) پھینکے جاتے تھے اور جو پانسا جس کے نام پڑتا تھا وہی اُس کا حصہ ہوتا تھا -

خانہ کعبہ میں سات تیر رکھے ہوئے تھے اور ہر تیر پر ایک علامت بنی ہوئی تھی بعضوں پر کام کرنے کے حکم دینے کی اور بعضوں پر اُس کام کرنے سے منع کرنے کی علامت تھی ہر شخص پیش تر اس سے کہ کوئی کام شروع کرے اُن تیروں سے استخارہ کرتا تھا اور اُسی کے بموجب کام کرتا تھا ان تیروں کو "ازلام" کہتے تھے -

عرب کے مشہور بتوں کے نام

تمام عرب جاہلیت کا شیوہ بت پرستی تھا اور جن بتوں کی وہ پرستش کیا کرتے تھے- اُن کی تفصیل یہ ہے :

(۱) ہبل - ایک بہت بڑا بت تھا جو خانہ کعبہ کے اوپر رکھا ہوا تھا -

(۲) ود - قبیلہ بنی کلب کا یہ بت تھا اور وہ قبیلہ اُس کی پرستش کرتا تھا -

(۳) سواع - قبیلہ بنی مذحج کا یہ بت تھا اور وہ اُس کی پرستش کرتے تھے -

(۴) یغوث - قبیلہ بنی مراد کا یہ بت تھا اور وہ اُس کی عبادت کرتے تھے -

(۵) یعوق - بنی ہمدان کے قبیلہ کا یہ بت تھا اور وہ اس کو معبود سمجھتے تھے اور عبادت کرتے تھے -

(۶) نسر - یمن کے قبیلے بنی حمیر کا یہ بت تھا اور یمن کے

لوگ اس کی پرستش کرتے تھے -

(۷) عزیٰ - قبیلہ بنی غطفان کا یہ بت تھا اور اس کی پرستش وہ قبیلہ کیا کرتا تھا -

(۸) لات (۹) منات - یہ بت کسی خاص قبیلہ سے علاقہ نہیں رکھتے تھے بلکہ عرب کی تمام قومیں ان کی پرستش کیا کرتی تھیں -

(۱۰) دوار - یہ بت نوجوان عورتوں کی پرستش کرنے کا تھا - وہ چند دفعہ اس کے گرد طواف کرتی تھیں اور پھر اسی کو پوجتی تھیں -

(۱۱) اساف - جو کوہ صفا پر تھا - اور

(۱۲) نائلہ - جو کوہ مروہ پر تھا - ان دونوں بتوں پر ہر قسم کی قربانی ہوتی تھی اور سفر کو جانے اور سفر سے واپس آنے کے وقت ان کو بوسہ دیا کرتے تھے -

(۱۳) عبعب - ایک بڑا پتھر تھا جس پر اونٹوں کی قربانی کرتے تھے اور ذبیحہ کے خون کا اس پر بہنا نہایت ناموری کی بات خیال کی جاتی تھی -

کعبہ کے اندر حضرت ابراہیم کی مورت بنی ہوئی تھی اور ان کے ہاتھ میں وہی استخارہ کے تیر تھے جو ''آزلام'' کہلاتے تھے اور ایک بھیڑ کا بچہ ان کے قریب کھڑا تھا اور حضرت ابراہیم کی بھی مورت خانہ کعبہ میں رکھی ہوئی تھی اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی تصویریں خانہ کعبہ کی دیواروں پر کھنچی ہوئی تھیں -

حضرت مریم کی بھی ایک مورت تھی اس طرح پر کہ حضرت عیسیٰ ان کی گود میں ہیں یا ان کی تصویر اس طرح خانہ کعبہ کی دیواروں پر کھنچی ہوئی تھی -

عرب کی دیسی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ "ود" اور "یعوث" اور "یعوق" اور "نسر" مشہور لوگوں کے جو ایام جاہلیت میں گذرے ہے نام ہیں اُن کی تصویریں پتھروں پر منقش کرکے بطور یادگار کے خانہ کعبہ کے اندر رکھ دی تھیں - ایک مدت مدید کے بعد اُن کو رتبۂ معبودیت دے کر پرستش کرنے لگے - امر میں کچھ شک نہیں کہ عرب کے نیم وحشی باشندے ان مورتوں پر خدا ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے اور نہ اُن لوگوں کو جن کی یہ مورتیں تھیں معبود سمجھتے تھے بلکہ اُن کو مقدس سمجھنے کی مندرجہ ذیل وجوہات تھیں -

**بتوں کے متعلق عربوں کا اعتقاد**

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا - عرب جاہلیت اُن مورتوں کو اُن شخصوں اور اُن کی ارواحوں کی یادگار سمجھتے تھے اوز اُن کی تعظیم اور تکریم اس سبب سے نہیں کرتے تھے کہ اُن مورتوں میں کوئی شان الوہیت موجود ہے - بلکہ محض اس وجہ سے اُن کی عزت اور تعظیم کرتے تھے کہ وہ اُن مشہور اور نامور اشخاص کی یادگار ہے جن میں بموجب ان کے اعتقاد کے جملہ صفات الوہیت یا کسی قسم کی شان الوہیت موجود ہے - اُن کے نزدیک اُن مورتوں کی پرستش سے اُن لوگوں کی ارواحیں خوش ہوتی تھیں جن کی وہ یادگاریں تھیں -

ان کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ خدا تعالیٰ کی جملہ قدرتیں بیماروں کو شفا بخشنا - بیٹا بیٹی عطا کرنا قحط و وبا اور دیگر آفات ارضی و سماوی کا دور کرنا ان کے مشہور و معروف لوگوں کے اختیار میں بھی تھا جن کی طرف اُنھوں نے صفات الوہیت منسوب کی تھیں اور وہ خیال کرتے تھے کہ اگر مورتوں کی تعظیم اور پرستش کی جاوے گی تو اُن کی دعائیں اور منتیں

قبول ہوں گی ۔

اُن کا یہ بھی مستحکم عقیدہ تھا کہ یہ اشخاص خدا تعالیٰ کے محبوب تھے اور اپنی مورتوں کی پرستش سے خوش ہو کر پرستش کرنے والوں کو خدا تعالیٰ کے قرب حاصل کرانے کا ذریعہ ہوں گے اور ان کو تمام روحانی خوشی عطا کریں گے اور اُن کی مغفرت کی شفاعت کریں گے ۔

بتوں کی پرستش کا قاعدہ

اُن کا قاعدہ بتوں کی پرستش کا یہ تھا کہ بتوں کو سجدہ کرتے تھے اُن کے گرد طواف کرتے تھے اور نہایت ادب اور تعظیم سے بوسہ دیتے تھے ۔ اونٹوں کی قربانی اُن پر کرتے تھے مویشیوں کا پہلا بچہ بتوں پر بطور نذر کے چڑھایا جاتا تھا ۔ اپنے کھیتوں کی سالانہ پیداوار اور مویشی کے انتفاع میں سے ایک معین حصہ خدا کے واسطے اور دوسرا حصہ بتوں کے واسطے اُٹھا رکھتے تھے اور اگر بتوں کا حصہ کسی طرح ضائع ہو جاتا تو خدا کے حصہ میں سے اُس کو پورا کر دیتے اور اگر خدا کا کسی طرح ضائع ہوتا تو بتوں کے حصہ میں سے اُس کو پورا نہیں کرتے تھے ۔

حجر اسود اور خانہ کعبہ کی تعظیم تاریخ عرب کے ابتدائی زمانہ سے ہوتی چلی آئی ہے اُس کی بناء کو خود حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔ مگر برخلاف اُن مقدس چیزوں کے جن کا ذکر اوپر ہوا ۔ خانہ کعبہ کو کسی شخص کی یادگار نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ تمام عمارت ہی بہ لقب بیت اللہ ممیز اور ممتاز تھی اور اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کے واسطے مخصوص تھی درحقیقت اس کو ایسا سمجھتے تھے جیسے کہ یہودی بیت المقدس کو اور عیسائی گرجا کو اور مسلمان مسجد کو خدا کی عبادت کرنے کے لیے اُس زمانہ میں

سمجھتے ہیں - قرآن مجید میں خانہ کعبہ کو متعدد جگہ مسجد کے نام سے تعبیر کیا ہے -

حجر اسود اور خانہ کعبہ

حجر اسود کو بھی مثل ایک بت کے یا کسی مشہور و معروف شخص کی یادگار کے نہیں سمجھتے تھے - عام خیال یہ تھا کہ یہ ایک بہشت کا پتھر ہے مگر تحقیق نہیں ہے کہ شروع زمانہ سے یہ خیال تھا یا بعد کو پیدا ہوا - جو بات کہ محقق ہے وہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی بناء ہونے سے پہلے یہ حجر اسود ایک میدان میں اکیلا پڑا ہوا تھا - کوئی عرب کی روایت ایسی نہیں ملی جس سے یہ بات تحقیق ہو کہ یہ پتھر اس میدان میں کیوں پڑا ہوا تھا اور جس زمانہ میں کہ وہ وہاں پڑا ہوا تھا اس کے ساتھ کیا رسمیں متعلق تھیں - مگر یہودیوں کی تاریخ سے ہم کسی قدر صحت کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں کہ اگر حجر اسود کے ساتھ کے ساتھ کچھ رسمین ادا ہوتی ہوں گی - تو وہ انہیں کے مشابہ ہوں گی جن کا برتاؤ حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب اس قسم کے پتھروں کے ساتھ کیا کرتے تھے دیکھو کتاب پیدائش باب ۱۲ ورس ۷ و ۸ و باب ۱۳ ورس ۱۸ و باب ۲۶ ورس ۲۵ و باب ۲۸ ورس ۱۸ و کتاب خروج باب ۲۰ ورس ۲۵ -

خانہ کعبہ کی تعمیر اور حجر اسود کے خانہ کعبہ کے ایک کونہ مین نصب ہونے کے بعد بھی کسی رسم کا اس کے ساتھ بالتحقیق ہونا پایا نہیں جاتا جو رسم کہ اب تسلیم کی جاتی ہے اور جو حجر اسود کے ساتھ مخصوص خیال ہوتی ہے وہ بوسہ دینا ہے مگر یہ رسم بھی کچھ اس کے واسطے مخصوص نہ تھی خانہ کعبہ کے اور حصے بھی اسی طرح چومے جاتے تھے -

خانہ کعبہ کا حال یہ تھا ۔ کہ سب لوگ اُس کے اندر بیٹھا کرتے تھے اور خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور اُس کے گرد طواف بھی کرتے تھے ۔ لیکن عجیب ترین رسم یہ تھی کہ یہ عبارت و پرستش مطلق برھنگی کی حالت میں ھوتی تھی ۔ عرب جاھلیت اس بات کو برا سمھتے تھے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کپڑے پہن کر کریں جو ھر قسم کے گناھوں سے ملعوث ھوتے ھیں ۔

خانہ کعبہ کے دو ھمسر

خانہ کعبہ کی ھسمری کے واسطے دو معبد اور یکے بعد دیگرے بنائے گئے تھے ایک تو قبیلۂ غطفان نے اور دوسرا یمن میں ، قبائل خثام اور بجیلہ نے باشتراک بنایا تھا ۔ ان دونوں معبدوں میں بت رکھے ھوئے تھے جن کو اُن قبیلوں کے لوگ بطور معبود کے پوجتے تھے ان نقلی کعبوں میں سے اول کو تو زھیر بادشاہ حجاز نے چھٹی صدی عیسوی میں بالکل غارت کر دیا تھا اور دوسرے کو جریر نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یعنی آن کے پیدا ھونے کے بعد منہدم کر دیا تھا ۔

حج زمانہ جاھلیت میں

حج کی رسم کو عرب کے باشندے زمانہ دراز سے مانتے چلے آتے تھے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت ابراھیم اور حضرت اسمعیل کے زمانہ تک اُس کا پتہ چلتا ھے ۔

وقت ادائے حج کے احرام باندھنے کی رسم بھی اُن میں شائع تھی اور اگر کوئی شخص احرام باندھے ھوئے اپنے گھر میں آنا چاھتا تھا تو دروازہ کی راہ سے نہیں آتا تھا بلکہ پچھواڑے کی دیوار پھلانگ کر اندر آتا تھا ۔

صفا اور مروہ کے پہاڑوں کے درمیان دوڑنے کی رسم بھی

زمانۂ جاھلیت سے عرب میں رائج تھی جیسے کہ اب بھی مروج ہے -

جو لوگ حج کرنے کو آتے تھے اُس مقدس میدان میں جمع ہوتے تھے جو عرفات کے نام سے مشہور ہے - لیکن قوم قریش جملہ اقوام عرب میں ذی اختیار تھی اس لیے قریش مع اپنے دوستوں کے مقام مزدلفہ پر جو گرد نواح کی زمین کی نسبت زیادہ بلند اور مرتفع ہے ٹھہرتے تھے اور باقی گروہ عرفات میں مقیم ہوتے تھے جہاں کہ حج کی رسم ادا کی جاتی ہے -

حج کی رسم ختم ہونے کے بعد یہ مجمع ایک مقام کو جو منا کہلاتا ہے چلا جاتا تھا اور وہاں اپنے بزرگوں کے نام آور بہادرانہ کاموں کا فخر کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے اور اُن بہادری کے حالات کو اشعار میں پڑھنے سے اور بھی جلاء دیتے تھے -

سال کے چار مہینے متبرک سمجھے جاتے تھے اور حج کی رسم جیسا کہ بالفعل دستور ہے انھیں مہینوں میں سے ایک مہینہ یعنی ذالحجہ میں ادا کی جاتی تھی - مگر اُن مہینوں کی حرمت بعض اوقات مبدل اور ملتوی ہو جاتی تھی - کس واسطے کہ اگر کوئی لڑائی ان مہینوں میں سے کسی میں واقع ہوتی تھی - تو لوگ اُن کی قدرتی ترتیب کو بدل دینے سے گناہ سے بری الذمہ ہو جاتے تھے یعنی موجودہ مہینے کو غیر حرام فرض کر لیتے تھے اور ماہ آئندہ کو حرام کا مہینا سمجھ لیتے تھے -

عرب جاھلیت ایک میعاد معین تک لڑائی کے موقوف رکھنے کا عہد کر لیتے تھے اور اُس رسم کو حج کا ہم پایہ سمجھتے تھے -

صابی فرقہ | باشندگان عرب کی ایک تعداد کثیر بت پرست

تھی مگر وھاں ایک فرقہ موسوم بہ ''صابئی'' بھی تھا جو ثوابت اور سیاروں کی پرستش کرتا تھا - اُنھوں نے بے شمار ھیاکل یعنی ستاروں کی پرستش کے معبد تمام ملک میں تعمیر کیے تھے اور اُن کو اُن مقدس ستاروں کی پرستش کے واسطے مخصوص کیا تھا - اس وجہ سے عرب کے لوگ علی العموم یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اجرام فلکی انسان کی قسمت پر فرداً فرداً اور نیز بہ ھیئت مجموعی نیک یا بد اثر رکھتے ھیں اور باقی مخلوقات پر بھی مؤثر ھیں اور بالخصوص اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ مینہ کا برسنا یا امساک باراں کا ھونا انھیں اجرام فلکی کی نیک یا بد تاثیر پر بالکل منحصر ھے - اس کے علاوہ اور مذاھب بھی عرب میں شائع تھے لیکن ھم اس جگہ اُن کی بحث نہیں کرنے کے کیوں کہ یہ مضمون ھمارے اُس مقالہ سے جو اُس کے بعد آوے گا علاقہ رکھتا ھے -

**عورتوں کی حالت جاھلیت میں**

عورتیں حقیقت میں نہایت خراب اور ذلیل حالت میں تھیں - مردوں کو بالکل اختیار تھا کہ جتنی چاھیں اتنی عورتیں کریں - اگرچہ اس بات کے تعین کرنے کے لیے کوئی قانون منضبط نہ تھا کہ مرد کو کون سی قرابت مند عورتوں سے شادی کرنا جائز ھے اور کون سی سے ناجائز مگر با ایں ھمہ یہ رسم شائع تھی کہ اُس عورت سے جو قریب تر رشتہ رکھتی ھو ازدواج نہیں کرتے تھے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ایسی عورت کی اولاد عموماً ضعیف اور کمزور ھوتی ھے -

**ازدواج و طلاق کی رسوم عہد جاھلیت میں**

ازدواج کی رسم ادا کرتے تھے اور مہر بھی باندھتے تھے - طلاق بھی دیتے تھے ھر شخص اپنی زوجہ کو جس طرح ایک مرتبہ طلاق دینے کے

بعد پھر اپنی زوجیت میں لے سکتا تھا اسی طرح ہزار بار طلاق دینے کے بعد بھی پھر اپنی زوجیت میں لے لیتا تھا کیوں کہ تعداد طلاق کی کوئی حد مقرر نہیں تھی ۔

طلاق کے بعد ایک میعاد مقرر تھی جس کے اندر عورت کو کسی اور مرد کے ساتھ ازدواج کرنے کی ممانعت تھی اور اُس میعاد کے اندر اگر فریقین میں آشتی ہو جاتی تو پھر اپنی زوجیت میں لے لیتے تھے ۔ مرد اس رسم سے بہت ظالمانہ اور وحشیانہ طور سے مستفید ہوتے تھے اور اپنی جوروں کو کسی بہانہ سے طلاق دے دیتے تھے ۔ بیچاری عورت میعاد معینہ تک منتظر رہتی تھی اور اس میعاد میں کسی دوسرے سے ازدواج نہ کر سکتی تھی ۔ لیکن جب میعاد قریب الانقضا ہوتی تھی تو اُس کا شوہر پھر اپنی زوجیت میں لے لیتا تھا اور تھوڑے عرصہ بعد پھر اُس کو طلاق دے دیتا تھا اور میعاد معینہ کے اختتام کے قریب پھر اپنے ازدواج میں لے لیتا تھا اور اسی طرح بار بار کیا کرتا تھا ۔ عربوں میں ایک یہ بے رحم رسم رائج تھی کہ ہر شخص اس بات کو ایک قسم کی ذلت خیال کرتا تھا کہ وہ عورت جو ایک مرتبہ اُس کی زوجہ تھی دوسرے شخص کے ازدواج میں آوے ۔

ایک اور قسم کی طلاق بھی زمانہ جاہلیت کے عربوں میں جاری تھی جو ” ظہار “ کہلاتی تھی اور وہ اس طرح پر ہوتی تھی کہ مرد اپنی زوجہ کے ایک عضو کے چھونے سے باز رہتا تھا یہ کہہ کر کہ مجھ کو اپنی زوجہ جسم کے فلاں عضو کا چھونا ایسا حرام ہے جیسا کہ اپنی ماں یا کسی اور قریب رشتہ والی عورت کے جس کے ساتھ ازدواج ناجائز ہے عضو کا چھونا ۔ اس کہنے سے طلاق ہو جاتی تھی ۔

بد ترین رسمیں

عرب جاھلیت کی رسمون میں سب سے زیادہ خراب رسم اور سب سے زیادہ بے رحم لڑکیوں کا مار ڈالنا یا اُن کو زندہ دفن کر دینا تھا ۔

تبنیت کی رسم بھی اُن میں شائع تھی اور پسر متبنّٰی اپنے والدین کی جائداد کا حق دار اور وارث خیال کیا جاتا تھا ۔

لڑکے اپنی سوتیلی ماؤں کے ساتھ ازدواج کرنے کے مجاز تھے مگر باپ اپنے بیٹے یا متبنّٰی کی زوجہ کے ساتھ شادی کرنے کا مجاز نہ تھا اور اُس کے خلاف عمل کرنا نہایت معیوب اور گناہ سمجھا جاتا تھا ۔

شوھر کے مرنے کے بعد اُس کا سوتیلا بیٹا اگر وہ نہ ہو تو کوئی قریب کا رشتہ دار بیوہ کے سر پر ایک چادر ڈال دیا کرتا تھا اور وہ شخص جو اس طرح چادر ڈالتا تھا اُس سے شادی کرنے پر مجبور ہوتا تھا ۔

ماتم کی مدت

عورتیں متوفی شوھروں کا ماتم ایک سال کامل تک کیا کرتی تھیں اور میعاد معینہ کے بعد بیوہ اونٹ کی چند خشک مینگنیں یا تو کسی کتے پر یا کندھے پر سے خود اپنے ھی پیٹھ پر پھینک دیتی تھی جس سے یہ مراد تھی کہ اب بیوہ کو اپنے متوفی شوھر کا کچھ بھی خیال نہیں رہا ۔

عورتوں میں پردہ نہ تھا

عورتوں میں اپنے گھر سے نکلنے اور عام مجمع میں بدون پردہ اور حجاب کے آنے کا دستور تھا اور اپنے جسم کے کسی حصہ کو کھلا رکھنے اور عوام الناس کو دکھلانے میں کوئی بے حیائی اور بے شرمی کی بات خیال نہیں کرتی تھیں ۔

عورتوں کے مصنوعی بال

عورتیں مصنوعی بال سر پر لگایا کرتی تھیں اور اپنے جسم کو نیل سے گودا کرتی تھیں ۔

میت کی رسوم | خاندان کے تمام اشخاص قسم ذکور تمام قسم کی عورتوں کو چھونے سے جب کہ وہ اپنے معمولی ایام میں ہوں پرھیز کرتے تھے اور اُن عورتوں کو باقی اشخاص خاندان کے ساتھ ملنے جلنے کی ممانعت تھی -

مردوں کے متعلق عادات اور رسوم | مردوں کو قبر میں دفن کرنے کا اعراب جاھلیت میں رواج تھا اور جس کسی جنازہ کو دفن کرنے کے لیے لے جاتے ہوئے دیکھتے تھے تو اور آدمی مردہ کی تعظیم اور اُس پر افسوس ظاھر کرنے کے لیے سر و قد اُٹھ کھڑے ہوتے تھے -

اُن کا عقیدہ تھا کہ انسان کا خون بجز انسان کی سانس کے اور کچھ نہیں ھے اور روح محض ایک ھوا انسان کے جسم کے اندر ھے مگر بعض لوگ جو کہ بہ نسبت اُن کے زیادہ تعلیم یافتہ تھے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ روح ایک نہایت چھوٹا سا جانور ھے جو انسان کے پیدا ہونے کے وقت اُس کے جسم میں گھس جاتا ھے اور ھمیشہ اپنے آپ کو بڑھاتا رھتا ھے - انسان کے مرنے کے بعد وہ جانور جسم کو چھوڑ کر قبر کے گرد چیختا پھرتا ھے - یہاں تک کہ ایک اُلو کے برابر ھو جاتا ھے -

عرب کی ارواح خبیثہ | زمانہ جاھلیت کے عرب دیوؤں اور خبیث ارواحوں کو مانتے تھے - تمام خیالی اور وھمی اور فرضی صورتیں جو بیابانوں یا پرانی مسمار اور منہدم عمارتوں میں اُن کو نظر آتیں اور جن کی کہ تنہا آدمی کے خیال میں اکثر صورت بن جاتی ھے اُن سب کو مختلف قسم کی خبیث ارواحیں تصور کرتے تھے -

بعض لوگ ان مغالطات نظری کو مختلف بروج کی تاثیر کی

طرف منسوب کرتے تھے اور اُن کی رائے اوروں کی رائے کے مقابلہ میں افضل تر معلوم ہوتی تھی ۔

زمانہ جاھلیت کے عرب نیک اور بد جنات میں عقیدہ رکھتے تھے ۔ اُن کی مختلف صورتیں اور شکلیں مقرر تھیں اور مختلف نام رکھے تھے ۔ ان کے نزدیک بعض جنات نصف جسم انسان کا سا اور نصف جسم روحانی رکھتے تھے ۔ زمانۂ جاھلیت کے عرب اور قوتوں اور وجودوں میں بھی اعتقاد رکھتے تھے ۔ جو انسان کی نظر سے غائب تھے مگر آئندہ کی خبروں کو باواز بلند ظاھر کر دیتے تھے اور خود ھمیشہ پوشیدہ رھتے تھے ۔ وہ فرشتوں کی اور اور ارواحوں کو بھی جو دکھائی نہیں دیتیں مانتے تھے اور مختلف شکلیں اُن کی طرف منسوب کرتے تھے ۔

عرب کے زمانۂ جاھلیت کی رسم و رواج کو اس مقام پر ہم نے نہایت سرسری طور پر بیان کیا ھے مگر ھم کو اُمید ھے کہ اُن نیم وحشی لیکن عالی دماغ اور آزاد منش باشندگان عرب کے خانگی اور سوشیل عام حالات معلوم ھونے سے ایک منصف مزاج شخص ، اگر ایسا شخص دنیا میں پایا جاتا ھے اس بات کا فیصلہ کر سکے گا کہ اسلام کے قبل عربوں کا کیاحال تھا اور بعد اسلام کے اُن کا کیا حال ھو گیا اور بالعموم اُن کے اخلاق کس طرح پر تبدیل ھو گئے ۔ اُن کی اگلی اور پچھلی حالت کے مقابلہ کرنے میں ھمارا یہ سرسری بیان منصف مزاج شخص کو کافی مدد دے گا اور ایسے نتائج مستنبط کرنے کے قابل کرے گا جن کی جانب اُس کی انصاف پسندی اس کو ھدایت کرے گی ۔

---

(۳)

# اہلِ عرب اور اُن کے مذاہب اسلام سے قبل

و من یتبع غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ و ھو فی الآخرۃ من الخاسرین

اس مضمون میں ہم اس امر کی تحقیقات بھی کریں گے کہ اُن ادیان میں سے جو زمانۂ جاہلیت میں مروج تھے اسلام کون سے دین سے مشابہ تر ہے اور آیا اس مشابہت اور مماثلت کی وجہ سے اسلام ایک دین حق ثابت ہوتا ہے یا ایک عیارانہ بنایا ہوا قصہ ۔

مذہب انسان کی فطرت میں داخل ہے

توریت مقدس میں جو بیان انسان کے پیدا ہونے کا اور اُس کے بعد بابل میں زبانوں کے مختلف ہو جانے اور روئے زمین پر پراگندہ ہونے کا ذکر ہے اُسی کو ہم اپنی اُس بحث کا جو اُس خطبہ میں ہے ابتدائی مقام فرض کرتے ہیں اور اُسی بناء پر یہ بات کہتے ہیں کہ اگرچہ عبادت اور پرستش کی سادگی اور یک رنگی خود بخود اُس وقت تک جاری رہی ہوگی جب کہ انسان تعداد میں کم اور ایک محدود مقام میں تھے ۔ مگر جب کہ وہ زیادہ وسیع ملکوں میں پھیل گئے جن کی آب و ہوا اور ملک کی بناوٹ مختلف تھی تو اُس وقت ان کے دلوں کو نئے اور عجیب خیالات نے قریباً

هر ایک بات کی نسبت گھیر لیا ۔ خصوصاً اس وجود کی ماہیت کی نسبت جس کی عظمت کے جلوے نیک یا بد خوف و ہراس سے ان کو تسلیم کرنے پڑے ۔

وہ لوگ اُن قدرتی ظہور کے طبعی اسباب سے جن کے دیکھنے سے ایک تربیت یافتہ آدمی کے دل میں بھی خوف و ہراس پیدا ہوتا ہے جیسے کہ بھونچالوں کا آنا ، زمین کا دھنس جانا اور پھٹ جانا ، دریاؤں کا جوش ، سمندروں کا تلاطم ، پہاڑوں کے عجائبات ، درختوں کی کرامات ، بادلوں کی گڑگڑاہٹ ، بجلی کی کڑک اور چمک اور اُس کے گرنے سے بربادی اور خوف ناک طوفانوں کی تباہی کے اسباب سے محض نا واقف تھے ۔ اس لیے اُنھوں نے ان سب کاموں کو کسی ایسے وجود کے کام تصور کیے ہوں گے جس کو وہ اپنے آپ سے بدرجہا اعلٰی اور زبردست اور بوجہ غیر ظاہر ہوئے اُس وجود کے اور بھی زیادہ خوف‌ناک تصور کرتے ہوں گے ۔ یہی اسباب ہیں جن کے سبب ابتداء میں انسان کے دل میں عبادت کرنے اور قربانیاں چڑھانے اور پوجا کرنے کا خیال پیدا ہوا ۔ مگر اُن دیوتاؤں کو ان تین طریقوں سے خوش کرنے یا اُن کا غصہ مٹانے میں بوجہ ملک کی خاصیت اور ملک کی آب و ہوا کے اور اُس کے باشندوں کے عام مزاج اور چال چلن کے ہر ایک ملک کے باشندوں میں اختلاف پیدا ہو گیا ۔ ہم کو اُمید ہے کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا اُس سے اس کتاب کے پڑھنے والے سمجھ جائیں گے کہ عرب میں عموماً مذہبوں کی ابتدا کس طرح پر شروع ہوئی ۔

باعتبار مذہب عرب کی تقسیم

عرب میں[1] جو قومیں قبل اسلام کے موجود تھیں ۔ اُن کے حالات پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں باعتبار مذہب کے چار مختلف

فرقوں مین منقسم تھین - (۱) بت پرست - (۲) خدا پرست - (۳) لا مذہب اور - (۴) معتقدین مذہب الہامی -

## ۱- بت پرستی

انسان کی جبلت میں جو ہر ایک چیز کے سمجھنے کی طاقت ہے اور جس کو ہم عقل یا سمجھ سے تعبیر کر سکتے ہیں اُس کا یہ نتیجہ تھا کہ وہ اپنے وجود کی نہایت ابتدائی منزل میں اولاً بتوں کی پرستش کا اپنے ذہن میں خیال پیدا کرے - اسی سبب سے اولاً اُس کے ذہن میں بتوں کی پرستش کا خیال پیدا ہوا اور پھر رفتہ رفتہ قائم و مستحکم ہو گیا -

ایک مصنف کا قول ہے کہ ”آدمی از روئے خلقت اور جبلت کے مذہب کو ماننے والا پیدا ہوا ہے“- اگر وہ معبود حقیقی سے ناواقف ہوگا تو مجازی معبود اپنے لیے بنا لے گا - وہ خطروں اور مشکلوں سے گھرا ہوا ہے وہ قدرت کی عظیم الشان طاقتوں کو ہر طرف اپنے اپنے کام میں مشغول دیکھتا ہے جن کے سبب سے اُس کو خوف و رجا پیدا ہوتی ہے اور باوصف اس کے ان کے کام اُس کے حیز ادراک اور قبضۂ قدرت سے باہر ہیں - اس واسطے اُس کے دل میں اپنے سے کسی زیادہ طاقتور شے سے ایک تعلق پیدا کرنے کا جس پر وہ تکیہ اور بھروسا کر سکے خیال پیدا ہوتا ہے - قدرت کے ان کاموں کو ذہن نشین کرنے اور اُن کے سمجھ میں آنے کے لیے اب اُس کے واسطے صرف ایک طریقہ ہے - طبعی اسباب کا تصور تو بہت تھوڑے عرصہ سے پیدا ہوا ہے - ابتدائی انسان صرف ایک قسم کی علت کا گمان کر سکتا ہے یعنی مثل اپنے ایک با ارادہ طبیعت کا - اس لیے وہ تمام چیزوں کو جنھیں متحرک اور عمل کنندہ پاتا ہے ذی روح اور ذی فہم وجود ٹھہرا لیتا ہے اور اُن کی طرف مثل انسانوں

کے خیالات اور طبائع منسوب کرتا ہے اور اس سے زیادہ کیا
قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ بذریعہ نذروں اور التجاؤں کے اُن
کے مہربان کرنے یا اُن کی بد مزاجی یا غصہ کے دور کرنے
کے واسطے کوشش کرے ۔

جب کہ انسان ہنوز وحشیانہ حالت میں تھا اُس نے قدرت
کی بڑی بڑی اشیاء کو اپنی فرحت یا مصیبت کے اسباب کی
نظر سے دیکھا اور اسی واسطے اُن کو بہ نسبت اپنے زیادہ
طاقت ور سمجھا اور اس نیت سے کہ اپنی دعائیں اور التجائیں
اُن سے ایک ظاہری شکل میں کرے اُس کو اپنی خیالی چیزوں
کے مجسم کرنے کے واسطے جواب اُس کے معبود ہو گئے نقاشی
یا مصوری گو کیسی ہی ناقص ہو عمل میں لانی پڑی ۔
بت پرستی کی ایک اور بنا کسی قوم کے کسی شخص کی خدمات
کی جو اپنے کارہائے نمایاں کی وجہ سے مشہور و معروف
ہوا ممنونیت کی خواہش تھی ۔ یعنی ایسے کارہائے نمایاں جو
شاعروں کے وحشیانہ گیتوں اور نظموں میں مشہور ہوئے اور
مرنے کے بعد اُس شخص کو معبود ہونے کے رتبہ کا صلہ دلایا ۔
یہی امر عرب پر بھی صادق آتا ہے ۔ آفتاب ، ماہتاب ، سیارے
اور بروج ملائک اور ارواح جو بقول اُن کے انسانوں کی زندگانی
کے واقعات پر حاوی اور قادر تھے ۔ اُن سب کو رتبۂ الوہیت
دے رکھا تھا اور ان کی پرستش کرتے تھے ۔ اسی طرح اُن
آدمیوں کی بھی پرستش کرتے تھے جنھوں نے اپنے شکر گزار
ملک کی خدمتیں بجا لا کر نام حاصل کیا تھا ۔

اس طریقۂ پرستش کے اختیار کرنے میں انسانوں کا منشاء
محض معلل بہ دنیا تھا ۔ اُن بتوں یا ان اشیاء اور اشخاص کی
پرستش کا باعث جن کے وہ قائم مقام ہیں یہ اعتقاد تھا کہ اپنے

پرستش کنندہ کو ہر قسم کی دنیوی خوشی اور آسائش عطا کرنا اور ان مصیبتوں اور خرابیوں کو جو اُس پر نازل ہونے والی ہوں رد کر دینا اُن کے اختیار میں ہے اور اُن کی پرستش کو ترک کر دینے کی سزا اُن کے اعتقاد میں افلاس ، بیماری ، لاولدی اور عبرت انگیز موتی ہوتی تھی -

جب کہ زمانہ بڑھتا گیا ، جب کہ تہذیب اور شائستگی کو ترقی ہوتی گئی ، جب کہ باھمی راہ و رسم کے ذریعے زیادہ شائع اور پر امن ہوتے گئے ، جب کہ آدمیوں کو ایک دوسرے سے ملاقی ہونے کا زیادہ اتفاق ہوتا گیا یہاں تک کہ اپنے خیالات اور اپنی رایوں اور اپنے عقائد کا تبادلہ کرنے کے قابل ہوئے اُن کے دماغ عالی ہوتے گئے اور اُن کی خوشیاں زیادہ شائستہ اور پاک ہوتی گئیں -

یہی غیر محسوس خیالات کی ترقی عرب میں بھی ہوئی اور اُس ملک کے باشندوں نے اپنے معبودوں کو ہر جسمانی آسائش اور روحانی خوشی کے عطا کرنے کا اُس شخص کی نسبت جس سے وہ راضی ہوں اختیار کلی دے دیا -

قدیمی باشندگان عرب کی نسبت یعنی قوم عاد ، ثمود ، جدیس ، جرہم الاولیٰ اور عملیق اول وغیرہ کی اس قدر محقق ہے کہ یہ لوگ بت پرست تھے - مگر ہمارے پاس کوئی ایسی مقامی روایت عرب کی نہیں ہے جو ہم کو ان کی پرستش اصنام کے طریقوں کی تعین اور جو قدرتیں کہ وہ اپنے معبودوں کی طرف منسوب کرتے تھے اُن کی تصریح اور جن اغراض اور ارادوں سے کہ وہ مورتوں کو پوجتے تھے ان کے بیان کرنے میں مطمئن کرے - قریب قریب تمام حال جو ہم کو عرب کے بتوں کی نسبت معلوم ہوتا ہے صرف یقطان اور اسماعیل کی اولاد کے بتوں کی

نسبت معلوم ہے جو عرب العاربہ اور عرب المستعربہ کے نام سے مشہور ہے - اُن کے بت دو قسم کے تھے - ایک قسم تو وہ تھی جو ملائک اور ارواح اور غیر محسوس طاقتوں سے جن پر کہ وہ اعتقاد رکھتے تھے اور جن کو مونث خیال کرتے تھے نسبت رکھتے تھے اور دوسری قسم کے وہ تھے جو نامی اشخاص کی طرف جنھوں نے اپنے عمدہ کاموں کی وجہ سے شہرت حاصل کی تھی منسوب تھے -

وہ قدرتی سادگی اور بے تکلفی جو ابتدائی درجہ تمدن میں آدمیوں کی نشانیاں ھیں اُن کی پرستش کے طریقوں میں قابل تمیز نہیں رھی تھیں - علاوہ اس کے انھوں نے بہت سے خیالات غیر ملکوں کے اور نیز اپنے ھی وطن اصلی کے الہامی مذھبوں سے اخذ کر لیے تھے اور ان سب کو اپنے توھمات سے خلط ملط کر کے اپنے معبودوں کو دنیا اور عقبیٰ دونوں کے اختیارات دے دیے تھے - لیکن اتنا فرق تھا کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ دنیوی اختیارات بالکل اُن کے معبودوں کے ھاتھ میں ھیں اور عقبیٰ کے اختیارات کی نسبت اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ اُن کے بت یعنی وہ جن کی پرستش کے لیے وہ بت بنائے گئے ھیں اُن کے گناھوں کی معافی کی خدا تعالیٰ سے شفاعت کریں گے - اُن کی طرز معاشرت اور اُن کی خانگی سوشیل اور مذھبی اطوار اور رسوم - بھی اسی طرح سے گرد و نواح کے ملکوں سے جن کے باشندے الہامی مذھب رکھتے تھے اثر حاصل کیا تھا - غرضکہ قبل ظھور اسلام کے ملک عرب میں بت پرستی کی یہ کیفیت تھی -

## ۲- لا مذھبی

زمانۂ جاھلیت میں ملک عرب میں ایک فرقہ تھا جو کسی

چیز کو نہیں مانتا تھا نہ تو بت پرستی کو اور نہ کسی الہامی مذہب کو ۔ اُن کو خدا کے وجود سے انکار تھا اور حشر کے بھی منکر تھے اور جو کہ وہ گناہ کے وجود کے قائل نہ تھے ۔ اسی لیے عقبٰی میں روح کی جزا یا سزا کے قائل نہ تھے ۔ وہ اپنے آپ کو جملہ قیود قانونی خواہ رسمی سے مبرا تصور کرتے تھے اور اپنی ہی آزاد مرضی کے موافق کاربند ہوتے تھے ۔ اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان کا وجود اس دنیا میں ایک درخت یا جانور کی مانند ہے ۔ وہ پیدا ہوتا ہے اور پختگی پر پہنچ کر تنزل پکڑتا ہے اور مر جاتا ہے جس طرح کہ کوئی ادنٰی جانور مر جاتا ہے اور جانوروں ہی کی مانند بالکل نیست و نابود ہو جاتا ہے ۔

## ۳۔ خدا پرستی

زمانۂ جاھلیت کے عربوں میں بھی خدا پرست عرب تھے اور وہ دو قسم کے تھے۔ایک تو ایک غیر معلوم اور پوشیدہ قدرت کو جس کو وہ اپنے وجود کا خالق قرار دیتے تھے مانتے تھے ۔ لیکن باقی امور میں اُن کا عقیدہ لا مذھبوں کے عقیدہ کی مانند تھا ۔ دوسری قسم کے فرقہ کے لوگ خدا کو برحق مانتے تھے اور قیامت اور نجات اور حشر اور بقائے روح اور اس کی جزا اور سزا کے جو حسب اعمال انسانوں کو ملے گی قائل تھے مگر انبیاء اور وحی پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے ۔

اس اخیر فرقہ کا عقیدہ تھا کہ غیر فانی روح کی جزا اور سزا دوسرے جہان میں محض آدمیوں کے نیک اور بد اعمال پر جو اس دنیا میں کیے ہوں منحصر ہے ۔ اس لیے ضرور ہوا کہ وہ ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے اُن کو دائمی خوشی حاصل ہو

اور اُن کو ابدی تکلیف اور خرابی سے محفوظ رکھے ۔ لیکن خود ان کے پاس کوئی ایسا اصول جس پر وہ کاربند ہوں موجود نہ تھا اس لیے اُنھوں نے اُن قواعد کی طرف توجہ کی جن کو اُن کے گرد و نواح کی قومیں مانتی تھیں اور اپنی سمجھ کے موافق ہر قوم سے کچھ کچھ باتیں اخذ کر کے اختیار کیں ۔ یہی اسباب تھے جن کے سبب سے عرب کے کچھ لوگ بت پرست ہو گئے اور بعض نے کسی مذہب معینہ کی پابندی نہیں کی بلکہ اپنی ہی عقل اور سمجھ کے بموجب کاربند ہوئے ۔

## ۴۔ الہامی مذہب

اسلام سے پہلے چار الہامی مذہب عرب میں وقتاً فوقتاً جاری ہوئے (۱) مذہب صائبی ۔ (۲) مذہب ابراہیمی اور دیگر انبیاء عرب کا ۔ (۳) مذہب یہود ۔ (۴) مذہب عیسوی ۔

## ۵۔ مذہب صائبی

اس مذہب کو عرب میں قوم سامری نے رواج دیا تھا جو اپنے آپ کو قدیم مذہب کے پیرو سمجھتے تھے ۔ وہ حضرت شیث اور حضرت اخنوخ یعنی ادریس کو اپنے نبی کہتے تھے اور اپنے مذہب کو اُن کی طرف منسوب کرتے تھے ۔ اُن کے ہاں ایک کتاب بھی تھی جس کو وہ صحیفۂ شیث کہتے تھے ۔ ہماری رائے میں کوئی یہودی یا عیسائی یا مسلمان صائبیوں کے اُس عقیدہ پر جو وہ حضرت ادریس کے ساتھ رکھتے تھے کسی قسم کا اعتراض نہیں کر سکتا ہے ۔ توریت میں حضرت ادریس کو ایک مقدس اور با خدا شخص لکھا ہے اور وہ آیت یہ ہے "و اخنوخ با خدا سلوک نمودہ بعد ازاں نا پدید شد چہ خدا او را گرفتہ بود" (کتاب پیدائش باب ۵

ورس ۴۰۲) وہ شخص جس کو مسلمان ادریس یا الیاس کہتے ہیں اور توریت کا اخنوخ ایک شخص ہیں - صائبیوں کے ہاں سات وقت کی نمازیں تھیں اور وہ اُن کو اُسی طرح ادا کرتے تھے جس طرح کہ مسلمان نماز ادا کرتے ہیں - مردہ کی بھی وہ نماز پڑھا کرتے تھے - مسلمانوں کی طرح وہ بھی ایک قمری مہینہ کا روزہ رکھا کرتے تھے - مگر جو برائی کہ آہستہ آہستہ اُن کے مذہب میں پھیل گئی تھی وہ یہ تھی کہ ستاروں کی پرستش کرنے لگے تھے - اُنھوں نے سات ہیاکل یعنی معبد سبع سیاروں کے لیے بنائے تھے اور جس ستارہ کا جو معبد تھا اُسی معبد میں اُس ستارہ کی پرستش کرتے تھے - حران کے معبد میں سب لوگ بہ نیت حج جمع ہوا کرتے تھے - خانہ کعبہ کی بھی بڑی تعظیم کرتے تھے - اُن کا سب سے بڑا مذہبی تیوہار اُس روز ہوا کرتا تھا جب کہ آفتاب برج حمل میں جو موسم بہار کا اول برج ہے داخل ہوتا تھا اور چھوٹے چھوٹے تیوہار اُس وقت ہوتے تھے جب کہ پانچ سیارے یعنی زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد بعض برجوں میں یکے بعد دیگرے داخل ہوا کرتے تھے - اُن کا اعتقاد تھا کہ ان سیاروں کا سعد اور نحس اثر انسان کی قسمتوں پر اور دنیا کے اور امور پر ہوتا ہے - وہ یقین کرتے تھے کہ بارش یا مینہ کی کشش انھیں ستاروں کی تاثیر پر منحصر ہے یہ خیال اور اسی قسم کے اور خیالات اور عقائد صائبیوں کے سوا عرب کے اور لوگوں میں بھی رائج ہو گئے تھے - اُن میں اعتکاف کرنے کا بھی رواج تھا اور غاروں یا پہاڑوں میں چند روز مراقبہ اور سکوت میں بسر کرتے تھے -

## ٦۔ ابراهیمی یا دیگر انبیاء عرب کا مذهب

اسلام سے پہلے پانچ انبیاء عرب میں مبعوث هوئے تھے (۱) هود ۔ (۲) صالح ۔ (۳) ابراهیم ۔ (۴) اسماعیل ۔ (۵) شعیب ۔ یه سب نبی حضرت موسیٰ سے اور بنی اسرائیل کو احکام عشره کے عطا هونے سے بیش تر گذرے هیں ۔

اصل اصول ان جمیع انبیاء کے مذاهب کا خدائے واحد کی عبادت تھا اور دیگر احکام و مسائل جن کو انبیاء مذکور نے بتایا تھا باستثناء احکام و مسائل حضرت ابراهیم اور حضرت اسماعیل کے سب فراموش هوگئے تھے اور کوئی مقامی روایت ایسی موجود نہیں هے جو هم کو اس بات سے واقف کرے که وه احکام کیا تھے اور کتنے تھے ۔

حضرت ابراهیم اور حضرت اسماعیل کے مذهب کے احکام و مسائل کے لیے بھی اسی طرح کوئی ایسی کافی سند نہیں هے جس سے که هم اُن کو تفصیل وار بیان کر سکیں اور ایسے بہت کم مسائل هیں جنھوں نے باستعانت روایت مذهبی اور روایت مقامی کے ایسا تاریخی رتبه حاصل کیا هو که هم اُس کے حواله دینے کے لائق هوں ۔

حضرت ابراهیم کے تقویٰ اور پرهیزگاری کا سب سے پہلا کام بت پرستی کا ترک کرنا ، اپنے باپ کے بتوں کا توڑنا اور خدائے برحق پر یقین کر کے صدق دل سے اُس کی پرستش کرنا تھا ۔

ختنه اور داڑھی کا رکھنا رسوم مذهبی هیں جن کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں هے کیوں که هر شخص کو معلوم هے که یه رسمیں حضرت ابراهیم نے مروج اور معین کی تھیں ۔ خدائے پاک کی پرستش کے واسطے قربان گاهوں کے بنانے کی

رسم بھی حضرت ابراھیم نے جاری کی تھی اور منجملہ بے شمار قربان گاھوں کے جو حضرت ابراھیم نے بنائیں ایک قربان گاہ اس مقام پر بھی بنائی تھی - جہاں کہ حجر اسود قبل اس کے کہ دیوار کعبہ میں اور پتھروں کے ساتھ نصب ہو کھڑا ھوا تھا -

خدا تعالیٰ کے نام پر قربانی کرنا بھی حضرت ابراھیم نے مقرر کیا تھا اور یہ رسم آج تک اُن کی اولاد میں اور ان کی اولاد کے پیروؤں میں بجنسہ مروج ھے -

خدائے تعالیٰ کی عبادت کے واسطے خانہ کعبہ کی تعمیر کی نسبت عرب کی تمام مقامی روایتیں اور تمام مؤرخ اس امر پر متفق ھیں کہ خانہ کعبہ کو حضرت ابراھیم اور حضرت اسماعیل نے بنایا تھا -

سینٹ پال حواری نے جو گلیشیا والوں کے نام خط لکھا ھے ھماری رائے میں اُس سے بخوبی ثابت ھوتا ھے کہ خانہ کعبہ کو جو "بیت المقدس کا ھم پایہ ھے" حضرت ابراھیم اور حضرت اسماعیل نے بنایا تھا -

خانہ کعبہ میں اول خدا کی عبادت اُس کے اندر اور باھر کیا کرتے تھے اور اُس کے بعد اُس کے گرد طواف کیا کرتے تھے اور طواف کے وقت ساری جماعت پکار پکار کر خدا کا نام لیتی تھی اور خانہ کعبہ کو بوسہ دیتی جاتی تھا -

اس مقام پر خود بخود ایک سوال پیدا ھوتا ھے اور وہ یہ ھے کہ کیا فرق ھے خانہ کعبہ کے گرد طواف کرنے اور اُس کو اور حجر اسود کو بوسہ دینے اور قربان گاھوں کے بنانے اور اُن کی تعظیم کرنے اور حضرت یعقوب کے پتھر کھڑا کرنے اور اُس پر تیل ڈالنے اور نماز میں بیت المقدس یا کعبہ کی طرف سجدہ کرنے غرض کہ اشیائے مجسم کی تعظیم اور حرمت کرنے

میں اور بت پرستوں کی اُن رسوم میں جو کہ وہ اپنے بتوں کی نسبت عمل میں لاتے ہیں اور جس کی وجہ سے اُن کو ہر شخص حقارت اور غصہ کی نظر سے دیکھتا تھا اور اب بھی دیکھتا ہے۔

بلاشبہ ان دونوں کاموں میں بڑا فرق ہے مگر جو امر کہ لوگوں کو ان دونوں کاموں میں صاف صاف تمیز کرنے سے روکتا ہے وہ لفظ "بت پرستی" ہے جس سے یہ مراد سمجھی جاتی ہے کہ آدمی کسی مجسم اور مصنوعی شے کی تعظیم اور پرستش کرنے میں گنہگار ہوتے ہیں۔

مگر یہ غلطی ہے۔ بت پرستوں کے مشرک اور گنہگار ہونے کی صرف یہ وجہ نہیں ہے کہ وہ مجسم اور مصنوعی اشیاء کی تعظیم اور پرستش کرتے ہیں بلکہ اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ چند روحانی یا ذی جسم وجودوں یا طاقتوں یا عظیم الشان قدرتی اشیاء کو ان سب قدرتوں کا مالک سمجھتے ہیں جو درحقیقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات سے علاقہ رکھتے ہیں اور ان اشیاء وغیرہ کی اس طرح بندگی بجا لاتے ہیں جو صرف خدا تعالیٰ ہی کو سزا وار ہے۔ اُن کے بت اُن وجودوں کے جو غیر خدا ہیں قائم مقام اور یادگار ہوتے ہیں نہ کہ خدا تعالیٰ کے اس اعتقاد کی وجہ سے وہ مشرک اور گنہگار ہو جاتے ہیں۔ خواہ وہ اُن روحانی یا ذی جسم وجودوں یا طاقتوں یا عظیم الشان قدرتی اشیاء کے ناموں پر کوئی مورت یا بت قائم کر کے پوجتے ہوں خواہ صرف اپنے دل ہی میں یہ اعتقاد رکھ کر اُن کی پرستش کرتے ہوں۔ اور ظاہر میں اُن کا کوئی بت نہ بناتے ہوں۔ اُن کو بت پرست اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ اکثر اُن روحانی یا ذی جسم وجودوں یا طاقتوں یا عظیم الشان قدرتی اشیاء کی جن کو وہ صفات الٰہی کا مخزن اور معدن سمجھتے تھے اپنے خیال کے

موافق بت اور مورتیں بنا کر اُن کے توسل سے اُن کو پوجتے تھے اگر وہ ان ظاهری وسائل پرستش کو اختیار نہ کرتے لیکن باطن میں یہی اعتقاد رکھتے تب بھی اُن کو بت پرست کہنا ناموزوں نہ ہوتا ۔

حضرت ابراهیم کی بنائی ہوئی قربان گاهیں جن میں کہ حجر اسود بھی شامل هے اور حضرت یعقوب کا کھڑا کیا ہوا پتھر اور خانہ کعبہ اور بیت المقدس یہ سب چیزیں کسی مشہور و معروف اشخاص کی یادگار کے طور پر نہیں بنائی گئی تھیں اور نہ وہ کسی فرشتہ یا عظیم الشان قدرتی شے کے نام پر قائم کی گئی تھیں ۔ بلکہ بالتخصیص قادر مطلق کے نام پر جو تمام چیزوں کا خالق هے اور اسی کی پرستش کی غرض سے بنائی گئی تھیں جملہ رسوم اور تکلفات جو ان مقاموں پر برتے جاتے تھے ۔ صرف خدا تعالیٰ کی عبادت اور پرستش کے مختلف طریقے تھے اور خدا تعالیٰ کی بندگی گو کسی طور پر بجا لائی جاوے جس کو خدا تعالیٰ نے منظور اور مقبول کر لیا ہو ۔ هرگز گناہ یا شرک یا بت پرستی نہیں ہو سکتی ۔

تمام آدمیوں کا میدان عرفات میں جمع ہونا جہاں کہ نہ حضرت ابراهیم کا حجر اسود هے نہ حضرت یعقوب کا سنگ قربان گاہ اور نہ حضرت اسماعیل کا معبد بلکہ محض ایک وسیع میدان هے ۔ اُن لوگوں کا ایک ساتھ شامل ہو کر خدا کا نام لے کر پکارنا اور اپنے گناهوں کی معافی چاهنا خاص خدا کی عبادت هے ۔ جس کا نام مسلمانوں نے حج رکھا هے اور حضرت ابراهیم اور حضرت اسماعیل اس طرح پر عبادت کرنے کے بانی ہوئے تھے ۔ پس کون شبہ کر سکتا هے کہ حج اُس واجب الوجود لا شریک لہ کی خاص الخاص عبادت هے ۔

افسوس ہے کہ رفتہ رفتہ ملک عرب میں بت پرستی کا عام رواج ہو گیا تھا ۔ مگر با ایں ہمہ ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے اشخاص ایسے بھی تھے جو ان مذاہب الہامی میں سے کسی نہ کسی مذہب کے متبع تھے اور خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے ۔ انھیں لوگوں میں سے متعدد نے مجدد مذہب ہونے کا دعویٰ کیا اور اللہ تعالیٰ کے معبود حقیقی ہونے کا مجمع عام میں وعظ کہا اور لوگوں کو بت پرستی چھوڑنے پر ترغیب دی ۔ وہ لوگ جنھوں نے اپنی نسبت مجدد ہونے کی شہرت دی تھی ان کے نام یہ ہیں ۔ حنظلہ بن صفوان ، خالد ابن سنان ، اسد ابو کرب ، قیس ابن صیداہ وغیرہ اور بعضوں نے عبدالمطلب کو بھی ایک مجدد مذہب قرار دیا ہے ۔

لیکن یہ کیسا ہی حیرت انگیز امر کیوں نہ معلوم ہو کہ اس شخص کی اولاد جس نے اپنے باپ کے بتوں کو توڑا اور ان کی پرستش سے منہ موڑا اور خدائے برحق کی پرستش کے لیے متوجہ ہوا اور کہا " انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا و ما انا من المشرکین "۔ رفتہ رفتہ بت پرستی کی حالت میں ڈوب جائے ۔ مگر اس سے زیادہ تعجب انگیز اور حیرت آمیز یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسی کی اولاد میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا ۔ جس نے پھر اپنے مورثوں کے بتوں کو بلکہ تمام عرب کے بتوں کو غارت کر دیا اور جس نے خدائے اعظم اور علام الغیوب کی عبادت کو جو تمام چیزوں کا مبداء اور مرجع ہے رواج دیا اور اعلیٰ ترین درجہ پر پہنچا دیا اور جس نے کہ جہالت اور کفر کی اس گہری تاریکی کو جس میں کہ اس کے ہم وطن مبتلا تھے دین حق کے پاک اور شفاف نور سے منور کر دیا ۔

## ۷۔ یہودی مذہب

یہودی مذہب کو شام کے یہودیوں نے عرب کے ملک میں شائع کیا تھا جو اُس ملک میں جا کر آباد ہوئے تھے۔ بعض مصنف نا واجب جرأت کرکے یہ رائے دیتے ہیں کہ ایک قوم بنی اسرائیل کی اپنے جتھے سے علیحدہ ہو کر عرب میں جا بسی تھی اور وہاں اکثر قوموں کو اپنا مذہب تلقین کیا۔ مگر یہ رائے صحت سے بالکل معرا ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہودی مذہب عرب اُن یہودیوں کے ساتھ آیا تھا جو پینتیسویں صدی دنیوی میں یا پانچویں صدی قبل حضرت مسیح کے بخت نصر کے ظلم سے جو اُن کے ملک اور قوم کی تخریب کے در پے ہوا تھا بھاگ گئے تھے اور شمالی عرب میں بمقام خیبر آباد ہوئے تھے۔ تھوڑے عرصہ بعد جب کہ اُن کی مضطرب حالت نے کسی قدر سکون اور قرار پکڑا۔ اُنھوں نے اپنے مذہب کو پھیلانا شروع کیا اور قبیلہ کنانہ اور حارث ابن کعب اور کندہ کے بعض لوگوں کو اپنے مذہب میں لائے۔ جب کہ ۳۶۵۰ دینوی میں یا ۳۵۴ قبل مسیح کے یمن کے بادشاہ ذونواس حمیری نے مذہب یہود اختیار کیا۔ تب اُس نے اور لوگوں کو بھی بالجبر اس مذہب میں داخل کر کے اس کو بہت ترقی دی۔ اُس زمانے میں یہودیوں کو عرب میں بڑا اقتدار حاصل تھا اور اکثر شہر اور قلعے اُن کے قبضے میں تھے۔

اس بات کے یقین کرنے کا قوی قرینہ یہ ہے کہ یہودی بت پرستی کو غصہ اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوں گے۔ مگر عرب کی کوئی مقامی روایت اس مضمون کی نہیں پائی جاتی کہ خانہ کعبہ کی نسبت اُن یہودیوں کی رائے عربوں کی رائے سے برخلاف تھی۔ مگر یہ امر تسلیم کیا گیا ہے کہ ایک تصویر یا

مورت حضرت ابراهیم کی جن کے پاس ایک مینڈھا قربانی کے واسطے موجود کھڑا تھا یهودیوں کے ذریعے سے خانه کعبه میں اس بیان کے مطابق جو توریت میں ہے کھینچی گئی ہوگی یا رکھی گئی ہوگی - کیوں که یهودی اس قسم کی تصویروں یا مورتوں کے بنانے اور رکھنے کو گناہ نہیں سمجھتے تھے -

اس میں کچھ شک نہیں که یهودیوں کے ذریعے سے ملک عرب میں خدا تعالیٰ کی معرفت کا علم جیسا که قبائل عرب میں بالعموم پیش تر تھا اس سے بھی دو چند ہو گیا - وہ عرب جنھوں نے یهودی مذهب قبول کر لیا تھا اور وہ لوگ بھی جو ان سے راہ و رسم رکھتے تھے اس سے فائدہ مند ہوئے تھے کیوں که یهودیوں کے پاس ایک عمدہ قانون شریعت اور سوشیل اور پولٹیکل کا موجود تھا اور اس زمانه کے عرب اس قسم کی چیز سے بالکل بے بہرہ تھے اس سے ایک معقول طور پر استنباط ہوتا ہے که بہت سے خانگی اور سوشیل آئین اور رسوم کو جو اس قانون میں مذکور ہیں عربوں نے اختیار کر لیا ہوگا خصوصاً یمن کے رہنے والوں نے جہاں که ان کے بادشاہ ذونواس نے یهودی مذهب قبول کر لیا تھا اور اس نے یهودی مذهب کی ترویج میں کوشش کی ہوگی -

ہم کو اس مقام پر مذهب یهود کے مسائل اور عقائد اور ان کی رسموں اور طریقوں پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی - کیوں که یه سب باتیں توریت میں موجود ہیں اور ہر شخص ان سے کسی نه کسی قدر واقف ہے - اور وہ امور جن کا بیان کرنا ہم کو بالتخصیص مد نظر ہے اس مقام پر بیان ہوں گے جہاں که ہم مذهب یهود اور اسلام کے تعلق باہمی پر بحث کریں گے -

## ۸۔ عیسوی مذہب

یہ بات محقق ہے کہ عیسوی مذہب نے تیسری صدی عیسوی میں ملک عرب میں دخل پایا تھا ۔ جب کہ اُن خرابیوں اور بدعتوں کی وجہ سے جو آہستہ آہستہ مشرقی کلیسا میں شائع ہو گئی تھیں قدیم عیسائیوں کی تباہی ہوئی تھی اور وہ لوگ ترک وطن پر مجبور ہوئے تھے تاکہ اور کسی جگہ جا کر پناہ لیں اکثر مشرقی اور نیز یورپین مؤرخ جنھوں نے اس مضمون کو مشرقی مصنفوں سے اخذ کیا ہے اس بات پر متفق الرائے ہیں کہ وہ زمانہ ذونواس کی سلطنت کا زمانہ تھا ۔ مگر ہم اس کی رائے سے کسی طرح اتفاق نہیں کر سکتے کیوں کہ ہمارے حساب کے موافق جس کا بیان ہم نے خطبہ اول میں کیا ہے ذونواس کا زمانہ قریباً چھ سو برس پیش تر اس واقع کے گذر چکا تھا اور اسی وجہ سے ہم اُن مصنفوں کی اس رائے کو بھی تسلیم نہیں کرتے جن کا بیان ہے کہ ذونواس نے عیسائیوں کی تخریب کی تھی ۔

اول مقام جہاں کہ یہ بھاگے ہوئے عیسائی آباد ہوئے تھے نجران تھا اور اُس سے پایا جاتا ہے کہ وہاں کے متعدد بہ لوگوں نے عیسوی مذہب قبول کر لیا تھا ۔ یہ عیسائی فرقہ جیکو بائٹ یعنی یعقوبی فرقہ تھا اور اس لقب سے مشرقی فرقہ "مانوفیزیٹیز" کا موسوم کیا جاتا تھا ۔ اگرچہ صحیح طور پر یہ لقب شام اور عراق اور بابل کے فرقہ "مانوفیزیٹیز" پر اطلاق ہو سکتا ہے ۔ جیکو بایٹ کا لقب ایک شام کے راہب کے سبب سے جس کا نام جیکو بس براڈیس تھا ۔ اس فرقہ کا پڑ گیا تھا اور جس نے کہ یونان کے بادشاہ جسٹی نین کے عہد میں اپنے ملک سے نکلے ہوئے

" مانوفیزیٹیز " کا ایک علیحدہ فرقہ قائم کر لیا تھا - اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ صرف ایک صفت رکھتے ھین یعنی ایک انسانی صفت نے اُن مین تقدیس کا درجہ حاصل کر لیا ھے -

عیسائی مصنفوں نے بیان کیا ھے کہ عیسوی مذھب نے اھل عرب میں بہت ترقی حاصل کی تھی مگر ھم اس باب میں اُن سے اتفاق نہیں کرتے کیوں کہ ھم دیکھتے ھیں کہ باستثنائے صوبہ نجران کے جس کے اکثر باشندوں نے عیسوی مذھب اختیار کر لیا تھا - قبائل حمیر ، غسان ، ربیعہ ، تغلب ، بحرو ، تونخ ، طے ، قودیہ اور حیرہ میں معدود اشخاص نے ان کی تقلید کی تھی اور کوئی جماعت کثیر یا قوم کی قوم عیسوی مذھب میں نہیں آئی تھی - جس طرح کہ یہودی مذھب میں آ گئی تھیں - اغلب ھے کہ ان متفرق اعراب متنصرہ کی وساطت سے حضرت مریم کی تصویر خواہ مورت حضرت عیسیٰ کو گود میں لیے ھوتے خانہ کعبہ کی اندرونی دیواروں پر کھینچی گئی ھو یا اُس کے اندر رکھی گئی ھو -

خانہ کعبہ میں متعدد قوموں کے معبودوں کی یا بزرگوں کی تصویریں یا مورتین رکھی ھوئی تھیں اور جس فرقہ سے وہ تصویر یا مورت علاقہ رکھتی تھی - وھی فرقہ اُس کی پرستش کرتا تھا - جب کہ عرب کے لوگوں نے یہودی اور عیسائی مذھب اختیار کر لیا - تو اُسی مذھب کے لوگوں نے حضرت ابراھیم اور حضرت مریم کی تصویر یا مورت خانہ کعبہ میں رکھی یا کھینچی ھوگی - کیوں کہ جس طرح عرب کے اور فرقوں کو اپنے معبودوں یا بزرگوں کی مورتین رکھنے یا کھینچنے کا کعبہ میں حق تھا اُسی طرح اُن عربوں کو بھی حق تھا جو

یہودی اور عیسائی ہو گئے تھے اور کسی کو اس کی ممانعت کا حق نہ تھا۔

اسلام سے پیش تر ملک عرب کی یہ مذہبی حالت تھی اور ایسے مختلف مذہب جو زمانۂ واحد میں وہاں مروج ہو گئے تھے اُس کا ضروری نتیجہ یہ ہوا ہوگا کہ ان مذہبوں کے احکام اور مسائل اور رسوم باہم خلط ملط اور اہل عرب میں بالعموم مروج ہو گئے ہوں گے۔ کیوں کہ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ اُن نیم وحشی اور جاہل لوگوں کو اس قدر شعور ہو کہ اتنے مذاہب مختلفہ کے باہمی تفرق کو جانچ سکتے ہوں اور ایک کو دوسرے سے علیحدہ کرکے دقیق تفاوت کی تمیز کرتے ہوں۔

**اسلام کی مناسبت دیگر الہامی مذاہب سے**

ان مذاہب کے بھاری بوجھ کے نیچے ملک عرب ایک مذبوحی حرکت کر رہا تھا کہ دفعتاً اسلام نمودار ہوا اور اُس کو حیرت آمیز سرور میں ڈال اُس کا غیر متحمل بوجھ دور کر دیا اور دفعتاً جزیرۂ عرب کے چاروں کونوں کو صدق کے نور سے بھرپور کر دیا اس لیے اگر یہ کہنا جائز ہو تو کہہ سکتے ہیں۔ کہ دین سلام عرب کے حق میں رحمت ایزدی سے کچھ زیادہ تھا۔ اسلام از روئے اصول کے بت پرستی کے بالکل متناقض تھا۔ کیوں کہ وہ حقائق قدرتی اور ابدی کی تعلیم و تلقین کر کے انسان کو اعلیٰ درجہ پر پہنچانا چاہتا تھا اور بت پرستی انسان کو جہالت کی حالت میں رکھ کر از روئے تمدن اور اخلاق کے دونوں طرح سے غلام بنانا چاہتی تھی۔ اسلام لا مذہبی سے بھی کچھ موافقت نہ رکھتا تھا کیوں کہ اس کا ابتدائی اور خاص اصول یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی وحدانیت پر اس کے وجود پر بے چون و چرا

اعتقاد رکھنا چاہیے جس کے وجود سے لا مذہبوں کا انکار تھا ۔ مذہب اسلام میں اور عرب کے خدا پرستوں کے مذہب کے دونوں فرقوں میں سے دوسرے فرقہ سے کوئی سخت مخالفت نہ تھی کیوں کہ اگر اس فرقہ کے عقائد میں وحی کے عقیدہ کو اضافہ کیا جاوے تو مذہب اسلام کے اصلی اصول کے بہت قریب قریب ھو جاتا ھے مذہب صائبی کے عقائد الہام سے اسلام بالکل مماثل تھا ۔ لیکن اس مذہب میں اجرام فلکی کی پرستش کو رد کرتا تھا اور سیاروں کے نام پر مورتیں بنانے اور معابد قائم کرنے کو بھی جو ایک قسم کی بت پرستی ھے اور جس میں قوم اور صائبی بوجہ امتداد زمانہ کے آھستہ آھستہ آ پڑی تھی ناروا ٹھہراتا تھا ۔

ابراھیمی مذہب اور عرب کے اور نبیوں کے مذہب اور یہودی مذہب کے اصول اور احکام اور عقائد اسلام کے اصول اور احکام اور عقائد کے کچھ بھی متناقض نہ تھے ۔ بلکہ درحقیقت اسلام کے اصول اور احکام ابراھیمی مذہب اور دیگر انبیائے عرب کے مذہب اور یہود کے مذہب کے اصول اور احکام کو مکمل کرتے تھے ۔ اسلام میں اور یہودی مذہب میں صرف یہ فرق تھا کہ اسلام حضرت یحییٰ کو تسلیم کرتا تھا ۔ مگر یہودیوں اور عیسائیوں کی بعض غلط تفاسیر کو جو وہ توریت اور انجیل کی آیتوں کی کرتے تھے نہیں مانتا تھا ۔ اصول اسلام اُن عمدہ اصول سے جن کی درحقیقت حضرت عیسیٰ نے تلقین کی تھی مطابقت تامہ رکھتا تھا ۔ لیکن زمانۂ اسلام میں جو عیسائی تھے اُن کے اصول اور عقائد اور مسائل اور رسوم مذہبی اور اُن کے برتاؤ سے بالکل مخالف تھا اور بجز چند متفرق اور متعدد مسائل اخلاق کے کسی اور چیز میں ان دونوں مذہبوں میں

نہ تھی -

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذہب اسلام کیا ہے - ہم جواب دیتے ہیں کہ مذہب اسلام صائبی مذہب کے الہامی اصول اور احکام اور مسائل کی تکمیل اور ابراہیمی مذہب اور عرب کے دیگر الہامی مذہبوں کے اصول اور احکام اور مسائل کی تکمیل اور ترتیب اور یہودی مذہب کے الہامی اصول اور احکام اور مسائل کی قرار واقعی تکمیل اور اللہ جل شانہ' کی وحدانیت کی ایسے اعلیٰ درجہ پر توضیح جو کسی اور مذہب میں اس تکمیل سے نہیں تھی اور جس کو ہم وحدت فی الذات اور وحدت فی الصفات اور وحدت فی العباد سے تعبیر کرتے ہیں اور اخلاق کے ان اصولوں کی جن کی حضرت عیسی نے دراصل تلقین کی تھی تکمیل ہے اور ان تمام مذاہب کے الہامی اصول اور احکام اور مسائل کی تکمیل اور اجتماع کا نام اسلام ہے - ہم اپنے اس جواب کو بعض مثالوں کے حوالہ سے مشرح کرتے ہیں -

مذہب اسلام میں دوسرے معبود کی پرستش کا امتناع اور بت پرستی کا استیصال یہودیوں کے مذہب کے اصول کے بالکل مماثل ہے - توریت میں لکھا ہے کہ "در حضور من ترا خدایان غیر نہ باشند"۔ (سفر خروج باب ۲۰ ورس ۳) "بہر چہ شما را ماموور داشتم رعایت نماید و اسم خدایان غیر را ذکر نہ نمودہ از دہانت شنیدہ نہ شود" (سفر خروج باب ۲۳ ورس ۱۳) "بجہت خود صورت تراشیدہ و ہیچ شکل از چیز ہائیکہ در آسمان ست در بالا و یا در زمین ست در پائین و یا دو آب ہائے کہ در زیر زمین است مساز - آنہا را سجدہ نہ نمودہ ایشاں را عبادت منما زیرا کہ من خداوند خدائے تو ام" (سفر خروج باب ۲۰

ورس ۴ و ۵) '' به تنها توجه منمائید و خدایان ریخته شده از برائے خود مسازید خداوند خدائے شمامنم'' (سفر لویان باب ۱۹ ورس ۴) '' از برائے خودتاں بتاں و اصنام تراشیده شده مسازید و نصب شد ها از برائے خودتاں برپائے منمائید و در زمین خودتاں تصویر هائے سنگے جهت سجده نمودنش مگذارید - زیرا که خداوند خدائے شما منم '' (سفر لویان باب ۲٦ ورس ۱) '' خدایان ایشاں را سجده نه نموده بآنها عبادت مکن و موافق اعمال ایشاں عمل منما بلکه ایشاں را بالکل منهدم ساخته و بت هائے ایشاں بالتمام بشکن '' (سفر خروج باب ۲۳ ورس ۲۴) -

سب سے بہتر اور اعلیٰ احکام یہودی مذہب میں یہ ہیں جو ذیل میں لکھے جاتے ہیں اسلام میں یہی احکام بجنسہ موجود ہیں - '' پدر و مادر خود را احترام نما ، قتل مکن ، زنا منما ، دزدی مکن ، بر همسایه ات شهادت دروغ مده ، بخانه همسایه ات طمع مورز '' (سفر خروج باب ۲۰ ورس ۱۲ ، ۱۷) -

اوقات نماز جو اسلام میں مقرر ہیں اور جن کی تعداد[1] سات یا پانچ یا تین ہیں مذہب صابئی اور مذہب یہود کی اوقات نماز سے بہت مشابہ ہیں -

اسلام میں نماز پڑھنے کا جو طریقہ ہے - وہ صابئی مذہب اور یہود کے مذہب کے طریقہ سے نہایت مماثل ہے - نماز دل کی صفائی کے لیے تھی اور یہی اصلی منشاء نماز کے مقرر کرنے کا تھا

---

۱- یعنی فجر ، ضحی ، یعنی چاشت ، ظہر ، عصر ، مغرب ، عشا ، تہجد ، دوسری اور ساتویں نماز مسلمانوں میں فرض نہیں ہے - اور باقی پانچ نمازیں فرض ہیں - دوسری اور تیسری کو اور چوتھی اور پانچویں کو ایک وقت میں پڑھ لینے کا اختیار ہے اس صورت میں پانچ نمازیں اور تین وقت رہ گئے - (سید احمد)

اور جسم اور پوشاک وغیرہ کی صفائی جس کے واسطے شرع اسلام مین حکم ہے صائبیوں اور یہودیوں کی اس قسم کی رسومات سے بہت کچھ مشابہت رکھتے ہیں - توریت میں خدا تعالیٰ نے موسیٰ سے کہا کہ نزد قوم روانہ شدہ ایشان را امروز و فردا تقدیس نمائے تا کہ جامہ ہائے خود را شست و شو نمایند" (سفر خروج باب ۱۹ ورس ۱۰) "پس موسیٰ هارون و پسرانش را نزدیک آوردہ ایشان را بہ آب شست و شوداد" (سفر لویان باب ۸ ورس ٦) -

مذہبی امور میں صرف ایک یہی بات اسلام میں نئی ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتی - یعنی نماز کے بلانے کے لیے یہودیوں کی قرنائے بجانے اور عیسائیوں کے گھنٹے بجانے کے بدلے اذان مقرر کی گئی ہے اس نرالے پن کی نسبت ایک عیسائی مصنف اس طرح پر لکھتا ہے کہ "مختلف اوقات نماز کی اطلاع مؤذن مسجدوں کی میناروں یا ماذنوں پر کھڑے ہو کر اذان دینے سے کرتے ہیں - اُن کا لحن جو ایک بہت سادہ مگر سنجیدہ لہجہ میں بلند ہوتا ہے - شہروں کی دوپہر کی ودند پکار میں مسجد کی بلندی سے دلچسپ اور خوش آواز معلوم ہوتا ہے - لیکن سنسان رات میں اُس کا اثر اور بھی عجیب طور سے شاعرانہ معلوم ہوتا ہے یہاں تک کہ اکثر فرنگیوں کی زبان سے بھی پیغمبر صاحب کی تعریف نکل گئی ہے کہ یہودیوں کے معبد کی قرنائے اور کلیسائے نصاریٰ کے گھنٹوں کی آواز کے مقابلہ میں انسانی آواز کو پسند کیا۔"

تمام قربانیاں جو مذہب اسلام میں جائز ہیں مذہب یہود کی قربانیوں کے مشابہ ہیں گویا یہ قربانیاں شارع اسلام نے مذہب یہود کی بے شمار قربانیوں سے منتخب کر لی ہیں اور جو

تاکیدی حکم مذہب یہود میں اُن قربانیوں کے کرنے کی نسبت تھا اس کو نہایت خفیف بلکہ اختیاری کر دیا ہے ۔

مذہب اسلام میں جو روزے مقرر ہیں وہ مذہب یہود اور مذہب صائبی کے روزوں سے مشابہ ہیں بلکہ صائبی مذہب کے روزوں سے بہ نسبت یہودی مذہب کے روزوں کے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں ۔

ہفتہ کے ایک معینہ دن میں نماز اور دیگر رسوم مذہبی کے مقررہ وقت پر لوگوں کو کارہائے دنیوی سے منع کرنا یہودیوں کی اسی قسم کی رسم سے مطابقت رکھتا ہے لیکن حضرت ابراہیم کے زمانہ سے اہل عرب جمعہ کو متبرک دن سمجھتے آئے ہیں ۔

ختنہ بھی وہی ہے جس کا یہود اور پیروان حضرت ابراہیم کے ہاں دستور تھا ۔ نکاح اور طلاق کا بھی قریب قریب ویسا ہی قاعدہ ہے جیسا کہ اور مذاہب الہامی میں تھا ۔ توریت میں لکھا ہے کہ " اگر کسے زنے را گرفتہ بہ نکاح خود در آورد و واقع شود کہ بہ سبب چر کینے کہ در و یافت شد در نظرش التفات نہ باید آنگاہ طلاق نامہ نوشتہ بدستش بدھد وا او را از خانہ اش رخصت دھد " (سفر توریہ مثنی باب ۲۴ ورس ۱) ۔

بعض عورتوں سے نکاح کرنے کے جواز یا عدم جواز میں جو احکام مذہب اسلام میں ہیں وہ اکثر باتوں میں یہودیوں کے مذہب کے احکام سے مشابہ ہیں ۔

جنب مرد اور عورت کو مسجد میں جانے یا قرآن مجید کے چھونے کا امتناع اُنہیں دستوروں سے مشابہت رکھتا ہے جو مذہب یہود میں جاری ہیں ۔ مگر فرق اتنا ہے کہ مذہب اسلام میں بہ نسبت مذہب یہود کے یہ امتناع کم سختی سے ہے ۔

سوئر کے گوشت کے کھانے کی ممانعت مذہب اسلام میں ویسی ہی ہے جیسی کہ بنی اسرائیل کے مذہب میں تھی - توریت میں لکھا ہے ”و خوک باوجودیکه ذی سم چاک و تمام شکاف است اما نوش خوار نمی کند آں برائے شما ناپاک است“ (سفر لویان باب ۱۱ ورس ۷) -

جانوروں کے حلال یا حرام ہونے اور مرے ہوئے جانور کا گوشت نہ کھانے کی نسبت جو احکام مذہب اسلام میں ہیں وہ موسوی شریعت کے نہایت ہی مشابہ ہیں بلکہ علمائے اسلام نے وہ تمام مسائل موسوی شریعت سے مستنبط کیے ہیں -

شراب خواری اور دیگر مسکرات کا امتناع بھی موسوی شریعت کے مشابہ ہے توریت میں ہے کہ ”ہنگام در آمدن شما به خیمه شراب و مسکرات را نخورید“ (سفر لویان باب ۱۰ ورس ۹) مگر مذہب اسلام نے اس خرابی کی جو شراب سے ہوتی ہے پوری بندش کر دی ہے یعنی شراب کو بالکل حرام کر دیا ہے اور کسی وقت پینے کی اجازت نہیں ہے -

مذہب اسلام میں مختلف جرائم اور تقصیرات کی نسبت جو سزائیں مقرر ہیں وہ بھی ان سزاؤں سے جو موسوی شریعت میں ہیں نہایت درجہ مشابہت رکھتی ہیں - زنا کی سزا سو کوڑے مارنا مذہب اسلام میں ہے - یہ سزا یہودیوں کے قانون سے مختلف ہے - لیکن جو علمائے اسلام یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب اسلام میں بھی زنا کی سزا سنگ سار کرنا ہے تو یہ سزا یہودیوں کے مذہب سے بالکل مماثلت رکھتی ہے -

مسلمان فقہا نے ارتداد کی سزا قتل قرار دی ہے - اگر درحقیقت مذہب اسلام میں ارتداد کی یہی سزا ہو وہ بھی موسوی شریعت سے بالکل مماثل ہے - توریت میں لکھا ہے ”و هر کسے

کہ اسم خداوند را کفر بگوید البتہ باید کشتہ شود تمامی جماعت باید او را بے تامل سنگ سار نمایند خواہ غریب خواہ متوطن چونکہ اسم خداوند را کفر گفتہ است کشتہ شود'' (سفر لویان باب ۲۴ ورس ١٦) -

بعض عیسائی مؤرخوں نے کہا ہے کہ اسلام میں ملائک کا تصور اور اعتقاد یہودیوں کی کتاب تالمد سے اور جنات اور شیاطین کا اعتقاد یہودیوں کی کتاب مدراش اور تالمد دونوں سے اور مرنے کے بعد جسم اور روح کی حالت کا بیان یہودیوں سے اور بہشت اور دوزخ کی کیفیت یہودیوں اور عیسائیوں سے اور قیامت اور روز حشر کے حالات کا یہودیوں کی کتاب مدراش اور تالمد سے اخذ کیا ہے - مگر ہماری رائے یہ ہے کہ اول تو وہ حالات جس طرح پر کہ لوگ خیال کرتے ہیں اس طرح پر مذہب اسلام سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے دوسرے یہ کہ اُن امور میں سے جس قدر کہ مذہب اسلام سے علاقہ رکھتے ہیں وہ اُن ذریعوں سے اخذ نہیں کیے گئے کیوں کہ بجز اتحاد نام کے اور جو کچھ کہ اسلام میں بیان کیا گیا ہے وہ کتب مذکورہ بالا کے بیان سے بالکل اختلاف رکھتا ہے -

اس خطبہ میں اس قدر گنجائش نہیں ہے کہ ہم اُن امور پر تفصیل کے ساتھ بحث کریں اور اُن امور میں سے جو امور کہ متعلق اسلام ہیں اور جو امور کہ متعلق اسلام نہیں ہیں اُن میں تمیز کریں اور امور متعلقہ اسلام کی کامل تشریح کریں اس لیے ہم اس مضمون کو یہ کہہ کر ختم کرتے ہیں کہ اگر بالفرض امور مذکورہ بالا مذہب اسلام سے علاقہ رکھتے ہیں جیسے کہ بالعموم مسلمانوں کی ایک جماعت کثیر کا اعتقاد ہے تو وہ امور بھی مذہب اسلام میں اسی قسم کے تصور کیے جاویں گے جیسے کہ

مذہب اسلام کے اور احکام یہودی مذہب سے مشابہ ہیں ۔

اسلام نے عیسائی مذہب سے بجز مندرجہ ذیل عقیدوں کے اور کوئی عقیدہ اخذ نہیں کیا ہے ۔ ایک یہ کہ ”اللہ کو جو تیرا خدا ہے اپنے سارے دل سے اور اپنی ساری جان سے اور اپنی ساری عقل سے پیار کر“ (انجیل متی باب ۲۲ ورس ۳۷) دوسرا یہ کہ ”اور جیسا تم چاہتے ہو کہ لوگ تم سے کریں تم بھی ان سے ویسا ہی کرو“ (انجیل لوک باب ۶ ورس ۳۱) ۔

صداقت اسلام کی دلیل

اس مقام پر اگر کسی محقق اور صداقت کے متلاشی مزاج آدمی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر یہی حال ہے تو اسلام اصول اور عقائد متفرقہ اور منتشر و مذاہب سابق کی محض ایک ترتیب اور اجتماع کا نام ہے جو ادھر آدھر سے جمع کر لیے ہیں اور اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اسلام کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہو ۔ لیکن ہر ذی فہم شخص پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ یہ مشابہت اور مماثلت اصول اور عقائد مذہب اسلام کی دیگر مذاہب الہامی کے اصول و عقائد سے مذہب اسلام کے پاک اور الہامی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے تمام چیزیں جن کا مبدا ایک ہے غیر منتہی اور کامل ذات ہو ضرور ہے کہ ایک ہی قسم کی اور ایک ہی کامل اصول پر ہوں گی ۔ جس طرح کہ خدا تعالیٰ سے اپنا مثل پیدا کرنا غیر ممکن ہے ۔ جس طرح کہ اس کی ذات سے کسی پیدا کی ہوئی چیز کو اپنی مرضی اور اپنی حکومت کے لحاظ سے خارج کر دینا محال ہے اسی طرح سے یہ بھی ناممکن ہے کہ ایک ہی غرض کے انجام دینے کے لیے دو متناقض اصول اور احکام اس کی ذات سے صادر ہوں ۔

محسن عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلعم

مسلمانوں کو بلکہ تمام دنیا کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ ممنون رہنا چاہیے جنھوں نے ابتدائے دنیا سے اپنے زمانہ تک کے تمام نبیوں کی رسالت کو بر حق ٹھہرایا۔ جنھوں نے دنیا کے تمام الہامی مذھبوں کی تکمیل کی اور جنھوں نے اپنے با ایمان متبعین کے لیے بے بہا اور لازوال نور کے دروازے کھول دیے (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)۔

(۴)

# اسلام دنیا کے لیے رحمت ہے

اور

# تمام انبیاء کے مذاہب کی پشت و پناہ

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت
علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا

مذہب اسلام انسان کے حق میں رحمت ہے اور موسوی اور عیسوی مذہب کو اس سے نہایت فائدے پہنچے ہیں -

یہ مضمون جس کو اب ہم لکھنا چاہتے ہیں ایک ایسا مضمون ہے کہ ہم کو اس کا لکھنا یا پڑھنا شروع کرنے سے پہلے نہایت بے تعصب دل پیدا کرنا چاہیے کیوں کہ طرفدار دل سچے اور صحیح نتیجہ تک نہیں پہنچتا - اس الزام کے رفع کرنے سے تو ہم مجبور ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمانی مذہب میں جو فی الواقع خوبی ہے اس کو ظاہر کرتے ہیں مگر جہاں تک ہم سے ہو سکا ہے ہم نے نہایت ٹھنڈی طبیعت اور نا طرفدار دل اور سیدھی سادی سچی نیت سے یہ مضمون لکھا ہے اور اسی لیے ہم کو یقین ہے کہ اگر ہم اپنی اس رائے پر دوسرے کو یقین نہ دلا سکیں گے تو اس کو رنجیدہ بھی نہیں کریں گے - ہمارا یہ مضمون چار حصوں پر منقسم ہے -

## مضمون کا پہلا حصہ

پہلے حصہ میں اُن فائدوں کا بیان ہے جو مذہب اسلام سے عموماً انسان کی معاشرت کو پہنچے ہیں ۔

گو ہم کیسے ہی سچے دل اور نیک نیت سے ناطرفدارانہ اس مضمون کو لکھیں گے مگر ہم کو نہایت افسوس ہے کہ جو بات مذہب اسلام کے متعلق ہوتی ہے اُس کو عیسائی مصنف ہمیشہ بدظنی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور نیکی کو چھوڑ بدی پر حمل کرتے ہیں اس لیے ہم کو توقع نہیں ہوتی کہ جو خاص ہماری رائے اس باب میں ہو وہ اُسی بدگمانی اور بد ظنی کی نگاہ سے نہ دیکھی جاوے اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر ہم اُنھیں راؤں کا بیان کریں جن کو خود بعض عیسائی مصنفوں نے انسان کے حق میں مذہب اسلام کے مفید ہونے کی نسبت لکھی ہیں ۔

سر ولیم میور جو ایک نہایت دیندار عیسائی ہیں اور جب تک کہ علانیہ اور نہایت روشن بات نہ ہو اسلام کے حق میں گواہی نہیں دے سکتے ۔ اپنی کتاب لائف آف محمد میں جس کے لیے ہم مسلمانوں کو اُن کا شکر کرنا چاہیے ارقام فرماتے ہیں کہ " ہم بلا تامل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس نے (یعنی مذہب اسلام نے ، ہمیشہ کے واسطے اکثر توہمات باطلہ کو جن کی تاریکی مدتوں سے عرب کے ملک جزیرہ نما پر چھا رہی تھی کالعدم کر دیا ۔ اسلام کی صدائے جنگ کے روبرو بت پرستی موقوف ہو گئی اور خدا کی وحدانیت اور غیر محدود کمالات اور ایک خاص اور ہر ایک جگہ احاطہ کی ہوئی قدرت کا مسئلہ حضرت محمد کے معتقدوں کے دلوں اور جانوں میں ایسا ہی زندہ اصول ہو گیا ہے جیسے کہ خاص محمدؐ کے دل میں تھا مذہب اسلام

میں سب سے پہلی بات جو خاص اسلام کے معنے ھین یہ ھے کہ خدا کی مرضی پر توکل مطلق کرنا چاھیے - بلحاظ معاشرت آگے بھی اسلام میں کچھ کم خوبیاں نہین ھین چناں چہ مذھب اسلام میں یہ ھدایت ھے - کہ سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ محبت رکھیں - یتیموں کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاھیے - غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت برتنی چاھیے - نشہ کی چیزوں کی ممانعت ھے - مذھب اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ھے کہ اس میں پرھیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ھے جو کسی اور مذھب میں نہین پایا جاتا -''

سر ولیم کی اس تحریر میں کچھ حاشیہ لکھنا چاھتا ھوں - میں سمجھتا ھوں کہ صدائے جنگ نے بت پرستی کو معدوم نہین کیا بلکہ اس سچے مسئلہ وحدانیت کے وعظ نے بت پرستی کو معدوم کیا ھے - جس کا اثر قرآن مجید کے نہایت فصیح اور پر تاثیر فقروں سے لوگوں کے دلوں پر ھوتا تھا اور نہ صرف عرب سے بت پرستی کو نیست و نابود کیا بلکہ تمام مذھبوں میں جو اس وقت دنیا میں رائج تھے اور وھاں تک وعظوں کی آواز پہنچتی تھی اس خیال کو پیدا کر دیا کہ بت پرستی نہایت کمینہ خصلت اور سخت گناہ ھے -

برادرانہ دینی محبت کا برتاؤ آپس میں مسلمانوں کے ایک خدا کے ماننے والے ھونے کی وجہ سے بتایا جو ایک قدرتی رشتہ دینی بھائی ھونے کا ھے مگر انسانی محبت کا برتاؤ تمام انسانوں سے بلکہ ھر ایک سے جو جگر تر رکھتا ھو برتنے کو فرمایا -

غلاموں کی نسبت اگر صحیح تسلیم کیا جاوے تو اسلام نے غلامی کو بالکل نیست و نابود کر دیا ھے اسیران جنگ کے سوا کوئی غلام نہین ھو سکتا تھا - وہ بھی زمانۂ جاھلیت کی

رسم کے موافق مگر قرآن نے ''اما منا بعد و اما فداء''
کہہ کر اس کو بھی نابود کر دیا۔ جو لوگ اسیران جنگ
کو احساناً چھوڑ دیتے ہیں۔ نہایت اعلیٰ درجہ پاتے ہیں اور
جو کچھ لے کر چھوڑتے ہیں وہ اُن سے کم تر گنے جاتے ہیں۔
اس حکم کے پہلے سے جو لوگ غلام رکھتے تھے اُن کی پرورش
کا اسی طرح اُن کو حکم دیا جس طرح کہ وہ آپ اپنی جان کی
پرورش کرتے ہیں۔

ان سب باتوں کی نسبت سر ولیم میور نے مذکورہ بالا فقرہ
میں اشارہ کیا ہے مگر اتنی بات اور زیادہ کرنی چاہیے تھی کہ
مذہب اسلام نے قمار بازی کو منع کرنے اور نا شائستہ کلمات
کے منہ سے نکالنے کی ممانعت سے۔ والدین کے ساتھ محبت اور تعظیم
سے پیش آنے کی تاکید سے۔ ایک مناسب اندازہ سے خیرات دینے
کی رغبت دلانے سے۔ لوگوں کو اُن کی حاجت میں قرض حسنہ
دینے سے۔ وعدہ کی وفا کرنے کی تاکید سے۔ جانوروں کے ساتھ رحم
اور مہربانی برتنے کے حکم سے۔ انسانوں کے اخلاق اور اُن کی
حسن معاشرت میں بہت کچھ ترقی دی ہے۔

مشہور اور نہایت لائق اور قابل مؤرخ گبن اپنی کتاب میں
جہاں یہ بحث کرتا ہے کہ حضرت محمدؐ اپنے ملک کی نسبت
کیسے تھے اس طرح پر لکھتا ہے کہ ''حضرت محمدؐ کی سیرت میں
سب سے اخیر جو بات غور کرنے کے لائق ہے وہ یہ ہے۔ کہ
اُن کا عظم و شان لوگوں کی بھلائی اور بہبودی کے حق میں مفید
ہوا یا مضر۔ جو لوگ کہ آنحضرت کے سخت دشمن ہیں وہ بھی
اور نہایت متعصب عیسائی اوریہودی بھی باوجود پیغمبر برحق نہ
ماننے کے اس بات کو ضرور تسلیم کریں گے۔ کہ آنحضرت نے
دعوائے رسالت ایک نہایت مفید مسئلہ کی تلقین کے لیے اختیار کیا۔

گو وہ یہ کہیں کہ صرف ہمارے ہی مذہب کا مسئلہ اُس سے اچھا ہے (گویا وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ سوائے ہمارے مذہب کے اور تمام دنیا کے مذہبوں سے مذہب اسلام اچھا ہے) آنحضرت یہودیوں اور عیسائیوں کی کتب سماویہ قدیمہ کی سچائی اور پاکیزگی اور اُن کے بانیوں یعنی اگلے پیغمبروں اور معجزوں اور ایمان داری کو مذہب اسلام کی بنیاد خیال کرتے تھے۔ عرب کے بت خدا کے تخت کے روبرو توڑ دیے گئے اور انسان کے خون کے کفارہ کو نماز روزہ خیرات سے بدل دیا جو ایک پسندیدہ اور سیدھے سادھے طریقہ کی عبادت ہے (یعنی جو انسان کی قربانی بتوں پر ہوتی تھی اس کو معدوم کیا اور بعوض اُس کے نماز و روزہ و خیرات کو بطور کفارہ قرار دیا) اُن کے عقبیٰ کی جزا و سزا ایسی تمثیلوں میں بیان کی جو ایک جاہل اور ہوا پرست قوم کی طبیعت کے نہایت موافق تھیں۔ شاید وہ اپنے ملک کا اخلاق اور ملکی انتظام درستی سے نہ کر سکتے ہوں مگر آنحضرت نے مسلمانوں میں نیکی اور محبت کی ایک روح ڈال دی۔ آپس میں بھلائی کرنے کی ہدایت کی اور اپنے احکام اور نصیحتوں سے انتقام کی خواہش اور بیوہ عورتوں اور یتیموں پر ظلم و ستم ہونے کو روک دیا۔ قومیں جو کہ مخالف تھیں اعتقاد میں فرماں برداری میں متفق ہو گئیں۔ خانگی جھگڑوں میں جو بہادری بیہودہ طور سے صرف ہوتی تھی نہایت مستعدی سے ایک غیر ملک کے دشمن کے مقابلہ پر مائل ہو گئی۔"

مسٹر گبن کی یہ رائے بھی کسی قدر حاشیہ لکھنے کے لائق ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ مسٹر گبن ایک نہایت غیر متعصب مؤرخ ہے اور مسلمانوں کی تاریخ بھی اُس نے نہایت

سچائی اور دیانت داری سے لکھی ہے - مگر بعض مذہبی مسائل جو اس کو تحقیق نہین ہوئے یا غلط طور سے اس تک پہنچے یا جہاں اصلی مسئلہ اور علما کی رائے اور اجتہاد مین اُس نے تمیز نہین کی - اُن مقامون مین اُس نے نسبت آنحضرت صلعم کے یا مذہب اسلام کے رائے قائم کی ہے اور ہم کو اس نامی مؤرخ کے نہایت بے تعصب ہونے کی وجہ سے یقین ہے کہ اگر صحیح مسئلہ اُس تک پہنچتا تو کبھی وہ رائے قائم نہ کرتا جو اُس نے کی -

آنھون نے یہ خیال نہین کیا کہ عقبیٰ کی سزا اور جزا کا بیان نا ممکن ہے ان دیکھی ، ان چھوئی ، ان چکھی ، ان سمجھی ، چیز کیون کر سمجھ مین آسکتی ہے ؟ جس چیز کے لیے لفظ ہی انسان کی زبان مین نہ ہون وہ کیون کر بیان ہو سکتی ہے ؟ کیفیت جو ایک ذاتی وجدانی چیز ہے وہ دوسرے کو کیون کر بتلائی جا سکتی ہے ؟ یہ تمام امور محالات سے ہین پس وحی یا الہام اُن کو کیون کر بیان کر سکتا ہے ؟ سچا اور صحیح مسلمانی مسئلہ سزا و جزا کا یہ ہے کہ "لا عین رأت ولا اذن سمعت و لا خطر علی قلب بشر" پس کوئی بیان کرنے والا گو کہ وہ الہام ہی کی زبان ہو جزا کو بجز اس کے کہ نہایت ہی محبوب چیز ہے اور سزا کو بجز اس کے کہ نہایت ہی موذی چیز ہے اور کچھ نہین بتا سکتا - سو وہ بھی دنیا ہی کی محبوب اور موذی چیزون پر قیاس ہو سکتا ہے نہ عقبیٰ کی واقعی محبوب و موذی چیز پر - اس لیے تمام انبیاء نے دنیا ہی کی محبوب و موذی چیزون کی تمثیل میں عقبیٰ کی سزا و جزا کا بیان کیا ہے - موسیٰ یہی فرمایا کیے کہ نیک کام کرو گے تو مینہ برسے گا - غلہ پیدا ہوگا - وبا نہ ہوگی - گناہ کرو گے تو قحط پڑے گا وبا پھیلے گی -

اُنھوں نے اپنی تمام زندگی میں عقبٰی کا نام ھی نہیں لیا کیوں کہ اُس زمانہ کے لوگ بجز اُس کے اور کسی چیز پر سزا و جزا کا قیاس کر ھی نہیں سکتے تھے ۔

آنحضرت صلعم نے سزا و جزا کا اُن دنیاوی تمثیلوں میں بیان کیا جس پر اُس ملک کے لوگ سزا و جزا کے محبوب و موذی ہونے کا قیاس کر سکتے تھے نہ یہ کہ اُس سے وھی حقیقت مراد تھی جو ان لفظوں کے لغوی معنی تھے ۔ اگر آنحضرت صلعم یورپ کے کسی ٹھنڈے ملک میں پیدا ھوتے تو ضرور بجائے ٹھنڈی نہروں کے گرم پانی کی نہریں اور بجائے موتی کے محلوں کے آتش خانہ والے محل بیان فرماتے اور نہ اُس سے حقیقت مراد ھوتی نہ اُس سے بلکہ صرف ایک تمثیل قیاس کرنے کو تھی وہ بھی صحیح قیاس کرنے کو نہیں بلکہ قیاس مع الفارق کرنے کو ۔ جس قدر علمائے ربانی گذرے ھیں وہ سب اسی بات کے قائل ھیں قل آعوذیے ملانے بلکہ کٹ ملا ھمیشہ اُن کے بر خلاف رھے مگر جو حقیقت ھے وہ کسی کے مخالف یا موافق ھونے سے تبدیل نہیں ھوتی ۔

اخلاق اور ملکی انتظام کی نسبت بھی جو کچھ مسٹر گبن صاحب نے لکھا حاشیہ چڑھانے کے قابل ھے ۔ اخلاق کا لفظ جو اُنھوں نے استعمال کیا وہ اسپریچوئل اور سوشیل یعنی روحانی اور تمدنی دونوں برتاؤ کو شامل ھے ۔ روحانی برتاؤ کی نیکی تمدنی برتاؤ کی خوبی کو لازم ھے ۔ الا تمدنی برتاؤ کو روحانی نیکی یا بدی سے تعلق ھونا کچھ ضرور نہیں ھے ۔ آنحضرت صلعم کا کام صرف اسپریچوئل ورچو یعنی روحانی نیکی کا بتانا تھا اور جہاں تک اس کو تمدن سے تعلق تھا بطور لزوم کے تھا نہ بطور مقصود بالذات کے ۔ کیوں کہ وہ از خود انسان کی حالت ترقی

کے ساتھ ترقی پائی جاتی ہے پس یہ بات کہ آنحضرت صلعم نے روحانی اخلاق کو کافی ترقی دی خود مسٹر گبن نے تسلیم کی ہے - باقی رہی تمدنی حالت - وہ اُن کے اصلی کام کی جس پر وہ کھڑے ہوئے جزو نہ تھی گو اُس میں بھی بہت کچھ ترقی ہوئی -

ملکی انتظام محض ایک دنیاوی کام تھا جہاں تک جان و مال کے امن سے متعلق تھا اور اُس زمانہ کی حالت کے مطابق بطور ایک دنیاوی کام کے نہایت اعلٰی درجہ کی ترقی پر پہنچا تھا اور آئندہ کے لیے وہ یہ انتظام فرما کر کہ "انتم اعلم بامور دنیا کم" ان لوگوں کے ہاتھوں چھوڑا تھا جو آئندہ زمانہ میں ہوں یہ ایک نہایت غلطی ہے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیاوی امور اور انتظام ملکی بھی ایک جزو پیغمبری کا تھا -

مسٹر جان ڈیون پورٹ نے اپنی کتاب مسمٰی "اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن" میں یہ رائے لکھی ہے کہ "اس بات کا خیال کرنا جیسا کہ بعضوں نے کہا ہے بہت بڑی غلطی ہے کہ قرآن میں جس عقیدہ کی تلقین کی گئی ہے اُس کی اشاعت صرف بزور شمشیر ہوئی تھی - کیوں کہ جن لوگوں کی طبیعتیں تعصب سے مبرا ہیں وہ سب بلا تامل اس بات کو تسلیم کریں گے کہ حضرت محمد کا دین (جس کے ذریعہ سے انسانوں کے خون یعنی قربانی کے بدلے نماز اور خیرات جاری ہوئی اور جس نے عداوت اور دائمی جھگڑوں کی جگہ فیاضی اور حسن معاشرت کی ایک روح لوگوں میں پھونک دی اور جس کا اسی وجہ سے بہت بڑا اثر شائستگی پر ہوا ہوگا) مشرقی دنیا کے لیے ایک حقیقی برکت تھا اور اس وجہ سے خاص کر اُس کو اُن خون ریز تدبیروں کی حاجت نہ پڑی ہوگی جن کا استعمال بلا استثنا اور بلا امتیاز کے حضرت موسٰی نے بت پرستی کے نیست و نابود کرنے کو

کیا تھا بس ایسے اعلیٰ وسیلہ کی نسبت جس کو قدرت نے
بنی نوع انسان کے خیالات اور مسائل پر مدت دراز تک اثر
ڈالنے کو پیدا کیا ہے گستاخانہ پیش آنا اور جاہلانہ مذمت
کرنا کیسی لغو اور بیہودہ بات ہے ۔ جب ان معاملات پر خواہ
اس مذہب کے بانی کے لحاظ سے خواہ اس مذہب کے عجیب و
غریب عروج اور ترقی کے لحاظ سے نظر کی جاوے ۔ تو بجز اس
کے اور کچھ چارہ نہیں ہے کہ اس پر نہایت دل سے توجہ
کی جاوے ۔ اس امر میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ جن لوگوں
نے مذہب اسلام اور مذہب عیسائی کی خوبیوں کو بمقابلہ ایک
دوسرے کے تحقیق کیا ہے اور ان پر غور کی ہے ان میں سے بہت
ہی کم ایسے ہیں جو اس تحقیقات میں اکثر اوقات تردد کرتے
ہوں اور صرف اس بات کے تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہوں کہ
مذہب اسلام کے احکام بہت ہی عمدہ اور مفید مقاصد کو لیے
ہوئے ہیں ۔ بلکہ اس بات کا اعتقاد کرنے پر بھی مجبور ہوئے ہیں
کہ آخر کار مذہب اسلام سے انسان کو فائدہ کثیر پیدا ہوگا ۔"

جان ڈیون پورٹ نے یہ بھی لکھا ہے کہ " ہر ایک طرح
کی شہادت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن شخصوں نے
فلسفہ اور علوم و فنون کو سب سے پہلے زندہ کیا جو قدیمی اور
زمانہ حال کے علم ادب کے درمیان میں بطور ایک سلسلہ کے بیان
کیے گئے ہیں بلا شبہ وہ ایشیا کے مسلمان اور اندلس کے مور تھے
جو خلفائے عباسیہ اور بنی آمیہ کے عہد میں وہاں رہتے تھے۔علم
جو ابتداء ایشیا سے یورپ میں آیا تھا اس کا وہاں دوبارہ رواج
مذہب اسلام کی دانش مندی سے ہوا ۔ بات مشہور و معروف ہے
کہ اہل عرب میں چھ سو برس کے قریب سے علم و فنون
جاری تھے اور یورپ میں جہالت اور وحشیانہ پن پھیلا ہوا تھا

در علم ادب قریباً نیست و نابود ہو گیا تھا - علاوہ اس کے یہ بات بھی تسلیم کرنی چاہیے کہ تمام علوم طبیعات ، ہیئت فلسفہ ، ریاضی ، جو دوسری صدی میں یورپ میں جاری تھے ابتداءً عرب کے علماء سے حاصل ہوئے تھے اور خصوصاً اندلس کے مسلمان یورپ کے فلسفہ کے موجد خیال کئے جاتے ہیں -

جان ڈیون پورٹ نے یہ بھی لکھا ہے کہ :

"یورپ مذہب اسلام کا اور بھی زیادہ ممنون ہے ، کیوں کہ اگر ان جھگڑوں سے جو سلطان صلاح الدین کے وقت میں بیت المقدس کی لڑائیوں میں ہوئے جس کو فریقین جہاد کہتے تھے، قطع نظر کی جاوے تو بالتخصیص مسلمانوں کے سبب سے فیوڈل انتظام کی سختیاں اور اسیروں کی خود مختاری یورپ سے موقوف ہوگئی - جس کے باقی ماندہ اثروں پر ہمارے ملک یورپ کی آزادیوں کی نہایت بڑی عالی شان عمارت کی بنیاد قائم ہوئی - اہل یورپ کو یہ بات بھی یاد دلانی چاہیے کہ حضرت محمدؐ کے پیروؤں کے (جو قدیمی اور زمانۂ حال کے علم ادب کے درمیان میں بطور سلسلہ کے ذریعہ ہیں) اس لحاظ سے بھی ممنون ہیں کہ مغربی تاریکی کی مدت دراز میں یونانی حکما کی بہت سی کتابیں انھی کی کوششوں سے فنون اور علم ریاضی، طب وغیرہ کے بعض نہایت بڑے بڑے شعبوں کی اشاعت ہوئیں -"

چیمبرز انسائیکلو پیڈیا میں ایک آرٹیکل لکھنے والے نے مذہب اسلام کی نسبت یہ رائے لکھی ہے کہ "مذہب اسلام کا وہ حصہ بھی جس میں بہت کم تغیر و تبدل ہوئی ہے اور جس سے اس کے بانی کی طبیعت نہایت صاف صاف معلوم ہوتی ہے اس مذہب کا نہایت کامل اور روشن حصہ ہے اس سے ہماری مراد قرآن کے علم اخلاق سے ہے - نا انصافی ، کذب ، غرور ، انتقام ،

غیبت ، استہزا ، طمع ، اصراف ، عیاشی ، بے اعتباری ، بد گمانی ، نہایت قابلِ ملامت خیال کی گئی ہیں ۔ نیک نیتی ، فیاضی ، حیا ، تحمل ، صبر ، بردباری ، کفایت شعاری ، سچائی ، راست بازی ، ادب ، صلح ، سچی محبت اور سب سے پہلے خدا پر ایمان لانا اور اُس کی مرضی پر توکل کرنا ، سچی ایمان داری کا رکن اور سچے مسلمان کی نشانی خیال کی گئی ہے ۔"

اس مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ " ہم اس بات پر غور نہیں کر سکتے ہین کہ اسلام نے تمام انسانوں کی بھلائی کے لیے کیا کیا ، لیکن اگر نہایت ٹھیک ٹھیک کہا جاوے تو یورپ مین علوم و فنون کی ترقی میں اُسی کا حصہ تھا ۔ مسلمان علی العموم نویں صدی سے تیرھویں صدی تک وحشی یورپ کے لیے روشن ضمیر معلم کہے جا سکتے ہین ۔ خاندانِ عباسیہ کے خلفاء کے نہایت عمدہ زمانہ سے یونانی خیالات اور یونانی تہذیب کا از سر نو سرسبز ہونا شمار کیا جا سکتا ہے ۔ قدیم علم ادب ہمیشہ کے واسطے بغیر کسی علاج کے مفقود ہو جاتا اگر مسلمانوں کے مدرسون مین اُس کو پناہ نہ ملتی ۔ عربی فلسفہ - قدرتی چیزوں کی تواریخ ، جغرافیہ ، علم تاریخ ، صرف و نحو ، علم کلام اور فن شاعری کی (جس کی تعلیم پرانے استاد دیتے تھے) بہت سی کتابیں پیدا ہو گئیں جن میں سے اکثر اُس وقت تک جاری رہیں گی اور تعلیم بھی دی جاوے گی جب تک نسلیں تعلیم ہونے کے واسطے پیدا ہوتی رہیں گی ۔

ایک جواب مضمون لکھنے والے نے جس نے یہ مضمون اختیار کیا تھا کہ " اسلام ایک ملکی انتظام ہے جو مشرق و مغرب مین جاری ہے" اسلام کی نسبت یہ لکھا ہے کہ " اسلام نے بچہ کشی کا انسداد کر دیا جو اُس زمانہ مین قرب و جوار

کے ملکوں میں جاری تھی - گو عیسائی مذھب نے بھی اُس کو روکا تھا مگر اسلام کے برابر اُس کو کام یابی نہیں ھوئی - اسلام نے غلامی کو موقوف کر دیا - جو اُس ملک کی پرانی جاھلیت کی رسم تھی - اسلام نے ملکی حقوق کو برابر کر دیا اور صرف اُنھی لوگوں کے حق میں انصاف نہیں کیا جو اس مذھب کے معتقد تھے - بلکہ اُن شخصوں کے ساتھ بھی برابر انصاف کیا - جن کو اُس کے ھتھیاروں نے فتح کیا تھا - اسلام نے اُس محصول کو جو سلطنت کو دیا جاتا تھا گھٹا کر صرف دسواں حصہ کر دیا - اسلام نے تجارت کو تمام محصولات اور مزاحمتوں سے آزاد کر دیا - اسلام نے مذھب کے معتقدوں کو اس بات سے کہ اپنے مذھبی سر گروہ کو یا مذھبی کام کو جبراً روپیہ دیں اور تمام لوگوں کو اس بات سے کہ غالب مذھب کو ھر ایک قسم کا مذھبی چندہ دیں بالکل بری کر دیا - اسلام نے فرقہ فتح مند کے تمام حقوق مفتوحہ لوگوں میں سے اُن شخصوں کو دے دیے جو اُس مذھب کے پابند تھے - اُن کو ھر ایک قسم کی پناہ دی - اسلام نے مال کی حفاظت کی - سود لینے کو اور خون کا بدلہ بغیر حکم عدالت کے لینے کو موقوف کیا - صفائی اور پرھیزگاری کی حفاظت کی اور ان باتوں کی صرف ھدایت ھی نہیں کی بلکہ اُن کو پیدا کیا اور قائم کر دیا - حرام کاری کو موقوف کر دیا - غریبوں کو خیرات دینے اور ھر ایک شخص کی تعظیم کرنے کی ھدایت کی -"

وھی مصنف یہ بھی لکھتا ھے کہ "جو نتیجے اسلام سے پیدا ھوئے وہ اس قدر وسیع اور دقیق اور مستحکم ھیں کہ ان کی تکمیل کر لینا تو درکنار ھم یقین نہیں کر سکتے کہ وہ انسان کے خیال میں بھی آ سکیں - اسی سبب سے بعوض اس کے کہ

اس کی نسبت اس طرح پر دلیلیں کی جاویں جس طرح کہ سولن کے قانون یا نپولین کی فتوحات کے نتیجون کے اندازہ کرنے میں کی جاتی ھین ۔ یا تو اُن کی نسبت یہ کہا جاوے کہ اتفاقیہ ہو گئے ھین یا بمجبوری ربانی مرضی کی طرف منسوب کیا جاوے ۔ با این همه یہ نظم ایک شخص واحد نے کیا تھا ۔ جس نے اپنے ملک کے تمام باشندون مین اپنی روح پھونک دی اور تمام قوم کے دل پر نہایت تعظیم و تکریم کا خیال جو کسی انسان کے واسطے کبھی ظاہر نہیں کیا گیا نقش کر دیا ۔ جو سلسلہ قوانین و اخلاق کا اُنھوں نے بنایا وہ اعلیٰ درجہ کی ترقی سے بھی اسی طرح موافق تھا جیسا کہ ادنیٰ ترین لوگوں سے اور اُس سلسلہ نے ایک قوم سے دوسری قوم میں گذر کر ھر ایک قوم کو جس نے اُس کو قبول کیا ان قوموں اور سلطنتوں سے فائق کر دیا ۔ جن سے اُن کا میل ھوا ۔"

طامس کارلائل نے جو اس زمانہ کی دنیا میں نہایت نامور عالم ھیں اپنی کتاب میں جس کا نام "لیکچرز آن ھیروز" ھے اس مضمون کی نسبت جس پر ھم بحث کر رھے ھین یہ رائے لکھی ھے کہ "اسلام کا عرب کی قوم کے حق مین گویا تاریکی مین روشنی کا آنا تھا ۔ عرب کا ملک پہلے ھی پہل اُس کے ذریعہ سے زندہ ھوا ۔ اھل عرب گلہ بانوں کی ایک غریب قوم تھی اور جب سے دنیا بنی تھی عرب کے چٹیل میدانوں میں پھرا کرتی تھی اور کسی شخص کو اُن کا کچھ خیال بھی نہ تھا ۔ اُس قوم میں ایک الوالعزم پیغمبر ایسے کلام کے ساتھ جس پر وہ یقین کرتے تھے بھیجا گیا ۔ اب دیکھو کہ جس چیز سے کوئی واقف ھی نہ تھا وہ تمام دنیا میں مشہور و معروف ھو گئی اور چھوٹی چیز نہایت ھی بڑی چیز بن گئی اُس کے بعد ایک صدی

کے اندر عرب کے ایک طرف غرناطہ اور ایک طرف دھلی ہو گئی - عرب کی بہادری اور عظمت کی تجلی اور عقل کی روشنی زمانہائے دراز تک دنیا کے ایک بڑے حصہ پر چمکتی رھی - اعتقاد ایک بڑی چیز اور جان ڈالنے والا ھے جس وقت کوئی قوم کسی بات پر اعتقاد لاتی ھے تو اُس کے خیالات بار آور اور روح کو عظمت دینے والے اور رفیع الشان ہو جاتے ھیں - یہی عرب اور یہی حضرت محمدؐ اور یہی ایک صدی کا زمانہ گویا ایک چنگاری ایسے ملک میں پڑی جو ظلمت میں کس مپرس ایک ریگستان تھا - مگر دیکھو کہ یہ ریگستان زور شور سے اڑ جانے والی باروت نے نیلے آسمان تک اٹھتے ہوئے شعلوں سے دھلی سے غرناطہ تک روشن کر دیا " یہ رائیں ھیں عیسائی مصنفوں کی جو اُنھوں نے اسلام کی نسبت لکھی ھیں - اب ہم اپنے خطبہ کے اس حصہ کو اُنھی رایوں پر ختم کرتے ھیں اور دوسرے حصہ پر متوجہ ہوتے ھیں -

## مضمون کا دوسرا حصہ

دوسرے حصہ میں عیسائی مصنفوں کی اس رائے کی کہ اسلام انسان کی حالت معاشرت کے حق میں مضر ثابت ہوا ھے تردید کی جاتی ھے -

آنریبل سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمد میں فرماتے ھیں کہ " اگر چھوٹی چھوٹی باتوں سے قطع نظر کی جاوے تو بھی مذھب اسلام سے تین بڑی بڑی خرابیاں ہوئی ھیں : (۱) اول یہ کہ اُس میں ایک سے زیادہ جوروؤں کا ہونا اور طلاق دے دینا اور غلام بنا لینا مستحکم کیا گیا ھے اور رائج ہو رہا ھے اور یہ باتیں علم اخلاق کی بیخ کنی کرتی ھیں - عام زندگی کو آلودہ اور ناپاک کرتی ھیں اور حسن معاشرت اور انسان کے

گروهون کی خالت کو درهم برهم کر دیتی هین (۲) دوم یه که مذهبی آزادی یعنی یه بات که لوگ جونسا مذهب چاهین اختیار کریں اور اس کے لوازم مذهبی آزادی سے ادا کریں، بالکل روک دی گئی ہے بلکه معدوم کر دی گئی ہے۔تحمل کا تو نام و نشان بھی نہین دکھائی دیتا۔ (۳) سوم یه که مذهب عیسائی کی ترقی مین اور اس مذهب کے قبول کرنے مین ایک مزاحمت قائم کی گئی ہے۔" پس اب هم اپنے اس خطبه مین ان تینوں خرابیوں مین سے جن کا ذکر سر ولیم نے کیا ہے هر ایک پر علیحده علیحده غور کریں گے۔

اس بات کا خیال کرنا ایک بڑی غلطی ہے که مذهب اسلام مین ایک سے زیاده جوروان کرنی اسلام لانے والون پر لازمی قرار دی گئی هین یا کچھ زیاده ثواب کی بات ٹھہرائی ہے۔ بلکه برخلاف اس کے عموماً ایک سے زیاده جوروان کرنے کی اجازت بھی نہین دی گئی۔ صرف ان لوگون کو اجازت دی ہے جن کو وجوهات طبعی سے ایسا کرنے کی ضرورت هو۔ لیکن اگر یه عذر نه هو تو ایک سے زیاده جوروان کرنی ان نیکیون اور اخلاق کے بالکل برخلاف ہے جن کی هدایت اسلام نے فرمائی ہے۔

مگر افسوس یه ہے که جو مخالفت عیسائی مصنفون اور مسلمانون کے طور و طریق،دستورات و خیالات مین ہے وہ اس امر کا مانع قوی ہے که اس معامله مین سنجیدگی اور نیک نیتی اور صفائی قلب سے غور کی جاوے۔مثلاً کثرتِ ازدواج کے لفظ سے بھی عیسائی مصنفون کے دل مین ایسے مکروه خیالات گذرتے هین که وه اس امر مین هر ایک بات کی نسبت پہلے هی سے مصمم اراده کر لیتے هین که اس مین عیب نکالین اور اس امر پر لحاظ

نہین کرتے کہ ملک کی آب و ہوا اور مرد و عورت کی تعداد اور مختلف طبعی وجوہات اور معاشرت کے لحاظ سے وہ کس حالت مین اور کس حد تک جائز ہو سکتی ہے -

ہم اس معاملہ کی نسبت تین امر یعنی (۱) قانون قدرت اور (۲) باہمی معاشرت اور (۳) مذہب کے لحاظ سے بحث کریں گے :

(۱) پہلے امر پر غور کرنے کے لیے ہم اس بات کا دریافت کرنا (بشرطیکہ ممکن ہو) ضرور سمجھتے ہیں کہ اس امر مین تمام ذی روح مخلوقات کے پیدا کرنے والے کی مرضی اور ارادہ کیا تھا - یعنی اس نے انسان کثیر الازواج ذی روح بنایا ہے یا نہین - خالق کائنات کا ارادہ جو کچھ کہ ہو صاف صاف بلا کسی حجت و تکرار کے قدرت کے تمام کاموں سے ظاہر ہوتا ہے کیوں کہ یہ امر صریح نا ممکن ہے کہ اس کی مرضی اُن چیزوں کے برخلاف ہو جو اس کی مرضی سے پیدا ہوئی ہیں -

پس ہم قانون قدرت کی بے خطا نشانیوں سے پاتے ہین کہ جن ذی روح کی نسبت اُن کے خالق کا یہ منشا تھا کہ اُن کے صرف ایک ہی مادہ ہو اُن کی نسل ہمیشہ جوڑا جوڑا پیدا ہوتی ہے جن مین سے ایک نر و ایک مادہ پیدا ہوتا ہے - برخلاف اس کے جن ذی روح کی متعدد مادائین ہونی مقصود ہین اُن کے ایک سے زیادہ بچے ہوتے ہیں اور اس بات کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا کہ نر و مادہ کی تعداد مین باہم ایک ہی نسبت ہو- اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو جاندار زمین پر رہنے والے اور چلنے والے ہیں وہ اکثر بلکہ قریباً کل کے اسی قسم کے ہیں - پس اس قانون قدرت کے بموجب انسان بھی اسی دوسری قسم مین داخل ہے مگر جو کہ رتبہ مین بوجہ اس بیش بہا و نادر و عجیب قوت کے جس کو عقل یا نطق بمعنی مدرک کلیات و جزئیات

کہتے ہیں اور اُس کے خالق نے اس میں وِدیعت کی ہے اور تمام مخلوقات سے اشرف ہے اس لیے اس کا فرض ہے کہ جو قوتیں اور حقوق مثل اور ذی روحوں کے جو اُس کے گرد و پیش رہتے ہیں، قدرت نے اُس کو عطا کیے ہیں، اُن کو احتیاط سے اور موقع بموقع بلحاظ اموراتِ طبعی اور حسنِ معاشرت اور انتظام خانہ داری یا نظم ملکی و قوانینِ حفظان صحت اور ملک کی تاثیراتِ آب و ہوا کے کام میں لاوے ورنہ اُس میں اور دیگر حیوانات میں جو اُس کے آس پاس پھرتے ہیں کچھ فرق نہیں ہے اور ایک بکری یا مرغی سے زیادہ کچھ رتبہ نہیں رکھتا ہے۔ پس جیسے کہ کثرتِ ازواج اکثر حالتوں میں قابلِ نفرت ہے ویسے ہی قطعی التزام ایک سے زیادہ نہ ہونے کا خلافِ فطرت ہے۔

دوسرے امر کی نسبت یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ انسان اپنی سرشت سے مدنی الطبع پیدا ہوا ہے۔ اسی بات کو توریت میں یوں بیان کیا ہے کہ جب کہ خدا تعالٰی کو یہ خیال آیا کہ انسان کا اکیلا ہونا انسان کے حق میں اچھا نہیں ہے، تو اُس نے اُس کے واسطے ایک ساتھی پیدا کیا اور وہ عورت ہے جو اس واسطے پیدا کی گئی ہے کہ انسان کی زندگی کے تفکرات و ترددات، لطف و فرحت رنج و راحت میں شریک ہو۔ اپنی مجانست سے اُس کی خوشی کو بڑھاوے اور اپنی محبت اور اُلفت کی بھری ہوئی ہمدردی سے اُس کی تکلیف کو کم کرے اور سب سے اخیر غرض جس کے لیے وہ پیدا کی گئی ہے یہ ہے کہ انسان کے ساتھ شریک ہو کر خدا کے اس بڑے حکم کی تعمیل میں کہ ”بڑھو اور پھلو اور زمین کر آباد کرو“ مدد دے۔ مگر جب کبھی یہ مددگار کسی سبب سے اپنے ان قدرتی فرضوں

کے ادا کرنے میں قاصر ہو ، تو اس دانش مند حکیم ، خالقِ زن و مرد نے اس نقصان کے رفع کرنے کی بالیقین کوئی تدبیر رکھی ہوگی اور وہ بجز اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ایسی حالتوں میں ایک سے زیادہ ،مگر کسی حدِ خاص تک ،ایک ہی وقت میں جورواں رکھنے کی اجازت ہو ، خواہ یہ ہو کہ پہلی زوجہ کے طلاق دینے کے بعد دوسری جورو کرے - پچھلا حق عورت کو بھی حاصل ہونا چاہیے - چناں چہ مذہبِ اسلام کی رُو سے اس کو حاصل ہے - سیاستِ مدن کے لحاظ سے صرف اتنا فرق ہے کہ مرد جب چاہے اس علاج کو کر سکتا ہے لیکن عورت کو اول جج (یعنی قاضی) کی اجازت حاصل کرنی چاہیے - اگر اس تدارک کی انسان کو اجازت نہ ہوتی جس کی ضرورت ہم نے صاف صاف لفظوں میں ثابت کی ہے ، تو اس کے سبب سے حسنِ معاشرت میں نہایت نقصان پہنچتا - کیوں کہ ایسی سخت قطعی قید سے نہایت قبیح اور بد ترین برائیوں اور گناہوں کی طرف انسان کو مائل ہونا پڑتا - اگرچہ اس نقصان کا تعلیم و تربیت کی ترقی سے کم ہونا ممکن ہے لیکن مٹنا محالات سے ہے،پس جہاں اس کی ضرورت ہے وہاں اس کے عمل میں نہ لانے سے وہی تمام نقصان پیدا ہوتے ہیں جو حسنِ معاشرت کے لیے سمِ قاتل ہیں -

مسٹر ھکنز نے جو اپنی رائے نسبت تعددِ ازواج لکھی ہے اور جان ڈیون پورٹ نے جو مانٹسکیو کی رائے اس باب میں نقل کی ہے اس کا اس مقام پر بیان کرنا بے موقع نہیں ہے - اگرچہ یہ بات افسوس کی ہے کہ ان دونوں صاحبوں نے تعددِ ازواج پر صرف ایک نظر سے نگاہ کی ہے ، یعنی اموراتِ طبعی کے لحاظ سے ،مگر مذہب اسلام میں یہ خاص اجازت حالات خاص میں صرف امورات طبعی کے لحاظ سے نہیں دی گئی ہے بلکہ جیسا ہم

نے اوپر بیان کیا ، اس غرض سے دی گئی ہے کہ تزویج کی تلخیوں کے واسطے اور مقاصدِ تزوج کے فوت ہو جانے کی حالت میں ایک تدارک حاصل ہو جو عین مرضی آدم و حوّا کے پیدا کرنے والے کی اس کی قدرت کے کاموں کی نشانیوں سے معلوم ہوتی ہے -

مسٹر جان ڈیون پورٹ نے مانٹسکیو کی یہ رائے نقل کی ہے کہ ''گرم ملک میں عورتیں آٹھ نو یا دس برس کی عمر میں نکاح کے لائق ہو جاتی ہیں - پس ان ملکوں میں بچپن اور نکاح کے لائق جوانی گویا ساتھ ہی ساتھ ہوتی ہے - بیس برس کی عمر میں وہ بڑھیا ہو جاتی ہیں - پس اس لیے یہ ایک قدرتی بات ہے - کہ ان ملکوں میں جب کہ کوئی قانون مانع نہ ہو انسان جورو کو طلاق دے کر دوسری جورو کر لے اور تعددِ ازواج کا قاعدہ جاری کیا جاوے -

مسٹر ھکنز صاحب لکھتے ہیں کہ ''علم قوائے انسانی اور علم طبعیات کے ماہرین نے بعض وجوہات ایسے دریافت کیے ہیں ، جو کثرتِ ازدواج کے واسطے بہ طور ایک عذر کے متصور ہو سکتے ہیں اور ہم شمالی ملکوں کے سرد خون والے مینڈک کے سے مزاج کے جانوروں سے متعلق نہیں ہو سکتے ہیں - مگر بنی اسماعیل سے جو گرم ریگستان کے رہنے والے ہیں، متعلق ہو سکتے ہیں - علاوہ اس کے وہ بیان کرتے ہیں کہ سر ڈبلیو اوسلی صاحب کے مشرقی مجموعہ صفحہ ۱۰۸ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایشیا کے گرم ملکوں کی تاثیر سے دونوں گروہ یعنی مرد و عورت میں ایک ایسا اختلاف ہوتا ہے جو یورپ کی آب و ہوا میں نہیں ہے جہاں دونوں برابر برابر اور بتدریج عالم ضعیفی میں پہنچتے ہیں - مگر ایشیا میں صرف مرد ہی کو یہ بات حاصل

هوتی ہے کہ ضعیفی میں بھی قوی اور طاقت ور رهتا ۔ اگر یہ بات سچ ہے تو بانیِ مذہب اسلام کے لیے اس بات کی کہ انھوں نے متعدد جورووں کی اجازت دی، ایک وجہ بڑی تھی اور یہ کافی سبب اس بات کا ہے کہ حضرت عیسٰی نے اس مضمون کی نسبت اپنی کوئی رائے ظاہر نہیں کی بلکہ اس کو ملکوں کی گورنمنٹوں کی آئین پر چھوڑ دیا، کیوں کہ جو بات ایشیا کے واسطے مناسب ہوگی وہ یورپ کے واسطے نامناسب ہوگی ۔''

اب ہم اس مقام پر اُن بد عادتوں اور خراب اخلاق کا، جو آنحضرت صلعم سے پہلے ایام جاہلیت میں عموماً جاری تھے، اس نا طرف دارانہ بحث میں ذکر نہ کرنا مناسب نہیں سمجھتے ہیں۔ ملک ایران اپنے اخلاق کی خرابی میں سب سے بڑھا ہوا تھا، وہاں قوانینِ طلاق بالائے طاق رکھ دیے گئے تھے اور رشتہ داری کا گو وہ کیسی ہی قریب ہو یا بعید مطلق پاس و لحاظ نہیں تھا ۔ بیٹے کو اس کی ماں ایسی ہی مباح تھی جیسے باپ کو اس کی بیٹی اور بھائی کو اس کی بہن ۔ غرض کہ اس معاملہ میں فی الواقع ایک جانور کے گلہ سے مشابہت رکھتے تھے جو کسی قسم کے قانون کے پابند نہیں ہوتے۔ ایران کے گوشۂ شمال و مغرب میں یہودی بہ کثرت آباد تھے ۔ اُن کے ہاں کثرتِ ازدواج کی رسم بلا قید اور حد کے بے روک ٹوک کے جاری تھی ۔ اور زمانۂ جاہلیت کے عرب کے حالات کو بہ نظر غور دیکھنے سے جہاں یہودیوں اور ایرانیوں کے دستورات خلط ملط ہو گئے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں یہ دونوں رسمیں یکساں جاری تھیں۔ تعددِ ازواج کی کچھ انتہا نہ تھی ۔ لوگ جس عورت کو چاہتے تھے پسند کرتے تھے۔ اپنے پسند میں کسی قسم کے قانون کے پابند نہ تھے ۔ تمام عورتیں بغیر کسی امتیاز و رتبہ یا عمر یا

رشتہ داری کے مردوں کی وحشیانہ خواہشوں کے پورا کرنے کا کام دیتی تھیں - عورتوں کی نسبت بد نیتی کے وحشیانہ خیالات اور اُن کے ساتھ وحشیانہ حرکات کا تفاخر صرف بے عیب ہی نہیں گنا جاتا تھا بلکہ شیخی اور عالی همتی اور بڑی بہادری کا کام سمجھا جاتا تھا - اُس زمانہ کے عیسائی مذہب پر (اگر وہ مذہب عیسوی کہا جا سکے) جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو اُس کے معتقدوں کو ایک ایسے طریقہ کا پیرو پاتے ہیں جو اُوپر کے دستوروں کے بالکل بر خلاف ہے، یعنی ایک بھی جورو کرنی کچھ نیکی نہیں گنی جاتی تھی - بلکہ رہبانیت و تجردِ محض کی عام ہدایت تھی اور مرد عورت دونوں کے لیے وہی نیکی گنی جاتی تھی - ایسے زمانے میں جس میں عقل کی اور دل کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور رسم و رواج اور اخلاق اور طرز معاشرت اس درجہ خراب ہو گیا تھا، بانیِ اسلام نے نہایت خوبی اور دانش مندی سے ایک ایسا عمدہ قانون بنایا جو بہ لحاظ اپنی اصلیت کے نہایت کامل اور عقلِ کامل کے بالکل مطابق اور انسان کی تندرستی اور بہبودی اور حسنِ معاشرت کی ترقی کا نہایت عمدہ ذریعہ اور زن و مرد کی حالتِ زوجیت کے حق میں اور دونوں کے لیے اُس کے تلخیوں کو دور کرنے میں نہایت ہی مفید ہے -

(۳) تیسرے جب کہ ہم اس معاملہ پر بہ لحاظ مذہب کے بحث کرنا چاہتے ہیں تو ہم پہلے یہ دیکھا چاہتے ہیں کہ دو اور الہامی مذہبوں نے یعنی یہودی مذہب نے اور خصوصاً عیسائی مذہب نے جس کے پیرو مذہب اسلام کے اس مسئلہ پر نہایت طعن کرتے ہیں، اس باب میں کیا کیا ہے اور اس کے بعد ہم دکھاویں گے کہ مذہب اسلام نے یہ کیا اور پھر اہل انصاف سے پوچھیں گے کہ مذہب عیسوی نے تعدد ازواج کو روکا ہے

یا مذہب اسلام نے ۔

مذہب یہود تو ایک مخزن ہے جس میں بہ کثرت ازدواج اور بلا تعین حد موجود ہے۔عیسائی مذہب نے بھی تعدد ازدواج کی کبھی ممانعت نہیں کی چناں چہ ہم اپنے اس قول کی تائید میں چند مشہور و معروف عیسائی عالموں کی رائیں نقل کرتے ہیں جن سے تعدد ازدواج کی تائید ہوتی ہے ۔ مسٹر ہگنز بیان کرتے ہیں کہ ” حضرت محمد نے اس نہایت قدیم موسوی مذہب کے مقنن کی پیروی کر کے اپنی قوم کو جو اسماعیل کی اولاد ہے ۔ (جو مسلمانوں کے باپ کا بیٹا تھا) متعدد بیویوں کی اجازت دی۔اس واسطے عیسائی ہمیشہ اس پر عیب نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے پیروؤں کی کمینہ خواہش کو پورا کیا لیکن میں نہیں جانتا کہ متعدد بیویوں کی اجازت کی نسبت ایسا سخت طعن کیوں کیا جاتا ہے ۔ حضرت سلیمان کی نظیر اور حضرت داؤد کی نظیر پر (جو خدا کی دلی مرضی کے مطابق چلتے تھے اور جن کو خدا نے خاص اپنی شریعت کے احکام کی تعمیل کے لیے بنایا تھا) یہ امر چنداں اعتراض کے لائق نہیں ہے خصوصاً اس وجہ سے کہ عیسیٰ مسیح نے بھی اُن بیس انجیلوں میں سے جن کو اُن کے معتقدوں کے گروہ میں سے کسی نہ کسی نے اُن کے احکام کے قلم بند کرنے کے واسطے تحریر کیا تھا ، کسی انجیل میں اُس کی ممانعت نہیں کی ہے ۔

مسٹر ڈیون پورٹ اپنی کتاب میں بائبل کی بہت سی آیتوں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ” اُن آیتوں سے پایا جاتا ہے کہ تعددِ ازواج صرف پسندیدہ ہی نہیں ہے بلکہ خاص خدا نے اُس میں برکت دی ہے“ نہایت مشہور و معروف عالم جان ملٹن تعدد ازواج کا ایک مشہور حامی ہے جس نے اس امر کی تائید میں

بڑھ کر تعدد ازواج کو نہایت خوبی سے روکا ہے اور صرف ایک هی بیوی کو پسند کیا ہے۔تعدد کو صرف ایک نہایت محدود و خاص حالت میں جائز رکھا ہے - ہم کو کچھ شبہ نہیں ہے کہ سچا مسئلہ سچے مذہب کا جو اُس کی مرضی کے موافق ہو،جس نے مرد و عورت کا جوڑا پیدا کیا،ضرور ایسا ہوگا جو قانون قدرت کے تو برخلاف نہ ہو اور حسنِ معاشرت میں کوئی نقصان نہ پیدا کرے۔اور وہ یہی ہو سکتا ہے کہ عموماً کثرتِ ازواج کی ممانعت اور صورت ہائے خاص اور حالات مستثنٰی میں اجازت ہو،اور ٹھیٹ یہی مسئلہ ٹھیٹ اسلام کا ہے۔قرآن مجید نے اس نازک معاملہ اور دقیق اور پُر پیچ مطلب کو نہایت فصیح و بلیغ دو لفظوں میں بیان کر دیا ہے جہاں فرمایا ہے کہ ”فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ“ یعنی اگر تم کو خوف ہو کہ متعدد جورووں میں عدل نہ کر سکو گے تو صرف ایک هی جورو رکھنی چاهیے - اگر ان لفظوں پر کافی غور نہ کی جاوے اور صرف اوپرے اوپرے معنی لیے جاویں،جیسے کہ اکثر علماء اور فقہا نے لیے ہیں،تو بھی اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لوگوں کو بے اعتدالی سے باز رکھنے کی غرض سے (جو همیشہ بدتر اور بعض دفعہ خطرناک ہوتی ہے) اور اس بات کا یقین ہونے کی نظر سے کہ جس شخص نے ایک سے زیادہ جوروان کیں وہ ایک واقعی ضرورت کے سبب سے مجبور تھا،بہت سخت قیدیں اور شرطیں لگائی گئی ہیں۔مثلاً یہ کہ سب کو برابر حقوق دینے اور سب کے ساتھ برابر محبت رکھنی تاکہ عدل کے معنی متحقق ہوں - پس جو لوگ سچے دین دار اور در حقیقت مذہب کے تابع ہیں وہ از خود بجز ضرورتِ مجوزہ کے ایک سے زیادہ جوروان کرنے سے باز رہتے ہیں کیوں کہ وہ یقیناً جانتے ہیں کہ اس اجازت

سے بغیر اُس کی شرائط کے پورا کیے، جن کا پورا کرنا نہایت مشکل ہے، فائدہ اُٹھانا اپنے مذہبی فرائض کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا نہیں ہے -

لیکن اگر ان مختصر لفظوں پر بتعمقِ نظر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ شارع نے ایک سے زیادہ جورو کرنے کی اجازت کو نہایت محدوذ اور خاص حالت میں مخصوص کر دیا ہے کیوں کہ اُس نے فرمایا ہے کہ اگر تم کو خوف ہے کہ عدل نہ کر سکو گے تو صرف ایک ہی ہونی چاہیے۔لفظ خوفِ عدم ایک ایسا لفظ ہے کہ جب تک محلِ عدل ساقط نہ ہو خوف عدم زائل نہیں ہو سکتا ۔ گو اس وقت ہم کیسا ہی سچا ارادہ کر لیں کہ ہم دونوں جورووں میں عدل کریں گے (جو درحقیقت بہ حالتِ قیامِ محلِ عدل نا ممکن ہے) تب بھی خوفِ عدمِ عدل اگر محلِ عدل قائم ہے زائل نہیں ہوتا -

دوسری جگہ قرآن مجید میں اس کی بخوبی تفصیل ہے جہاں خدا نے ان لوگوں کی نسبت جن کے پاس متعدد جورواں تھیں صاف صاف فرما دیا ہے کہ تم ہرگز متعدد جورووں میں عدل نہ کر سکو گے،گو تم عدل کرنے کی کتنی ہی حرص کرو۔پس مت جھک پڑو اندھا دھندی سے جھک پڑنا تاکہ چھوڑ دو اُن کو اُدھر میں لٹکتی ہوئی کہ نہ وہ بیوہ یا مطلقہ ہے کہ

ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقہ و ان تصلحوا و تتقوا فان اللہ کان غفورا رحیما و ان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعۃ و کان اللہ و اسعا حکیما ۔ (سورۂ نساء)

رهو سوا شوہر کر سکے اور نہ سہاگن ہے کہ خصم کے ساتھ خوشی سے زندگی بسر کرے پھر اگر تم صلح کر لو اور پرہیزگاری کرو تو بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے اور اگر تم دونوں جدا ہو جاؤ تو اللہ تعالی دونوں کو اپنی وسعتِ رزق سے بے پرواہ کرے گا اور اللہ بڑی وسعت والا حکیم ہے۔

اس آیت سے صاف ثابت ہوگیا کہ عدل غیر ممکن ہے اور اس لئے خوفِ عدمِ عدل کبھی ساقط نہیں ہو سکتا جب تک کہ محلِ عدل باقی ہے۔ اور اس آیت میں طلاق کو مسقط محلِ عدل بتایا ہے۔ اگرچہ اور بھی چند امور مثلاً امراض یا نقصان خلقت مسقط محل عدم ہو سکتے ہیں۔ پس اجازت تعدد ازدواج کی عدم وجود محل عدل میں منحصر ہوگی اور عدم وجود محل عدل مستلزم ظلم حسن معاشرت ہے پس کس دانائی اور احتیاط اور خوبی اور بے انتہا عمدگی سے شارع نے قانونِ قدرت اور حسنِ معاشرت دونوں کو قائم رکھ کر اس باب میں حکم دیا ہے اور ہر غیر متعصب شخص کا دل قبول کرے گا کہ بے شک یہ حکم اسی شخص کا ہے جس نے مرد و زن کا جوڑا پیدا کیا ہے۔

ہاں بلا شبہ اس اجازت سے اوباش اور شہوت پرست آدمیوں کو، جن کی زندگی کا عین منشاء ٹٹی کی اوجھل شکار کھیلنا ہے ایک حیلہ ہاتھ آگیا ہے۔ مگر اس عمدہ اور مفید قاعدہ کے بیجا عمل در آمد کرنے سے وہ لوگ اس خدا کے سامنے جواب دہ ہوں گے جو انسانوں کے دلوں کا محرم راز ہے اور وہ یقیناً ان کو اس جرم کی سزا دے گا جو ان کے گناہ کے لحاظ سے واجب ہو گی۔

ان تمام باتوں کے سمجھنے کے بعد ہمارے اس مضمون کے پڑھنے والے یقین کریں گے کہ یہ جو تعدد ازدواج اس زمانہ

میں رائج ہے کہ جہاں ذرا دولت ہوئی اور برہمنو اور تین تین اور چار چار جوروان کرنے لگے اور ایک بازاری کی عورت کو دلوں پر چڑھایا اور نکاح کرا ملوا - جہاں مقدس مولوی ہوئے اللہ میاں کے سانڈ بنے اس جر بلتی کو لے ڈالا وہاں وعظ کہنے گئے اور سنت نکاح ملتی کو جاری کیا - قرآن پڑھاتے پڑھاتے دوسرا سبق خطبۃ النکاح کا پڑھانے لگے ، اور ہمارے دوسرے بھائیوں نے ایک حیلہ متعہ کا جو جاہلیت میں تھا اسلام میں پیدا کرکے عورتوں کو کھنگالنا شروع کر دیا ، ان سب باتوں کو مذہب اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے - یہ سب ایک قسم کی اوباشی کے ڈھنگ ہیں جن سے اسلام نفرت کرتا ہے اور وہ سب ہوا پرست اوباش ہیں جن سے اسلام کا نام بد ہوتا ہے - پس ایسے شخصوں کے افعال پر اسلام کی خوبی و حقیقت سے چشم پوشی کرنا چمگادڑوں کے لیے آفتاب کا سیاہ کرنا ہے -

اب طلاق کی نسبت ہم کو گفتگو کرنی ہے - یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس طرح ہم نے تعدد ازواج کی نسبت تین طرح پر یعنی قانون قدرت ، حسن معاشرت اور مذہب کی رو سے بحث کی ہے اس طرح پر بحث نہیں ہو سکتی اور اس لیے ہم اس مسئلہ پر صرف بہ لحاظ حسن معاشرت اور مذہب کے بحث کریں گے -

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ تمام قدیم و جدید قوموں و مذہبوں میں نکاح کا عام رواج ہے - اور وہ علی العموم انسان کی ذاتی و تمدنی بہبودی کی بنیاد ہے تو جو چیز اس کو معدوم کرنے والی ہے یعنی طلاق وہ نہایت ہی بد چیز فوائد ذاتی و تمدنی کو برباد کرنے والی ہوگی - یہی وجہ ہے کہ روم کے گرجا نے بنظر اس کی حفاظت کے نکاح کو اپنے ساتھ پاک رسموں میں قرار دے کر اس کو تبرک ٹھہرایا ہے اور انگلستان کے

پروٹسٹنٹوں نے طلاق کا حکم صرف ایک حالت میں جائز رکھا ہے جب کہ ہوس آف لارڈز سے زرِ کثیر صرف کرنے کے بعد حاصل ہو - یہ انتظام ۱۸۵۶ء تک قائم تھا - یعنی اس وقت تک جب کہ طلاق کے تمام مقدمات کے سننے اور جیوری کی رائے سے اس کی نسبت تجویز ہونے کے لیے ایک نئی عدالت قائم کی گئی -

عموماً یہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہے کہ سب سے بڑا دشمن ، حسن معاشرت و تمدن کا طلاق ہے۔اس کے سبب سے نکاح کی وقعت گھٹ جاتی ہے اور مرد کی محبت کا عورت کے ساتھ اور عورت کی وفاداری کا مرد کے ساتھ اعتبار نہیں رہتا - لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ اگر کسی سبب و حالت سے ایسی خرابیاں مرد و عورت میں پیدا ہو جاویں جو کسی طرح اصلاح کے قابل نہ ہوں تو اُن کا بھی کچھ علاج ہونا چاہیے اور وہ علاج طلاق ہے - پس کچھ شک نہیں ہے کہ ایسی حالت میں طلاق سے فائدہ ہے اس کے باعث سے مرد و عورت کو آزادی ہو جاتی ہے جن سے مزاج کی مخالفت یا سختی یا بے استقلالی سے دونوں کی زندگی تلخ ہو گئی تھی - با ایں ہمہ اگرچہ طلاق ایک شخص واحد کے حق میں مفید ہو لیکن بہ لحاظ اُن بد اخلاقیوں کے جو اکثر اوقات نہایت آشکارا طور پر وقوع میں آتی ہیں اور نیز اس مضرت بخش اثر کی وجہ سے جو طرفین کی اولاد پر اپنے والدین سے جدا ہونے سے ہوتا ہے تمدن کے حق میں کچھ کم مضرت پہنچانے والا نہیں ہے - پس جب کہ طلاق کے ساتھ ایسی خرابیاں لگی ہوئی ہیں - تو اس کو بطور ایک علاج سمجھ کر اسی حالت میں اس کی جانب رجوع کرنا جائز ہو سکتا ہے - جب کہ اس پر عمل کرنے سے ایسی مصیبتیں جو

طلاق کی مصیبتوں سے بھی زیادہ ناقابل برداشت ہوں اور ایسے ترددات اور تفکرات میں ڈالنے والی ہوں جو طلاق کے رنجوں سے بھی زیادہ رنج دینے والی اور روز افزوں رنجشیں پیدا کرنے والی اور باہمی حسن و معاشرت کے بدلے دن رات کے لعن طعن جوتی پیزار رکھنے والی ہوں دور ہو سکتی ہوں اگر ایسی حالت میں طلاق کو جائز رکھا جاوے (جیسے کہ اسلام نے صرف اسی حالت میں اس کو بےگناہ ٹھیرایا ہے) تو وہ کسی طرح حسن معاشرت کے مخالف نہیں ہے بلکہ اس کی اصلاح کرنے والی اور ترقی دینے والی ہے۔

جب کہ ہم بہ لحاظ مذہب کے طلاق کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو یہ پاتے ہیں کہ مذہب اسلام ہی صرف ایک ایسا مذہب ہے۔ جس نے طلاق کے مسئلہ میں سب سے زیادہ حسن معاشرت کی حفاظت اور اصلاح پر نظر رکھی ہے۔ یہودی مذہب میں طلاق دینا بغیر کسی قید و شرط و حالت کے مرد کے اختیار میں تھا کہ جب وہ چاہے طلاق نامہ لکھ کر جورو کے حوالہ کر دے اور ایسا کرنے سے کسی حالت میں وہ کسی گناہ کا گنہگار متصور نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عیسیٰ نے اس حکم کو منسوخ کیا اور جیسا کہ حال کے زمانہ کے عیسائی سمجھتے ہیں (اگر وہ صحیح ہو) تو بجز ایک خاص وجہ کے اور کسی حالت میں طلاق کا دینا جائز نہیں رکھا اور فرمایا کہ ”میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو سوائے زنا کے کسی سبب سے طلاق دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی عورت سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے“ اگر اس فقرہ سے عدم جواز طلاق سمجھا جاوے جیسا کہ حال کے زمانہ کے عیسائی سمجھتے ہیں (اور

شاید وہ سمجھ صحیح نہیں ہے) تو یہ ایک ایسا سخت حکم تھا
جس کی برداشت انسانوں سے قریب ناممکن کے تھی چناں چہ
حضرت مسیح کے معتقدوں نے حضرت مسیح سے کہا کہ " اگر
جورو سے مرد کا یہ طور ہے تو جورو کرنا خوب نہیں" پس
اگر یہ حکم اسی طرح مانا جاوے جس طرح کہ اس زمانہ کے
عیسائی مانتے ہیں تو حسن معاشرت کے لیے نہایت ہی مضر ہے
اور جو رنج دہ امور زن و شوہر میں واقع ہو جاتے ہیں جن سے
تمام حسن معاشرت اور اغراض تزوج برباد ہو جاتے ہیں اس کا
کچھ بھی علاج نہیں ہے اور زن و مرد دونوں کے لیے اور بہت
سی خرابیاں اور خوفناک حالتوں میں پڑنے کا اندیشہ ہے ۔
با ایں ہمہ بعض عیسائی مذہب کی رو سے بھی طلاق کا جائز
ہونا سوائے زنا کے اور حالتوں میں بھی تسلیم کرتے ہیں ۔
چناں چہ جان ملٹن نے اپنی کتاب مسائل مذہب عیسوی میں یہ
بحث لکھی ہے کہ "نکاح کی جو تعریف کی گئی ہے اس کی رو سے نکاح
نہایت مرتبہ کا ایک اتحاد ہے مگر ناقابل انفکاک یا ناقابل تفریق
نہیں ہے" بعض لوگ اس کے ناقابل تفریق ہونے کی نسبت متی کی انجیل
باب ۱۹ ورس ۵ سے استدلال کرتے ہیں ۔ جس میں لکھا ہے کہ
" وہ دونوں ایک تن ہو جاویں گے ۔" اگر ان الفاظ پر مناسب
طور سے غور کیا جاوے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ نکاح
قطعاً قابل تفریق نہیں بلکہ ان سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ
خفیف خفیف باتوں پر نکاح کو منقطع کرنا نہیں چاہیے کیوں کہ
جو کچھ نکاح ناقابل انفکاک ہونے کی نسبت کہا گیا ہے وہ
خاص عقد نکاح اور اس کے تمام مقاصد و لوازمات کی پوری
تعمیل ہونے پر منحصر ہے خواہ وہ الفاظ بطور ایک حکم بطور ایک
قدرتی نتیجہ کے خیال کیے جاویں اور اسی وجہ سے متی کی انجیل میں

اُن لفظوں کے ساتھ یہ لفظ بیان کیے گئے ہیں کہ ''مرد اپنے ماں باپ
کو چھوڑے گا اور اپنی جورو سے ملا رہے گا ۔ ۔ ۔ اور وہ
دونوں ایک تن ہوں گے'' یعنی بہ شرطیکہ نکاح کی اصلی
نوعیت کے مطابق (جن کا بیان کتابِ پیدائش ۲ ورس ۱۸
لغایت ۲۴ میں ہے) ۔ عورت خاوند کے واسطے ایک مددگار ہو
یا یہ کہ جانبین کے باہم خیرخواہی اور محبت اور آرام و فائدہ رسانی
میں کچھ فرق نہ آوے کیوں کہ عرف عام کے موجب یہی
اصلی وضع نکاح کی ہے لیکن اگر اصلی منشاء نکاح کا منقطع
ہو جاوے تو اس سے لازم آتا ہے کہ نکاح بھی دو اصلیہ منقطع
ہو گیا [illegible]

دوسری آیت میں جو بیان ہوا ہے اور جس پر بڑا زور دیا
گیا ہے یعنی ''جو کچھ خدا نے ملایا ہے اُسے آدمی جدا نہ
کرے'' لحاظ کے قابل ہے ۔ مگر نکاح ہی کے عقد سے یہ بات ظاہر
ہوتی ہے کہ خدا نے کس چیز کو ملایا ہے خدا نے صرف اُس چیز
کو ملایا ہے جو ملاپ کے قابل ہے اور جو مناسب ہے بہتر ہے
اور محترم ہے ۔ انسان کی قدرتی طبیعت کے خلاف ایسا نامناسب حالت
کے ملاپ کا حکم نہیں دیا جس میں صرف بے عزتی اور تکلیف اور
عداوت و مصیبت بھری ہوئی ہو ۔ خدا تعالیٰ کچھ اس قسم کے
ملاپ نہیں کرتا ہے جو درحقیقت ملاپ نہیں ہوں ۔ بلکہ جبر یا
ناعاقبت اندیشی یا غلطی یا بد سلیقگی کے اثر سے ہوئے ہوں ۔
پس ایسی ناگوار خانہ داری کی برائی سے اپنے تئیں نجات دینا
کس وجہ سے ناجائز ہے ۔ علاوہ اس کے ہمارا مسئلہ اُن
شخصوں کو جدا نہیں کرتا جن کو خدا تعالیٰ نے اپنے مقدس
آئین کے بموجب ملایا ہے بلکہ صرف اُن شخصوں کو علیحدہ
کرتا ہے ۔ جن کو خود خدا نے اپنے ایسے ہی مقدس آئین کی

رو سے جدا کر دیا ہے اور یہ ایک ایسا حکم ہے جس کا
اثر ہم پر ایسا ہونا چاہیے جیسا کہ سابق میں اُس کی
اُمت پر ہوتا تھا ۔ مذہب عیسوی کے کمال کو جس کی ترقی
بعض لوگ نکاح کے ناقابل انفکاک ہونے کی ایک دلیل بیان
کرتے ہیں اُس کی نسبت ہم کہتے ہیں کہ اُس ترقی کو جبر
اور قوانین تعزیری کے ذریعہ سے ہم میں زبردستی اس کا رواج
نہیں دینا چاہیے بلکہ اگر ہو تو اُس کو ترغیب اور عیسائی
پند و نصائح کے ذریعہ سے جاری کرنا چاہیے ۔ کسی شخص کی
نسبت صرف اُس حالت میں یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اُس نے
نکاح کو قطع کیا جو شرعاً منعقد ہوا تھا جب کہ وہ احکام الٰہی
میں اُس بات کو زیادہ کرکے جو خاص اس حکم میں شامل نہ
ہو مذہب کے حیلہ سے اُس شخص سے جدا ہو جاوے جو اُس
کی منشاء کے موافق ہو کیوں کہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ
خدا تعالیٰ نے اپنے منصفانہ اور پاک اور مقدس قانون میں صرف
مختلف وجہوں پر طلاق کی اجازت ہی نہیں دی ہے بلکہ بعض
صورتوں میں اس کو جائز قرار دیا ہے اور بعض صورتوں میں
اُس کی ہدایت کی ہے اور بحالت خلاف ورزی سخت سزائیں قرار
دی ہیں ۔ دیکھو کتاب خروج باب ۲۱ ورس ۴ و ۱۰ و ۱۱ اور
کتاب استثنا باب ۲۱ ورس ۱۴ و باب ۲۴ ورس ۱ و کتاب عزرا
باب ۱۰ ورس ۳ نحمیا باب ۲۳ ورس ۲۰ ۔

توریت کتاب استثنا باب ۲۴ ورس ۱ میں لکھا ہے کہ
جب کہ کوئی شخص ایک بیوی کرلے اور اس سے نکاح ہو جاوے
اور ایسا اتفاق ہو کہ وہ اس کو پسند نہ ہو کیوں کہ اُس
میں کچھ ناپاکی ہے تو اُس کو چاہیے کہ ایک طلاق نامہ لکھ
کر اُس کے ہاتھ میں دے دے اور اُس کو اپنے گھر سے نکال

دے ۔'' پس اگر فرض کیا جاوے کہ جو سبب طلاق بتایا گیا ہے
وہ سچا ہے اور مصنوعی نہیں تو اس مقام میں خداوند تعالٰی نے
ایک بیوی ابتدا ہی میں اس غرض سے دی کہ وہ اس کی مدد
اور تسلی و خوشی کا باعث ہو جیسا کہ خود آئین نکاح سے ظاہر
ہوتا ہے تو اگر بعد کو جیسا کہ اکثر اتفاق ہوتا ہے وہ بیوی
رنج و رسوائی اور تباہی اور اذیت اور مصیبت کی باعث ہو تو
ہم کو کیوں کر یہ خیال کرنا چاہیے کہ خدا ہم سے ایسی
عورت کے طلاق دینے سے نا خوش ہوگا ۔ میں دل کی سختی کو
اُس شخص سے منسوب کرتا ہوں جو اُس عورت کو اپنے پاس
رہنے دے نہ کہ اُس شخص سے جو اُس کو ایسی صورتوں میں
گھر سے نکال دے اور صرف میں ہی نہیں بلکہ خود حضرت
سلیمان یا شاید خود خدا کی روح نے حضرت سلیمان کے منہ سے
یہی بات کہی ہے ۔ چناں چہ توریت کتاب امثال سلیمان باب
۳۰ ورس ۲۱ و ۲۳ میں لکھا ہے کہ '' تین چیزوں سے دنیا کو
بے چینی حاصل ہوتی ہے بلکہ چار چیزیں ہیں جن کو وہ برداشت
نہیں کر سکتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اور ایک مکروہ عورت سے جب کہ
اُس کا نکاح ہو جاوے'' اس کے بر خلاف کتاب واعظ باب
۹ ورس ۹ میں بیان ہوا ہے کہ '' تو اُس عورت کے ساتھ ہنسی
خوشی سے بسر کر جس کو اس نے (خدا) نے تجھے دیا ہے اور
جس کو تو اپنی فانی زندگی کے تمام زمانے میں پیار کرتا ہے''
پس جو عورت اُس نے تجھ کو دی ہے وہ عورت ہے جس کو تو
پیار کرتا ہے نہ کہ وہ جس سے تو نفرت کرتا ہے اور کتاب
ملاخی باب ۲ ورس ۱۶ میں بیان ہوا ہے کہ '' جو شخص نفرت
کرتا ہے (یا اُس وجہ سے کہ وہ نفرت کرتی ہے) اُس کو چاہیے
کہ اُس کو چھوڑ دے ۔'' چناں چہ یونیوس سے پہلے سب نے

اُس فقرہ کا ایسا ہی ترجمہ کیا ہے[۱]۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس حکم کو حضرت موسیٰ کی معرفت اس غرض سے صادر نہیں فرمایا۔ اور نہ اس نبی کی معرفت اس پر اس کو اس غرض سے دوہرایا۔ کہ شوہر کو اپنی سنگ دلی کے برتاؤ کا موقع ملے۔ بلکہ اس غرض سے صادر کیا ہے کہ جہاں ضرورت ہو اس بد نصیب عورت کو اس کے اثر سے بچاوے۔ کیوں کہ اس میں کوئی سنگ دلی نہیں ہے کہ اس عورت کو عزت سے اور بلا تکلف رخصت کر دے جس کا خود ہی یہ قصور ہے۔ کہ وہ محبوب نہیں ہوتی۔ اس لیے ایسی عورت کو جو نہ صرف یہی ہے کہ محبوب نہیں ہوتی بلکہ وہ معلق چھوڑ دی گئی ہو اور اس سے نفرت اور عداوت کی جاتی ہو۔ غرض کہ جس عورت کا یہ حال ہو اس کو ایک نہایت تکلیف دہ قانون کا اتباع کر کے اس کے شوہر کے نہایت بھاری غلامی کے جوئے میں رکھنا (کیوں کہ نکاح بے محبت ایسا ہوتا ہے) جس کو نہ تو اس کے ساتھ الفت ہو اور نہ دوستی ہو یہی در حقیقت ایسی سختی ہے جس میں ہر ایک قسم کی طلاق سے زیادہ بے رحمی ہے۔ اسی وجہ سے خداوند تعالیٰ نے طلاق کی اجازت دے دی ہے

---

[۱] صحیفہ ملاخی باب ۲ کی آیتوں کے ترجمے اس طرح پر ہوئے ہیں :

ترجمہ عربی ۱۸۱۱ء میں ہے۔ ”و امراۃ شبابک لا تترک لکن ان ابغضتہا سرحہا“ اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۲۱ء و زوجۃ غلامتک لاتزولتہا اذا بغضت فاطلق۔“ اور ایسا ہی رومن کیتھلک بئیبل میں ہے اور انگریزی ترجمہ پروٹسٹنٹ کے حاشیہ پر بھی یہی عبارت ہے جس سے ملٹن نے استدلال کیا ہے۔ (سید احمد)

جس بکثرت اگر مخلصانہ طور سے عمل درآمد کیا جاوے تو وہ نہایت
متعصبانہ اور بیرحمانہ ہے بلکہ اسنے ان کے فائدوں کو ان
شخصوں تک بھی وسعت دی ہے جن کی نسبت وہ یہ جانتا ہے
کہ ان پر بہت سنگ دلی کی وجہ سے اس کا بے جا عمل درآمد
مکروہ ہوگا اور اس نے بدکار آدمیوں کی سنگ دلی گوارا کرنا اس سے
بہتر تصور فرمایا کہ نیک آدمیوں کی تکلیف رفع کرنے سے باز رہے۔
یا جس رحم کا ایک روحانی برکت سے ایک بد ترین مصائب ہو
جانے کا اندیشہ تہا خود اسی کو درہم برہم کر دے۔

خود حضرت عیسی نے نویں آیت میں زنا کی وجہ سے طلاق
کی اجازت دی ہے اور یہ بات نہ ہوتی اگر خدا تعالی کو یہ
بات منظور ہوتی کہ جن شخصوں کو خدا نے ایک مرتبہ عقد
نکاح میں باندھ دیا ہے وہ ہرگز آیندہ جدا نہ ہوں۔ مگر مشرقی
زبانوں کے محاورہ کے بموجب اس لفظ سے جس کا ترجمہ زنا کیا
گیا ہے صرف زنا ہی مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے یا تو وہ
چیز مراد لیتے ہیں جسکو "ملبا کی چیز" کہا گیا ہے۔ یا کسی
ایسے امر کا نقصان مراد ہے جو جس امر کا ایک بیوی کی ذات
میں ہونا واجباً ضروری ہے جو کتاب استثنا کے ۲۴ باب کی پہلی
آیت میں مذکور ہے جیسا کہ سیلڈن نے سب سے پہلے اپنی
کتاب ازکسوریا میں ایسے محاورہ کو بہت سی زبانوں میں بہت سی
شہادت سے ثابت کیا ہے۔ اور یا اس سے وہ شے مراد ہے جو
محبت وفاداری باہمی اعانت یا معاشرت یعنی اصلی آئین نکاح
کے مقصد کے خلاف ہو کہ انکو اس سے موافقت نہ ہو ملٹن
نے ایسا کہ سیلڈن نے ثابت کیا ہے کیونکہ جس وقت فریسیوں نے یہ
سوال کیا تہا کہ ایک بیوی کو ہر ایک وجہ سے طلاق دینا جائز
ہے یا نہیں تو یہ جواب دینا لغو ہوتا کہ سوائے زنا کے اور کسی

حالت میں جائز نہیں ہے کیوں کہ یہ بات تو بخوبی مشہور و معروف تھی کہ زنا کی حالت میں وہ جائز ہی نہیں تھی بلکہ ایک زانیہ کو نکال دینا ضروری تھا۔ اور وہ بھی طلاق کے ذریعہ سے نہیں بلکہ قتل کر دینے سے۔ پس اس مقام پر اُس لفظ سے بہ نسبت محض زنا کے زیادہ تر وسیع معنی سمجھنے چاہئیں جیسا کہ کتاب اقدس کے اکثر مقامات سے خصوصاً قاضیوں کی کتاب باب ۱۹ آیت ۲ سے ظاہر ہے جہاں لکھا ہے کہ "اُس کی بیوی زنا کر کے چلی گئی" یہاں زنا کے عرفی معنی نہیں ہو سکتے کیوں کہ ایسی حالت میں اُس کو جرأت نہ ہوتی کہ وہ اپنے باپ کے گھر چلی جاوے بلکہ یہ مراد ہے کہ وہ اپنے شوہر سے تمردانہ (نشوز) برتاؤ کر کے چلی گئی اور نہ ایسی صورت میں (یعنی جب کہ بجز زنا کے طلاق جائز نہ تھی) پولوس مقدس کسی کافر مرد یا عورت کے جدا ہو جانے کے سبب سے طلاق کی اجازت دیتے[۱] اگر یہ بھی ایک قسم کا زنا نہ ہوتا۔ اس بحث سے یہ امر کچھ متعلق نہیں ہے کہ یہ مسئلہ کافر مرد یا عورت کے متعلق ہے کیوں کہ جو شخص خاندان کو ترک کر دے وہ کافر سے بدتر ہے (پولوس کا پہلا خط تموتی کے نام باب ۵ آیت ۸) اور نہ نکاح کے اصلی منشاء کے حق میں کوئی بات اس سے زیادہ تر ضروری اور پسندیدہ ہو سکتی ہے کہ جو عقد محبت اور تمام عمر کی باہمی اعانت کی توقع اور نیک ارادوں سے کیا گیا ہو وہ کینہ اور سنگین عداوت اور طرفین کی جانب ناپسندیدہ برتاؤ کے سبب سے قطع کر دیا جاوے۔ پس خدا تعالیٰ نے انسان

---

۱۔ اس مقام پر پولوس کے خط موسومہ قرنیتان کے ساتویں باب کی ۱۵ آیت پر اشارہ ہے۔ (سید احمد)

کے لیے جب کہ وہ بہشت میں معصومیت کی حالت میں تھا ۔ دنیا
میں گناہ کے آنے سے پہلے یہ حکم دیا کہ نکاح ناقابل انفکاک
ہونا چاہیے ۔ گناہ کے بعد حالات کے تغیر کے موافق اور نیز اس
نظر سے کہ معصوم آدمی بدکار آدمیوں کے ہاتھ سے ہمیشہ کے
ضرر سے محفوظ رہے اُس نے نکاح کے انفکاک کی اجازت دی اور
یہ اجازت قانون قدرت اور موسوی شریعت کا ایک جزو ہے اور
حضرت مسیح نے بھی اُس کی ممانعت نہیں کی ۔ پس ہر ایک
معاہدہ سے جب کہ ابتداءً عمل میں آوے اُس کا دوامی اور
ناقابل انفکاک ہونا مقصود ہوتا ہے گو وہ کسی فریق کی بد عہدی
کے سبب سے کیسی ہی جلد کیوں نہ ٹوٹ جاوے اور نہ اب
تک کوئی معقول وجہ اس بات کی بیان کی گئی ہے کہ نکاح کی
نوعیت اس باب میں اور تمام معاہدوں سے مختلف ہونی چاہیے
خصوصاً اُس حالت میں جب کہ پولوس مقدس نے یہ بات بیان کی
ہے کہ کوئی بھائی یا بہن ایسی باتوں میں مفید نہیں ہے ۔ یہ نہ
صرف چھوڑ دینے کی نسبت بلکہ ایسی تمام صورتوں میں جو ایک
نالائق قید پیدا کرنے میں ہوتی ہے جیسا کہ قرنتیوں نے پہلے
خط میں لکھا ہے ۔ ( باب ۷ آیت ۱۵ ) کہ "کوئی بھائی یا بہن
ایسی باتوں میں مقید نہیں کہ خدا نے ملاپ کے لیے بلایا ہے ۔"
پس خدا تعالیٰ نے ہم کو اس غرض سے نہیں بلایا کہ ہم
دائمی نزاع اور ترددات کے باعث سے پریشان خاطر رہیں کیوں کہ
ہمارے بلانے کا مقصد امن اور آزادی ہے نہ کہ نکاح چہ جا کہ
دائمی نزاع اور ایک نا خوش ازدواج کی غلامانہ قید جس کو
رسول نے تمام چیزوں سے زیادہ ایک آزاد آدمی اور عیسائی کے
ناقابل بتلایا ہے ۔ یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ حضرت مسیح نے
موسوی شریعت سے کوئی ایسا حکم خارج کر دیا جس سے

مظلوم اور مصیبت زدہ شخصوں پر رحم کرنے کا موقع ملتا تھا اور نہ اس موقع پر حضرت مسیح کو یہ منظور تھا ۔ کہ ان کا یہ قول حکم عدالت سمجھا جاوے نہ اس معاملہ کی نسبت کوئی نیا اور سخت حکم دیا جاوے بلکہ قانون کے بےجا عمل در آمدوں کے بیان کرنے کے بعد انہوں نے اپنے حسب معمول ایک زیادہ تر کامل دستور معاشرت کا بتلایا اور اس موقع پر مثل اور تمام موقعوں کے منصب قضا کا دعویٰ نہیں کیا اور اس حق کو محض نصیحت کے طور پر بیان فرمایا نہ کہ بطریقہ احکام کے ۔ پس انجیل کی نصیحتوں کو ملکی آئین قرار دینا اور احکام تعزیری کے ذریعہ سے اس کو نافذ کرنا ایک سخت غلطی ہے ۔"

یہ تمام تقریر جان ملٹن کی تھی جو انہوں نے ایک محققانہ اور عالمانہ طور پر بائبل کے احکام سے استنباط کی ہے ۔ ہماری رائے میں یہ مطلب نہایت مختصر تقریر سے ختم ہوتا ہے ۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ سے پوچھا کہ جورو کو ہر ایک طرح پر طلاق دینی درست ہے یا نہیں ان کا جواب یہ ہے کہ بجز افعال ذمیمہ کے اور کسی صورت میں جائز نہیں ۔ جس لفظ کا ترجمہ حرام کاری یا زنا کیا گیا ہے وہ عام لفظ ہے اور سب قسم کی برائیاں اس میں داخل ہیں اور اس کا ٹھیک ترجمہ افعال ذمیمہ ہو سکتا ہے پس جو کچھ کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا اس سے امتناع طلاق نہیں نکلتا بلکہ بلا قصور صرف اپنی نفسانی خواہشوں کے لیے طلاق دینا ناجائز بتایا گیا ہے ۔

اب دیکھنا چاہیے کہ مذہب اسلام نے نسبت طلاق کے کیا کیا ؟ اس کو بطور علاج ایک مرض لا علاج کے جائز اور مباح بتایا ہے مگر زن و شوہر کا معاملہ ایک ایسا نازک اور

ایک عجیب قسم کے ارتباط و اخلاط کا معاملہ ہے کہ اُس میں جو بیماری پیدا ہو سوائے اُن ہی دونوں کے اور کوئی تیسرا شخص اس بات کی تشخیص نہیں کر سکتا کہ آیا وہ اس حد تک پہنچ گئی ہے جس کا علاج بجز طلاق کے اور کچھ نہیں - اس لیے بانی اسلام نے اُس کی تشخیص نہ کسی (جج) کی یعنی قاضی کی رائے پر منحصر کی ہے نہ کسی مفتی کے فتویٰ پر بلکہ صرف اس کی رائے اور اخلاق پر جس کی تسلی اور موانست کے لیے ابتداء میں عورت بطور انیس دل نواز اور مونس غم‌گسار کے پیدا ہوئی تھی -

اب اس بات کی بندش کہ وہ علاج بے محل اور بے موقع نہ استعمال کیا جاوے صرف مرد کے حسن اخلاق اور دلی نیکی اور روحانی تربیت پر منحصر تھی جو نہایت اعلیٰ درجہ پر خاص اسی معاملہ میں مذہب اسلام نے اپنے سچے مریدوں اور ٹھیٹ مسلمانوں کو کی ہے -

بانی اسلام نے اسلام کے سچے پیروؤں کو بتایا "بجز طلاق کے اور کوئی چیز خدا تعالیٰ نے زمین کے پردہ پر پیدا نہیں کی جو خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مغضوب ہو -"

ما خلق الله شیئاً علی وجه الارض ابغض الیه من الطلاق -"
(رواه الدار قطني)

پھر ایک دفعہ یوں فرمایا

"مباح چیزوں میں سب سے زیادہ خدا کو غضب میں لانے والی چیز طلاق ہے -"

ابغض الحلال الی الله الطلاق (رواه ابو داؤد) -

یہ ھدایت تو مردوں کی نسبت تھی اور عورتوں کو جو

ایما امراة سالت زوجها طلاقا فی غیر ما باس فحرام علیها رایحة الجنة (رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد و ابن ماجه والدارمی -

طلاق لینا چاھتی ھین یه فرمایا که ”جو عورت اپنے خاوند سے بغیر ضرورت شدید اور بغیر حالت سختی کے طلاق چاھے اس پر خوش بو جنت کی حرام ھے یعنی جنت مین نه جاوے گی۔“

ھمارے پیغمبر خدا صلعم طلاق دینے والے سے ایسے ناراض ھوتے تھے جس سے بعض لوگون

اخبر رسول الله صلعم عن رجل طلق امرأة ثلث تطلیقات جمیعا فقام غضبان ثم قال ایلعب بکتاب الله عزوجل و انا بین اظهر کم حتی قام رجل فقال یا رسول الله الا اقتله - (رواہ النسائی)

کو یه خیال ھو گیا ، که جو شخص اپنی جورو کو دفعتاً طلاق دے دے وہ قتل ھونے کے لائق ھے۔چنان چه ایک دفعه رسول خدا صلعم کو اطلاع ھوئی ، که ایک شخص نے اپنی جورو کو دفعتاً تین طلاقین دے دی ھین۔ یه سن کر آن حضرت صلعم غصه کے مارے کھڑے ھو گئے اور فرمایا که کیا خدائے بزرگ کے حکم کو کھیل بنایا ھے ایسی حالت مین بھی که مین تم مین موجود ھون۔یه سن کر ایک شخص کھڑا ھوا اور عرض کیا که اے رسول خدا کے کیا مین اس کو قتل کر ڈالون یعنی وہ شخص آن حضرت کے غصے ھونے سے یه سمجھا که اس شخص نے قتل کیے جانے کے لائق کام کیا ھے -

بانی اسلام نے انھی ھدایتون اور تہدیدون ھی پر طلاق کے روکنے مین بس نہین کیا بلکه نکاح اور ملاپ کے قائم رکھنے کی اور

بھی نہایت عمدہ تدبیر رکھی ہے یعنی پوری تفریق واقع ہونے
کو تین دفعہ طلاق دینا معتبر رکھا ہے اور پھر اس کی
ممانعت فرمائی ہے کہ دفعتاً تین طلاقیں نہ دی جاویں بلکہ سوچ سوچ
اور سمجھ سمجھ کر مناسب فاصلہ سے طلاق دی جاوے کہ
ہر ایک میں قریباً پچیس روز کا فاصلہ ہو جاتا ہے اور پھر
بھی اجازت دی کہ پہلی طلاق کے بعد اگر آپس میں صلح ہو
جاوے اور رنجش مٹ جاوے اور دونوں کی محبت تازہ ہو جاوے
تو پھر بہ دستور جورو خصم رہیں - دوسری طلاق کے بعد بھی
اسی طرح وہ پھر آپس میں مل سکتے ہیں اور بہ دستور جورو خصم
رہ سکے ہیں - لیکن اگر پھر تیسری دفعہ طلاق دی جاوے -
تو ثابت ہو گیا کہ یہ بیل منڈھے چڑھنے والی نہیں پھر بہتر ہے
کہ پوری تفریق ہو جاوے -

ان ہدایتوں کے سوا ایک اور نہایت عمدہ ہدایت یہ فرمائی
ہے کہ ایسی حالت میں جب کہ عورت کو مرد سے کنارہ کش
رہنا پڑتا ہے طلاق نہ دی جاوے - اس سے مطلب یہ ہے کہ شاید
زمانہ مقاربت میں محبت و الفت کی ایسی تحریک ہو کہ خیال
طلاق کا ان دونوں کے دل سے جاتا رہے -

علاوہ ان ہدایتوں کے ہمیشہ عورتوں کے ساتھ محبت رکھنے
اور ان کے ساتھ مہربانی اور خاطر داری سے پیش آنے اور ان کی
سختی اور بد مزاجی کو تحمل کے ساتھ برداشت کرنے کی نہایت
تاکید سے ہدایت فرمائی ہے اور یہ سب باتیں اسی مکروہ چیز
یعنی طلاق کے روکنے کو ہیں -

ان سب احکام سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ بانی اسلام نے
صرف اسی حالت میں طلاق کی اجازت دی ہے جب کہ وہ ایک
نہایت بیش بہا نعمت ثابت ہونے میں ذرا بھی خطا نہ کرے اور

جب کہ اُس کے ذریعہ سے حالت زوجیت کے ترددات اور تکلیفیں اور تلخیاں یا تو بالکل رفع ہو جاویں - یا بہر کیف کچھ کم ہو جاویں - اور اگر طلاق کو کام میں نہ لایا جاوے تو حالت معاشرت روز بہ روز زیادہ تکلیف دہ ہوتی جاوے - ایسی صورت میں طلاق حسن معاشرت کے نقصان کا باعث نہیں ہو سکتی بلکہ بر خلاف اُس کے وہ دونوں کے حق میں ایک برکت اور حالت معاشرت کی ترقی کا کامل ذریعہ ہوتی ہے - ہاں میں اس بات کو قبول کروں گا کہ مسلمانوں نے اس عمدہ حکم کو نہایت قابل نفرت طریقہ پر استعمال کیا ہے - پس اُن کے افعال کی نفرین انہی پر ہونی چاہیے نہ مذہب اسلام پر - ہم کو اُمید ہے کہ تمام منصف مزاج لوگ جب ٹھیٹ اسلام کے اس مسئلہ پر غور کریں گے تو قبول کریں گے - کہ جو عمدہ طریقہ اس باب میں اسلام نے اختیار کیا ہے وہ عقل ، انصاف ، معاشرت کی نظر سے ایسا عمدہ ہے کہ اُس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا اور صاف یقین دلاتا ہے کہ یہ مسئلہ اُسی اُستاد کا بتایا ہوا ہے - جس نے انسان کو پیدا کر کے اُس کے لیے اُس کا جوڑا پیدا کیا تاکہ اُس کی تسلی اور دل کی خوشی کا باعث ہو - اور غور کیا جاوے تو یہ کہنا کچھ بے جا نہ ہوگا کہ جان ملٹن نے اپنی بحث میں جو کچھ روشنی بئیبل کے ورسوں پر ڈالی ہے وہ سب اسلام کی روشنی سے لی گئی ہے کیوں کہ اسلام نے بارہ سو برس پیشتر بتا دیا تھا کہ طلاق نہ بہ طور معجون مفرح کے استعمال کرنے کو ہے بلکہ صرف ایک مرض لا علاج کا علاج ہے -

اب ہم غلامی کے الزام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو ایک سب سے بڑا الزام اُس کے جائز رکھنے کا مذہب اسلام کی نسبت لگایا گیا ہے اور بیان ہوا ہے کہ قوانین حسن معاشرت

اور اخلاق کے بالکل بر خلاف ہے - قوانین حسن معاشرت کی قید ہم نے اس لیے لگائی ہے - کہ اگر اس معاملہ پر مذہبی طور پر نظر کی جاوے تو نہ یہودیوں کو اور نہ عیسائیوں کو اس قدر جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ اس میں کچھ عیب نکالیں یا اُس کی نسبت کچھ اعتراض کریں کیوں کہ توریت کا ہر صفحہ ایسے مضامین سے بھرا ہوا ہے جس میں غلامی کا جواز تسلیم کیا گیا ہے (خواہ اُس کو خدا کا حکم مانو یا حضرت موسیٰ کا اُس زمانے کے رسم و رواج کا قانون) اور انجیل میں کسی مقام پر ایک مضمون بھی نہیں پایا جاتا جس میں اُس بے رحم دستور کی ممانعت ہو - قبل اس کے کہ ہم اس معاملہ میں اپنی رائے بر بناء مذہب اسلام ظاہر کریں گاڈفری ہگنز صاحب• نے جو کچھ اس کی نسبت لکھا ہے اُس کو بیان کرتے ہیں -

گاڈفری ہگنز صاحب لکھتے ہیں - کہ " انسان کے حق میں یہ ایک بد قسمتی کی بات معلوم ہوتی ہے - کہ نہ تو حضرت عیسیٰ نے اور نہ حضرت محمدؐ نے غلامی کا موقوف کرنا مناسب خیال کیا - یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ اور حضرت محمدؐ دونوں نے اپنے معتقدوں کو یہ ہدایت کی کہ اُن کو اوروں کے ساتھ وہ کرنا چاہیے جیسا کہ اوروں سے اپنے ساتھ کرنا چاہتے ہیں تو اُنھوں نے در حقیقت غلامی موقوف کر دی - یہ بات ظاہر میں تو بہت اچھی معلوم ہوتی ہے مگر افسوس ہے کہ عمل میں ایسا نہیں ہے مسلمانوں کی خانگی غلامی بلا شبہ ناقابل حمایت ہے لیکن افریقہ کی بردہ فروشی اور ویسٹ انڈیز کے کارخانہ باغات میں غلاموں پر کی سختیوں اور بے رحمیوں کے مقابلہ میں (جو عیسائی ملکوں میں مروج تھیں) کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتیں - ہم نہایت اعتقاد سے روم کے

پوپ اور کنٹربری کے آرچ بشپ اور کونسلوں اور مجلسوں اور پوپ کے احکام اور عقاید اور مذھبی قوانین اور معاھدوں کا ذکر سنتے ھیں ۔ مگر ھم نے کب یہ بات سنی ھے کہ اُن لوگوں نے کوئی عام تدبیر اس خوف ناک تجارت کے انسداد کے لیے کی (واضح ھو کہ اُس زمانے میں تمام فرنگستان میں غلامی کی تجارت رائج تھی) ورنہ اُس کی نسبت ھم کو پوپ کا کوئی حکم دکھاؤ یا کسی مجلس کا کوئی قانون بتاؤ ۔ روم اور کنٹربری کے بشپ خود اس خطاب کے مستحق ھیں ۔ کہ وہ اپنے معتقدوں کی خواھش کے پورا کرنے کا کام دیتے تھے ۔ جو خطاب کہ انھوں نے حضرت محمدؐ کو اس وجہ سے دیا ھے ۔ جب کہ روم کے پوپوں کو اس تجارت کا فساد عظیم صاف صاف ثابت ھو گیا تھا تو اُنھوں نے اُن شخصوں کو قوم سے خارج نہیں کیا جو اُس تجارت میں مصروف تھے جیسا کہ کیو کارس یعنی پیروان جارج فاکس نے کیا تھا ۔

میں اس بات سے واقف ھوں کہ وہ یہ ظاھری عذر کریں گے کہ وہ کسی شخص کو اس وجہ سے کہ غلاموں کا مالک ھے قوم سے خارج نہیں کر سکتے تھے ۔ کیوں کہ انجیل اور حواریوں کے ناموں کے ھر ایک صفحہ میں غلاموں کا جواز تسلیم کیا گیا ھے مثلاً جہاں کہیں لفظ ''سروس'' یا '' دولوس'' پایا جاتا ھے ۔ اس کا ترجمہ خدمت گار کیا گیا ھے وھاں اُس کا ترجمہ غلام ھونا چاھیے ۔ لفظ ''سروس'' کے لغوی معنی اُس شخص کے ھیں جو بازار میں خریدا گیا ھو یا فروخت کیا گیا ھو اور ''فرید یمین'' ھمارے اجورہ دار اور خدمت گار کے ہم معنی ھیں لیکن اگر بد قسمتی سے عیسائیوں کو خانگی غلامی کی اجازت دی جاوے تو اس سے کسی طرح پر یہ بات ثابت نہیں ھوتی ھے کہ

افریقه کی برده فروشی جائز هے - جس کی زیادتی کا زمانه اگلے لوگوں کے گمان میں بھی نه تھا اور جو هر طرح پر اُن کی خانگی غلامی سے مختلف هے -

اگرچه پیغمبر صاحب نے اس مکروه دستور کو موقوف نہیں کیا جیسا که ان کو کرنا چاهیے تھا - تاهم اُنھوں نے بالکل بغیر ذکر کیے هوئے نہیں چھوڑا - بلکه اس بات کے فرمانے سے که تمام مسلمان آپس میں بھائی هیں اور کسی شخص کو اپنے بھائی کو غلامی میں رکھنا نہیں چاهیے - اُنھوں نے انسانوں کے ایک گروه کثیر کو آزاد کر دیا - جس وقت کوئی یه کہه دے که میں ایمان لے آیا تو وه فوراً آزاد هے - اگر حضرت محمدؐ نے اس باب میں جیسا که چاهیے تھا ویسا نہیں کیا - تو اُنھوں نے کچھ تو کیا جو بالکل نه هونے سے - (جیسے که انجیل میں کچھ نہیں هے) بہتر هے اور اس سبب سے غالباً کچھ لوگ بلا تصدیق قلبی بھی مسلمان هو گئے هوں گے گو که اس امر کو کوئی پکا دین دار عیسائی جس کا گرم ایمان مذبح کے دهکتے هوئے انگارے سے زیاده تر گرما گرم هے عیب اگاوے اور اُس کو بد نیتی پر حمل کرے - لیکن تاهم اس تدبیر نے لاکھوں آدمیوں کو مصیبت سے بچایا هے - ایک اور تدبیر غلامی کی ترمیم یا اس کی قباحتوں کی تخفیف کرنے کی پیغمبر صاحب کے اس حکم سے ملتی هے جہاں یه فرمایا هے که غلاموں کو فروخت کرنے میں ماں سے بچے جدا نه کیے جاویں - همارے ویسٹ انڈیز والے هر روز یہی جرم کرتے هیں - مجھ کو کوئی ایسا حکم انجیل میں نہیں ملا اس لیے حضرت محمدؐ نے اس کو انجیل میں سے نہیں لیا هے -

گاڈ فری هگنز صاحب لکھتے هیں که ” هم عیسائی اکثر اوقات بے چارے حبشیوں کو عیسائی بنانے کی خواهش کرتے

ھیں مگر میں انھی مشینری سوسائٹیوں کو یہ صلاح دیتا ھوں کہ وہ اپنی دولت کثیر کو اس باب میں صرف کریں کہ جس وقت حبشیوں کا مذھب تبدیل ھو جاوے تو اُن کو فوراً آزاد کر دیں اور ان کو اپنا بھائی قرار دیں جیسا کہ مسلمان کیا کرتے ھیں اور میں اُن کو یقین دلاتا ھوں کہ اُن کے تمام وعظوں سے اس قدر لوگ ان کے معتقد نہ ھوں گے جیسے کہ اس بات سے ھوں گے۔"

گاڈ فری ھگنز صاحب نے ویسٹ منسٹر ریویو کا یہ فقرہ نقل کیا ھے کہ اُن کا مسئلہ قانون غلامی کے باب میں یہ ھے کہ " اگر غلام تمھارے پاس آویں تو تم اُن کو قید اور اُس کے بعد اُن کو سر بازار مت فروخت کرو گو کوئی دعوے دار اُن کا موجود نہ ھو (جیسا کہ اُنیسویں صدی میں عیسائی انگلستان کا قانون اُس کے صوبوں میں جاری ھے ) بلکہ ان کو آزاد کر دو اور تم کو مناسب نہیں کہ ان کو نکال دو۔ مگر حضرت محمد (جنھوں نے غلامی کے مٹانے کی نسبت نہایت عمدہ تدبیریں کیں) وہ تھے جو ساتویں صدی میں عرب کے بیابانوں میں کھڑے ھوئے تھے۔

حضرت محمدؐ تو فرماتے ھیں کہ " ایسے غلاموں کو جو ھم سے اس مضمون کی ایک تحریری سند چاھیں کہ جس وقت وہ ایک رقم معین ادا کر دیں۔ تو وہ اپنے تئیں آزاد کر لیں تو تم ھمیشہ یہ دستاویز ان کو لکھ دو۔ اگر تم اُن میں کوئی بھلائی جانو تو تم خدا کی دولت میں سے جو اُس نے تم کو دی ھے اُن کو دو" گاڈ فری ھگنز کہتے ھیں کہ مجھ کو انجیل میں ایسا کوئی حکم نہیں ملا۔

یہ جو کچھ لکھا گیا گاڈ فری ھگنز کا استدلال تھا مگر یہ

استدلال کسی قدر حاشیہ لکھنے کا محتاج ہے ان کا یہ بیان کہ "حضرت محمدؐ نے غلامی کو موقوف کرنا مناسب خیال نہ کیا" صحیح نہیں ہے جو لوگ تقلید کی تاریکی میں اندھے ہو رہے ہیں وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آں حضرت صلعم کی مرضی اور خوشی غلاموں کے آزاد کرنے کی تھی اور ہمیشہ ہر حکم میں غلاموں کی آزادی پر رغبت دلاتے تھے اور جو لوگ خاص آں حضرت صلعم کو اپنا ہادی اور پیشوا جانتے ہیں اور زید اور عمرو کی رائے اور اجتہاد کی کچھ پرواہ نہیں کرتے تو وہ صاف صاف قرآن مجید میں پاتے ہیں کہ بانی اسلام نے آیندہ کی غلامی کو بالکل قطعاً موقوف کر دیا ہے ۔ جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے ۔ پس یہ فخر صرف مذہب اسلام ہی کو ہے کہ اس نے غلامی کو معدوم کیا ہے اور ہر انسان کو آزاد قرار دیا ہے ۔

اسلام لانے سے غلامی ساقط ہو جانے پر جو استقلال گاڈفری ہگنز نے کیا ہے ہم کو دل سے اس پر اتفاق ہے ۔ خدا تعالیٰ نے سورہ حجرات میں صاف فرمایا ہے کہ "انما المومنون اخوۃ" یعنی سب ایمان والے آپس میں بھائی ہیں اور سورہ آل عمران میں فرمایا ہے کہ "سب لوگ اکٹھے ہو کر خدا کی رسی کو مضبوط پکڑو اور جدی جدی راہوں میں مت بھٹکو اور تم کو جو نعمت خدا نے دی ہے (یعنی اسلام) اس کا شکر کرو ۔ ایک وقت تھا کہ تم ایک

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمۃ اخوانا (سورۂ آل عمران) ۔

دوسرے کے دشمن تھے - پھر تمھارے دلوں میں خدا نے محبت ڈالدی پھر تم ہو گئے اللہ کی نعمت (یعنی اسلام) کے سبب آپس میں بھائی" پس کون شخص انکار کر سکتا ھے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی ھیں اور اس لیے کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کا غلام نہیں ہو سکتا - یہی "اخوت" اس امر کا باعث ھے کہ جب کوئی مسلمان بغیر وارث قریب کے مر جاتا ھے تو اُس کا مال بیت المال میں اُس کے سب مسلمان بھائیوں کے لیے چلا جاتا ھے مگر جب ھمارے پیغمبر نے علانیہ صاف صاف لفظوں میں آیندہ کی غلامی کو عام طور پر معدوم کر دیا ھے تو ھم کو اس قسم کی خاص خاص باتوں پر استدلال کی حاجت نہیں ھے -

کتابت کا جو ذکر گاڈفری ھگنز صاحب نے کیا ھے وہ حکم صرف ایسا ھی نہ تھا کہ اس کا کرنا یا نہ کرنا مالک کی مرضی پر موقوف ہو بلکہ اُس کا کرنا واجب تھا اور انکار کرنا قابل سزا کے تھا - چنانچہ بخاری کی ایک حدیث سے (اگر وہ صحیح ہو) معلوم ہوتا ھے کہ ابن سیرین نے جب حضرت انس سے کتابت کی درخواست کی تو اُنھوں نے انکار کیا - ابن سیرین نے وہ مقدمہ حضرت عمر کے سامنے پیش کیا اور حضرت عمر نے حضرت انس کو اس انکار کرنے پر دُروں سے پٹوا دیا اور کتابت یعنی خط آزادی بہ معاوضہ روپیہ کے بہ جبر حضرت انس سے لکھوا دیا - گو یہ حدیث قابل شبہ ہو مگر خود قرآن مجید سے پایا جاتا ھے کہ کتابت کی درخواست کرنے پر خط آزادی بہ معاوضہ روپیہ کے لکھ دینا لازم ھے -

بہر حال جو حمایت اس عالم اور فاضل مصنف نے نہایت قابلیت اور بڑی سرگرمی سے مذھب اسلام کی کی ھے اُس کا واجب شکریہ ادا کرنے کے بعد ھم یہ کہتے ھیں کہ اس

مصنف نے غلامی کی ترمیم یا اس کی خرابیوں کی تخفیف میں جو بچوں کو ماں سے جدا نہ کرنے کا ذکر کیا ہے اُس کے ساتھ چند اور اسی قسم کے احکام زیادہ کرنے چاہئیں جو غلامی کی ترمیم اور اُس کی خرابیوں کی تخفیف کے حق میں ویسی ہی مفید ہیں چناں چہ آں حضرت صلعم نے غلاموں[1] کے حق میں فرمایا ہے کہ ''وہ تمھارے بھائی ہیں

قال (ای النبی صلعم فی حق العبید) ان اخوانکم خولکم جعلهم الله تحت ایدکم فمن کان اخوه تحت یده فلیطعمه مما یاکل ویلبسه مما یلبس و لا تکلفوهم مایغلبهم فان کلفتموهم مایغلبهم فاعینوهم (بخاری باب قول النبی صلعم العبید اخوانکم صفحه ٣۴٦)۔

(بوجہ انسان ہونے کے) جو تمھاری خدمت کرتے ہیں تمھارے کاموں کو سنوارتے ہیں اللہ نے اُن کو تمھارے تابع کر دیا ہے پس جو شخص کہ اُس کا بھائی اُس کے تابع ہو تو اُس کو چاہیے کہ جو آپ کھاتا ہے اس میں سے اُس کو کھلاوے اور جو آپ پہنتا ہے اُس میں سے اُس کو پہناوے اور اُن سے ایسی تکلیف کے کام جوان کو تھکا دیں نہ لے اور اگر ایسی تکلیف کا کام اُن کو دیا جاوے جو اُن کو تھکا دے گا تو خود اُن کی مدد کرے''۔ اس حکم کا لوگوں کے دلوں پر اس قدر اثر ہوا کہ تمام شخص اُس زمانے میں اپنے غلاموں

---

[1]۔ اس حدیث میں بوجہ اسلام کے بھائی ہونے کا ذکر نہیں ہے اور آیت قرآن مجید میں جو اوپر مذکور ہوئی بوجہ اسلام بھائی ہونے کا ذکر ہے۔ اس لیے اسلام سے غلامی کے ساقط ہونے پر کاڈفری ھگنز صاحب نے استدلال کیا ہے۔ (سید احمد)

کو ویسا ہی کپڑا پہناتے تھے جیسا کہ خود پہنتے تھے اور ایک خوان میں اپنے ساتھ وہی کھانا اُن کو کھلاتے تھے جو آپ کھاتے تھے اور جب سفر میں جاتے تھے تو غلام کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھاتے تھے اور اگر ایک کو نکیل پکڑ کر چلنے کی ضرورت ہوتی تو باری باری سے سوار ہوتے تھے اور باری باری سے نکیل پکڑ کر پیادہ پا چلتے تھے -

خلیفہ عمر عین اپنی خلافت کے عروج کے زمانے میں (خواہ اُن کے عالی مرتبہ کو پیغمبر کا جانشین ہونے کی وجہ سے خیال کرو خواہ ایک ایسی سلطنت کا بادشاہ تصور کرنے سے جو دنیا میں سب سے زیادہ وسیع اور با عظمت تھی) اپنی باری میں اُس اونٹ کی مہار پکڑ کر جس پر اُن کا غلام اپنی باری میں سوار ہوتا تھا عرب کے جلتے ہوئے ریگستان اور جھلستی ہوئی گرم ہوا میں نہایت خوشی اور فخر آمیز خیالات اور نیکی بھرے ہوئے دل سے پیادہ پا اونٹ کو گھسیٹتے ہوئے چلنا کمال خوشی سمجھتے تھے - فاطمہ پیغمبر کی بیٹی اپنی لونڈی کے ساتھ بیٹھ کر چکی پیستی تھیں کبھی اُن کا دست مبارک ہتے کو نیچے سے تھامتا تھا اور کبھی لونڈی کا تاکہ دونوں کو برابر محنت پڑے - پس اگر یہی وہ غلامی ہے جس کو سر ولیم میور حسن معاشرت کو ابتر کرنے والی بتاتے ہیں تو ہم نہیں سمجھتے کہ برابری کے حقوق میں اور کیا ہوتا ہے - ایسی غلامی (اگر اس کو غلامی کہہ سکو) درحقیقت حسن معاشرت کی بے انتہا خوبی اور عام اخلاق کی زاید از حد ترقی متصور ہے پس مذہب اسلام کی غلامی کو ویسٹ انڈیز کی غلامی پر جو عیسائیوں میں مروج تھی قیاس کرنا محض غلطی ہے آں حضرت صلعم نے صرف اسی بات پر بس نہیں کیا بلکہ اُن کی نسبت لونڈی و غلام کے

لفظ کے استعمال کو بھی جس سے آن کی رقیت اور حقارت نکلتی تھی منع فرمایا اور نہایت شائستہ و مہذب و شفقت آمیز الفاظ سے مخاطب کرنے کی ہدایت فرمائی۔ یعنی یہ فرمایا کہ "آن کو لڑکا" اور "لڑکی" کہہ کر پکارا کرو جس کو بگاڑ کر ہندوستان کے نا خدا ترسوں نے "چھوکرا" اور "چھوکری" بہ معنی اونڈی و غلام کہنا شروع کیا ہے۔ مسلم کی اس حدیث کے لفظوں کو دیکھو اور سمجھو کہ تمہارے پیشوا محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے کہ اس فرمانے کے بعد بھی ایک انسان کو اپنا غلام بنا سکتا ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یقولن احد کم عبدی و امتی کلکم عبید اللہ و کل نساء کما اماء اللہ ولکن لیقل غلامی و جاریتی و فتائی د فتاتی (مسلم کتاب الالفاظ من الادب)

پیارے پیغمبر رحمۃللعالمین نے فرمایا کہ "کوئی تم میں سے میرا غلام اور میری لونڈی ہرگز نہ کہے۔تم سب خدا کے غلام ہو اور سب تمہاری عورتیں خدا کی لونڈیاں ہیں مگر یوں کہو کہ میرا بچہ اور میری بچی اور میرا لڑکا اور میری لڑکی۔" علاوہ اس کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے آزاد کرنے پر ہمیشہ رغبت دلائی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ کوئی کام خدا کے نزدیک غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ ثواب حاصل کرنے کا نہیں ہے۔

اب ہم ٹھیٹ مذہب اسلام کی رو سے غلامی کی نسبت کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اسلام نے آیت حریت کے نازل ہونے سے پہلے جس قدر لوگ بموجب

قدیم رسم جاهلیت کے غلام ہو چکے تھے اُن کی آزادی کا احساناً بِلا لینے زرِ معاوضہ کے حکم نہیں دیا۔وہ بہ دستور اُن لوگوں کے ملک رہے جن کے وہ غلام ہو چکے تھے ۔ اگر کوئی نا سمجھ یہ الزام مذہب اسلام پر دے کہ ان کو بھی دفعتاً کیوں نہ آزاد کر دیا تو اس کی اس نا سمجھی کا ہمارے پاس کچھ علاج نہیں ہے ۔ مگر اس نا سمجھ کے دل کو ان تمام باتوں کے جاننے سے جو ہم نے اوپر بیان کیں اس قدر تو ضرور تسلی ہوگی کہ اُن بد نصیبوں کی بھی حالت غلامی کی ترمیم اور تخفیف میں جو کچھ اسلام نے کیا وہ کچھ کم نہیں ہے ۔ اور ایسا رحم و شفقت جو اسلام نے اُن کی نسبت کیا بے مثل و بے نظیر ہے اور متعدد تدبیریں اور تاکیدیں اور ہدایتیں اُن کی آزادی کی نسبت کیں اور طرح طرح سے آزاد کرنے پر رغبتیں دلائیں ہاں بلاشبہ جو سمجھ دار اور دانش ور لوگ ہیں وہ سمجھیں گے کہ آیت حریت کے نازل ہونے سے پہلے جس قدر لوگ غلام ہو چکے تھے اُن کی آزادی کا دفعتاً حکم دے دینا محالات عملی سے تھا اور غلامی کے معدوم کرنے کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہ تھی کہ آئندہ سے غلاموں کا ہونا بند کر دیا جاوے اور پچھلے غلاموں کی آزادی اور غلامی کی حالت کی ترمیم کی تدبیر کی جاوے پس یہی کام اسلام نے کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کام کسی انسان کا نہیں ہے - بلکہ اُسی کا ہے جس نے انسان میں حسن معاشرت کو پیدا کیا ہے ۔

بہ قول مسٹر ھگنز کے گو حضرت مسیح نے غلامی کو موقوف نہ کیا ہو مگر ہم نہایت خوشی اور فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارے پیارے محمد رحمۃ للعالمین نے غلامی کو بالکل موقوف کر دیا ۔ تمام قواعد اور قوانین غلامی کے جن کی رو سے ایک شخص دوسرے کا مملوک ہو جاتا تھا اور جو قدیم زمانے کے

بت پرستوں اور اُس وقت کی تمام دنیا میں بہ طور ایک ملکی رسم کے جاری تھی - اور جن رسموں کو اُس بڑے مقدس مقنن موسیٰ نے بھی بہ طور ملکی قانون کے اپنی مقدس کتاب میں داخل کیا تھا - اور جن کو حضرت مسیح نے بھی نہیں توڑا تھا اور جن کو حضرت مسیح کے حواریوں نے بھی تسلیم کیا تھا دفعتاً منسوخ کر دیا اور تمام پرانی رسموں اور مطول قانونوں کو ایک دو لفظ کے فرمانے سے کہ " امـا مـنـا بـعـد و امـا فـداء " مٹا دیا -

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملت بشست

صلی اللہ علیہ وسلم - بابی انت و امی یا رسول اللہ -

اُس رسول مقبول ھادم الرقیۃ ناصرالانسان رحمۃ للعالمین نے اپنے مبارک ھونٹوں سے

فاذالقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشد الوثاق فاما بعد و اما فداء - (سورہ [illegible] آیت ۴)

فرمایا کہ خدا تعالیٰ یہ حکم دیتا ھے کہ جب تم مقابل ھو کافروں کے تو گردنیں کاٹو جب کہ تم اُس پر گھمسام کر چکو تو اُن کو قید کر لو - پھر قید کرنے کے بعد یا تو اُن پر احساں رکھ کر یا اُن سے فدیہ یعنی چھڑائی لے کر چھوڑ دو -

اس آیت سے پایا جاتا ھے کہ کافروں کے مغلوب ھو جانے پر جو اُن کے قید کرنے کا حکم ھے اُس سے مقصد اُن کی جان بچانا ھے اور قید کرنے کے بعد جو حکم اُن کی نسبت ھے وہ دو امر میں منحصر ھے ایک تو احسان رکھ کر چھوڑنے میں اور دوسرے اُن سے چھڑائی لے کر چھوڑنے میں جب دو حکم دیے جاتے ھیں -

تو اُن لوگوں کو جن کی نسبت وہ حکم ہیں اس قدر تو ضرور اختیار رہتا ہے ۔ کہ اُن دونوں میں سے جون سے حکم کی چاہیں تعمیل کریں ۔ مگر دونوں میں سے ایک کا بجا لانا واجب ہوتا ہے ۔ ان کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ دونوں میں سے کسی کو بھی نہ کریں ۔ بلکہ کوئی اور امر اختیار کریں پس قیدیوں کے ساتھ ان دونوں حکموں میں سے ایک کا عمل درآمد کرنا واجب ہے ۔ ان احکام دوگانہ سے جو خدا نے دیے رقیت یعنی قیدیوں کا لونڈی اور غلام بنانا بالکل نیست و نابود ہو گیا ہے ۔ ہاں یہ بات ہو سکتی ہے ۔ کہ اگر کوئی شخص قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا چاہے تو جب تک فدیہ ادا نہ ہو اُس وقت تک اُس کو قید رکھے ۔ مگر وہ قیدی بدستور ایک قیدی ہوگا اور رقیت و مملوکیت کسی حالت میں اُس پر طاری نہ ہوگی ۔ اور جب قیدی سے فدیہ کا ادا ہونا ناممکن ہوگا ۔ تو درحقیقت تعمیل ایک حکم کی نا ممکن ہوگی اور اسی لیے اس پہلے حکم کی تعمیل واجب ہوگی ۔

ہمارے ہاں کے عالموں کی رائے میں اس امر کی نسبت اختلاف ہے کہ کن صورتوں میں قیدیوں کو احسان رکھ کر چھوڑنا چاہیے ۔ بعض کی یہ رائے ہے کہ اُن کو صرف اُس حالت میں چھوڑنا چاہیے ۔ جب کہ وہ مسلمانوں کی رعایا ہو کر مسلمانوں کے ملک میں رہنا قبول کریں اور بعضوں کی یہ رائے ہے جو بہ ظاہر معقول بھی معلوم ہوتی ہے کہ قیدیوں کو بغیر کسی شرط کے چھوڑ دینا چاہیے اور کوئی شرط اُن پر نہ لگائی جاوے اور چھوٹ جانے کے بعد اُن کو اختیار ہے کہ چاہیں مسلمانوں کے ملک میں رعیت ہو کر رہیں اور چاہیں اپنے خاص ملک کو چلے جاویں ۔ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت میں

احسان رکھ کر چھوڑ دینے کی حالت میں کوئی قید و شرط نہیں لگائی ہے اور اسی لیے ہمارے نزدیک پچھلی رائے اُن کی پہلی رائے سے زیادہ مستند و معتبر و صحیح ہے ۔

دیکھو کتابت یعنی بہ معاوضہ روپیہ کے خط آزادی لکھ دینے اور فدیہ لے کر چھوڑنے میں چنداں فرق نہیں ہے اگلے غلاموں کی نسبت جو کتابت کا حکم ہے وہ اگلے غلاموں کی آزادی کی نہایت معتبر دستاویز ہے ۔

جس نالائق اور خراب اور قابل افسوس حالت سے غلامی کا رواج مسلمان ریاستوں میں (بعض عیسائی ملکوں میں بھی) ہوتا ہے ۔ اس کو دیکھ کر ہم کو کچھ کم رنج نہیں ہوتا ۔ مگر ہم اس خطبہ کے پڑھنے والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ جو شخص خود اس کا برتاؤ کرتا ہے یا اوروں کو کرنے دیتا ہے وہ ٹھیٹ اسلام کے حکم اور اُس کے عالی اصولوں کے برخلاف عمل کرتا ہے اور وہ ضرور ایک دن اُس حقیقی شہنشاہ کی ہیبت ناک عدالت میں بطور ایک گنہگار کے حاضر ہوگا ۔ خواہ مکہ میں جاکر یہ کام کرے یا مدینہ میں ۔

سر ولیم میور اسلام میں ایک یہ نقص بتلاتے ہیں کہ ''اسلام میں مذہب کے معاملہ میں رائے کی آزادی روک دی گئی ہے بلکہ بالکل معدوم کر دی ہے ۔''

مگر سر ولیم میور کی اُس رائے کا جس سے وہ مذہب اسلام میں مذہبی رائے کی آزادی نہ ہونے کا نقص نکالتے ہیں ۔ ٹھیک ٹھیک مطلب سمجھنا نہایت مشکل ہے ۔ کیوں کہ ہم نہیں جانتے کہ اسلام ایسی کون سی چیز ہے جو مذہبی معاملات میں آزادیِ رائے کو روکتی اور معدوم کرتی ہے اور اور مذہبوں میں ایسی کون سی بات ہے جو اُس آزادی کی اجازت دیتی ہے ۔

یہودی جن کی کتب مقدسہ گویا مذہب اسلام کے اور

مذهب عیسائی دونوں کی بنیاد ہیں یہ پکا عقیدہ رکھتے ہیں کہ توریت کا ہر ایک لفظ مع اُس کے تاریخی مضمون کے باوجودیکہ اُن کے مصنف بھی معلوم نہیں ہیں وحی آسمانی ہیں اور اس لیے سہو و خطا و غلطی سے بالکل مبرا ہیں اور ہر ایک انسان کو بغیر ذرا سے بھی تامل کے اور بغیر کسی حجت کے اور بغیر استعمال کرنے اپنے قوائے عقلیہ کے اُن کے حق ہونے کا اعتقاد کرنا چاہیے -

عیسائیوں کا یہ حال ہے کہ بلحاظ اعتقاد نسبت کتب مقدسہ کے وہ دو فرقے ہو گئے ہیں ایک وہ جو یقین کرتے ہیں کہ کتاب مقدس تمام و کمال وحی من السماء ہے - دوسرا وہ جو صرف اُس کے ایک حصہ کو وحی سمجھتا ہے جو مسائل و احکام سے متعلق ہے اور دوسرے حصے یعنی تاریخی حالات کو وحی نہیں سمجھتا -

مگر قطع نظر اُس اختلاف سے جو عیسائیوں کو کتب مقدسہ کے اعتقاد اور اُن کے وحی ہونے کی نسبت ہے - ان کو دو بڑے بڑے مذہبی مسائل پر یقین کرنا فرض ہے جن کے سبب سے مذہبی معاملات میں آزادی رائے کامل طور سے بالکلیہ نیست و نابود ہو جاتی ہے اور اس لیے عیسائی خدا کی برگزیدہ قوم (یعنی یہود) سے بھی زیادہ خراب حالت میں ہیں اور وہ دو مسئلے یہ ہیں -

۱- ایک مسئلہ ”توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید“ کا ہے - یہ ایک نہایت عجیب طور کا مسئلہ ہے جس کی نسبت عقل کو کام میں لانا منع ہے - لفظ تثلیث کا خدا کے تین مقدس جسموں کے ظاہر کرنے کو حضرت عیسیٰ کی دوسری صدی تک یعنی اُس وقت تک جب کہ تھیو فلس بشپ آف اینٹیوک نے اُس کو ایجاد کیا جاری نہیں ہوا تھا اور یہ

تثلیث کا مسئلہ مذہبی کونسل یا نائسیا میں بھی جو ۳۲۵ برس
بعد حضرت عیسیٰ کے ہوئی تھی اور جس میں اپریس کے مسائل
کی نسبت اعتراض کیا گیا تھا طے نہیں ہوا تھا اور کچھ اسی پر
موقوف نہیں ہے ۔ کیوں کہ پارسن اور اور مشہور و معروف
یونانی عالموں کی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ اصل
عبارت متن انجیل کی جس پر خاص اس مسئلہ کا استدلال کیا جاتا
ہے الحاق ہے ۔ پس اگر اعتقاد کی خوبی نہایت عجیب و مشکل
و خلاف عقل مسائل پر اعتقاد لانے میں ہو تو بلا شبہ عیسائیوں
کا اعتقاد بہت بڑا اعتقاد متصور ہوگا ۔ قبل اس کے کہ کوئی
شخص عیسائی کہلاوے اور اس کو عیسائیوں کے حقوق خدا
کی بارگاہ میں حاصل ہوں اس کو اس مسئلہ عجیب و غریب پر
پکا اعتقاد لانا چاہیے ۔ تمام عیسائی یہ بات کہتے ہیں کہ
اگرچہ یہ مسئلہ قانون قدرت اور آئین عقل کے برخلاف ہے ۔
تاہم آنکھ بند کرکے اور عقل کو محض بے کار و معطل چھوڑ کر
نہایت اصرار و تعصب سے اس پر اعتقاد کرنا چاہیے ۔ دلیل و عقل
کو اس میں دخل دینا ہرگز جائز نہیں ہے ۔

۲۔ دوسرا مسئلہ فدیہ کا یعنی حضرت عیسیٰ کا تمام
بنی نوع انسان کے پچھلے اور حال کے اور آئندہ کے گناہوں کے
عوض صلیب پر چڑھنے اور جان دینے کا ہے اور یہ ایک ایسا
مسئلہ ہے جو قدرت اور عقل دونوں کے برخلاف ہے اور یہ
مسئلہ بھی ایسا مسئلہ ہے جس سے معاملات مذہبی میں آزادی رائے
بالکل معدوم ہو جاتی ہے ۔ اگرچہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ
مسئلہ فدیہ کا ایک ایسا مسئلہ ہے ۔ جس کے سبب سے انسان اپنے
اعمال کا جواب دہ نہیں رہتا اور بدی اور بد اخلاقی کے دروازہ کو
کھول دیتا ہے کیوں کہ جس قدر کثرت سے کوئی گناہ کرے گا

اسی قدر زیادہ نجات دینے والے کی نیکی کا ثبوت ہوگا بقول شخصے سے

گناہ من از نامدے در شمار ترا نام کے بودے آموزگار

پس جو کوئی زیادہ گناہ کرے گا وہی شخص زیادہ رحمت کا مستحق ہوگا جو حق ایک بڑے ولی کو ہونا چاہیے - اس لیے سب سے بڑا گنہگار سب سے بڑا ولی ہوگا - مگر ہم ایسی رائے کو پسند نہیں کرتے اور سچے ایمان داروں کو جو وہ کسی معبود حق یا باطل پر یقین رکھتے ہوں - ان کا نیکوکار ہونا لازم سمجھتے ہیں - مگر افسوس یہ ہے کہ فدیہ کے بعد بھی دوزخ بالکل خالی نہ ہوگی کیوں‌کہ عیسائی مذہب کے موافق بھی تمام کافر جو بے شمار گروہ ہیں اور جن کے بے شمار نام ہیں سب دوزخ میں جاویں گے اور اُس کے تنگ و تاریک مکانوں میں قید رہیں گے -

ایک مسئلہ مذہب عیسوی کا جو سر نوشت کے نام سے مشہور ہے حسن معاشرت کے حق میں ویسا ہی مضرت بخش ہے اگر اس مسئلہ کا معتقد نیک طبیعت اور صاف دل ہو تو بآسانی اُس کو یقین ہو جاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ازل سے اُس کا نام کتاب حیات میں لکھ رکھا ہے اور اسی وجہ سے وہ خیال کرتا ہے کہ اگر اُس کی برائیاں اور اُس کے گناہ سمندر کے کناروں کے ریت کے برابر بھی ہو جاویں تب بھی اُس کا نام صفحہ کتاب حیات سے نہ مٹا سکیں گے اور اگر وہ کم بخت بے نصیب پیچ دار اور بد خصلت خشک طبیعت عبوس صورت ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اُس کا نام صفحہ کتاب حیات میں مندرج نہیں ہے اور اس لیے وہ اپنے قدرتی مزاج کے خراب میلان کو روکنے کی کچھ پرواہ نہیں کرتا اور نیکی کی طرف رجوع کرنے کو اُسے کوئی ترغیب نہیں رہتی -

مذہب اسلام کی نسبت یہ بات بڑے اطمینان اور بھروسہ سے کہی جا سکتی ہے کہ سر ولیم میور نے جو رائے اُس کی نسبت لکھی ہے وہ ٹھیٹ اسلام کے بالکل برخلاف ہے ۔ بلکہ مذہبی عقیدہ اور مذہبی معاملات میں جو آزادیٔ رائے اسلام نے دی ہے وہ بے نظیر ہے اور شاید دنیا میں کوئی مذہب اس معاملہ میں اُس سے فائق نہیں ہے ۔

ہم اس مقام پر ایک مشہور و معروف فرانسیسی عالم یعنی ایم ۔ ڈی ۔ سینٹ ھایئر کی رائے نقل کرتے ھیں جس سے یہ بات معلوم ھوتی ہے کہ ہم اپنی اس تحریر کی تائید میں صرف اپنے ہم مذہبوں ھی کی شہادت کو پیش نہیں کرتے بلکہ اور مذہب اور خصوصاً مذہب عیسائی کے فیاض اور دانش مند بے تعصب معتقدوں کی بھی شہادت پیش کر سکتے ھیں ۔

مصنف موصوف نے لکھا ہے کہ ” اسلام میں کوئی بات مشتبہ یا قدرت کی باتوں سے بڑھ کر بطور اعجوبہ کے نہیں ہے ۔ مذہب اسلام خود اس بات کے مخالف ہے کہ وہ کسی پردہ میں پوشیدہ کیا جاوے اور اگر اب تک اُس میں چند شبہات موجود ھیں تو اس کا الزام مذہب اسلام پر نہیں ہے کیونکہ وہ ابتدا ھی سے ایسا صاف اور سچا ہے جتنا کہ ھونا ممکن ہے ۔“

اب مذہب اسلام کی آزادیٔ رائے کا حال مذہبی معاملات کی نسبت غور کرو ۔ دین محمدی صلعم کی رو سے تمام مذہبی روایتوں اور حدیثوں کی نسبت ھر ایک شخص آزادانہ رائے دے سکتا ہے راویوں کی نسبت ، روایت کے مضمون کی نسبت ، نہایت آزادانہ تحقیقات و تفتیش کرنے کا اور اُن تمام روایتوں اور حدیثوں کو جو اُس کی آزادانہ تحقیقات اور بے تعصب رائے میں تحقیق کے بعد نا معتبر ٹھیریں نا مقبول کرنے کا ھر ایک شخص کو کلیتاً اختیار حاصل ہے ۔ جو روایتیں اور حدیثیں کہ

غور و فکر اور تحمل سے تحقیقات کرنے کے بعد عقل اور قدرت کے برخلاف ثابت ہوں یا اور کسی طرح موضوع قرار پاویں یا جو روایتیں اور حدیثیں بے سند ہوں اُن سب کو رد کر دینے کا کلیۃً مجاز ہے - مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے کہ ''حدیث بے سند گوز شتر است'' یہ قول ایک ایسے بڑے شخص کا ہے - جس کو لوگوں نے نبی سے کچھ ہی کم مان رکھا ہے -

قرآن مجید کی نسبت بھی جس کے ہر ایک لفظ کو مسلمان وحی سے جانتے ہیں مذہب اسلام میں جس قدر آزادی حاصل ہے کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے - ہم نے قرآن مجید کے سچ ہونے کو بھی اُس کے سچ سے مانا ہے - ٹھیٹ مذہب اسلام کی رو سے ہر ایک شخص کو آزادی ہے کہ خود قرآن مجید کے احکام پر غور کرے اور جو ہدایت اُس میں پاوے اس پر عمل کرے - کوئی شخص کسی دوسرے کی رائے اور اجتہاد اور سمجھ کا پابند نہیں ہے - مذہب اسلام میں ایسی قوت کسی کو نہیں ہے کہ دوسرے کو خواہ نخواہ برخلاف اُس کی سمجھ کے اپنی اطاعت اور اپنے اجتہاد کی پیروی پر مجبور کرے - ہر شخص آپ اپنے لیے مجتہد ہے - صحابہ جن کو ہم بعد پیغمبر کے بزرگ سمجھتے ہیں اُن کی نسبت بھی اکابر مذہب اسلام کا یہ قول ہے کہ ''نحن رجال و ہم رجال'' پس اس سے زیادہ اور کیا مذہبی معاملات میں آزادیٔ رائے ہو سکتی ہے -

مگر ہم یہودی اور عیسائی مذہب میں اس قسم کی آزادی رائے معاملات مذہبی میں نہیں دیکھتے مذہب اسلام میں یہ بھی ہدایت نہیں ہے کہ اُس کا جو سب سے بڑا اصول ہے یعنی خدا کے وجود اور اُس کی وحدانیت کا ماننا وہ بھی اندھا دھوندی کے اعتقاد اور بے مداخلت عقل اور بے سمجھے غلامانہ طور پر تسلیم کر لیا جاوے - کیوں کہ خود قرآن مجید ہی اس بڑے

مسئلہ کو جبر و سختی و نا سمجھی سے تسلیم کرنے کو نہیں
کہتا بلکہ دلیلوں اور قدرتی نشانیوں سے اُس کو سکھاتا ہے۔
قرآن مجید میں سب سے پہلے خدا تعالیٰ کے وجود اور اُس کی
وحدانیت کو تمام قدرتی چیزوں کے وجود سے ثابت کیا ہے اور
اُس کے بعد اُس لا زوال ہستی اور ہمہ راستی پر یقین کرنے کی
ہدایت کی ہے۔ چناں چہ اُس پاک کتاب میں لکھا ہے کہ ”خدا
کے ہونے کی نشانیوں میں سے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ تم کو
مٹی سے پیدا کیا پھر تم چلتے
پھرتے آدمی ہوئے۔ خدا کے
ہونے کی نشانیوں میں سے ہے
کہ تم کو پیدا کیا اور تم ہی
میں سے تمہارے لیے جوڑا بنایا
کہ اُس سے تم کو چین ہو اور
آپس میں تمہاری محبت و شفقت
پیدا کی اسی میں اُن لوگوں کے
لیے جو غور کرتے ہیں۔ خدا کے
ہونے پر بہت سی نشانیاں ہیں۔
خدا کے ہونے کی نشانیوں میں سے
ہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا
اور تمہاری نرالی نرالی بولیوں کا
اور تمہارے بھانت بھانت کے
رنگوں کا ہونا ان چیزوں میں
تمام دنیا کے لوگوں کے لیے خدا
کے ہونے پر بہت سی نشانیاں
ہیں۔ خدا کے ہونے کی نشانیوں
میں سے ہی تمہارا رات میں اور

و من آیاتہ ان خلقکم
من تراب ثم اذا انتم
بشر تنتشرون ۔

و من آیاتہ ان خلق لکم
من انفسکم ازواجا لتسکنو
الیہا و جعل بینکم مودۃ
و رحمۃ ان فی ذالک لایات
لقوم یتفکرون ۔

ومن آیاتہ خلق السموات
والارض و اختلاف السنتکم
و الوانکم ان فی ذالک
لایات للعلمین ۔

و من آیاتہ منامکم
باللیل والنہار و ابتغاؤکم
من فضلہ ان فی ذالک
لایات لقوم یسمعون ۔
ومن آیاتہ یریکم البرق

خوفاً و طمعا و ینزل من
السماء ماء فیحیی به الارض
بعد موتها ان فی ذالک
لایات لقوم یعقلون ۔
و من آیاته ان تقوم
السماء و الارض بامره ۔
و من آیاته ان یرسل
الریاح مبشرات و لیذیقکم
من رحمته و لتجری
الفلک بامره ۔
الله الذی یرسل الریاح
فتثیر سحابا فیبسط فی
السماء کیف یشاء و
یجعله کسفا فتری
الودق یخرج من
خلاله ۔
الله الذی خلقکم من
ضعف ثم جعل من بعد ضعف
قوة ثم جعل من بعد قوة
ضعفا و شیبة (سوره روم) ۔
الم تر ان الله انزل
من السماء ماء فاخرجنا
به الثمرات مختلفا
الوانها و من الجبال
جدد بیض و حمر مختلف
الوانها و غرابیب سود

دن میں سو رھنا اور آس کی
مہربانی سے رزق تلاش کرنا
اسی میں آن لوگوں کے لیے
جو بات کو سنتے یعنی سمجھتے
ھیں خدا کے ھونے پر بہت
سی نشانیاں ھیں ۔ خدا کے
ھونے کی نشانیوں میں سے ھے
بجلی کی چمک اور کڑک کا تم
کو دکھلانا جس سے تم ڈر
جاتے ھو اور مینہ برسنے کے
لالچ کرتے ھو اور برساتا ھے
آسمان سے مینہ پھر مری ھوئی
یعنی خشک زمین کو زندہ
یعنی ھرا کر دیتا ھے اسی میں
آن لوگوں کے لیے جو سمجھدار
ھیں خدا کے ھونے پر بہت سی
نشانیاں ھیں" خدا کے ھونے
کی نشانیوں میں سے ھے ۔ کہ
اسی کے حکم سے آسمان و زمین
کھڑے ھیں ۔ خدا کے ھونے کی
نشانیوں میں سے ھے کہ مینہ
کی خوشی خبری لانے والی ھوا
کو چلاتا ھے تاکہ آس کی
رحمت کا تم مزہ چکھو اور آس
کے حکم سے پانی سے کشتیاں
چلیں ۔ خدا وہ ھے کہ ھوا

و من الناس و الدواب و الانعام مختلف الوانه کذالک (سورہ فاطر) ۔

ان فی السموات و الارض لآیات للمومنین و فی خلقکم و ما یبث من دابة آیات لقوم یوقنون ۔

و اختلاف الیل والنہار و ما انزل اللہ من السماء من رزق فاحیا بہ الارض بعد موتہا و تصریف الریاح آیات لقوم یعقلون تلک آیات اللہ نتلوھا علیک بالحق فبای حدیث بعد اللہ و آیاتہ یومنون (سورہ جاثیہ) ۔

ھو الذی انزل من السماء ماء فاخرجنا بہ نبات کل شئی فاخرجنا منہ خضرا نخرج منہ حبا متراکبا و من النخل من طلعھا قنوان دانیة و جنات من اعناب والزیتون و الرمان متشابھا و غیر

چلاتا ہے پھر وہ بادلوں کو ھانک لاتی ہے ۔ پھر جس طرح چاھتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور پھر بادلوں کا دل کر دیتا ہے پھر اُن میں سے بوندیں ٹپکاتا ہے ۔ خدا وہ ہے جس نے تم کو پہلے سے نہایت ھیچ ناتوان پیدا کیا پھر تم کو ناتوانی سے قوی کیا پھر قوی سے ضعیف کر دیا اور بڑھاپے سے تمھارے بال بھی سفید کر دیے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اُس سے رنگ برنگ کے پھل پیدا کیے اور پہاڑوں میں سفید و سرخ اور سیاہ بھجنگ تہیں نکالیں اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں طرح بہ طرح کے رنگ بنائے آسمانوں میں اور زمین میں خدا کے ہونے پر یقین والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ھیں ۔ اور تمھارے پیدا کرنے میں اور جانوروں کو بہتایت سے پھیلانے

متشابه انظروا الی ثمره
اذا اثمرو ینعه ان فی ذالکم
لاٰیات لقوم یوقنون
(سوره انعام) ۔

هو الذی مد الارض و
جعل فیها رواسی و انهارا
و من کل الثمرات فیها
جعل زوجین اثنین یغشی
الیل النهار ان فی ذالک
لایات لقوم یتفکرون
(سوره رعد) ۔

و فی الارض قطع
متجاورات و جنات من
اعناب و زرع و نخیل
صنوان و غیر صنوان
یسقی بما واحد و نفضل
بعضها علی بعض فی الاکل
ان فی ذالک لایات لقوم
یعقلون (سوره رعد) ۔

الذی جعل لکم
الارض مهداً و سلک لکم
فیها سبلا و انزل من
السماء ماء فاخرجنا به
ازواجا من نبات شتّٰی
کلوا وادعو انعامکم ان فی

مین یقین والون کے لیے بهت
سی نشانیان هین اور رات کے
جانے اور دن کے آنے اور اُن
کو بڑا هونے اور چهوٹا هونے
اور آسمان سے مینه کے برسنے
پهر مرده زمین کے زنده کرنے
اور هوا کے ادل بدل کرنے
مین سمجه دار لوگون کے لیے
بهت سی نشانیان هین یه الله کی
نشانیان هین جو ٹهیک تجه کو
بتلائی هین ۔ پهر کون سی
بات هے جس پر الله کی اور اُس
کی نشانیون کے بعد ایمان لاوین
گے ۔ خدا وه هے جو برساتا هے
آسمان سے پانی پهر پانی کے
سبب هم نے تمام اُگنے والی
چیزین پائین ۔ پهر هم نے اُس
سے سبز پودے نکالے جس مین
سے دانون کے گچهے نکلتے هین
اور کهجور کے درختون مین
اُن کی پهننگ مین سے پهل کے
بوجه سے زمین کو جهکے
هوئے گابهے نکلتے اور انگور
اور زیتون اور انار کے باغ
ایک سے اور الگ طرح کے

ذالک لایات لاولی النہی (سورہ طہ) ۔

و الانعام خلقھا لکم فیھا دفع و منافع و منھا تاکلون و لکم فیھا جمال حین تریحون و حین تسرحون و تحمل اثقالکم الی بلد لم تکونوا بالغیہ الابشق الانفس (سورہ نحل)

و ان لکم فی الا نعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونھا من بین فرث و دم لبنا خالصاً سائغا للشاربین (سورہ نحل) ۔

و من آیۃ الجوار فی البحر کالا علام ان یشاء یسکن الریح فیظلن رواکد علی ظھرہ ان فی ذالک لایات لکل صباشکور (سورہ شوریٰ) ۔

و اللہ اخرجکم من بطون امھاتکم لا تعلمون شیئاً و جعل لکم السمع و الابصار والافئدہ لعلکم تشکرون ۔ الم یرو الی الطیر مسخرات فی

آگئے ہیں ۔ دیکھو اس کے پھل کو جب کہ وہ پھلے اور پکے اس میں بھی بلا شبہ اُن لوگوں کے لیے جو ایمان والے ہیں خدا کے ہونے کی نشانیاں ہیں ۔ اللہ ہے جس نے زمین کو ایسا بڑا بنایا اور اُس میں پہاڑ اور دریا بنائے اور اُس میں تمام پھلوں کو دو دو بنایا ۔ رات سے دن کو چھپا دیتا ہے ۔ اس میں بھی بے شک ان لوگوں کے لیے جو غور کرتے ہیں خدا کے ہونے پر نشانیاں ہیں اور زمین کے مختلف ٹکڑے آپس میں ملے ہوئے ہیں اور انگور کے باغ ہیں ، کھیت ہیں اور کھجور کے درخت ہیں ۔ کسی کی بہت گھنی شاخیں ہیں اور کسی کی چھدری جو ایک سے پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور کھانے میں ایک دوسرے سے مزے دار ہیں اس میں بھی بے شک اُن لوگوں کے لیے جو سمجھتے ہیں خدا کے ہونے پر

جو السماء ما یمسکھن الا اللہ ان فی ذالک لایات لقوم یومنون (سورۂ نحل) -

نشانیاں ھیں وہ خدا ھے جس نے تمھارے لیے زمین کو پنگوڑھا بنایا اور تمھارے لیے اس میں رستے جاری کیے اور آسمان سے مینہ برسایا پھر ھم نے پانی کے سبب مختلف اُگنے والی چیزوں کے جوڑے نکالے ، کھاؤ اور اپنے جانوروں کو چراؤ اس میں بھی عقل والوں کے لیے خدا کے ھونے پر نشانیاں ھیں اور تمھارے لیے مویشی کو پیدا کیا ان میں گرم ھونے کا سامان اور بہت سے منافع ھیں اور اُن ھی میں سے تم کھاتے ھو اور تم کو ان سے زیبائش ھے جب کہ شام کو چرا کر لاتے ھو اور چرانے کو لے جاتے ھو تمھارا بوجھ کسی شہر کو اٹھا لے جاتے ھیں جہاں تم بغیر ادھ موئے ھوئے نہ پہنچ سکتے تھے اور تمھارے لیے مویشی میں ایک بڑی نصیحت ھے ھم تم کو وہ چیز پلاتے ھیں جو اُن کے پیٹ میں گوبر و لہو کے سبب بنتی ھے - یعنی اچھا خاصا دودھ جو پینے والوں کے حلق میں آسانی سے اُتر جاتا ھے اور خدا کے ھونے کی نشانیوں میں ھیں پہاڑوں کی مانند جہاز سمندر میں چلنے والے اگر خدا چاھے ھوا بند کر دے وہ سمندر کی پیٹھ پر ٹھیر جاویں اس میں بھی بے شک اُن لوگوں کے لیے جو صابر و شاکر ھیں خدا کے ھونے پر نشانیاں ھیں اور اللہ نے تم کو تمھاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا تم کچھ نہیں جانتے تھے بنایا تمھارے لیے سننا تاکہ تم شکر کرو کیا تم پرندوں کو نہیں دیکھتے - جو ادھر آسمان کی وسعت میں ھیں کون اُن کو تھامے ھوئے ھے بجز خدا کے اس میں بھی بے شک اُن لوگوں کو جو ایمان والے ھیں - خدا کے ھونے پر نشانیاں ھیں -"

اگر چند آیتوں کے مضامین کو مختصراً ایک جگہ جمع کر دیا

جاوے تو معلوم ہوگا کہ کس خوبی اور فصاحت و بلاغت
سے خدا کے ہونے پر قدرتی چیزوں سے استدلال کیا گیا ہے ۔ دنیا
کو دیکھو کہ وہ کیسی عجیب چیز ہے ۔ تاروں بھرا آسمان ،
اندھیرے کو اجالا کرنے والا سورج ، گھٹنے بڑھنے والا ۔
اندھیری رات میں چاندنی کے سے پترے بچھا دینے والا چاند ۔
دریا کی موجوں اور بے نشان رستوں میں رستہ بتانے والے ستارے
خدا کی طرح بہ طرح کی صنعتیں کھلی ہوئی آنکھوں والوں خدا
کے ہونے کی بڑی نشانیاں ہیں ۔ یہ زمین خدا نے تمھارے لیے
بنائی اس میں ہر طرف کو جانے آنے کے رستے رکھے تم اس پر
رہتے ہو اور ادھر ادھر پھرتے ہو ۔ بادلوں کے بے انتہا دل اس
نیلے گھیرے کے سینہ میں پیدا ہوتے ہیں کھڑے رہتے ہیں
ڈولتے پھرتے ہیں پھر غائب ہو جاتے ہیں کہاں سے آتے ہیں
اور کہاں چلے جاتے ہیں ۔ یہ پہاڑوں کی صورت کے اجگر بادل روئی
کے پھوئے کی طرح ہوا کے جھوکے سے اڑتے پھرنے والے کے دل
کے دل موسلا دھار مینہ برساتے ہیں پژمردہ زمین کو سرسبز
کرتے ہیں ۔ گھاس اگتی ہے اونچے اونچے کھجور کے درخت پتوں
کی خوش نما چھتریوں سمیٹ اگتے ہیں جن کے گرد کھجوروں کے
گچھے لٹکتے ہیں کیا یہ اس کے پیدا کرنے والے کے ہونے کی
نشانیاں نہیں ہیں ۔ تمھارے مویشی بھی کیا عجیب نہیں ہے
تمھارے لیے گھاس کو دودھ بنا دیتی ہے ۔ اس کے اون سے تم
اپنی پوشاکیں بناتے ہو ۔ دن بھر جنگل میں چرتی ہیں شام کو
صف باندھ کر تمھارے گھر آتی ہیں ۔ پھر ان بڑے بڑے پہاڑوں
یعنی جہازوں کو دیکھو جو اپنے کپڑے کے پر پھیلائے سمندر
کی لہروں پر دوڑتے اڑتے پڑے پھرتے ہیں ۔ پر پھیلاتے ہی
جست کرتے ہوئے جاتے ہیں ہوا ان کو لیے پھرتی ہے ۔ مگر

جب خدا نے ہوا بند کرلی تو وہ مردہ کی طرح پڑے ہیں پھر ہل تک نہیں سکتے کیا یہ ایک کرشمہ نہیں ہے - تم کیا کرشمہ چاہتے ہو تم خود کیا کچھ کرشمہ نہیں ہو - چند برس پہلے تمہارا وجود نہ تھا - تم کو خدا نے مٹی سے پیدا کیا - چھوٹے سے بڑا کیا ، خوب صورت بنایا ، طاقت تم کو دی - خیالات کی قوت تم میں رکھی - تم کو ایک دوسرے پر رحم آتا ہے - اگر تم کو ایسا نہ بناتا تو تمہارا کیا حال ہوتا - پھر تمہارے بال سفید ہو جاتے ہیں - تمہاری طاقت گھٹ جاتی ہے - ناتوان ہو جاتے ہیں - پھر تمہارا وجود بھی نہیں رہتا - یہ سب چیزیں اس کے بنانے والے ہونے کی نشانیاں ہیں ؎

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

تمام قرآن اسی قسم کے قدرتی مضامین سے بھرا ہوا ہے جن سے اس علۃ العلل یعنی خدا کے ہونے پر استدلال کیا ہے - پھر خدا کی وحدانیت کی دلیلیں عام فہم طریقہ پر بیان کی ہیں - اور یوں فرمایا ہے کہ " کس

| | |
|---|---|
| امن خلق السموات و الارض | نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین |
| و انزل لکم من السماء | کو اور کس نے تمہارے لیے |
| ماءً فانبتنابہ حدایق | آسمان پر سے مینہ برسایا - پھر |
| ذات بھجۃ ماکان لکم ان | ہم نے اس سے فرحت بخش |
| تنبیتوا شجرھا ء الہ | باغ اگائے تم ان کے درخت |
| مع اللہ بل ھم قوم یعدلون - | نہیں اگا سکتے تھے کیا خدا کے |
| أمن جعل الارض قراراً | ساتھ کوئی اور خدا ہے مگر |
| وجعل خلالھا انھارا | کافر وہ لوگ ہیں جو سیدھی |
| وجعل لھارواسی وجعل | راہ سے پھر جاتے ہیں - کس |

بین البحرین حاجز الٰہ    نے زمین کو ٹھیرنے کی جگہ
مع اللہ بل اکثرھم    بنایا اور کس نے اس میں دریا
لا یعلمون ۔ (سورہ نمل)    بنائے اور کس نے زمین کے
پہاڑ بنائے اور کس نے دو
سمندروں مین جزیرہ بنایا ۔ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ھے
مگر بہت کافروں مین سے نہین جانتے اگر آسمان و زمین مین دو خدا
ھوتے تو دونوں برباد ھو جاتے ۔

ھر گیا ھے کہ از زمین روید
وحدہٗ لا شریک لہ گوید

پس امور مذھبی مین جیسی آزادی رائے اسلام مین ھے اس سے زیادہ اور کیا ھوگی ۔

یہ کہنا کہ اسلام کے نہ قبول کرنے کی لازمی سزا تلوار ھے مذھب اسلام پر من جملہ آن سخت اور جھوٹے الزامون کے ایک الزام ھے جو غیر مذھب والوں نے نا انصافی سے اس پر کیے ھین یا وہ مذھب اسلام سے ناواقف ھین یا دیدہ دانستہ حق پوشی کی نظر سے باندھے ھین ۔ اسلام صرف دلی یقین اور قلبی تصدیق پر منحصر ھے اور دلی یقین جبر و زبردستی سے پیدا ھی نہین ھو سکتا ۔ پس کیوں کہ یہ بات خیال مین آسکتی ھے کہ جس چیز سے وہ بات پیدا ھی نہین ھو سکتی ۔ جس کی ضرورت اسلام کے لیے ھے اس کے کرنے کو خود اسلام ھی ھدایت کرے ۔ جو لوگ مذھب اسلام سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ھیں اور خدا کے کلام کو ایک ادنیٰ توجہ سے ھی دیکھتے ھیں وہ جانتے ھیں کہ یہ خیال کہ اسلام زبردستی و تلوار کے زور سے قبلوایا جاتا ھے قرآن مجید کے صاف اور روشن حکم کے بالکل برخلاف ھے جہاں خدا نے فرمایا ھے

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت و یومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لہا و اللہ سمیع علیم ۔ (سورہ بقر آیت ۲۵۷)

کہ "دین پر لانے میں کچھ دباؤ ڈالنا نہیں ہے کیوں کہ سیدھی راہ یعنی اسلام گمراہی یعنی کفر سے علانیہ کھل گئی ہے پھر جو کوئی بتوں کا منکر ہو اور اللہ پر ایمان لائے تو بے شک اس نے نہایت مضبوط کنگورہ پکڑ لیا ہے جو ٹوٹنے کے قابل نہیں ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔" ایک اور جگہ خدا نے فرمایا ہے کہ "اگر چاہتا اللہ

ولو شاء ربک لامن من فی الارض کلہم جمیعا افانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مومنین وما کان لنفس ان تؤمن الا باذن اللہ ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون ۔ (سورہ یونس آیت ۹۹ و ۱۰۰)

تیرا پروردگار تو سب جو زمین میں ہیں اکٹھے ایمان لے آتے پھر کیا تو دباؤ ڈال سکتا ہے لوگوں پر تاکہ مسلمان ہو جاویں (یعنی دباؤ سے کوئی مسلمان نہیں ہوتا) کسی شخص کو یہ بات ممکن نہیں ہے کہ بغیر حکم خدا کے ایمان لاوے اور اللہ ان لوگوں پر ناپاکی ڈالتا ہے جو نہیں سمجھتے ۔"

جس اصول پر کہ حضرت موسیٰ نے کافروں پر تلوار کھینچی تھی اور یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک خدا کے حکم سے وہ تلوار کھینچی گئی تھی کہ تمام کافروں اور بت پرستوں کو بغیر کسی استثنا کے قتل و غارت و نیست و نابود کردیں ۔ اس اصول پر مذہب اسلام نے کبھی تلوار کو میان

سے نہین نکالا - اُس نے کبھی تمام کافرون اور بت پرستون کے نیست و نابود کرنے کا یا کسی کو تلوار کی دھار سے مجبور کر کے اسلام قبلوانے کا ارادہ نہین کیا - ھان بلاشبہ اسلام نے بھی تلوار کو نکالا مگر دوسرے مقصد سے یعنی خدا پرستون کے امن اور اُس کی جان و مال کی حفاظت اور اُن کو خدا پرستی کا موقع ملنے کو اور یہ ایک ایسا منصفانہ اصول ہے جس پر کوئی شخص کسی قسم کا الزام نہین لگا سکتا -

اسلام مین سب سے بڑا مقصد جیسا اُس لازوال ھستی پر خود یقین لانا ہے ویسا ھی اُس کے وجود اور اُس کی وحدانیت کا علی العموم مشتہر کرنا ھے شروع اسلام کے زمانے کے مسلمانون پر بڑا فرض تھا - اور حال کے زمانے کے مسلمانون پر بھی بہ قدر اُس حاجت اور ضرورت کے جواب باقی ہے فرض ھے کہ کافرون اور کافرون کے ملک میں جاویں اور ایسے خدائے واحد کے وجود کا یقین جو دکھائی نہیں دیتا ، اپنے وعظ و نصیحت سے لوگون کے دلون مین بٹھلا دیں- جن ملکون میں اس مقصد کے ادا کرنے مین کوئی مانع و مزاھم نہین ھے اس ملک پر اسلام نے تلوار نکالنے کی اجازت نہین دی - مگر جب کافر خدا کے نام کی منادی کے مانع ھون اور خدا پرستون کو جان و مال کے امن سے نہ رھنے دیں جیسے کہ مکہ کے کافرون نے کیا اور پھر جہان گئے وہ بھی تعاقب مین دوڑے اُس وقت بلاشبہ اپنا بچاؤ کرنے کا اور خدا کے نام کو بلند کرنے کی غرض سے اسلام نے تلوار نکالنے کی اجازت دی ھے مگر اُسی وقت تک جہان تک کہ یہ مقصد حاصل ھو جاوے تاکہ مسلمانون کو جان و مال کی حفاظت ھو اور بہ ذریعہ وعظ و تلقین و پند و نصائح کے خدائے واحد ذوالجلال کا جلال لوگون کے دل مین بٹھلاویں تاکہ اُسی

واحد حقیقی کی پرستش دنیا میں جاری ہو ۔ مسلمان کافروں مین بہ امن و امان رہین اور اپنے چال چلن اور عادت و عبادت اور اخلاق بھی سےخود اپنے تئین مجسم اسلام بناویں تاکہ کافر نور اسلام کو اُس مجسم اسلام مین دیکھین اور اسلام پر دل سے یقین لاویں ۔

ہمارے اس قول کی تصدیق کہ وہ تلوار صرف اسی مقصد کے حاصل ہونے تک نکالی جاتی ہے نہ کافروں کے زبردستی مسلمان ہونے کے مقصد سے وہ اس بات سے ہوتی ہے کہ بمجرد حاصل ہونے اس مقصد کے تلوار میان مین رکھ لی جاتی ہے گو کہ ایک بھی کافر مسلمان نہ ہوا ہو ۔

یہ مقصد یعنی یہ کہ مسلمان امن سے رہین اور خدائے واحد کی پرستش کیا کریں اور خدا کا نام لوگوں مین بلند کریں اور اپنے چال چلن اور عادت و عبادت و اخلاق و محبت و ہمدردی سے اسلام کی مجسم صورت لوگوں کو دکھلاویں تین طرح سے حاصل ہوتا ہے یا یہ کہ ایک مذہب ہو جاوے اور وہاں کے لوگ مسلمان ہو جاویں جیسا کہ مدینہ میں ہوا ۔

یا یہ کہ صلح رہے یعنی یہ کہ کفار ادائے فرض مذہبی سے معترض نہ ہوں جیسے کہ ابتداء مکہ میں تھا یا جن مسلمانوں نے حبشہ میں ہجرت کی تھی اُن کا حال تھا یا کافر لڑائی کی حالت میں مسلمانوں کو ملک میں رہنے اور آمد و رفت کرنے اور اُن کی جان و مال کی حفاظت اور ادائے فرائض مذہبی سے معترض نہ ہونے پر صلح کر لین ۔

یا یہ کہ ملک فتح اور کفار مغلوب ہو جاویں تاکہ اُن کو طاقت تعرض کی مسلمانوں سے ادائے فرائض مذہبی اور اعلائے کلمۃ اللہ کی نہ رہے ۔

ان تینوں صورتوں مین سے کسی صورت سے مقصد حاصل ہونے

کے بعد فوراً تلوار میان میں رکھ لی جاتی ہے گو کہ ایک کافر بھی مسلمان نہ ہوا ہو اور اگر پچھلے دونوں طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ میں امن قائم ہوا ہو تو کسی کو کسی کی مذہبی رسومات میں دست اندازی کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ ہر شخص کو آزادی رہتی ہے کہ بغیر اس کے کوئی شخص اس کو ایذا پہنچائے اپنے مذہب کی تمام رسومات کو ادا کرے۔

اس بیان سے اُن مصنفوں کی بھی سخت غلطی صاف صاف ظاہر ہوتی ہے جنھوں نے لکھا ہے کہ ''اسلام میں دوسرے مذہب کو آزادی سے رہنے دینا مطلق نہیں ہے۔'' ہاں ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ مسلمان فتح مندوں میں سے بعضوں نے نہایت بے رحمی کی اور دوسرے مذہب کی آزادی کو برباد کر دیا۔ مگر مذہب اسلام کا اندازہ اُن کے افعال سے نہ کرنا چاہیے بلکہ ہم کو یہ بات تحقیق کرنی چاہیے کہ آیا انھوں نے مذہب اسلام کے مطابق عمل کیا یا نہیں اور اس وقت ہم کو صاف یہ بات معلوم ہو جاوے گی۔ کہ ان کے افعال مذہب اسلام کے بالکل بر خلاف تھے۔ مگر اسی کے ساتھ ہم کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان فتح مند جو اپنے مذہب کے بھی پابند تھے دوسرے مذہب کی آزادی میں خلل انداز نہ تھے اور اپنی تمام رعایا کو بہ لحاظ قوم و مذہب کے ہر طرح کا امن اور آزادی بخشتے تھے تواریخ سے ہم کو بے شمار مثالیں مسلمان فتح مندوں کی دوسرے مذہب کو آزادی سے رکھنے کی ملتی ہیں اور ہم اس مقام پر چند رایوں کو نقل کرتے ہیں جو اس باب میں عیسائی مصنفوں نے لکھی ہیں اور جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے مذہب کو آزادی سے رکھنا اسلام کی خاصیت میں سے ہے۔

چیمبرز سائکلوپیڈیا میں ایک عیسائی مصنف نے جس کی ذات سے بہت کم توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اسلام کا طرف دار ہوا سپین کے علم تواریخ پر ایک آرٹیکل لکھا ہے اور اس نے اس معاملہ میں یہ لکھا ہے کہ " اسپین کے بنی آمیہ خلفاء کی حکومت کی ایک مشہور و معروف بات قابل بیان کے ہے کیوں کہ اس سے اسپین کے ہم عصر (یعنی عیسائی) اور پچھلے مسلمان بادشاہوں کے مقابلے میں بلکہ اس انیسویں صدی کے زمانے تک آن بادشاہوں کی بڑی عمدگی پائی جاتی ہے یعنی آن کا عام طور سے دوسرے مذہب کو مذہبی معاملات میں آزادی کا دینا ۔"

گاڈفری ہگنز صاحب نے اس معاملہ کی نسبت یہ لکھا ہے کہ " کوئی بات ایسی عام نہیں ہے ۔ جیسا کہ عیسائی پادریوں کی زبانی مذہب اسلام کی مذمت اس وجہ سے سننے میں آتی ہے کہ اس میں تعصب زیادہ ہے اور اس میں دوسرے مذہب کو آزادی نہیں ہے ۔ یہ عجیب زعم اور محض ریاکاری ہے ۔ وہ کون تھا ۔ (عیسائی) جس نے مور مسلمان باشندگان اسپین کو اسپین سے بایں وجہ جلا وطن کر دیا تھا کہ وہ عیسائی مذہب قبول نہیں کرتے تھے اور وہ کون تھا (عیسائی) جس نے میکسیکو اور پیرو کے لاکھوں باشندوں کو قتل کیا تھا اور آن سب کو بطور غلام کے دے دیا تھا ۔ اس وجہ سے کہ وہ عیسائی نہ تھے ۔ مسلمانوں نے بہ مقابلہ آس کے یونان میں کیا کیا ۔ کئی صدیوں سے عیسائی امن و امان کے ساتھ اپنی ملکیت پر قابض چلے آتے ہیں اور آن کے مذہب ، آن کے پادریوں آن کے بشپ ، آن کے بزرگوں ، آن کے گرجاؤں کی نسبت دست اندازی نہیں کی گئی ہے ۔ جو لڑائی بالفعل (یعنی بہ زمانہ تحریر کتاب)

یونانیوں اور ترکوں میں ہو رہی ہے ۔ وہ بہ نسبت اُس لڑائی کے جو حال دیمرارا کے حبشیوں اور انگریزوں میں ہوئی تھی کچھ زیادہ مذہب کی وجہ سے نہیں ہے ۔ یونانی اور حبشی اپنے فتح مندوں کی اطاعت سے آزاد ہوا چاہتے ہیں اور اُن کا ایسا کرنا واجب ہے ۔ جب کبھی خلیفہ فتح یاب ہوتے تھے اور وہاں کے باشندے مسلمان ہو جاتے تھے ۔ تو فوراً اُن کا رتبہ بالکل فتح مندوں کے برابر ہو جاتا تھا ۔ ایک نہایت دانش مند مگر غیر معتقد عالم نے سراسین یعنی مسلمانوں کے ذکر میں بیان کیا ہے کہ " وہ کسی شخص کو ایذا نہیں دیتے تھے اور یہودی اور عیسائی اُن میں خوش و خرم تھے ۔"

" لیکن اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ مور اس وجہ سے جلاوطن کیے گئے تھے ۔ کہ وہ عیسائی مذہب قبول نہیں کرتے تھے مگر مجھ کو گمان ہے کہ اُس کا سبب اور ہی تھا ۔ یعنی میں خیال کرتا ہوں کہ وہ اپنی دلیلوں سے عیسائیوں پر اس قدر غالب آ گئے تھے کہ نادان عیسائی مانک یعنی دین دار سمجھتے تھے کہ اُن کی دلیلوں کا جواب صرف مذہبی عدالت سے سزا دینا اور تلوار سے ہو سکتا ہے ۔ اور مجھ کو کچھ شبہ نہیں ہے کہ جہاں تک اُن کی ناقص قوت جواب دینے کے باب میں تھی وہاں تک اُن کا یہ خیال صحیح تھا ۔ جن ملکوں کو خلیفہ فتح کرتے تھے وہاں کے غریب باشندے خواہ یونانی ، ایرانی ، اسپین خواہ ہندو قتل نہیں کیے جاتے تھے ۔ جیسا کہ عیسائیوں نے بیان کیا ہے بلکہ فتح ہوتے ہی وہ سب بہ امن و امان اپنی ملکیت اور اپنے مذہب پر قابض چھوڑ دیے جاتے تھے ۔ اور اس پچھلے حق کی بابت

ایک محصول[1] دیتے ہیں جو اس قدر خفیف ہوتا ہے کہ کسی کو گراں نہیں معلوم ہوتا ۔ خلفا کی تمام تاریخ میں کوئی ایسی بات نہیں مل سکتی جو ایسی رسوائی کا باعث ہو ۔ جیسے کہ (عیسائیوں میں) مذہبی عدالت سے سزا دینا تھا اور نہ ایک مثال بھی اس بات کی پائی جاتی ہے ۔ کہ کوئی شخص اپنا مذہب نہ چھوڑنے کے سبب چلا گیا ہو نہ مجھ کو یہ یقین ہے کہ زمانہ امن میں صرف اس وجہ سے قتل کیا گیا ہو کہ اُس نے مذہب اسلام قبول نہیں کیا اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ پچھلے مسلمان فتح مندوں نے اپنی فتوحات میں بڑی بڑی بے رحمیاں کی ہیں جن کا الزام عیسائی مصنفوں نے بھی جد و جہد سے مذہب اسلام پر لگایا ہے مگر یہ واجب نہیں ہے ۔ درحقیقت مذہبی تعصب کے باعث لڑائی کی خرابیاں زیادہ ہو گئیں ۔ مگر اس باب میں مسلمان فتح مند کچھ عیسائیوں سے زیادہ بد تر نہ تھے ۔"

اس کے بعد مسٹر گاڈ فری ہگنز صاحب نہایت شائستہ ملکوں

---

۱۔ مسٹر ہگنز نے یہاں غلطی کی ہے ۔ کافروں سے جو مفتوح ہو جاتے ہیں ، اس معاوضہ میں کہ اُن کو اُن کے مذہب پر چھوڑ دیا گیا ہے جزیہ نہیں لیا جاتا ۔ بلکہ اس وجہ سے کہ مثل مسلمانوں کے بلا مزد یا قلیل مزد پر فوجی خدمت پر مجبور نہیں کیے جاتے اور گورنمنٹ کی بہ غرض قائم رکھنے حکومت اسلامی اور بحال رہنے امن و امان کے کوئی خدمت بجا نہیں لاتے ۔ بلکہ گورنمنٹ اُن کے حفظ و امن کی ذمہ دار ہوتی ہے ۔ ان سب باتوں کے معاوضہ میں اُن سے جزیہ لیا جاتا ہے اور یہ بھی لازمی نہیں ہے ۔ بلکہ خلیفہ کو بہ نظر مصلحت ملکی بالکل اختیار ہے چاہے لے چاہے نہ لے ۔ پس یہ امر سیاست بدن سے متعلق ہے نہ مذہب سے ۔ مسلمانوں پر اس سے بہت زیادہ سخت محصول ہے یعنی ہر سال چالیسواں حصہ اپنے مال کا ۔ (سید احمد)

میں بھی دوسرے مذہب کی آزادی کے باب میں شبہ کرتے ہیں اور ایک دل چسپ تقریر لکھتے ہیں کہ ''عیسائی پادریوں کی کوشش کو اگرچہ بہ حسب ظاہر بہت بڑی وسعت دی گئی ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں کچھ کام یابی نہیں ہوئی۔'' وہ لکھتے ہیں کہ ''مجھ کو اس امر کی نسبت کسی قدر شبہ ہے کہ اس شائستہ زمانہ میں بھی جیسا کہ وہ مشہور ہے اُس وقت کیا ہو اگر سلطان روم (جس طرح کہ ہمارے پادریوں نے مسٹر ڈرمنڈ ناسی کو اپنے خاص مذہب کی تلقین کے لیے جینوا میں بھیجا تھا) اپنے ایک نہایت عالم مفتی کو لندن میں ایک مسجد بنانے اور قرآن کا وعظ کرنے کو بھیجے۔ مجھ کو اندیشہ ہے اور میرا یہ اندیشہ معقول وجہ پر مبنی ہے کہ اس کے سبب سے جو آگ ۱۸۰ء میں یا حال میں بہ مقام برمنگھم مشتعل ہوئی تھی وہ پھر پادریوں کی بدولت بھڑک اٹھے اور ہمارے وزیر اس کا جواب ایک ایڈمرل یعنی امیر البحر کے منہ سے دیں۔ جن کی یہ رائے ہوگی کہ قسطنطنیہ پر گولہ اندازی کرنا ممکن ہوگا۔''

مگر مجھ کو مسٹر ہگنز کی رائے کے ساتھ ایک بات کا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ لندن کی شائستگی مسٹر ہگنز کے زمانہ سے اب ترقی پر ہے۔ جب میں لندن میں تھا تو ایک شخص مسمی ڈاکٹر پرفکٹ نے عین لندن میں ایک مکان لیا تھا اور ہر اتوار کو اس مکان میں برخلاف مذہب عیسائی کے لکچر دیا کرتا تھا اور جو لوگ چاہتے تھے وہاں جا کر اس کا لکچر سنتے تھے میں بھی کئی دفعہ اس کا لکچر سننے گیا تھا اور ایک دفعہ اس نے قرآن اور اسلام پر بھی لکچر دیا تھا۔ اچھا لکچر تھا مگر جو عام غلطیاں قرآن اور اسلام کی نسبت انگریزوں میں پھیلی ہوئی ہیں وہ اُس کے

لکچر میں بھی تھیں - میں نے سنا کہ پادریوں نے اُس کا لکچر بند کرنے میں بڑی کوشش کی مگر پارلیمنٹ سے کچھ کام یابی نہ ہوئی -

جان ڈیون پورٹ نے اپنی کتاب مسمّٰی اپالوجی میں لکھا ہے کہ ''نائیسا کی کونسل میں یہ امر واقع ہوا تھا کہ کانسٹنٹائین نے پادریوں کی جماعت کو وہ اختیار دیا تھا کہ جس سے نہایت ہیبت ناک نتیجے پیدا ہوئے تھے جن کا خلاصہ ان چند سطروں میں موجود ہے خون ریزی اور بربادی ان احمقانہ نو جہادوں کی جو عیسائیوں نے قریب دو سو برس کے عرصہ تک ترکوں پر کیے تھے اور جس میں کئی لاکھ آدمی ہلاک ہوئے - قتل کرنا اُن شخصوں کا جو اس عقیدہ کو نہیں مانتے تھے - کہ انسان کا دوبارہ اصطباغ ہونا چاہیے - لوتھر کے پیروؤں اور رومن کیتھلک مذہب والوں کا دریائے رائن سے لے کر انتہائے شمال تک قتل ہونا - وہ قتل جس کا حکم ہنری ہشتم اور اُس کی بیٹی میری نے دیا - فرانس میں سینٹ بارتھو لومیو کا قتل ہونا - چالیس برس تک اور بہت سی خون ریزیوں کا ہونا - فرانسس اول کے عہد سے ہنری چہارم کے پیرس میں داخل ہونے تک - عدالت مذہبی کے حکم سے قتل کا ہونا جو اب تک قابل نفرین ہے کیوں کہ وہ عدالت کی رائے سے ہوا تھا - علاوہ اس کے اور بے انتہا بدعتوں کا اور اس بیس برس کی خرابیوں کا تو کچھ ذکر ہی نہیں ہے جب کہ پوپ پوپ کے مقابلہ میں اور بشپ بشپ کے مقابلہ میں تھے - زہر خورانی اور قتل کی وارداتوں کا ہونا اور تیرہ چودہ پوپ کی بے رحم لوٹ اور گستاخانہ دعوٰی جو ہر قسم کے گناہ اور عیب اور بدکاری میں جو ایک نیر ویا ایک گیلیگیولا سے نہایت فوق لے گئے تھے - آخرکار اس خوف ناک فہرست کا

خاتمہ ہونے کے لیے ایک کروڑ بیس لاکھ نئی دنیا کے باشندوں کا صلیب ہاتھ میں لیے قتل ہونا ۔ یقیناً یہ بات تسلیم کرنی چاہیے کہ ایک ایسا مکروہ اور قریباً ایک غیر منقطع سلسلہ مذہبی لڑائیوں کا چودہ سو برس تک سوائے عیسائیوں کے اور کہیں ہرگز جاری نہیں رہا اور جن قوموں کی نسبت بت پرست ہونے کا طعن کیا جاتا ہے ان میں سے کسی قوم نے ایک قطرہ خون کا بھی مذہبی دلائل کی بنا پر نہیں بہایا ۔"

مشہور و معروف مؤرخ مسٹر گبن جو زمانہ حال کے مؤرخوں میں سب سے بڑا مؤرخ ہے اور جس کی سند نہایت معتبر گنی جاتی ہے اس امر کی نسبت اپنی کتاب میں یہ لکھتا ہے کہ "مسلمانوں کی لڑائیوں کو اُن کے پیغمبر نے مقدس قرار دیا تھا مگر آں حضرت نے جو اپنی حیات میں مختلف نصیحتیں کیں اور نظیریں قائم کیں اُن سے خلیفاؤں نے دوسرے مذہب کو آزادی دینے کی نصیحت پائی جس سے اسلام کے غیر معتقدوں کی مخالفت رفع ہو جاوے ۔ ملک عرب حضرت محمدؐ کے خدا کی عبادت گاہ اور اس کا مملوک تھا مگر وہ دنیا کی قوموں کو محبت سے اور بہت کم رشک سے دیکھتا تھا ۔ بہت سے دیوتاؤں کو ماننے والے اور بت پرست جو اُن کو نہ مانتے تھے شرعاً نیست و نابود کیے جا سکتے تھے ۔ مگر انصاف کے فرائض سے نہایت عاقلانہ تدبیر اختیار کی گئی ۔ ہندوستان کے مسلمان فتح مندوں ۔ بعض کام دوسرے مذہب کی آزادی کے بر خلاف کرنے کے بعد اس مرتاض اور آباد ملک کے مندروں کو چھوڑ دیا ہے ۔ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے معتقدوں سے بہ متانت یہ استدعا کی گئی ہے : کہ وہ حضرت محمدؐ کے الہام کو جو زیادہ تر کامل ہے قبول کریں لیکن اگر اُنہوں نے نہ مانا اور ایک معتدل

خراج یعنی جزیه دینا قبول کر لیا تو وہ اپنے عقیدہ میں اور
مذھبی پرستش میں آزادی کے مستحق تھے ۔''

ایک مصنف ۔ اپنے ایک آرٹیکل میں جو ایسٹ اور ویسٹ
اخبار میں چھپا تھا اور جس کا عنوان یہ تھا کہ ''اسلام بطور
ایک ملکی نظام کے ہے ۔'' اسلام میں آزادی مذھب کی نسبت یہ
لکھا ہے کہ '' صرف حضرت محمدؐ ھی ایسے بانی مذھب کے تھے ۔ جو
ایک دنیوی بادشاہ بھی تھے اور سپاھی بھی تھے اور یہ دونوں
قوتیں خاص کر اس لیے تھیں کہ تشدد اور الوالعزمی کو روکا
جاوے اور الوالعزمی کی جانب وہ مائل تھے اور تلوار اُن کے
اختیار میں تھی اس لیے خیال ھوتا ہے کہ جب اُنھوں نے مذھب
کو دنیوی حکومت کا وسیلہ قرار دیا اور اپنے معتقدوں کی
طبیعتوں پر وہ غلبہ حاصل کیا جس کے سبب سے وہ لوگ شرح اور
حق اُسی بات کو سمجھتے تھے جو آپ جاری کرنا چاھتے تھے تو
چاھیے کہ اُن کا مجموعہ احکام شرعی اور تمام مجموعوں سے مختلف
ھو بلکہ یہ خیال ھوتا ہے کہ اُن احکام انصاف سے بھی مختلف
ھو جو ھر ایک انسان کی طبیعت میں پڑے ھوئے ھیں ۔ اب
اگر ھم یہ بات دیکھیں کہ آں حضرت کے احکام کا مجموعہ ایسا
نہیں ہے بلکہ اُس کے برخلاف یہ دیکھیں کہ حضرت محمدؐ نے
قومی معاملات میں حق رسانی اور فتح کرنے میں رحم اور حکمرانی
کرنے میں اعتدال اور سب سے مقدم دوسرے مذھب کی عدم
مزاحمت کے احکام قرار دیے ھیں تو ھم کو یہ بات تسلیم کرنی
چاھیے کہ آں حضرت اپنے ھم جنسوں میں ایسی ھی تعظیم کا
استحقاق رکھتے تھے ۔''

پھر اُسی مصنف نے اُسی آرٹیکل میں دوسرے مقام پر لکھا ہے
کہ ''اسلام نے کسی مذھب کے مسائل میں دست اندازی نہیں کی کسی

کو ایذا نہیں پہنچائی کوئی مذہبی عدالت خلاف مذہب والوں کو سزا دینے کے لیے قائم نہیں کی اور کبھی اسلام نے لوگوں کے مذہب کو بہ جبر تبدیل کرنے کا قصد نہیں کیا ۔ ہاں اس نے اپنے مسائل کا جاری ہونا چاہا مگر اس کو جبراً جاری نہیں کیا ۔ اسلام قبول کرنے سے لوگوں کو فتح مندوں کے برابر حقوق حاصل ہوتے تھے اور مفتوحہ سلطنتیں اُن شرائط سے بھی آزاد ہو جاتی تھیں جو ہر ایک فتح مند نے ابتدائے دنیا سے حضرت محمدؐ کے زمانہ تک ہمیشہ قرار دیں تھیں ۔''

اسی مصنف نے لکھا ہے کہ ''اسلام کی تاریخ میں ایک ایسی خاصیت پائی جاتی ہے ۔ جو دوسرے مذہب کو غیر آزاد رکھنے کے بالکل بر خلاف ہے ۔'' اسلام کی تاریخ کے ہر ایک صفحہ میں اور ہر ایک ملک میں جہاں اس کو وسعت ہوئی دوسرے مذہب سے مزاحمت نہ کرنا پایا جاتا ہے یہاں تک کہ فلسطین میں ایک عیسائی شاعر لامارٹین نے اُن واقعات کا جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں بارہ سو برس بعد علانیہ یہ کہا تھا کہ ''صرف مسلمان ہی تمام روئے زمین پر ایک قوم ہیں جو دوسرے مذہب کو آزادی سے رکھتے ہیں ۔'' اور ایک انگریز سیاح ایڈن نے مسلمانوں پر طعنہ کیا ہے کہ ''وہ حد سے زیادہ دوسرے مذہب کو آزادی دیتے ہیں'' اب دیکھو کہ یہ رائیں بہت سی بے طرف دار اور فیاض طبع عیسائی مصنفوں کی سر ولیم میور کے اس بے سند دعوے کے کہ اسلام میں دوسرے مذہب کو آزاد رکھنے کا نام بھی نہیں ہے کیسی بر خلاف ہیں ۔

## مضمون کا تیسرا حصہ

تیسرے حصے میں ہم اُن فائدوں کا بیان کرتے ہیں جو یہودی اور عیسائی مذہب کو اسلام کی بدولت حاصل ہوئی ہیں ۔

مذہب یہود اور عیسائی مذہب کے شامل بیان کرنے کی یہ وجہ ہے کہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ حضرت عیسیٰ نے شریعت موسوی کے کسی حکم یا مسئلہ کو تغیر و تبدل نہیں کیا بلکہ حضرت موسیٰ کی شریعت کو بہ دستور جاری رکھا۔ خود حضرت عیسیٰ کے اس قول سے جو متی کی انجیل باب ۵ ورس ۱۷ میں مندرج ہے کہ ''یہ مت خیال کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے کو آیا ۔ میں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پوری کرنے کو آیا ہوں'' ہمارے قول کی تصدیق ہوتی ہے پس اس وجہ سے ضرور بالضرور یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جو فائدے یہودی مذہب نے مذہب اسلام سے اٹھائے ہیں مذہب عیسوی سے بھی لزوماً وہ فائدے حاصل کیے ہیں ۔ مذہب یہود بلاشبہ زبانی مخرج سے پیدا ہوا تھا اس نے اس لازوال مسئلہ یعنی وحدانیت خدا کی تلقین اس حد تک کی جس قدر کہ نجات ابدی کے حاصل کرنے کو ضروری اور اس زمانے کے لوگوں کی سمجھ کے لائق تھی ۔ مگر اس وحدانیت کو کاملیت سے اسلام نے شائع کیا جس سے مذہب یہود کا مسئلہ بھی کامل ہو گیا ۔

تین چیزوں میں وحدت کے یقین کرنے سے خدا کی وحدانیت پر کامل طور سے یقین ہو سکتا ہے ۔

۱۔ وحدت فی الذات ۔

۲۔ وحدت فی الصفات ۔

۳۔ وحدت فی العبادت ۔

۱۔ وحدت فی الذات کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے ساتھ کوئی دوسرا شخص یا کوئی شے شریک نہیں ہے ۔ وہ وحدہ لا شریک لہ ہے اور نہ کوئی شے اس کے مشابہ ہے نہ آگ نہ پانی

نہ ہوا ۔

۲۔ وحدت فی الصفات کے یہ معنی ہیں کہ جو صفتیں خدا کی ہیں وہ دوسرے میں نہیں اور نہ دوسرے میں ہو سکتی ہیں ۔ اور نہ دوسرے سے متعلق ہو سکتی ہیں ۔

۳۔ وحدت فی العبادت کے یہ معنی ہیں کہ نہ کسی دوسرے کی عبادت کرنا نہ کسی دوسرے کو عبادت کے لائق سمجھنا اور نہ وہ افعال جو خاص خدا کی عبادت کے لیے مخصوص ہوں کسی دوسرے کے لیے بجا لانا جیسے سجدہ کرنا ، روزہ رکھنا ، نماز پڑھنا وغیرہ ۔

ان تینوں وحدتوں میں سے پہلی دو وحدتوں کو اور تیسری وحدت کے پہلے حصہ کو اوسط طور پر (جو نہ ناقص تھا کیوں کہ نجات کے لیے کافی تھا اور نہ کامل طور پر تھا کیوں کہ وحدت کا پورا کمال اس زمانہ کے لوگوں کی سمجھ کے لائق نہ تھا) یہودی مذہب نے بیان کیا اور تیسری وحدت کے اخیر حصوں کو جن سے درحقیقت اس وحدت کا کمال ہے مطلق ذکر نہیں کیا ۔ اسلام نے پہلی دو وحدتوں کو بھی ” لیس کمثلہ شئی“ فرما کر کامل کیا ۔ پس نہ آگ جو موسیٰ نے دیکھی خدا کے اور نہ وہ آواز ”انی انا اللہ“ کی جو موسیٰ نے سنی خدا تھا اور نہ وہ نیک اور برگزیدہ شخص جس کو یہودیوں نے صلیب پر چڑھایا خدا ہو سکتا تھا ۔ اسلام نے تیسری وحدت کو ایسے کمال پر پہنچایا جس کے سبب ایمان والوں کے دلوں میں بجز خدا کے اور کچھ نہیں رہا ۔ جس کی تصدیق ” ایاك نعبد و ایاك نستعین“ سے ہوتی ہے ۔ اسلام میں یہی کمال ہے اور اسی کاملیت کی وجہ سے خدا نے فرمایا ” الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ۔“

موسیٰ کی پانچوں کتابوں میں نہ قیامت کا ذکر ہے نہ مرنے کے بعد روح کی حالت کا کچھ بیان ہے ، نیکی کی جزا ، دشمن پر فتح پانا ، عمر کا بڑا ہونا ، مفلسی سے نجات پانا ، بیان ہوا ہے اور گناہ کی سزا ، مرنا ، قحط پڑنا ، وبا کا ہونا ، مفلسی کا ہونا اور اسی قسم کی اور مصیبتوں کا آنا ۔ موسیٰ کے بعد اور پیغمبروں اور نبیوں نے اُن کا کچھ کچھ ذکر کیا مگر جس تفصیل اور کاملیت سے اسلام نے اس کو بتایا جس کے لیے خدا نے گویا عمداً یہ کام رکھ چھوڑا تھا کسی نے نہیں کیا تھا ۔ مگر جو کہ روحانی حالتوں کو یعنی گنہگاروں کی ارواحوں کی تکلیفوں کا اور نیک آدمیوں کی ارواحوں کی راحت اور خوشی کا بیان کرنا اور تصویر کھینچ دینا بجز اس کے اور کسی طرح ہو نہیں سکتا تھا کہ اس کو ایسی چیزوں اور حالتوں کے پیرایہ میں تشبیہاً بیان کیا جاوے ۔ جن کو انسان اپنی اُس زندگی میں اپنے حواس سے محسوس کرتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ ان کا حال بہشت و دوزخ کے نام سے اور خوشی و ایذا و تکلیف اُٹھانے کے مختلف طریقوں اور سامانوں سے بیان کیا گیا ہے ۔

اسلام سے پہلے یہودی اور عیسائی اکثر پیغمبروں اور پاک شخصوں سے نہایت بد اخلاق کے افعال قبیحہ منسوب کرتے تھے اگرچہ ہماری دانست میں اُن تحریروں کو الہام ربانی سے کچھ تعلق نہ تھا مگر تمام یہودی اور عیسائی اُن تمام تحریروں کو الہام ربانی اور اُن نبیوں اور مقدس لوگوں کو ان افعال قبیحہ کا مرتکب یقین کرتے ہیں ۔

اسلام نے اُن معصوم نبیوں اور خدا پرست شخصوں اور پاک خصلت بزرگوں کو اُن تہمتوں سے بچایا اور جو اتہام

یہودیوں اور عیسائیوں نے ان پر لگائے تھے اُن کو فتح مندی سے
سے رفع کیا اور تمام پیغمبروں اور نبیوں اور بہت سے مقدس
بزرگوں کے معصوم اور بےگناہ ہونے کا دنیا کے بہت بڑے حصے
پر یقین کرا دیا - مسلمان عالموں نے اسلام کے اس مسئلہ پر
یقین دلانے سے کہ انبیاء و پیغمبر سب پاک و معصوم ہیں توریت
کو بڑی غور سے پڑھا اور عیسائیوں اور یہودیوں کی تمام غلطیوں
کو ظاہر کر دیا اور اُنھوں نے دریافت کیا کہ یہ غلطیاں
کچھ تو اس سبب سے پڑی ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے
توریت کی عبارت اور الفاظ کی غلط طور پر تعبیر کی اور کچھ
اس سبب سے وہ غلطیاں ہوئیں کہ خود توریت کے قدیمی نسخوں
میں جو کوڈیسس کہلاتے تھے اور قلمی تھے متعدد وجوہ سے
غلطیاں تھیں اور پھر جن لوگوں نے مقابلہ کر کے ان کو صحیح
کیا ان کی تصحیح بھی غلطیوں سے خالی نہ تھی اور سب سے بڑا
سبب اُن غلطیوں کا یہ ہوا کہ تاریخی واقعات جو انسانوں نے
بغرض تسلسل مطلب حضرت موسیٰ کے کلام کے ساتھ ملا کر
لکھے تھے اور جن میں بلا شک بہت سی غلطیاں ہیں اُن کو بھی
یہودیوں اور عیسائیوں نے مقدس تحریر سمجھا تھا - پس اگر اسلام
نہ ہوتا تو ان پیغمبروں اور نبیوں اور خدا کے پاک
بندوں یعنی حضرت ابراھیم اور حضرت لوط اور اُن کی بیٹیوں
اور حضرت اسحاق اور حضرتؑ یہودا اور حضرت یعقوب کی
بیویوں اور بیٹوں اور ہارون اور داؤد و سلیمان کی دنیا میں
ایسی ہی مٹی خراب رہتی جیسی ایک بدکار آدمی کی خراب
ہوتی ہے تمام دنیا کی نظروں میں ویسے ہی حقیر ہوتے جیسے کہ
ایسے جرموں کے مجرم حقیر ہوتے ہیں جن کو دائم الحبس کرکے
کالے پانی بھیجتے ہیں یا اُن کے گناہوں کی سزا کے لیے ان کو

سولی پر لٹکاتے ھین ۔ صرف یہ اسلام ھی کا احسان ہے جس نے اُن تمام بزرگوں کی بزرگی دنیا مین اُس حد تک پھیلائی جس کے وہ مستحق تھے ۔

## مضمون کا چوتھا حصہ

چوتھے حصے مین ہم ان فائدوں کو بیان کرتے ھین جو اسلام کی بدولت خاص عیسائی مذہب کو پہنچے ھین ۔

دنیا مین مذہب اسلام سے زیادہ کوئی مذہب عیسائی مذہب کا دوست نہین ہے اور اسلام نے کسی مذہب کو اس قدر فائدے نہین پہنچائے ھین جس قدر کہ عیسائی مذہب کو پہنچائے ھین ۔ مذہب عیسائی کی بنیاد اُس نیک اور حلیم شخص سے ہے (یعنی حضرت یحییٰ پیغمبر سے) جو خدا کا رستہ درست کرنے آیا تھا اور پھر بالکل دار و مدار اُس عجیب شخص پر ہے جس کو اُنھون نے اتنا بزرگ و مقدس سمجھا کہ خدا یا خدا کا بیٹا مانا (یعنی حضرت عیسیٰ پر) مذہب اسلام ھی کا یہ احسان عیسائی مذہب پر ہے کہ وہ نہایت مستقل ارادے اور نڈر دل اور نہایت استوار ثابت قدمی سے عیسائی مذہب کا طرف دار ہوا اور یہودیون سے مقابلہ کیا اور علانیہ اور دلیرانہ اس بات کا اعلان کیا کہ "جان دی باپٹسٹ"، یعنی حضرت یحییٰ بلا شبہ سچے پیغمبر اور حضرت عیسیٰ بے شک عبداللہ اور کلمۃ اللہ و روح اللہ تھے پس کون سا مذہب اس بات کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ عیسائی مذہب کے حق مین اسلام سے زیادہ تر مفید ہے اور اُس نے عیسائی مذہب کی حمایت مین اسلام سے زیادہ کوشش کی ہے جو سب سے بڑی خرابی حواریون کے بعد عیسائی مذہب مین پیدا ھوگئی وہ تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث کا مسئلہ تھا اور یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جو اس لا زوال سچ کے بھی

متناقض تھا اور اُن خاص نصیحتوں کے بھی برخلاف تھا جو جو حضرت عیسٰی نے فرمائی تھیں اور حواریوں نے انجیل میں لکھی تھیں - یہ امر اسلام کی لا زوال نعمت کا باعث ہے کہ اُسی نے خدائے واحد ذوالجلال کی پرستش کو پھر جاری کیا اور اس خالص مذہب کو پھر سرسبز کیا جس کی خاص تلقین حضرت عیسٰی نے کی تھی - اسلامؐ ہمیشہ اس زمانے کے عیسائیوں کو اُن کی غلطیوں سے متنبہ کرتا رہا اور اب بھی کرتا رہتا ہے اسلام نے عیسائیوں سے اسی سچے مذہب کے قبول کرنے کی استدعا کی جس کا وعظ حضرت مسیح نے کیا تھا جیسا کہ قرآن میں آیا ہے - "قل یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شیئاً -" بہت سے عیسائیوں کی اسلام کی روشنی سے آنکھیں کھل گئیں اور اُس ذلیل حالت سے خبردار ہوئے جس میں وہ مبتلا تھے اور اُنھوں نے پھر اُسی رتبہ کے حاصل کرنے کی کوشش کی جو پہلے اُن کو حاصل تھا - یعنی اُنھوں نے صرف قرآن کی ہدایت سے تثلیث کے عقیدہ کو غلط سمجھا اور خدا کو وحدہ لا شریک لہ اور عیسٰی مسیح کو خدا کا مقدس بندہ مانا جو عین مسئلہ مذہب اسلام کا ہے چناں چہ وہ فرقہ اب موجود ہے اور نہایت معزز لقب "یونیٹیرین" یعنی موحدین عیسائی سے معزز ہے -

اگر یہ عقیدہ تھوڑی دیر کے لیے دنیا میں سے اُٹھا لیا جاوے تو مسٹر گبن کی یہ رائے عیسائیوں کے حال پر بالکل مطابق ہو جاوے گی کہ "اگر سینٹ پیٹر یا سینٹ پال ویٹیکن یعنی پوپ کے محل میں آ جاویں تو غالباً وہ اُس دیوتا کا نام دریافت کریں گے - جس کی پرستش ایسی پُر اسرار رسومات کے ساتھ اس عظیم الشان

عبادت گاہ میں کی جاتی ہے - اکسفوریا جنیوا میں جا کر اُن کو چنداں حیرت نہ ہوگی مگر گرجا میں جا کر سوال و جواب کا پڑھنا اور جو کچھ صادق القول مفسروں نے ان کی تحریرات اور ان کے مالک کے کلمات کی تفسیر کی ہے - اس میں غور کرنا پڑے گا -

جو فائدے اسلام نے عیسائی مذہب کو پہنچائے اُس میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اُس نے عیسائیوں کو پوپ کے بے انتہا اختیارات ناجائز سے نجات دی اور عیسائیوں میں ایک زندگی کی روح پھونک دی - تمام عیسائی پوپ کو حضرت عیسیٰ کا پورا با اختیار نائب سمجھتے تھے اور اُس کو معصوم جانتے تھے جیسے اب بھی بہت سے فرقے عیسائیوں کے سمجھتے ہیں - اُن کا یقین تھا اور بہتوں کا اب بھی یقین ہے کہ دوزخ اور اعراف اور بہشت کے دروازوں کے کھولنے کا پوپ کو بالکل اختیار ہے - پوپ گنہگاروں کے گناہوں کے بخشش دینے کا دعویٰ رکھتا ہے پوپ کو پورا اختیار تھا کہ جس ناجائز چیز کو چاہے جائز کر دے - در حقیقت پوپ بہ لحاظ اُن اختیارات کے جو اس کو حاصل تھے اور جن اختیاروں کو وہ کام میں لاتا تھا کسی طرح حضرت عیسیٰ سے کم نہ تھا بلکہ دو چار قدم آگے بڑھا ہوا تھا - قرآن ہی نے عیسائیوں کو اس خرابی سے مطلع کیا اور جو برائیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں اُن کو بتلایا اور جا بجا عیسائیوں کو اس غلامانہ اطاعت پر ملامت کی اور ان کو سمجھایا کہ اس رسوائی اور بے عقلی کی اطاعت کو چھوڑیں اور خود آپ اپنے لیے سچ کی جستجو کریں - چناں چہ خدا نے قرآن مجید میں فرمایا " اے کتاب والو

قل یا اھل الکتاب یعنی عیسائیو آؤ ایک بات پر

تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا الله ولا نشرک به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون الله (آل عمران آیت ۵۷) . کہ ہم میں اور تم میں یکساں ہے اور وہ بات یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجیں اور نہ ہم کسی چیز کو اُس کے ساتھ شریک کریں ، نہ بناویں ہم ایک دوسرے کو (یعنی پوپوں اور بڑے بڑے پادریوں کو) پروردگار خدا کے سوا۔''

اور پھر دوسری جگہ فرمایا کہ '' عیسائیوں نے اپنے پادریوں اور درویشوں کو پروردگار

اتخذوا احبارهم ورهبانهم ارباباً من دون الله والمسيح ابن مريم وما امروا الا ليعبدوا الٰها واحدا لا الا هو سبحانه عما يشركون ۔ (سورہ توبہ آیت ۳۱) بنا لیا خدا کے سوا اور مسیح ابن مریم کو بھی اور اُن کو سوائے اس کے اور کچھ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کی عبادت کریں کہ صرف وہی خدا ہے اور نہ اور کوئی ۔ خدا پاک ہے اُس چیز سے کہ[1] شریک کرتے ہیں ۔''

---

۱- جارج سیل نے قرآن کے ترجمہ (جلد ۱ صفحہ ۲۳) میں لکھا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں پر بت پرستی اور دیگر الزاموں کے سوا حضرت محمدؐ نے یہ الزام لگایا ہے کہ وہ اپنے قسیسوں اور رہبانوں کی حد سے زیادہ اطاعت کرتے ہیں جنھوں نے اس بات کا قرار دینا کہ کون سی چیز حلال ہے اور کون سی حرام اور خدا کے احکام کی تعمیل کو ملتوی کر دینا اپنے اختیار میں لیا ہے ۔ (سید احمد)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم اُس وقت عیسائی تھے آں حضرت صلعم کے پاس آئے اور ان کے گلے میں سونے کی صلیب پڑی ہوئی تھی آں حضرت نے فرمایا کہ اے عدی اس بت کو اپنے گلے سے نکال پھینک چناں چہ اُنھوں نے نکال ڈالی جب وہ پاس آئے تو حضرت قرآن کی یہ آیت پڑھتے تھے کہ عیسائیوں نے اپنے پادریوں اور درویشوں کو پروردگار بنا لیا خدا کے سوا جب آں حضرت پڑھ چکے تو عدی نے عرض کیا کہ ہم تو ان کی پرستش نہیں کرتے آپ نے فرمایا کہ کیا یہ نہیں ھے کہ وہ حرام کر دیتے ھیں اُس چیز کو جسے خدا نے حلال کیا پھر اس کو حرام سمجھتے ہو عدی نے کہا ہاں

روی عن عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ قال اتیت رسول اللہ صلعم و ی عنقی صلیب من ذھب فقال لی یا عدی اطرح ھذا الوثن منْ عنقک فطرحتہ فلما انتھیت الیہ وھو یقرأ اتخذُوا احبارھم و رھبانھم ارباباً من دون اللہ حتی فرغ منھا قال فقلت لہ انا لسنا نعبد ھم قال الیس یحرمون ما احل اللہ فتحرسوتہ و یحلون ما حرم اللہ فتستحلونہ قال فقلت بلی فتلک عبادتھم ۔ (معالم التنزیل)

یہ تو ھے آں حضرت نے فرمایا کہ بس یہی اُن کا پوجنا ھے ۔

ایک مدت تک عیسائی اسلام کو عداوت سے دیکھا کیے اور اُس کے ھر ایک مسئلہ سے بے سمجھے نفرت کرتے رھے مگر بعض نیک دل عیسائیوں نے کچھ تھوڑے بہت غور سےاس کو دیکھا اور کالون اور لوتھر مقدس کے دل پر اس کا کچھ کچھ اثر ھوا

جب کہ ان دونوں نے قرآن مجید کی اس قسم کی آیتوں کو پڑھا جس میں پوپ کو اور پادریوں کو خدا کے سوا دوسرا خدا یا جھوٹا خدا ماننے کی مذمت تھی تو وہ سمجھے اور اس سچے مسئلے نے ان کے دل پر اثر کیا اور جیسے کہ قرآن نے ہدایت کی تھی وہ سمجھے کہ ہر شخص فی الواقع آپ اپنا پوپ اور اپنا پادری ہے وہ چلا اٹھے کہ پا لیا پا لیا اور اسی وقت پوپ کی غلامی سے آزاد ہوئے اور غلامانہ اور ذلیل حالت سے جس میں وہ خود اور ان کے تمام ہم مذہب مبتلا تھے، نکل آئے اور صاف صاف اس کے خلاف وعظ کرنے کو کھڑے ہو گئے۔

جس کی بدولت ہم لاکھوں عیسائیوں کو پروٹسٹنٹ مذہب میں دیکھتے ہیں۔ اگر اسلام مذہب عیسائی کو یہ نعمت نہ نہ بخشتا، تو آج تمام دنیا کے عیسائی ایسے ہی بت پرست ہوتے جیسے کہ اب تک رومن کیتھلک فرقہ کے لوگ بت پرست ہیں اور حضرت مسیح کی مجسم مورت صلیب پر لٹکی ہوئی کے آگے سجدہ کرتے ہیں پس عیسائی مذہب پر یہ کتنا بڑا احسان اسلام کا ہے۔

چو کہ در حقیقت لوتھر مقدس نے مذہب اسلام سے یہ ہدایت پائی تھی اس لیے اس کے مخالف علانیہ اس پر یہ الزام لگاتے تھے کہ وہ دل سے مسلمان[1] تھا تاہم اس نے اپنی کوششوں

---

۱- جینی بوارڈ نے یورپ کی طرف سے جرمنی کے رفامروں کے اور خصوصاً لوتھر مقدس کے ذمہ یہ الزام لگایا تھا کہ وہ عیسائیوں میں مذہب اسلام کو جاری کرنے اور تمام پادریوں کو اس مذہب میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مراکبسی کی یہ رائے ہے کہ مذہب اسلام میں اور لوتھر کے عقیدہ میں کچھ بہت فرق نہیں ہے۔ چناں چہ دونوں کا جو میل بت پرستی کے بر خلاف ہے اس پر غور کرو۔ مارٹینس الفانسس اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۸)

کو نہیں چھوڑا اور آخرکار اُس عظیم الشان اصلاح کرنے پر
کامیاب ہوا - جو عموماً مذہب پروٹسٹنٹ یا فارمیشن کے نام سے
مشہور ہے اور طبیعت انسانی کو تمام غلامیوں کی بدترین غلامی
سے (جو ایک مرشدانہ غلامی تھی) آزاد کر دیا - ہم کو یقین
ہے کہ اگر لوتھر مقدس اور زندہ رہتے تو ضرور مسئلہ تثلیث کے
بھی مخالف ہوتے اور اسلام کی ہدایت سے خدا کی وحدانیت کے
مسئلہ کو بھی جو در حقیقت حضرت عیسیٰ نے بھی یہی مسئلہ

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

والڈس کہتا ہے کہ تیرہ نشانیاں اس بات کے ثابت کرنے کو موجود
ہیں کہ اسلام میں اور لوتھر کے مذہب میں ایک رمق بھر کا بھی تفاوت
نہیں ہے - حضرت محمدؐ نے بھی اُنھی باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو یہ
مرتد (یعنی پیروان لوتھر) کرتے ہیں - انھوں نے (یعنی حضرت محمدؐ نے)
روزوں کا وقت تبدیل کر دیا اور یہ لوگ (یعنی پیروان لوتھر) تمام
روزوں سے نفرت کرتے ہیں (ایک شخص نے اس کی تائید میں یہ کہا
تھا کہ قرآن میں بھی روزوں کی چنداں تاکید نہیں ہے بلکہ بہ عوض
روزہ کے غریبوں کو کھانا کھلا دینا لکھا ہے - اس کی پیروی سے
لوتھر نے روزوں سے نفرت کی تھی - پس لوتھر کا مذہب اور اسلام کا
مسئلہ در حقیقت ایک ہی تھا) انھوں نے اتوار کی جگہ جمعہ کو سبت
قرار دیا اور یہ کسی تہوار کو نہیں مانتے (اسی شخص نے اس کی تائید
میں کہا کہ اسلام نے بھی در حقیقت سبت کا کوئی دن نہیں ٹھیرایا
وہ جمعہ کو بھی سب کام کرتے ہیں پس اُس کی پیروی لوتھر نے کی تھی)
اُنھوں نے ولیوں کی پرستش کو رد کیا - اور لوتھر کے فرقہ کے لوگ
بھی ایسا ہی کرتے ہیں - حضرت محمد صلعم کسی کو اصطباغ نہیں دیتے
تھے اور کالون بھی اس کو ضروری نہیں سمجھتا ان دونوں نے طلاق
کو جائز رکھا ہے و علی ھذا القیاس (انتخاب از کوارٹر لی ریویو
نمبر ۲۵۴) - (سید احمد)

تلقین کیا تھا لوگوں میں پھیلاتے اور آخر نبی آخرالزماں پر یقین کرتے جس نے ایسی بڑی غلطیوں سے عیسائی مذہب کو بچایا تھا ۔ پس مذہب عیسوی کو ہمیشہ اسلام کا احسان مند رہنا چاہیے ۔''

---

(۵)

# مسلمانوں کی دینی اور مذہبی کتابیں

یعنی

## کتبِ احادیث ۔ کتبِ سیَر ۔ کتبِ تفاسیر اور کتبِ فقہ

"حسبنا کتاب اللہ"

جس زمانہ سے کہ خدائے مجید کی توحید کے سب سے بڑے مجدد نے لا الہ الا اللہ کا وعظ فرمایا اُس زمانہ سے تمام مسلمان خدائے پاک بیچون و بے نمون پر دلی مضبوطی اور غیر متزلزل اعتقاد اور ایمان رکھنے میں ہمیشہ اور ہر جگہ ممتاز اور سرفراز رہے ہیں اور دینی امور کی طرف بھی بہت بڑی توجہ کی ہے مگر جب تک کہ خلفائے بنی عباس کی خلافت کو جو بنی امیہ کے بعد ہوئی تھی ۔ پوری مضبوطی نہ ہو لی اُس وقت تک مسلمانوں میں دنیاوی علوم و فنون کا رواج جیسا کہ چاہیے ویسا نہ ہوا ۔ آٹھویں صدی عیسوی کے درمیان میں خلفائے عباسیہ کی سر پرستی سے مسلمانوں میں ہر ایک قسم کے علم و فنون کا چرچا ہوا ۔ اُن کے سینہ میں علم کی محبت بھی قرآن مجید کی ترویج کے شوق کی ہم سری کرنے لگی ۔ عرب لوگوں کے چال چلن میں بلا شبہ یہ ایک عجیب و غریب وصف ہے کہ جب حضرت اسماعیل کی اولاد کو مناسب تحریک ہوئی تو اُنھوں نے ہر قسم کے علم کی دولت کو بھی اُسی آسانی سے لوٹ لیا ۔ جس طرح کہ اُنھوں نے مشرق میں بے مثل فتوحات حاصل کی تھیں ۔ اُن کے قلم کی

فتوحات بھی اُن کی تلوار کی فتوحات کی مانند معروف و مشہور لیکن اُن سے زیادہ دیر پا ہوئیں - پرانی دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ اپنی موجودہ شائستگی اور روشن دماغی میں مسلمانوں کا مرہون منت ہے - کیوں کہ یورپ کی مغربی حدود کے مرکز سے علم کی وہ شعائیں نمودار ہوئیں جنھوں نے خدا تعالی کی کروڑ ہا مخلوق کے دلوں کو منور کر دیا -

ایک غیر متعصب عیسائی کا قول ہے کہ " اگر زیادہ تصریح سے بیان نہ کیا جاوے تو بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان نویں صدی سے تیرھویں صدی تک جاھل یورپ کے روشن دماغ معلم بنے رہے - عربی علم حکمت ، علم طب ، تاریخ طبعی ، جغرافیہ ، تواریخ عام ، صرف نحو ، بلاغت اور دل آویز فن شاعری میں بہ کثرت تصنیفیں عمل میں آئی ہیں اور اکثر اُن میں سے تا قیام سلسلہ بنی آدم جاری رہیں گی اور اپنے مفید مطالب سے اُن کو فیض بخشیں گی - "

مگر حال کے زمانے کے نکتہ چینوں کو اگلے زمانے کے علمائے دین کی تصانیف کے عیب و ہنر جانچنے کے وقت اُن تصانیف کے اصلی حالات پر خیال نہیں رہتا - اُن کو یاد رکھنا چاہیے کہ اُن مصنفوں نے وہ تصنیفیں اُس زمانے میں کی تھیں جب کہ " علم تحقیق " کے مسلم قواعد کا عرب میں وجود بھی نہ تھا - اسی وجہ سے جس طرح کہ اُن مصنفوں کے خیالات کی بلند پروازی اور اُن کے استعارات کی وسعت کی کچھ روک ٹوک نہ تھی اسی طرح قواعد ترتیب اور خوش اسلوبی سے اتفاقیہ انحراف کی بھی کوئی چیز اُن کی مانع اور مزاحم نہ تھی -

یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کسی مصنف کے عیب و ہنر کی نسبت کوئی رائے قائم نہیں ہو سکتی اور نہ کسی شخص کو

اُس کے منشاء کا ٹھیک علم ہو سکتا ہے بجز اُن کے جن کو مصنف کے زمانے کے قواعد انشا پردازی اور خیالات کے ڈھنگ سے یا اُن امور سے جو کسی نہ کسی طرح اُس مضمون سے جس سے وہ کتاب تصنیف ہوئی ہے علاقہ رکھتے ہیں پوری واقفیت اور کامل مہارت حاصل ہو - اسی عدم مہارت اور عدم واقفیت کا سبب ہے کہ غیر ملک کے محققین نے جب ہمارے مذہب کی خوبیوں پر کوئی رائے قائم کرنے کا حوصلہ کیا ہے تو اس میں فاش فاش غلطیاں کی ہیں -

اس کے سوا اور بھی امور ایسے ہیں جو کسی مصنف کی لیاقت کا صحیح صحیح اندازہ کرتے وقت دھوکے میں ڈال دیتے ہیں - مثلاً ایک ہی مصنف کی دو تصنیفوں میں سے ایک تو بڑا اعلیٰ درجہ رکھتی ہے اور دوسری محض بے حقیقت ہوتی ہے اور اس کا سبب دونوں تصنیفوں کے موضوع کا مختلف ہونا ہوتا ہے - محمد اسماعیل بخاری مسلمانوں میں بہت بڑا عالم اور مقدس مصنف ہے - ایک کتاب اس کی صحیح بخاری ہے جو بہ لحاظ اُس حیثیت کے جس حیثیت سے کہ وہ تصنیف ہوئی ہے نہایت معتبر اور مستند خیال کی جاتی ہے گو کہ دوسری حیثیت سے : ویسی نہ ہو - دوسری کتاب اس کی تاریخ بخاری ہے جو کچھ بھی قدر کے لائق نہیں ہے - اس کا سبب یہی ہے کہ اُن دونوں کتابوں کی تصنیف کا موضوع مختلف ہے - اسی طرح نام کی مشابہت بھی دھوکے میں ڈال دیتی ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ کتاب اُس شخص کی ہے جو ایک مشہور مصنف ہے حالاں کہ وہ اُس کی تصنیف نہیں ہوتی بلکہ اُس کے ہم نام دوسرے شخص کی تصنیف ہوتی ہے - کبھی اس طرح پر دھوکا پڑ جاتا ہے - کہ ایک کتاب میں اُس کے مصنف نے کسی مشہور شخص کی روایتیں کثرت سے نقل کیں لوگوں نے

سمجھا کہ وہی مشہور شخص اُس کا مصنف ہے اور اس خیال سے اُس کتاب کو اُس مشہور شخص کی طرف منسوب کیا اور مستند قرار دیا ۔ رفتہ رفتہ اس کی ایسی قدر ہو گئی جس کی وہ ہرگز مستحق نہ تھی جیسے کہ تفسیر ابن عباس کا حال ہے ۔

یہ باتیں تو صرف تمہید کی تھیں جن کو ہم لکھ چکے اب ہم اس طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ کتب مذہبی کی تصنیف کے فن کا نرالا ڈھنگ جو مسلمانوں نے اختیار کیا تھا سب لوگوں کے ذہن نشین ہو جاوے اور اس مقصد کے لیے مصنفین نے جو مختلف طریقے دینیات کے متعدد شعبوں مثل حدیث ، سیر ، تفسیر ، فقہ کی کتابوں کی تصنیف میں اختیار کیے ہیں اُن کو بیان کریں ۔ اس سے ہماری غرض یہ ہے کہ ہمارے مذہب کے آئندہ نکتہ چینوں کی ہدایت کے لیے ایک سیدھا رستہ بن جاوے کیوں کہ اکثر لوگوں نے جو ہماری دینیات کی کتابوں کے حالات سے ناواقف تھے ہماری کتب دینیات کو دیکھ کر نہایت نا سزا اور درشت کلمات کہے تھے اور ان کے بعد جو لوگ گزرے ہیں اُنھوں نے بھی بارہا اندھوں کی طرح ان کی تقلید کی ہے ۔

## اول ۔ کتبِ حدیث

جناب پیغمبر خدا اور صحابہ کرام اور نیز تابعین کے زمانہ میں حدیثوں کے قلم بند نہ ہونے کی دو وجہیں تھیں ایک یہ کہ اُس زمانے میں لوگوں کو اُس کی چنداں ضرورت نہ تھی اور اگر ٹھیک اور اصلی وجہ بیان کی جاوے تو یہ تھی کہ حدیثوں کے لکھنے اور جمع کرنے کے اکثر صحابہ کرام شدید مخالف تھے اور ہمارے نزدیک انھیں صحابہ کرام کی رائے نہایت صحیح اور بہت درست تھی ۔ دوسرے یہ کہ اُس زمانے میں فن تصنیف

عرب میں محض ایک ابتدائی حالت میں تھا اُس وقت میں ایسی باتوں کے لیے حافظہ بہترین مخزن خیال کیا جاتا تھا ۔ ان اسباب سے نبوت سے دو سو برس تک اور ہجرت سے دو سو برس قریب تک حدیثوں کا قلم بند ہونا عمل میں نہیں آیا تھا ۔ جب حدیثوں کا لکھنا شروع ہوا تو اُس وقت یہ مشکل پیش آئی کہ مختلف سببوں سے احادیث موضوعہ جو صحیح حدیثوں میں مخلوط ہو گئی تھیں ۔ اس قدر زمانہ کے بعد صحیح حدیثوں کو موضوع حدیثوں سے تمیز کرنا ایک امر اہم معلوم ہوا ۔ مگر با ایں ہمہ بہت سے شخصوں نے جن کی استعداد اور علم کے اعلیٰ درجے میں کسی کو کلام نہ تھا صحیح حدیثوں کو موضوع حدیثوں سے علیحدہ کرنے کا بوجھ اپنے سر پر اُٹھایا اور اپنے کام میں بہت کچھ کامیابی حاصل کی ۔

ان علماء نے جو محدثین کہلاتے ہیں حدیثوں کے اعتبار کا اندازہ کرنے کو چند قواعد قرار دے جن کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں ۔

اول : حدیث کے ہر ایک راوی کو جملہ راویوں کے نام جن کے ذریعے سے اُس کو حدیث پہنچی ہو سلسلہ وار پیغمبر خدا تک یا جہاں تک وہ جانتا ہو بتلا دینا قرار دیا ۔

دوم : یہ امر ضروری قرار دیا کہ خود راوی اور نیز وہ سب لوگ جن کے ذریعے سے سلسلہ وار وہ حدیث اُس تک پہنچی ہو راست گو اور معتبر ہوں ۔ اگر اس سلسلہ راویوں میں سے ایک راوی بھی ایسا نہ خیال کیا جاتا تو وہ حدیث معتبر نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ سلسلہ حدیث سے خارج کر دی جاتی تھی ۔

سوم : حدیثوں کے لکھنے کے وقت اس بات کو لازمی کیا تھا کہ جملہ راویوں کے نام جن تک اُس حدیث کا سلسلہ پہنچتا

ہے حدیث کے ساتھ لکھ دیے جاویں ۔ تا کہ اگر ان راویوں کے عام چال چلن کی بابت اور لوگوں کو کسی قسم کی آگاہی ہو تو اس سے مطلع کر دیں اور یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ وہ راوی کس درجہ تک اعتبار کے لائق ہے ۔

چہارم : مذکورہ بالا قواعد کے سوا بعض محدثین نے اپنی تصنیفات میں حدیثوں کے درجہ اعتبار کے قلم بند کرنے کی رسم اختیار کی تھی ۔

جملہ حدیثیں مختلف اوقات میں ان اصولوں پر لکھی گئی تھیں ۔ رفتہ رفتہ کتب حدیث کی اس قدر کثرت ہو گئی ہے کہ اگر سب کی سب ایک جگہ جمع کی جاویں تو ان کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر لے جانے کو اونٹوں کی ضرورت ہو ۔ ان بے شمار کتب احادیث میں سے کتب مندرجہ ذیل بہ مقابلہ اوروں کے زیادہ مستند ہیں ۔

(۱) صحیح بخاری[1] ۔ (۲) صحیح مسلم ، (۳) ترمذی ، (۴) ابو داؤد (۵) نسائی ۔ (٦) ابن ماجہ (۷) موطا امام مالک ۔

---

۱ - محمد اسماعیل بخاری ۱۹۴ ہجری مطابق ۸۱۰ عیسوی میں پیدا ہوئے اور ۲۵٦ ہجری مطابق ۸۷۰ عیسوی میں انتقال فرمایا ۔

مسلم ۲۰۴ ہجری مطابق ۸۱۹ عیسوی میں پیدا ہوئے اور ۲٦۱ ہجری مطابق ۸۷۵ عیسوی میں انتقال فرمایا ۔

ابو عیسیٰ محمد ترمذی ۲۰۹ ہجری مطابق ۸۲۴ عیسوی میں پیدا ہوئے اور ۲۷۹ ہجری مطابق ۸۹۲ء میں انتقال فرمایا ۔

ابو داؤد ۲۰۲ ہجری مطابق ۸۱۷ عیسوی میں پیدا ہوئے اور ۲۷۵ ہجری مطابق ۸۸۸ عیسوی میں انتقال فرمایا ۔

ابو عبدالرحمان احمد نسائی ۳۰۳ھ مطابق ۹۱۵ء میں انتقال فرمایا ۔

ابو عبداللہ محمد ابن ماجہ نے ۲۹۳ھ مطابق ۹۰۵ء میں انتقال فرمایا ۔

امام مالک ۹۵ ہجری مطابق ۷۱۳ء میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ ہجری مطابق ۷۹۵ عیسوی میں انتقال فرمایا ۔ (سید احمد)

ابو عبدالرحمان نے احمد نسائی سے پوچھا کہ تیری کتاب کی سب حدیثیں صحیح ھیں ۔ تو اس نے انکار کیا ۔ صراط المستقیم میں لکھا ھے کہ ”از وے پر سیدند کہ کتاب سنن تو ھمہ صحیح ماست گفت لا ۔“

ان کتب احادیث کی اور کتابوں پر ترجیح کی وجہ یہ ھے کہ اُن میں وھی حدیثیں منقول ھیں ۔ جو حتی الامکان صرف معتبر اشخاص سے مروی ھوئی ھیں اور اور کتب احادیث میں یہ قید نہیں ھے مگر یہ بات یاد رکھنی چاھیے کہ جس طرح کتب مذکورہ بالا میں بعض مشتبہ یا موضوع حدیثوں کے ھونے کا احتمال ھو سکتا ھے اسی طرح اور کتب حدیث میں بعض احادیث صحیح کا ھونا بھی ممکن ھے ۔

مگر پہلی قسم کی کتابوں کے استثناء کی نسبت یہ درجہ اشتباہ کا ایسا ضعیف ھے کہ علماء کو اُن پر اعتقاد کامل رکھنے سے (بہ شرط یہ کہ وہ اعتقاد صرف مذھبی بنا پر نہ ھو) تا وقتیکہ اُن کی تکذیب میں کوئی صریح دلیل نہ پیش ھو باز نہیں رکھتا مگر دوسری قسم کی کتابوں کی نسبت یہ اعتقاد نہیں ھے ۔ جو حدیثیں کہ اُن میں منقول ھیں وہ جبھی قابل اعتبار خیال کی جاتی ھیں کہ اُن کی صحت کے لیے کوئی شہادت موجود ھو یا اُن کے نا معتبر ھونے کے لیے کوئی دلیل نہ ھو ۔

جس زمانے میں یہ کتب حدیث زبانی روایتوں سے لکھی گئی تھیں راویوں نے اس بات کا التزام نہیں کیا (اور یقیناً ویسا کرنا بھی نا ممکن تھا) کہ وھی الفاظ بجنسہ جو پیغمبر خدا کی زبان مبارک سے نکلے تھے بیان کریں بلکہ اپنے الفاظ میں پیغمبر خدا کا مدعا ادا کرتے تھے ۔

اس سے ظاھر ھوتا ھے کہ جو کوشش کسی حدیث کے

مخصوص الفاظ کے معنی معین کرنے سے بعض احکام یا واقعات کے قائم کرنے میں کی جاوے اس میں بڑی احتیاط چاهیے کیوں که هم کو اطمینان کامل نہیں ھے که در حقیقت جناب پیغمبر خدا نے انھیں الفاظ کو استعمال کیا تھا ۔

بہت سی حدیثیں ایک ھی باب میں ایک دوسری سے مختلف ھیں ۔ پس اُن میں سے ایک کو صحیح مان لینا اور باقیوں کو غلط بہت مشکل کام ھے ۔ اس مشکل کے حل کرنے کو عالموں نے چند قواعد وضع کیے ھیں اور ان کا نام اصول علم حدیث رکھا ھے ۔ ممکن ھے که بعض ان میں سے کسی خاص حالت میں اُس مدعا کے انجام دینے کے لیے وضع کیے گئے ھیں قاصر ھوں ۔

تمام بے ھودہ قسم کی خدیثیں مشتبه خیال کی گئی ھیں اور ایسی حدیثیں جو مطالب قرآن مجید سے متناقض ھیں غلط قرار دینے کے لائق ھیں ۔ جس طرح که حضرت عایشه نے حدیث "سماع موتے" کی نسبت کیا تھا ۔ کیوں که وہ حدیث قرآن مجید کے اس بیان سے بالکل مخالف تھی "وما انت بمسمع من فی القبور" حضرت عایشه کے اس قول سے ھر ایک مسلمان واقف ھے ۔

ایسے لوگ جو به کثرت حدیثیں بیان کرتے تھے صرف ان کے کثیر الروایت ھونے کی وجه سے ان کی روایتوں کی صحت میں کلام ھوتا تھا ۔ اور کسی شخص کی روایت کی ھوئی کوئی حدیث غلط ثابت ھو جاتی تھی تو اُس کی اور تمام روایتوں کے مشتبه ھونے کے لیے کافی ثبوت سمجھا جاتا تھا ۔ اسی لیے راویوں کے باب میں بہت سی کتابیں اسماء الرجال کی مرتب ھوئیں تاکه معتبر اور غیر معتبر راویوں کا حال معلوم ھو جاوے ۔ مجدد الدین فیروز آبادی نے جو ایک مشہور محدث اور بہت بڑا عالم ھے

اپنی کتاب مسمی بہ ''سفر السعادت'' میں ترانوے مضمون شمار کیے ہیں اور بیان کیا ہے کہ تمام حدیثیں جو ان مضمونوں میں سے کسی مضمون کے باب میں ہوں سب غیر معتبر ہیں ۔ علاوہ اس کے اور بہت سے ذی لیاقت محدثین نے احادیث موضوعہ پر بحث کی ہے اور کتابیں لکھی ہیں ۔

پس اُن لوگوں کو جو ہمارے دین کے اصول پر رائے دینا یا ہمارے علماء نے جو واقعات سیر اُن کتابوں میں لکھے ہیں اُن پر یا ہمارے دین کے مختلف مسائل پر بحث کرنا چاہیں تو اُن کو اپنی رائے اور خیال کی تائید میں صرف اُن حدیثوں کے حوالہ دینے پر اکتفا کرنا نہیں چاہیے جن کا اوپر ذکر ہوا ۔ بلکہ مثل ایک محقق کے سب سے پہلے اُس ذریعہ کے صدق و صحت کی تحقیق کرنی چاہیے جہاں سے وہ حدیثیں پہنچی ہوں ۔

ان ضروری اصولوں کی فراموشی یا ناواقفیت کی وجہ سے غیر ملک کے بعضے مصنفوں سے (شاید نادانستہ) جناب پیغمبر خدا کی سوانح عمری یا تاریخ لکھتے وقت بڑی نا انصافی کا جرم سرزد ہوا ہے علی الخصوص اُس وقت جب کہ باقاعدہ اور غیر متعصبانہ تحقیق کی جائز دلیلوں کے عوض انھوں نے اپنی نالائقی سے ٹھیک تضحیک اور ہجو اختیار کی ہے ۔

## دوم ۔ کتبِ سیر

مصنفین کتب احادیث نے تو یہ خیال کیا تھا کہ جس مضمون پر وہ کتابیں لکھتے ہیں اور حدیثیں جمع کرتے ہیں اُن کو مذہب سے تعلق ہے ۔ اور مذہبی مسائل کی بناء برقرار پاویں گی اور اُن کی بنیاد پر بے انتہا مسائل اور جدید عقاید اور مناظرت مذہبی پیدا ہوں گے ۔ اگر ان میں احتیاط نہ کی جاوے تو مذہب اسلام کو نقصان پہنچے گا ۔ اسی خیال سے اُنھوں نے

راویوں کے معتبر اور غیر معتبر ہونے پر نہایت کوشش کی اور جس کو معتبر سمجھا اس کی روایت لکھی مگر اہل سیر نے سیر کی کتابیں تصنیف کرتے وقت اس کا کچھ خیال نہیں کیا ۔ کیونکہ اُن کو اس قسم کا مطلق اندیشہ نہ تھا اور کبھی اُن کو یہ خیال نہیں تھا ۔ کہ ان کی لکھی ہوئی کتابیں کسی عقیدہ یا مذہبی مسئلہ کی بنیاد قرار پاویں گی اور مذہبی اختلافات اور بدعات کا مادہ ہوں گی ۔ اس لیے اُنھوں نے مثل اہل حدیث کے ان مضامین کی صحت پر جو اُنھوں نے اس میں لکھے اور ان راویوں کے اعتبار پر جن سے وہ حالات اُن کو پہنچے بہت ہی کم التفات کیا ۔ اُن کی تحریرات کا سب سے بڑا خزانہ زبانی روایتیں تھیں ۔ جس کسی نے جو قصہ اُن سے بیان کیا اُنھوں نے نہایت اشتیاق سے اُس کو سنا اور اس قصہ کی اصلیت اور راوی کے چال چلن کی نسبت ذرا بھی تفتیش نہیں کی اور اُس کو اپنی کتاب میں لکھ لیا ۔

ان مصنفوں کی غرض نہ تو کسی قصہ کی تصدیق تھی اور نہ کسی روایت کی اصلیت کی تحقیق ۔ بلکہ اُن کا مقصد یہ تھا کہ جو کچھ ہر ایک واقع کی نسبت مشہور اور زبان زد ہے اُس کو لکھ لیں اور ایک جگہ جمع کر دیں اور اُن قصوں کی صحت یا لغویت کی چھان بین پڑھنے والے کی جاں فشان تحقیق اور رائے پر چھوڑ دیں ۔ یہ رسم بہت جلد عام ہوگئی ۔ اول اول تو راویوں کے نام بھی لکھے گئے اور پھر رفتہ رفتہ راویوں کے نام لکھنے کو بھی متروک کر دیا ۔ ان کتابوں میں اکثر ایسی روایتیں بھی مندرج ہیں ۔ جن کے راوی مصنف کے زمانے سے بہت پہلے گزر چکے تھے اور کچھ پتا نہیں معلوم ہوتا کہ مصنف نے کس طرح پر اُس روایت کو اپنی کتاب میں لکھ دیا ۔ ان

کتابوں میں اکثر انبیائے سابقین کے قصے بھی مندرج ہیں اور وہ وہی قصے ہیں جو ایک زمانے میں یہودیوں میں مشہور اور زبان زد تھے اور جن کی اصلیت بالکل محض تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی اور اُن کا رتبہ دیو پری کے قصوں سے کچھ زیادہ نہ تھا اس لیے مسلمانوں کے جملہ علوم میں سے وہ علم جو سب سے زیادہ غور اور تحقیق کا محتاج ہے وہ علم سیر ہے اور جس پر تمام علماء کو نہایت عمیق توجہ کرنی لازم ہے ۔

پس اُن کتابوں کو صرف یہ امر کہ وہ مشہور اور معروف علمائے سابقین کی تصنیفات سے ہیں اعتبار کا مستحق نہیں کرتا ہے ۔ مذہب اسلام پر نکتہ چینی کرنے والوں کو اُن کے اعتبار کو بہ لحاظ اس اصول کے جس پر خود اُن کے مصنفوں نے اُن کو تصنیف کیا ہے ساقط سمجھنا چاہیے اور جب تک کہ اُن کتابوں کی مندرجہ روایات کی صحت فی نفسہ نہ ثابت ہو لے اور اصول تحقیقات سے اُن پر طمانیت نہ ہو لے ۔ اُن روایتوں کا ان کتابوں میں مندرج ہونا اعتبار کے لیے کافی نہیں ہے ۔

ان وجوہ سے تاریخ محمد اسماعیل بخاری ، تاریخ محمد جریر طبری ، سیرت ابن سعد کاتب الواقدی ۔ اور دیگر علمائے متبحر کی مشہور و معروف تصنیفیں جیسے مدارج النبوت ، قصص الانبیاء ، معراج نامہ، شہادت نامہ ، مولد نامہ وغیرہ اور اور اسی قسم کی کتابیں سب کی سب یکساں حالت میں ہیں ۔

ہمارے جناب پیغمبر خدا کی سوانح عمری لکھنے میں اور کتب سیر سے اُن حالات کو منتخب کرنے میں یورپین مصنفوں نے اس قدر متحملانہ تحقیقات کو اختیار نہیں کیا ہے جو اس مضمون کی عظمت کے شایان ہے بلکہ برخلاف اس کے از راہ تعصب اور بغض کے انھوں نے دیدہ و دانستہ اُس روشنی سے آنکھ

چراغ ہے جس کی شعاعیں اُن کے چہرہ پر پڑ رہی تھیں اور اس طرح پر انھوں نے اپنے حق میں اس مثل کی تصدیق کی ہے کہ " کوئی شخص ایسا اندھا نہیں ہے جیسے کہ وہ لوگ جو ارادتاً نہیں دیکھتے۔"

## سوم۔ کتبِ تفسیر

اکثر لئیق شخصوں نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے۔ بعض نے اُس کی بلاغت اور فصاحت آمیز کلام اور خوب صورت اور بے نظیر طرز بیان کی تفسیر کی ہے۔ بعض نے اُس کے پڑھنے کا خاص طریقہ مع قرأت اور لہجہ کے بتلایا ہے۔ بعضوں نے صرف آیات احکام کی جو قرآن مجید میں ہیں تفسیر کی ہے۔ بعض نے اپنا وقت اور اپنی محنت آیات کے شان نزول دریافت کرنے میں صرف کی ہے۔ بعض نے اپنی تفسیروں میں واعظین کے لیے دلچسپ اور عجیب و غریب اور حمقا کے خوش کرنے کے لیے دور از عقل و قیاس مضامین جو یہودیوں کے ہاں مروج تھے جمع کر دیے ہیں۔ بعضوں نے ایسی تفسیریں لکھی ہیں جو ان تمام مضامین پر حاوی ہیں۔

ان مفسرین نے اپنی تفسیریں لکھنے میں کتبِ سیر اور احادیث کی طرف رجوع کیا تھا جن کا بیان ہم ابھی کر چکے ہیں۔ یہ بات نہایت افسوس کے قابل ہے کہ یہ مفسرین ان بے شمار جھوٹی روایتوں اور مصنوعی قصوں ہی کو جن کا موجود ہونا اُن کتابوں میں ابھی بیان ہو چکا ہے کام میں لائے۔ بلکہ ایسی روایتیں اور حدیثیں بھی اُنھوں نے اپنی تفسیروں میں لکھ دیں جو صرف انھیں تفسیروں میں پائی جاتی ہیں۔

حدیث کی کتابوں میں بھی جو بعض حیثیات سے درجہ اعتبار کا رکھتی ہیں اور جو صحاح ستہ یا صحاح سبعہ کے نام سے

مشہور ہیں اور جن کے نام ہم اوپر لکھ آئے ہیں قرآن مجید کی
تفسیر کے لیے خاص ابواب مخصوص ہیں جو کتاب التفسیر کے
نام سے موسوم کیے جاتے ہیں ۔ اگر اُن کل کتابوں کے مضامین
کو جو قرآن مجید کی تفسیر سے متعلق ہیں ایک جگہ جمع کیا
جاوے تو معدودے چند صفحوں سے زیادہ نہ ہوں گے مگر
مفسرین نے نہایت موٹی موٹی جلدیں ایسی بے ہودہ اور نا معتبر
روایتوں سے بھر لی ہیں جن کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے
غرض یہ کہ ایسی تفسیریں اور علی الخصوص وہ جو واعظین کے
فائدے کے لیے لکھی گئی ہیں اور جن میں خیالی اور بے ہودہ
قصے انبیاء علیہم السلام کے بھرے ہوئے ہیں اور ملائک اور
بہشت اور دوزخ اور ان کے اوصاف و خواص کے بیان کرنے کا
دعویٰ کرتے ہیں اور کتب سیر سے خلاف قیاس بیانات کو
پیش کرتے ہیں سراسر غیر معتبر روایات سے مملو ہیں اور وہ
روایتیں صرف یہودیوں کے ہاں جاری تھیں مگر خود مذہب یہود
میں اُن کے معتبر ہونے کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے ۔ ان
تفسیروں میں اکثر ایسی روایتیں بھی موجود ہیں جو علمائے دین
کی طرف منسوب کی گئی ہیں مگر اس امر کا تحقیق کرنا کہ وہ
روایتیں در حقیقت اُنھیں عالموں کی روایتیں ہیں ایسا ہی مشکل
ہے جیسے کہ اس بات کا دریافت کرنا کہ وہ روایتیں ان مفسرین
تک کیوں کر پہنچیں ۔

ان تفسیروں کے دو حصے جن میں قرآن شریف کی بلاغت
اور فصاحت اور اُس کے طرز بیان کی خوب صورتی اور اُن کی
قرأت کے خاص لہجوں کا بیان ہے بلا شبہ نہایت عمدہ اور قابل قدر
کے ہیں مگر ان حصوں کے سوا تمام روایتیں اور قصے جو ان
تفسیروں میں شامل ہیں وہ ایسے نہیں ہیں کیوں کہ وہ مثل

سچے اور جھوٹے موتیوں کے باہم مخلوط ھیں اور یہ کام خریدار کا ھے کہ اُن میں سے سچے موتیوں کو منتخب کر لے ۔ اس کا نتیجہ یہ ھے کہ جو شخص بدوں مناسب چھان بین اور کافی تحقیقات کے کسی ایسی تفسیر کے قصوں کا حوالہ دے کر ھمارے پاک مذھب پر خوردہ گیری اور عیب چینی کی بنیاد قائم کرتا ھے جیسے کہ اکثر یورپ کے مصنفوں نے کیا ھے وہ نہایت غلطی اور دھوکا میں پڑتا ھے ۔

غرض کہ یہ تینوں قسم کی کتابیں جن کا اُوپر ذکر ھوا مذھبی امور پر لکھنے والے اور بحث کرنے والے کے لیے نہایت بیش بہا اور نہایت بے قدر مادہ کو آن واحد میں جمع کرتی ھیں علمائے محققین اسلام نے بہت سے طریقے اختیار کیے ھیں جن کے وسیلہ سے وہ اس مخلوط مادہ سے معتدبہ فائدہ اُٹھاتے ھیں مگر یورپ کے مصنفین اس سے محروم ھیں ۔

اکثر عالم ایسے گزرے ھیں جو خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ میں اپنی نیک دلی سے نہایت سچا اور مضبوط اعتقاد رکھتے ھیں ۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے ھیں کہ خدا تعالیٰ کو اپنی قدرت کاملہ سے ھر ایک امر کرنے کا پورا اختیار ھے گو وہ کام عقل اور قوانین فطرت کی رو سے کیسے ھی متناقض کیوں نہ ھوں ۔ اس مسئلہ کا اُن کو ایسا دلی اعتقاد ھے کہ جو کوشش اُن کے اس اعتقاد کے سست اور متزلزل کرنے میں کی جاوے یقیناً ناکام ھوگی ۔ وہ ھر حجت اور دلیل کے سننے سے یا اُس پر ذرا سی بھی غور کرنے سے جو اُن کے دل نشین عقیدہ کے مخالف ھو ضد سے انکار کیے جاویں گے ۔ ایسے سادہ مزاج اور صاف باطن آدمیوں کو بہشتی آدمیوں کا لقب دیا گیا ھے " کما قیل اھل الجنۃ بلہ " اُن مقدس

اور بزرگوار لوگوں نے اپنی تصنیفات میں یہ اختیار کیا رکھا ہے کہ بلا کسی تمیز کے جملہ روایتوں کو معتبر خیال کرتے ہیں اور ہر واقع کو جو اس میں مندرج ہے صحیح سمجھتے ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی روایت مختلف صورتوں میں ان کے پاس پہنچے یا ایک ہی واقعہ کی نسبت متعدد روایتیں جو آپس میں متناقض ہوں آن تک پہنچیں تو وہ ان کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ واقعہ متعدد دفعہ اور متعدد صورتوں میں واقع ہوا ہوگا جن کا الگ الگ بیان ہر ایک روایت میں ہے۔ ۱

پس ایسے لوگوں کی تصنیفات جنھوں نے صحیح اور کامل غور و فکر کے ساتھ اس مضمون کو نہیں لکھا ہے بلکہ اندھا دھندی سے مذہبی جوش و حرارت کی بنا پر لکھ ڈالا ہے غیر ملک کے آن علماء کی نکتہ چینی کے قابل نہیں ہے جو اپنے دلائل کو آن کتابوں کی روایات مندرجہ پر مبنی کر کے آن سے ایسے نتائج مستنبط کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو مذہب اسلام کے حق میں مضر ہوں۔

اقسام مذکورہ بالا کے سوا ایک اور قسم کی کتابیں بھی ہیں جو محض آن لوگوں کے لیے لکھی گئی تھیں جو مذہب اسلام پر بغیر کسی وسوسہ کے قوی اعتقاد رکھتے ہیں۔ یہ کتابیں اس غرض سے لکھی گئیں کہ آن لوگوں کا مذہبی اعتقاد زیادہ ہو اور آن کی حرارت مذہبی زیادہ مشتعل ہو جاوے جیسی کتاب شفاء قاضی عیاض ہے جس کی سند پر ہم اسی کتاب سے عبارت پیش کرتے ہیں۔

” قال القاضی ابوالفضل حسب المتامل ان یحقق ان کتابنا هذا لم نجمعه لمنکر نبوة نبینا ولالطاعن فی معجزاته فنحتاج الی نصب البراهین

علیہا و تحصین حوزتہا حتی لا تتوصل المطاعن الیہما ونذکر شروط المعجزۃ والتحدی وحدہ و فساد قول من ابطل نسخ الشرایع وردہ بل الفخاہ لا ھل ملۃ الملبین لدعوتہ والمصدقین لنبوۃ لیکون تاکیداً فی محبتھم و منماۃ لا عمالھم ولیزدا دوا ایماناً مع ایمانھم ۔''

ان مصنفین نے اپنی تصنیفات میں واقعات کا ذکر بلاتمیز اُن کی صحت اور عدم صحت کے اور بدون کوشش اُن واقعات کے اصلی معنی دریافت کرنے کے کیا ہے ۔ پس اگر کوئی محقق نکتہ چین اپنی دلیل کو کسی جھوٹی روایت پر جو ایسی کتاب میں منقول ہوں مبنی کرتا ہے تو وہ ایمان داری اور راست بازی سے ہمارے مذہب کی تحقیق اور تدقیق نہیں کرتا ۔

اسی قسم کے بعض بزرگوار ذی علم لوگوں نے جو اسی قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں اپنی تصنیف کے دائرہ کو اور بھی وسیع کر دیا ہے ۔ وہ ہر چیز کے امکان کو خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی طرف منسوب کر کے اس بناء پر ہر ایک واقعہ کو صحیح خیال کرتے ہیں اور اس کے وقوع کے امکان کو منطقی دلیلوں سے تائید کر کے اپنے مذہب کے مخالف عیب چینوں کو جواب با صواب دینے کی کوشش کرتے ہیں ۔

یہ کتابیں در حقیقت ایسی مصرح اور مدلل لکھی گئی ہیں کہ کوئی شخص جو کسی مذہب کو مانتا ہو اور مذہبی معجزات کا قائل ہو کسی عقیدہ مندرجہ کتب مذکور پر بدون اس کے کہ اپنے مذہب کو بھی ویسے ہی الزامات اور اعتراضات کا مورد بناوے حرف گیری نہیں کر سکتا ۔

لیکن اُس شخص کے نزدیک جو قوانین قدرت کے برخلاف کسی

امر کے ہونے پر اعتقاد نہیں رکھتا اور وحی اور الہام کو بھی
نہیں مانتا ان کتابوں کی دلیلیں جن کی نصف کی بناء مذہب کے
اوپر ہے اُس آدمی کی مانند ہیں جس کی صرف ایک ٹانگ ہو اور
چلنے پھرنے سے عاری ہو ۔

اُن علماء نے جو اوروں کی نسبت زیادہ ذی علم تھے اپنی
تصانیف میں ایک فلسفیانہ قاعدہ اس امر کے ثابت کرنے کے لیے
اختیار کیا ہے کہ مذہب علم سے مطابقت رکھتا ہے اُنھوں
نے ہر روایت کی صحت کی تحقیق کی ہے اور ہر ایک لفظ کے
معنوں پر بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ ان الفاظ سے کیا مراد
ہے ۔ شاہ ولی اللہ دھلوی رحمۃ اللہ علیہ ان علمائے فلسفی میں سب
سے پچھلے خیال کیے جاتے ہیں ۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ
ایسی تصنیفات جیسی کہ اُن کی ہیں کچھ زیادہ مطبوع اور مروج
نہ ہوئیں کچھ تو اس وجہ سے کہ اُن کے مضامین عام لوگوں
کے احاطۂ فہم و ادراک سے باھر ہیں اور کچھ اس سبب سے کہ
وہ اُن بزرگوار مصنفوں کے مطبوع خاطر نہیں ہیں جو عقاید
مذھبی پر فلسفی دلیلیں لانے پر اعتراض کرتے ہیں اور اس بات
کو ناپسند کرتے ہیں کہ مذہب کے ثبوت پر حکمت سے استمداد
کی جاوے ۔

پہلی قسم کے علماء کو جنھوں نے اپنے مذہب کے واسطے
فلسفی دلائل پیش کرنے میں جاں فشانی کی ہے ۔ دوسری قسم
کے علماء اُن کو دین حق کا دشمن قرار دیتے ہیں اور ان کو
گمراہ کہتے ہیں جس اتہام سے خود شاہ ولی اللہ صاحب بھی
نہیں بچے ۔

لیکن ان کتابوں میں ایک اور نقص بھی پایا جاتا ہے یعنی
وہ دلیلیں جو اُن میں مستعمل ہوئی ہیں ۔ فلسفہ قدیم کے اصول

پر مبنی ہیں جن میں سے اکثر تو رواج سے ساقط یا غلط ثابت ہو گئی ہیں یا علوم جدیدہ میں مختلف طور پر بیان ہوئی ہیں۔ مگر یہ نقص صرف علمائے دین اسلام پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ اور مذہبوں کے عالموں میں بھی جو دین کی بحث اصول فلسفہ پر کرتے ہیں موجود ہے۔ اس لیے ہر مذہب و ملت کے عالموں کا جو اُس کو پاک اور بے لوث رکھنا چاہتے ہیں یہ فرض ہے کہ اُن کتابوں کی جو فلسفہ قدیم کے اصول پر لکھی گئی ہیں نظر ثانی کریں اور فلسفہ جدیدہ کے اصول پر نئی کتابیں لکھیں اور اپنے مذہب کے اصول کو اصول قانون قدرت کے مطابق بحث کرنے کے قابل کریں۔

## چہارم - کتب فقہ

جب کہ حدیثوں کا یہ حال تھا جو ہم نے اُوپر بیان کیا تو اُن لوگوں کا کام جنھوں نے احکام شرعی کو مستنبط کرنا چاہا نہایت ہی مشکل تھا اور جب کہ کتب حدیث لکھی جا چکیں اُس وقت یہ کام اور بھی زیادہ مشکل ہو گیا۔ جو عالم کہ سب سے زیادہ لائق تھا اُس نے صرف[1] قرآن مجید کو اپنا رہنما سمجھا جس کی صحت و صداقت علی العموم مسلم تھی اور

۱- جناب پیغمبر خدا کے زمانے میں قرآن مجید جیسا کہ بالفعل موجود ہے تمام و کمال یک جا لکھا ہوا نہ تھا بلکہ وہ علیحدہ علیحدہ حصوں میں لکھا ہوا تھا اور کچھ آیتیں ایسی تھیں جو صرف لوگوں کو یاد تھیں اور بعض آدمی ایسے بھی تھے جن کو تمام و کمال حفظ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اُن لوگوں نے اُن تمام متفرق حصوں کو ایک جگہ جمع کیا جس طرح کہ اب موجودہ حالت قرآن مجید کی ہے اور اُن تمام لوگوں نے جنھوں نے اُس کو خود پیغمبر خدا کی زبانی سنا تھا اُس مجموع کی صحت اور درستی کو تسلیم کیا۔ (سید احمد)

بڑے بڑے عالموں نے جو مجتہد کہلاتے ہیں قرآن اور احادیث کو جو دستیاب ہوئیں (اور کچھ شک نہیں جو افادہ ظن سے زیادہ اور کوئی بات اُن سے حاصل نہیں ہوتی تھی) احکام شرع کے لیے ماخذ قرار دیا - اول قرآن مجید کو اور بعد اُس کے اُن حدیثوں کو جن کی صحت پر اُن لوگوں کو یقین تھا جنھوں نے اُن کو جمع کیا تھا درجہ دیا جاتا تھا اُس کے بعد صحابہ کے اقوال اور کاموں کو اور بعض عالم تابعین کے اقوال اور کاموں کو بھی اس کام کے لیے فائدہ مند خیال کرتے تھے -

جو لوگ کہ اس کام پر متوجہ ہوئے مجتہد اور فقیہ اُن کا لقب تھا - اکثر ایسی صورتیں بھی فقہائے اسلام کے سامنے پیش کی گئیں یا در حقیقت واقع ہوئیں جو قرآن مجید یا احادیث میں نہیں پائی گئیں اور اسی وجہ سے بادی النظر میں کوئی قطعی فیصلہ ان صورتوں کا قرآن مجید یا کتب حدیث میں نہیں پایا گیا - اس مجبوری کی حالت میں فقہائے اسلام نے قرآن مجید اور احادیث میں ایسے اصول کی تلاش کی جو اُن صورتوں پر حاوی ہوں اور خوش قسمتی سے وہ اس میں کام یاب ہوئے اور الفاظ کے استعمال اور طرز بیان سے اور ایک حکم کے جو کسی واقعہ میں ہوا تھا اُس کے مشابہ ایک دوسرے واقعہ پر قیاس کرنے سے اس مطلب کو حاصل کیا -

ان علماء نے بعض اوقات قرآن مجید کے ایسے حکم کو جو کسی صورت خاص سے متعلق تھا عام ٹھیرایا اور کبھی قرآن مجید کے ایسے حکم میں جو ظاہر میں عام ہوتا تھا مستثنیات قائم کیے - انھیں علماء نے بعض ایسے اصول و قواعد منضبط کیے جن پر عمل کرنے سے عجیب و غریب مقدمات میں بھی قرآن مجید اور حدیث سے احکام مستخرج ہو سکیں اور یہ ایک نئی شاخ

علم دین کی علوم دینیہ میں قائم ہو گئی جو بنام اصول فقہ موسوم ہے ۔ اسی بنیاد پر انسان کے تمام افعال کی نسبت احکام استخراج کیے گئے اور اس میں کتابیں لکھی گئیں جو کتب فقہ کہلاتی ہیں ۔ ان کتابوں میں سب سے پچھلی کتاب جو فرقہ حنفیہ کے اصول پر لکھی گئی وہ فتاویٰ عالم گیری ہے جو شہنشاہ عالم گیر کے حکم سے مرتب ہوئی تھی ۔ فقہ کی تمام کتابوں کے مصنفین کا نہایت شکر گزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے اس قدر محنت اور جاں فشانی سے اُن کو لکھا ہے اور جس قدر تعظیم و اکرام ان مصنفین کو شایان ہے اتنی ہی قدر و منزلت اُن کتابوں کی سزاوار ہے لیکن باستثنائے اُن احکامات کے جو خاص قرآن مجید سے جن میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا اخذ کیے گئے ہیں اور اُن احکامات کے جو اُن احادیث سے لیے گئے ہیں جن میں روایتاً اور درایتاً دونوں طرح پر صحیح و معتبر ہونے کا ظن غالب ہے باقی احکامات کو گو کہ فقہائے قرآن مجید اور احادیث ہی سے مستنبط کیا ہو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ مثل نصوص صحیح کے مذہبی احکام ہیں ۔ غیر ملک کے مصنفین اور نکتہ چین محققین نے ایسے مستخرجہ احکام کو اصلی ارکان دین اسلام سمجھنے میں اکثر مغالطہ کھایا ہے ۔

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ وہ ذی لیاقت علماء جنھوں نے اُن احکامات کو اسلام کے اصول اصلی سے مستخرج کیا ہے بہ نسبت ہمارے بہت بڑے عالم تھے ۔ مگر اس اصول پر کہ ”الانسان مرکب من الخطاء والنسیان“ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُن میں کچھ خطا نہیں ہے اور وہ سب احکامات مستخرجہ خطاء و غلطی سے بالکل مبرا ہیں ۔ اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ ہماری کتب فقہ دو قسم کے اصول و احکامات سے

بھری ہوئی ہیں ۔ ایک ان احکامات اصلی سے جو بغیر کسی شبہ کے منصوص ہیں دوسرے وہ جن کو علمائے مجتہدین نے مستنبط اور مستخرج کیا ہے اور جو اسی وجہ سے ممکن الخطاء خیال کیے جا سکتے ہیں ۔ پس اُن لوگوں کو جو ہمارے احکام شرعی کی تحقیق و تدقیق کرنا چاہیں فرض ہے کہ اول قسم کے احکام کو دوسری قسم کے احکام سے تمیز کریں کیوں کہ اگر دوسری قسم کے احکام میں کوئی نقص پایا جاوے تو اُس کو مذہب اسلام پر عاید کرنا نہیں چاہیے بلکہ اس کا الزام اُس عالم کے سر پر ہے جس نے اُن احکامات کو استخراج کیا ہے اور جو مذہب اسلام کے ایک فقیہ ہونے سے کچھ زیادہ رتبہ کا مستحق نہیں ہے ۔

مذہب اسلام میں جو چار بڑے بڑے فقیہ اور مجتہد گزرے ہیں جن کی تمام مسلمان پیروی کرتے ہیں اُن کی بھی یہی رائے ہے[۱] ۔

قال الشیخ عبدالوہاب الشعرانی فی الیواقیت کان ابو حنیفة رحمة اللہ علیہ اذا افتی یقول ھذا رای النعمان ابن ثابت یعنی نفسہ و ھو احسن

---

۱- امام ابو حنیفہ ۸۰ھ مطابق ۶۹۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ مطابق ۷۶۷ھ میں وفات پائی ۔

۲- امام مالک ۹۵ھ مطابق ۷۱۳ء میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ مطابق ۷۹۵ء میں وفات پائی ۔

۳- امام احمد بن حنبل ۱۶۴ھ مطابق ۷۸۰ء میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ مطابق ۸۵۵ء میں وفات پائی ۔

۴- امام شافعی ۱۵۰ ھجری مطابق ۷۶۷ء میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ ھجری مطابق ۸۱۹ء میں وفات پائی ۔ (سید احمد)

ماقدرنا علیه فمن جاء با حسن منه فهوا اولیٰ بالصواب ۔

وقال کان الامام مالک رحمة الله تعالیٰ یقول ما من احد الا ھوما خوذ من کلامه و مردود علیه الا الرسول صلی الله علیه وسلم ۔

ثم قال کان الامام احمد رحمة الله علیه یقول لیس لاحد مع الله و رسوله صلی الله علیه وسلم کلام و قال ایضاً للرجل لاتقلد و نی ولا تقلدون مالکا ولا الا وزاعی ولا النخعی ولا غیرھم وخذوا الا حکام من حیث اخذو امن الکتاب والسنة و روی الحاکم و البیهقی من الشافعی رحمة الله انه قال یوماً للمزنی یا ابراھیم لا تقلدنی فی کل ما اقول وانظرنی ذلک بنفسک فانه دین و کان و رحمه الله یقول لا حجة فی قول احد دون رسول الله صلی الله علیه وسلم ۔

---

(٦)

# مذہب اسلام کی روایتوں کی اصلیت

اور آن کی

# ترویج و اشاعت کی ابتدا

یا ایها الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوماً بجهالة فتصبحوا علیٰ مافعلتم نادمین

تاریخ اسلام کے ابتداءِ زمانہ سے آج تک قرآن مجید شرع محمدی کا لازوال منبع رہا ہے اور ہمیشہ تک رہے گا ۔ ہر مسلمان کا یہ اعتقاد ہے کہ خود جناب پیغمبر خدا ہمیشہ قرآن مجید کے موافق کاربند ہوئے ہیں یعنی جو احکام قرآن مجید میں بہ نص صریح مندرج ہیں خواہ استدلالاً اُس سے نکلتے ہیں ۔ انہیں کے مطابق عمل فرمایا ہے یہ اصول ہر قرن میں ملحوظ رہا اور کوئی قول بر خلاف قرآن مجید کے تسلیم نہیں کیا گیا ۔ یہی اصول ہم کو حضرت عائشہ نے سکھایا ہے جب کہ انھوں نے سماع موتیٰ کی حدیث کو قرآن مجید کے بر خلاف ہونے کی وجہ سے رد کر دیا ۔ پس جو حدیث کہ قرآن مجید کے منشاء کے متناقض ہو اُس کو یک لخت غیر معتبر اور موضوع خیال کرنا چاہیے ۔

لیکن جب کہ ہم وحی " غیر متلو " میں بھی یعنی ایسی وحی میں جس کا مطلب آں حضرت پر القا ہوا ہو اور اس مطلب کو آں حضرت نے اپنے لفظوں میں بیان فرمایا ہو جس پر حدیث کا اطلاق ہوتا ہے اعتقاد رکھتے ہیں تو بلا شک ہم پر واجب ہے کہ احادیث نبوی کو جمع کر کے جہاں تک ممکن ہو ان کی تحقیق اور تدقیق کریں ۔ مگر جب کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی صحیح حدیث قرآن مجید کے منشاء کے خلاف نہیں ہو سکتی تو ہم کو اس تحقیقات میں معلوم ہوگا کہ صحیح حدیثیں صرف تین قسم کی ہو سکتی ہیں : اول وہ جو قرآن مجید کے مطابق ہوں اور اس کی تائید کرتی ہوں ۔ دوسری وہ جن سے قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر ہوتی ہو ۔ اور تیسری وہ جو ایسے امور سے متعلق ہوں جن کا قرآن مجید میں کچھ ذکر نہیں ہے ۔

لیکن خود جناب پیغمبر خدا نے ہم کو ہدایت کی ہے کہ سوائے قرآن مجید کے ان کا تمام کلام وحی نہیں ہے بلکہ وحی وہی ہے جو تبلیغ رسالت سے علاقہ رکھتی ہے اور جس کی نسبت خود جناب پیغمبر خدا نے ان کا وحی سے ہونا بیان فرما دیا ہے یا ان میں ایسے امور بیان ہیں جو عقاید مذہبی ، اخلاق ، عالم عقبیٰ اور روح کے حالات سے علاقہ رکھتے ہیں جن کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ بغیر وحی کے معلوم نہیں ہو سکتے ' مذکورہ بالا اقسام کے سوا باقی کلام آں حضرت کا وہ ہے جو تبلیغ رسالت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا ۔ اور جس کی نسبت خود آں حضرت نے فرمایا ہے کہ " اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں ایک انسان ہوں جب میں تم

انما انا بشرا امرتکم کو تمہارے دین کی کسی چیز
بشئی من امر دینکم میں حکم کروں تو اس

فخذه و اذا امرتکم بشیٔ
من رائی فانما انا بشر ۔

کو پکڑ لو اور جب میں تم
کو اپنی رائے سے کسی چیز
میں حکم کروں تو میں بھی
انسان ہوں ۔

اور حدیث تابیر النخل فرمایا ہے کہ ”میں نے ایک طرح
کا گمان کیا تھا اور گمان کرنے

فانی انما ظننت ظنا ولا
تواخذونی بالظن ولکن
اذا حدثتکم عن الله
شیئاً فخذو به فانی لم
اکذب علی الله ۔

میں تم مجھ سے کچھ جھگڑا مت
کرو لیکن جب میں تم کو
خدا کی طرف سے کوئی بات
کہوں تو اس کو پکڑ لو ۔
کیوں کہ میں خدا پر جھوٹ
نہیں کہتا ۔

شاہ ولی اللہ صاحب حجة الله البالغه میں لکھتے ہیں کہ
آں حضرت نے جو بیماریوں کا علاج بتایا یا کسی رنگ کے گھوڑے
کو پسند یا ناپسند کیا یا کوئی کام آں حضرت ؐ به طریق
عادت کیا نه بطور عبادت کے یا اتفاقیه کوئی کام بغیر مقصد کے
ہو گیا یا آں حضرت کی ایسی باتیں جیسی که لوگ آپس میں
کیا کرتے ہیں اور نیز ایسے کام جو سردار کو لشکروں کے
معین کرنے اور اُن کے لیے نشانیوں کے قرار دینے اور متخاصمین
کے درمیان فیصله کرنے کے ہیں یه سب اُسی دوسری قسم میں
داخل ہیں ۔ زید ابن ثابت نے کہا که میں آں حضرت کے ہمسایه
میں رہتا تھا پھر جب وحی آتی تھی تو مجھ کو یاد فرماتے تھے
اور میں اُس کو لکھ دیتا تھا ۔ پھر جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تھے
تو آں حضرت بھی ہمارے ساتھ اُسی کا ذکر کرنے لگتے تھے اور
جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تھے تو ہمارے ساتھ اُسی کا ذکر

کرنے لگتے تھے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تھے تو کھانے کا ہی ذکر فرماتے تھے - پس سوائے ذکر آخرت کے باقی تمام باتیں تبلیغ رسالت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتیں - با ایں ہمہ ہم آں حضرت کے تمام افعال و اقوال کا نہایت ادب کرتے ہیں اور اُن کو مقدس اور نہایت نیک خصال اور پاک اقوال اور افعال سمجھتے ہیں مگر رسالت سے اُن کو کچھ تعلق نہیں -

غرض کہ چار قسم کے اقوال آں حضرت کے ایسے ہیں - جن پر ہم کو غور کرنی لازمی ہے (۱) وہ جو ہمارے دین سے علاقہ رکھتے ہیں (۲) جو جناب پیغمبر خدا کے مخصوص حالات سے علاقہ رکھتے ہیں (۳) ایسے اقوال جو تمام لوگوں کے حالات پر مؤثر ہیں (۴) وہ احکام جو سیاست ملکی اور انتظام مدنی سے متعلق ہیں -

ان میں سے پہلی قسم تو کچھ غور طلب نہیں ہے مگر صرف پچھلی تین قسمیں اس قابل ہیں کہ اُن کی نسبت اس قسم کی تحقیق و تدقیق کی جاوے کہ کون سے اُن میں کے ازروئے وحی کے ہیں اور کون سے ان میں کے ازروئے وحی کے نہیں ہیں اور ہم کو لازم ہے کہ صرف اُنھیں احادیث کو وحی سمجھیں جن کی نسبت ہم کو ایسا سمجھنے کے لیے کافی دلیل اور ثبوت ہو -

اگرچہ جناب پیغمبر خدا نے ہم کو بہ تصریح اُن کے قدم بہ قدم چلنے بلکہ صحابہ اور تابعین کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے مگر یہ حکم محض متعلق بہ معاملات دین سمجھا گیا ہے - ہم مسلمانوں نے بھی حتی الامکان مذکورہ بالا امور میں اُن کی پیروی کی کوشش کی ہے - مگر اخیر کے تین امروں کی پیروی کرنے میں اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت میں یعنی اگر اُن کا وحی سے ہونا ثابت ہو تو اُس کی اطاعت اور پیروی ہم پر فرض ہے

اور دوسری صورت میں ہم اپنی خوشی سے عالم عقبیٰ میں ثواب حاصل کرنے اور اپنے پیغمبر کی محبت اور اُن کی تعظیم اور عقیدت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں اور اگر ہم چاہیں یا حالات زمانہ اُس کے ترک پر ہم کو مجبور کریں تو بغیر اس کے کہ مذہب میں کچھ نقصان عاید ہو یا کسی گناہ کے مرتکب ہوں اُس کو ترک کر سکتے ہیں ۔

اسی قسم کے خیالات نے ہم کو جناب پیغمبر خدا کی جملہ احادیث کے جمع کرنے اور اُن کی تحقیق کرنے پر مجبور کیا ۔ جناب پیغمبر خدا کی حیات ہی میں اسلام کی سلطنت جزیرہ عرب میں وسیع ہو گئی تھی اور بے شمار لوگوں نے دین اسلام قبول کر لیا تھا ۔ ہر مسلمان کی جناب پیغمبر خدا تک رسائی محال تھی اس لیے جناب پیغمبر خدا کے اقوال اور افعال اور عادات کا علم اُن مسلمانوں تک پہنچانا جو اقطاع دور و دراز میں رہتے تھے لازم ہوا اور اسی وجہ سے پیغمبر خدا نے اس بات کو پسند کیا جیسا کہ حدیث ذیل میں مذکور ہے ۔ پس اُسی زمانے سے روایتوں کے بیان کرنے کا رواج ہوا ۔

| | |
|---|---|
| عن ابن مسعود قال سمعت رسول الله صلعم یقول نضر الله امرأ سمع مناشیا فبلغه کماسمعه فرب مبلغ اوعی له من سامع ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجه و رواہ الدارمی عن ابی الدرداء) ۔ | ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ خدا اس شخص کو سیراب کرے جس نے مجھ سے کوئی بات سنی اور اُس کو اس طرح دوسروں کو پہنچایا جیسے کہ مجھ سے سنا تھا ۔ سو اکثر پہنچائی گئی سننے والے سے زیادہ اُس کو یاد رکھنے والے ہیں ۔ |

اگرچہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ جناب پیغمبر خدا کی حیات ہی میں چند اشخاص بعض متفرق احادیث کو بھی قلم بند کر لیا کرتے تھے اور آں حضرت کی وفات کے بعد سے اس رواج کو زیادہ ترقی ہوتی گئی مگر ان دونوں زمانوں میں یہ رسم اس قدر محدود تھی کہ کسی خاص غور اور توجہ کے لائق نہیں ہے۔ اس زمانے میں بہت سے لوگ زندہ موجود تھے جنھوں نے خود جناب پیغمبر خدا کا کلام سنا تھا اور جو ایسے نہ تھے اُن کو جناب پیغمبر خدا کے اقوال اور افعال اور عادات کی نہایت آسانی سے واقفیت ہو سکتی تھی۔ اور اس لیے احادیث کے جمع کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔

مگر رفتہ رفتہ جب کہ وہ سن رسیدہ آدمی جنھوں نے جناب پیغمبر خدا کا زمانہ دیکھا تھا یکے بعد دیگرے انتقال کرتے گئے اس وقت لوگوں کو احادیث کے جمع کرنے کی اشد ضرورت معلوم ہوئی یہاں تک کہ دوسری صدی ھجری کے شروع میں چند دین دار اور پرھیزگار آدمیوں نے جنھوں نے اس دنیائے دون پر لات ماری تھی اور اپنی جان کو محض راہ خدا میں وقف کر دیا تھا۔ احادیث کے جمع کرنے کا بوجھ اپنے سر پر اٹھا لیا۔ کتابیں لکھنی شروع کیں۔ رفتہ رفتہ صحیح اور غیر صحیح کتابوں کا ایک انبار ہو گیا۔

## اس سزا کا بیان جس کا مستحق جھوٹ حدیث بیان کرنے والے کو جناب پیغمبر خدا نے قرار دیا ہے

ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ جناب پیغمبر خدا کی حیات ہی میں اور آں حضرت کے ارشاد کے مطابق حدیثوں کے اور لوگوں تک پہنچانے کی رسم شروع ہو گئی تھی مگر اس بات کا بیان کرنا ضروری ہے کہ ایک شخص کے دوسرے شخص تک

حدیث پہنچانے میں کس قدر احتیاط کرنے کا منشاء آں حضرت کا تھا اور اس منشاء کے ظاہر کرنے کو ترمذی اور مسلم کی حدیثوں کو اس مقام پر ذکر کر دینا کافی ہوگا ۔

ترمذی کی حدیث میں ہے کہ ابن عباس سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلعم اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم فمن کذب علی متعمدا فلیتبوء مقعدہ من النار (رواہ الترمذی)

نے فرمایا کہ مجھ سے حدیث روایت کرنے میں پرھیز کرو مگر اس قدر جتنا کہ تم جانتے ہو ۔ سو جو شخص قصداً مجھ پر جھوٹ کہے گا اس کو اپنا ٹھکانا آگ میں بنانا چاھیے (ترمذی) ۔

عن سمرة بن جندب و المغیرة بن شعبہ قال قال رسول اللہ صلعم من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فھو احدالکاذبین (رواہ مسلم)

مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو شخص مجھ سے کسی حدیث کو یہ جان کر روایت کرے کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ خود جھوٹوں میں کا ایک جھوٹا ہے (مسلم) ۔

مگر باوجود اس احتیاط کے ہم دیکھتے ہیں کہ مذھب اسلام میں جھوٹی اور بے بنیاد روایتیں بعینہ اسی طرح پھیل گئیں جس طرح کی جھوٹی روایتیں اور موضوع کتابیں یہودیوں اور عیسائیوں میں مروج ھوگئی تھیں ۔ لیکن اتنا فرق ہے کہ علمائے اسلام نے مقدس جھوٹ کو کبھی اپنے مذھب کے عقاید میں قرار نہیں دیا بلکہ وہ ایسے کام کو ھمیشہ گناہ عظیم سمجھتے رہے اور

اس لیے انھوں نے ایسی جھوٹی روایتوں کے بنانے والوں کو گو کیسے هی پاک اور نیک اراده سے انھوں نے ایسا کیا هو جہنم کے سوا اور کوئی جگہ نہیں دی اور ان کو اس آگ سے بچانے میں کبھی کوشش نہیں کی - مگر برخلاف اس کے علمائے مذهب عیسوی نے مثل آرجن وغیرہ کے صریح اپنے باطنی عقاید کے خلاف معاملات مذهبی میں مقدس جھوٹ کو کچھ جائز هی نہیں رکھا بلکه الله تعالیٰ کے نزدیک مقبول خیال کیا -

سر ولیم میور صاحب اپنی اردو تاریخ دین مسیحی میں بیان کرتے هیں که ''دوسری صدی میں مسیحیوں میں گفتگو رهی که جب بت پرست فیلسوف اور حکیموں کے ساتھ دین کا مباحثه کیا جاوے تو انهیں کی بحث کا طرز اور طریقه اختیار کرنا جائز هے که نہیں - آخرکار آرجن وغیرہ کی رائے کے بموجب طریقه مذکور تسلیم هوا - اس سے البته مسیحی بھائیوں کی تیز عقلی نکته سنجی نے بحث میں زیادہ رونق پائی لیکن راستی اور صفائی میں کچھ خلل پڑا - پھر اسی سبب سے بعض لوگ یه بھی جانتے هیں که وہ جعلی تصنیفات پیدا هوئیں جو که اس زمانے کے بعد کثرت سے لکھی گئیں اس طرح سے که فیلسوف لوگ جب کسی طریقه کی پیروی کرتے تھے تو کبھی کبھی اس کے حق میں کتاب لکھ کے کسی معروف حکیم کے نام سے اجرا کرتے تھے که اس حیلے سے لوگ اس پر متوجه هو کر اس کی باتیں زیادہ مانیں گے - اگرچه اس کی باتیں برملا خود مصنف کی هوتیں سو اسی طرح مسیحی جو فیلسوفوں کی طرح بحث کرتے تھے کتاب لکھ کے کسی حواری یا خادم حواری یا معروف اسقف کے نام سے رواج دیتے تھے - ایسا دستور تیسری صدی میں شروع هوا - اور کئی سو برس تک رومی کلیسیا میں جاری رها - یه بات بہت

ھی خلافِ حق اور قابل الزام شدید کے تھی" (میور صاحب کی تاریخی دین مسیحی حصہ دوم باب ۳) ۔

موشیم نے اپنی کتاب تاریخ مذھبی میں اس طرح پر لکھا ھے کہ "افلاطونی اور فیثا غورثی حکماء نے صدق اور پاک بازی کی حمایت میں فریب دینے اور جھوٹ بولنے کو جائز ھی قرار نہیں دیا ھے بلکہ مستحسن ٹھیرایا ھے ۔ یہودیان ساکن مصر نے اس عقیدہ کو قبل سنہ مسیحی کے اُن سے سیکھا ۔ اس میں اُس شخص کو کچھ کلام نہ ھوگا جس کو کہ کتابوں کو مشہور آدمیوں کی طرف منسوب کرنے کی بے شمار جعل سازیاں ۔ نظمی پیشین گوئیاں اور اسی قسم کی واھیات چیزیں جن کی ایک بڑی مقدار اس صدی اور آیندہ صدیوں میں ظاھر ھوئی تھی یاد ھیں ۔ میں نہیں کہتا کہ پکے عیسائیوں نے اس قسم کی سب کتابوں کو موضوع کہا تھا برخلاف اس کے اغلب یہ ھے کہ ان کے جزو اعظم کے موجد فرق جات نسطیق بانی ھوئے تھے مگر اس بات سے کہ پکے عیسائی اس قصور سے محض مبرا نہ تھے صریح انکار نہیں ھو سکتا" (ایکلزیاسٹکل ھسٹری باب ۳ صفحہ ۷۰ مطبوعہ ۱۸۶۰ء) ۔

ایک اور مقام پر موشیم نے اُسی مضمون کو اس طرح پر لکھا ھے " لیکن اس کا اس قدر جلد عمل میں آتا مختلف اسباب پر موقوف تھا بالخصوص یہ امر کہ حضرت مسیح کے صعود کے بعد بھی ان کی سوانح عمری اور احکامات کی بہت سی تواریخیں جن میں جھوٹے قصے اور کہانیاں بھری ھوئی تھیں ایسے لوگوں نے شاید مرتب کی تھیں جن کے ارادے شائد برے نہ تھے بلکہ وہ وھمی سادہ مزاج اور مقدس جھوٹ کے عادی تھے اور بعد ازاں مختلف موضوع تصنیفات بنام نہاد حواریان مقدس سارے جہان میں مشہور

کی گئیں" (ایکلزیاسٹکل ہسٹری (سیرت) حصہ دوم باب ۲ صفحہ ۳۶) ۔

## اس طرزِ تحریر کے بیان میں جو روایات کے لکھنے میں مستعمل کیا گیا تھا

اس بات کے ظاہر کرنے کو کہ حدیث ایک شخص سے دوسرے تک کس طرح پہنچی محدثین نے چند کلمات بہ طور اصطلاح کے مقرر کیے تھے اور اسی لیے حدیث کے ہر ایک راوی پر واجب تھا ۔ کہ انہیں کلمات مخصوص سے جو اس حدیث کے واسطے موزوں ہوں حدیث کو شروع کرے اور یہ اس لیے کیا گیا تھا کہ ہر حدیث پر بہ لحاظ بیان کے اسی قدر اعتبار کیا جاوے جس درجہ اعتبار کے وہ سزاوار ہو ۔

کلمات مذکورہ یہ ہیں (۱) "حدثنا" یعنی اس نے مجھ سے کہا (۲) "سمعتہ یقول" یعنی میں نے اس کو کہتے سنا (۳) "قال لنا" یعنی اس نے مجھ سے کہا (۴) "ذکرنا" یعنی اس نے مجھ سے ذکر کیا (۵) "اخبرنا" یعنی اس نے مجھ کو خبر دی (۶) "انبانا" یعنی اس نے مجھ کو آگاہ کیا (۷) "عن فلان" یعنی اس سے ۔

اول کے چار کلمے صرف اس صورت میں استعمال کیے جاتے تھے جب کہ کوئی راوی کسی دوسرے شخص سے حدیث کے الفاظ بجنسہ بیان کر دیتا تھا ۔ پانچواں اور چھٹا کلمہ اس مقام پر استعمال کیا جاتا تھا جب کہ کوئی راوی اپنے سے اوپر کے راوی سے کسی امر یا واقعہ کی صحت یا عدم صحت کی نسبت دریافت کرتا تھا ۔ اخیر کلمہ ایک مبہم کلمہ ہے اور اسی وجہ سے یہ امر منقح نہیں ہو سکتا کہ اخیر راوی نے جو دوسرے

راوی کا نام لیا ہے وہ حدیث درحقیقت اُس راوی نے بیان کی ہے یا اُس کے اور اخیر راوی کے درمیان اور لوگ روایت کرنے والے بھی چھوٹ گئے ہیں - اس اشتباہ کے رفع کرنے کو خارجی امور کی تحقیقات ضرور ہوتی ہے - مگر اُن کی نسبت علماء کی مختلف رائیں ہیں -

ایک رائے یہ ہے کہ اگر یہ محقق ہو جاوے کہ وہ راوی سلسلہ روایت میں اور راویوں کے نام بہ فریب چھوڑ دینے میں متہم نہیں ہے اور وہ ایسے زمانے میں اور ایسے مقام پر رہتا تھا کہ ان کا ایک دوسرے سے ملاقی ہونا ممکن تھا - گو کہ اس ملاقات کا ثبوت نہ ہو تو بھی یہ فرض کر لیا جا سکتا ہے کہ اُن دونوں کے درمیان کوئی اور راوی نہیں چھوٹا ہے -

دوسری رائے جو بعض علمائے مستند کی رائے ہے یہ ہے کہ اس امر کا ثابت ہونا بھی ضرور ہے کہ وہ دونوں اپنی تمام عمر میں ایک مرتبہ بھی ملاقی ہوئے ہوں -

تیسری رائے جو بعض علماء کا قول ہے یہ ہے کہ اس امر کا ثبوت بھی ضرور ہے کہ وہ اتنے عرصہ تک یک جا رہے ہوں جو اُن کے ایک دوسرے سے حدیث سیکھنے کے واسطے کافی ہو -

چوتھی رائے بعض عالموں کی یہ ہے کہ اس امر کا ثبوت بھی ضرور ہے کہ ایک نے دوسرے سے در حقیقت حدیث سیکھی بھی تھی -

## درجاتِ احادیث کے بیان میں ایک راوی سے دوسرے تک پہنچنے کے لحاظ سے

جب کبھی کوئی حدیث بیان ہوتی ہے اُس کا رتبہ سلسلہ روایت سے جانچا جاتا ہے اور اُس کی شناخت کے لیے الفاظ مصطلح مقرر کیے گئے ہیں -

اول : ” مسند یا مرفوع “۔ یہ لقب اُس حدیث کو دیا جاتا ہے جب کہ راوی صاف صاف بیان کرتا ہے کہ فلاں بات خود پیغمبر خدا نے بیان فرمائی تھی یا خود کی تھی یا اوروں نے اُن کے روبرو کی تھی اور آپ نے منع نہیں فرمایا تھا ۔

دوم : ” مرفوع متصل “۔ اگر ایسی حدیث کے راویوں کا سلسلہ پیغمبر خدا تک لگاتار یعنی بلافصل پہنچتا ہو تو اس کو یہ لقب دیا جاتا ہے ۔

سوم : ” مرفوع منقطع “۔ اگر ایسی حدیث کے راویوں کا سلسلہ بلافصل پیغمبر خدا تک نہ پہنچے تو اُس حدیث کو یہ لقب دیا جاتا ہے ۔

چہارم : ” مرسل یا موقوف “۔ یعنی وہ حدیث جس کو پیغمبر خدا کے اصحاب نے بیان کیا ہو ۔ مگر پیغمبر خدا سے منسوب نہ کیا ہو ۔

پنجم : ” مرسل یا موقوف متصل “۔ اگر راویوں کا سلسلہ اُس صحابی تک جس نے اُس کو بیان کیا ہے بلافصل چلا گیا ہو تو اُس حدیث کو یہ لقب دیا جاتا ہے ۔

ششم : ” مرسل یا موقوف منقطع “۔ لیکن اگر راویوں کا سلسلہ اُس صحابی تک مسلسل نہ ہو تو اُس حدیث کا یہ لقب ہوتا ہے ۔

اس بات میں کہ آیا حدیث ” مرسل یا موقوف متصل “ کو معتبر اور قابل استدلال خیال کرنا چاہیے یا نہیں علماء میں اختلاف رائے ہے ۔ لیکن صحابہ کی ایسی حدیث جس میں ایک ایسے واقعہ یا مقام کا مذکور ہو جہاں وہ خود موجود نہیں تھے تو اُس حدیث کو کسی طرح بغیر اور کسی سند کے حدیث نبوی کے ہم پایہ نہیں سمجھا جا سکتا ۔ اُن علما کی رائے نہایت صحیح اور

قرین انصاف ہے جو دربارہ نزول وحی کے حضرت عائشہ کی روایات کو قابل سند نہیں خیال کرتے کیوں کہ وہ اُس زمانے میں موجود نہ تھیں ۔

ھفتم : ” مقطوع “۔ یعنی وہ حدیثیں جو تابعین نے بیان کی ھیں اور اُن کو اپنے سے اوپر کے صحابہ کی طرف منسوب نہیں کیا ہے ۔

ھشتم : ” مقطوع متصل “۔ اگر ایسی حدیث کے راویوں کا سلسلہ اُس تابعی تک برابر چلا جاوے تو اُس حدیث کا یہ نام ہے ۔

نهم : ” مقطوع منقطع “۔ اگر اس کا سلسلہ اُس تابعی تک نہ پہنچے تو اُس حدیث کو اس نام سے پکارتے ھیں ۔

دھم : ” روایت “ - یہ اقسام مندرجہ بالا سے بالکل علیحدہ ہے ۔ یہ نام اُن حدیثوں کا ہے ۔ جو اس طرح پر شروع ھوتی ھیں ۔ ” یہ بیان کیا گیا ہے “ یا ” فلاں شخص نے یوں روایت کی ہے ۔“ اس قسم کی روایتیں بازاری گپ سے کچھ زیادہ قابل اعتبار نہیں ھیں ۔ ایسی ھی روایتوں سے ہمارے مفسرین و مؤرخین نے اپنی تصنیفات کا حجم بڑھا لیا ہے اور ایسی ھی واھیات اور بیہودہ باتوں سے ھشامی ۔ طبقات کبیر ۔ کاتب الواقدی وغیرہ کتابیں سیر و تواریخ کی پایہ اعتبار سے ساقط گنی جاتی ھیں اور جو مایۂ افتخار و ناز اُن عیسائی مصنفوں کا ہے جو مذہب اسلام کے برخلاف کتابیں لکھتے ھیں ۔

## درجات احادیث کے بیان میں بہ لحاظ راویوں کے چال چلن یعنی اُن کے ثقہ اور غیر ثقہ ھونے کے

جب کبھی کسی حدیث کے درجہ صحت کا امتحان راویوں کے ثقہ اور غیر ثقہ ھونے کے لحاظ سے کیا جاتا ہے تو اُس کا درجہ بہ ترتیب ذیل قرار پاتا ہے ۔

اول : ”صحیح“۔ اس نام سے وہ حدیث موسوم ہوتی ہے جس کے تمام راوی اول سے آخر تک پکے دین دار اور متقی اشخاص ہوں اور کبھی کسی قسم کے برائی کے ساتھ متہم نہ ہوئے ہوں بلکہ تدین اور صدق مقال کے واسطے مشہور اور سب لوگوں کے نزدیک مسلم ہوں ۔

ایسی حدیثوں کا درجہ اعتبار اس سبب سے اور بھی بڑھ جاتا ہے جب کہ اس قسم کے راویوں نے علیحدہ علیحدہ بلا کسی اختلاف کے اسی حدیث کو بیان کیا ہو مگر ایسی حدیثیں نہایت ہی قلیل ہیں ۔

دوم : ”حسن“۔ اس ملقب سے وہ حدیثیں ملقب ہوتی ہیں جن کے تمام راوی اوصاف حمیدہ میں اول قسم کی حدیث کے راویوں کی کوئی ہم سری نہ کر سکتے ہوں مگر با ایں ہمہ پرہیزگاری اور عام ثقاہت کے ساتھ متصف ہوں اور اس حدیث کی اصلیت بھی غیر مشتبہ ہو ۔ اس قسم کی بے شمار حدیثیں ہیں جن سے معتبر کتب احادیث مملو ہیں ۔

سوم : ”ضعیف“۔ یہ نام ان حدیثوں کو دیا جاتا ہے جن کے تمام راویوں میں سے ایک شخص بھی اول یا دوم قسم کے راویوں کی مانند نہ ہو ۔ ان احادیث کے ضعف کا درجہ دیگر اسباب سے بھی زیادہ یا کم ہو جاتا ہے ۔ ہمارے ہاں کی کتب احادیث جو دوسرے درجہ کی کہلاتی ہیں اسی قسم کی احادیث سے بھری پڑی ہیں ۔

چہارم : ”غریب“۔ یہ لقب ان حدیثوں کا ہے جن کے راویوں میں سے کسی نے بجز ایک آدھ حدیث کے اور کوئی حدیث نقل نہ کی ہو جس سے یقین ہوتا ہے کہ وہ فن حدیث میں کچھ تبحر نہیں رکھتا ۔

# راویوں کے درجۂ اعتبار کے بیان میں آن کے تفقّہ فی الدین کے لحاظ سے

تمام صحابہ کبار اور تابعین اور تبع تابعین جب کوئی حدیث آں حضرت کی بیان کرتے تھے تو ان کے الفاظ بعینہ وھی نہیں ھوتے تھے جو آں حضرت نے فرمائے ھوں اور ایسا کرنا امکان سے بھی خارج تھا مع ھذا خیال کیا گیا ھے کہ بعض دعائیں ایسی ھیں جن کے الفاظ بجنسہ محفوظ ھیں ۔ غرض کہ تمام حدیث کے راویوں میں حدیث کو بالمعنی روایت کرنے کا رواج تھا ۔ پس یہ بات قرین قیاس ھے کہ جو لوگ زیادہ علم رکھتے تھے اور تفقہ فی الدین کا آن کو زیادہ ملکہ تھا وہ آں حضرت کے کلام کا بہ نسبت اوروں کے اچھی طرح پر مطلب سمجھتے ھوں گے اور اوروں کو بھی ٹھیک طور پر بخوبی سمجھا سکتے ھوں گے اس واسطے راویوں کے باعتبار آن کے علم کے سات درجے کیے گئے ھیں ۔

اول : وہ جو علم اور تفقہ میں زیادہ تر ممتاز تھے ۔ اور حافظہ بھی قوی رکھتے تھے ۔ ایسے اشخاص آئمہ حدیث کہلاتے ھیں ۔

دوم : وہ جو پہلوں سے کم درجہ رکھتے تھے ۔ اور جن سے شاذ و نادر ھی کسی غلطی کے سرزد ھونے کا احتمال تھا ۔

سوم : وہ جنھوں نے مسائل مذھبی میں اختلاف کیا تھا مگر ان کو اس قدر تعصب نہیں ھوگیا تھا کہ اعتدال سے متجاوز ھو گئے ھوں اور نیز آن کے تدین اور صدق کلام میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں تھا ۔

چہارم : وہ جن کے حالات کی نسبت کچھ اچھی طرح آگاھی نہیں ھے ۔

پنجم : وہ جنھوں نے مسائل مذھبی مین اختلاف کیا تھا

مگر اُن کا تعصب حد اعتدال سے متجاوز هو گیا تها ۔

ششم : وہ جن کی طبیعت میں شک اور وهم بڑها هوا تها اور ان کا حافظه بهی قابل اعتبار کے نه تها ۔

هفتم : وہ جو جهوٹی حدیثیں بنانے میں مشهور اور بدنام تهے ۔

علمائے دین کی یه رائے هے که اول تین درجے کے لوگوں کی بیان کی هوئی حدیثوں کو باعتبار اُن کے مراتب کے صحیح خیال کرنا چاهیے اور اخیر کے تین درجے کے لوگوں کی بیان کی هوئی حدیثوں کو بلا تامل رد کر دینا چاهیے ۔ باقی رہ گئے چوتهے درجه کے لوگ اُن کی بیان کی هوئی حدیثوں کو جب تک که اُن کے راویوں کا حال معلوم نه هو قابل اعتبار سمجهنا نه چاهیے ۔

## جو روایتیں که یهودیوں کے هاں مذکور تهیں اُن کے بیان کرنے سے مسلمانوں کو ممانعت نه تهی

آن حضرت نے فرمایا تها که یهودیوں کے هاں جو روایتیں هیں اُن کے بیان کرنے میں کچه حرج نهیں هے ۔ چناں چه اس کی تصدیق اُس حدیث سے هوتی هے جو بخاری میں مذکور هے اور اسی وجه سے مسلمان یهودیوں کی روایتوں کے بیان کرنے میں کچه مضائقه نهیں سمجهتے اور وہ حدیث یه هے ۔

عن عبدالله ابن عمر قال قال رسول الله صلعم بلغوا عنی ولو آیة وحدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج و من کذب علیّٰ متعمدا

عبدالله بن عمر کہتے هیں رسول الله صلی الله علیه وسلم نے فرمایا که پهنچاؤ مجه سے اگرچه ایک هی آیت هو ۔ اور حدیث بیان کرو بنی اسرائیل سے اس میں کچه حرج نهیں هے ۔ اور جو شخص قصداً مجه پر جهوٹ

فلیتبوء مقعده من النار بولے گا ۔ تو اس کو اپنا ٹھکانا
(رواہ البخاری) ۔ آگ میں بنانا چاہیے (بخاری) ۔

## روایات میں اختلاف ہونے کے اسباب

جب کبھی ہم راویوں کی روایتوں میں اختلاف دیکھیں تو ہم کو یہ نتیجہ نکالنا نہیں چاہیے ۔ کہ یہ روایتیں راویوں کی بناوٹ ہے جیسا کہ عیسائی مؤرخ عموماً خیال کرتے ہیں اس لیے احادیث موضوعہ کے سوا اور بھی قدرتی اسباب ایسے موجود ہیں جن کی وجہ سے روایات میں اختلاف پڑنا ممکن الوقوع ہے ۔ چناں چہ ہم ان قدرتی اسباب کو بیان کرتے ہیں جن کے سبب روایتوں میں اختلاف پڑتا ہے ۔

اول : حدیث کے مطلب کی غلط فہمی ۔

دوم : حدیث کے معنی سمجھنے میں دو راویوں کا باہم اختلاف ۔ یعنی ایک ہی حدیث کے ایک نے کچھ معنی سمجھے اور ایک نے کچھ ۔

سوم : حدیث کا مطلب لوگوں سے صاف صاف بیان کرنے کی عدم قابلیت ۔

چہارم : راوی کے حافظہ کا قصور کہ یا تو اس نے کسی حدیث کا کوئی جزو چھوڑ دیا ۔ یا دو مختلف حدیثوں کو باہم خلط ملط کر دیا ۔

پنجم : راوی کا کسی جزو حدیث کی تفصیل کا بیان کرنا اس غرض سے کہ سننے والا بآسانی اس کو سمجھ جائے لیکن سننے والے نے از راہ غلطی اس تفصیل کو بھی حدیث کا جزو سمجھا ۔

ششم : راوی نے اپنی گفتگو میں جناب پیغمبر خدا کے

چند کلمات بیان کیے اور سننے والوں نے اُس کے تمام کلام کو حدیث سمجھ لیا ۔

ھفتم : کسی راوی نے یہودیوں کی روایتیں بیان کیں اور سننے والے نے ان کو غلطی سے حدیث سمجھ لیا اور اسی ذریعے سے یہودیوں کی روایتوں کا اختلاف مسلمانوں کے ھاں منتقل ھو آیا ۔ اگلے نبیوں اور بزرگوں کے قصے جن سے ھمارے ھاں کی تاریخیں اور تفسیریں سیاہ ھیں سب انھیں ذریعوں سے پیدا ھوئے ھیں ۔

ھشتم : وہ اختلافات جو زبانی روایات کے سلسلہ سے خود بخود عارض ھوتا ھے اور اسی ذریعہ سے معمولی باتیں معجزات اور کرامات کی صورت پیدا کر لیتی ھیں ۔

نھم : مختلف حالات جن میں کہ راوی نے آں حضرت کو دیکھا تھا یا کچھ فرماتے سنا تھا یا کرتے دیکھا تھا ۔

یہ تمام اسباب ایسے ھیں جن کے سبب سے بغیر ارادہ تصنع کے قدرتی طور پر روایتوں میں اختلاف پڑ جاتا ھے ۔ من جملہ اُن کے نویں قسم ایسی ھے کہ باوجود اختلاف کے کل روایتوں کا سچا ھونا ممکن ھے ۔

## موضوع حدیثوں کا بیان

اس میں کچھ شک نہیں ھے کہ بہت سی حدیثیں جناب پیغمبر خدا کے نام سے جھوٹی اور موضوع بنائی گئیں اور جو لوگ ایسی شرم ناک جعل سازی کے مرتکب ھوئے تھے وہ مختلف قسم کے لوگ تھے ۔

اول : وہ لوگ تھے جو عوام الناس میں کسی نیک رسم یا کسی ثواب کے کام کی ترویج کے خواھاں تھے اور اپنے کام یاب

ہونے کی غرض سے اُنھوں نے کوئی حدیث بنا لی ۔ اس قسم کی جعل سازی زیادہ تر اُن حدیثوں سے متعلق ہے جن میں چھوٹے چھوٹے نیک کاموں کے کرنے میں بڑے بڑے ثواب بیان کیے ہیں اور نوافل کے پڑھنے میں گناہوں کے بخشے جانے اور قیامت میں اعلیٰ درجے ملنے کے وعدے کیے گئے ہیں ۔ قرآن کی سورتوں کے پڑھنے کی عجیب عجیب خاصیتیں بیان کی گئی ہیں ۔ بیماریوں سے شفا پانے اور رزق میں فراخی ہونے کی خاصیتیں یا بعض قرآن کی سورتوں کا قیامت میں گناہ بخشوانے کے لیے شفیع ہونا بیان ہوا ہے ۔ ان موضوع حدیثوں کے بنانے والوں کا منشاء یہ تھا کہ لوگ نیک کاموں میں اور قرآن مجید کی تلاوت اور نوافل کے ادا کرنے پر زیادہ متوجہ ہوں ۔ لیکن مذہب اسلام اس قسم کے فریبوں اور جھوٹوں کو پناہ نہیں دیتا بلکہ اُن کو جہنم کی آگ میں ڈالتا ہے ۔

دوم : واعظین نے اس غرض سے کہ اُن کے گرد بہت سے لوگ جمع ہو جاویں اور سننے والے عجیب و غریب باتوں کے سننے سے خوش ہوں اور نیز اس غرض سے کہ سننے والوں کے دل میں نرمی اور رحم اور خدا ترسی اور رقت قلب اور نیک کاموں کی رغبت پیدا ہو اور برے کاموں کی دہشت اُن کے دل میں پیدا ہو اور خدا کا خوف اور نجات کی اُمیدیں اُن کے دل میں بھڑک اُٹھیں بہت سی حدیثیں موضوع کر لیں ۔ مگر افسوس ہے کہ اُن کو یہ خیال نہیں آیا کہ اُن کے ان افعال سے مذہب اسلام بالکل نفرت کرتا ہے ۔ یہ حدیثیں زیادہ تر دوزخ اور بہشت اور ملائک کے حالات وغیرہ سے علاقہ رکھتی ہیں ۔

سوم : وہ لوگ ہیں جنھوں نے مذہب کے مسائل میں اختلافات کیے اور اُس تعصب میں جادۂ اعتدال سے بڑھ گئے اور

اپنی دلیلوں میں غلبہ حاصل کرنے کی غرض سے اس قسم کی حدیثیں وضع کر لیں جو اُن کے مفید مطلب ہوں -

چہارم : مخالفین مذہب اسلام نے جو اُس زمانہ میں زیادہ تر یہودی اور مشرکین تھے - بہت سی باتیں سچ اور جھوٹ آں حضرت کی نسبت مشہور کی تھیں اور وہ عرب میں پھیل گئی تھیں - رفتہ رفتہ بطور روایت کے بیان ہونے لگیں اور لوگوں نے غلطی سے اُن کو حدیثوں میں شمار کیا -

ہمارے علماء نے احادیث موضوع اور غلط روایت مروجہ کے دریافت کرنے میں از حد کوشش کی ہے اور اس باب میں اکثر کتابیں تصنیف ہوئی ہیں اور صحیح اور باطل روایتوں کی تحقیق اور تمیز کرنے کے لیے قواعد اور اصول منضبط کیے ہیں -

مقدم اصول جو اس امر کی تحقیق کے لیے علماء نے قرار دیے ہیں وہ یہ ہیں کہ احادیث کے الفاظ اور طرز عبارت کا امتحان کیا جائے - ہر حدیث کے مضمون کو قرآن مجید کے احکام اور عقاید و مسائل مذہبی مستخرجہ قرآن اور احادیث مستند سے مقابلہ ہو - احادیث کے منشاء اور بیان کی تحقیق اور تدقیق کی جاوے کہ اُس میں کوئی ایسا تاریخی واقعہ تو نہیں ہے جو ازروئے تاریخ کے غلط ہو یا اُس میں ایسے عجائبات تو نہیں بیان ہوئے جن کو عقل تسلیم نہ کرتی ہو - جن حدیثوں میں اس قسم کی باتیں پائی جاتی ہیں وہ موضوع خیال کی جاتی ہیں -

مختصر طور پر اس کتاب کے پڑھنے والے جان لیں گے کہ جن احادیث کو ہم مسلمان قابل سند خیال کرتے ہیں اُن میں کم سے کم مندرجہ ذیل امور کا لحاظ ضرور بالضرور ہونا چاہیے - یعنی راوی نے صاف اور مصرح طور پر بیان کر دیا ہو کہ فلاں بات پیغمبر خدا نے فرمائی تھی یا کی تھی - سلسلہ راویوں

کا پیغمبر خدا تک غیر منقطع ہو ۔ پیغمبر خدا سے لے کر اخیر
راوی تک جملہ راوی تقویٰ اور تدین اور نیک اعمال کے لیے
مشہور ہوں ۔ ہر راوی کو اپنے ما سبق راوی سے ایک سے
زیادہ حدیثیں پہنچی ہوں ۔ ہر راوی لیاقت علمی اور تفقہ میں
ممتاز ہو تاکہ یہ امر متیقن ہو جاوے کہ اُس نے حدیث کے
صحیح معنی کو سمجھ لیا ہوگا اور اوروں کو بھی ٹھیک طور
سے سمجھا دیا ہوگا ۔ حدیث کا منشاء احکام مندرجہ قرآن مجید یا
عقاید مذہبی مستخرجہ قرآن یا حدیث مستند سے متناقض نہ ہو ۔
اس میں عجائبات و غرائبات دور از عقل بیاں نہ ہوں بلکہ منشاء
حدیث کا اس قسم کا ہو جس کے تسلیم کرنے میں لوگوں کو
کلام نہ ہو ۔

کوئی حدیث جس کی صحت اس طرح ثابت ہو جاوے
کسی عقیدۂ مذہبی کی بناء ہو سکتی ہے ۔ مگر با ایں ہمہ اُس میں
ایک اور شبہ کا عارض ہونا باقی رہ جاتا ہے یعنی وہ حدیث
اس لیے کہ صرف ایک ہی شخص کی روایت ہے مفید یقین نہیں
ہو سکتی بلکہ افادۂ ظن کرتی ہے ۔

اس شبہ کے سبب سے احادیث مستندہ کے بھی تین درجے
قائم کیے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں : (۱) متواتر ، (۲) مشہور ،
(۳) خبر آحاد ۔

متواتر ۔ وہ حدیثیں کہلاتی ہیں جن کو جناب پیغمبر خدا
کے زمانہ سے لے کر جملہ اصحابۂ کبار اور علمائے دین نے
ہر ایک زمانہ میں ۔۔ در پے بالاتفاق صحیح اور مستند تسلیم
کر لیا ہو اور اُن میں کسی نے کبھی کوئی جرح و قدح نہ کی ہو
ہر زمانے کے علماء کا قول ہے کہ صرف قرآن مجید ہی حد تواتر
کو پہنچا ہے مگر بعض حدیثوں کو بھی متواتر بتاتے ہیں اور

اُن کی تعداد پانچ سے متجاوز نہیں ہوتی - ایسی احادیث پر بلاتکلف اعتبار کرنا اور اُن پر معتقدانہ عمل کرنا واجب ہے -

مشہور - اُن حدیثوں کو کہتے ہیں جو تواتر کے درجہ تک نہ پہنچی ہوں مگر زمانے کے عالموں نے اُن کو صحیح تسلیم کیا ہو - یہ وہ حدیثیں ہیں جو ہماری کتب حدیث میں جو معتبر گنی جاتی ہیں منقول ہیں اور اس باعث سے اُن کی صحت بالعموم مسلم ہے اور ہمارے بعض عقائد مذہبی بھی اُن پر مبنی ہیں گو کہ وہ درایتاً تنقیح اور تنقید کے امتحان سے بری نہیں ہیں -

خبر آحاد - ان حدیثوں کا نام ہے جو مذکورہ بالا حدیثوں کے اوصاف تک نہیں پہنچیں اور اسی قسم کی حدیثیں بہت کثرت سے حدیث کی کتابوں میں ہیں - علمائے اسلام اس باب میں کہ اس پچھلی قسم کی حدیثوں پر کوئی عقیدہ مذہبی مبنی ہو سکتا ہے یا نہیں مختلف الرائے ہیں -

جن لوگوں نے کہ احادیث کے جمع کرنے کا بوجھ اُٹھایا تھا ان میں سے جو سب سے اعلیٰ اور افضل اور ائمہ حدیث کہلاتے تھے اُنھوں نے اپنی ہمت صرف اس بات پر مصروف کی تھی کہ راویوں کے اعتبار کی کماحقہ تحقیق کرنے کے بعد حدیثوں کو لکھیں اور انھیں لوگوں کی لکھی ہوئی کتابیں صحاح میں داخل ہیں - اور بعضوں نے اس بات پر ہمت مصروف کی تھی کہ جس قدر حدیثیں ان کو ملیں وہ جمع کر لیں اُنھیں کی لکھی ہوئی کتابیں دوسرے درجہ کی گنی جاتی ہیں - اس میں کچھ شک نہیں کہ جامعین حدیث نے ایسی کسی حدیث کو نہ اختیار کیا ہوگا جو علانیہ بادی النظر میں غلط ہو مگر جس قدر کہ حدیثیں اُنھوں نے منتخب کر کے جمع کر لیں - اس پر اُن کو ازروئے درایت کے تحقیق اور تدقیق کرنے کا موقع نہیں

ملا - اُنھوں نے یہ کام اپنے سے بعد کے لوگوں پر چھوڑا تھا - افسوس ہے کہ اُن کے بعد اُن کی حدیثوں کی ایسی وقعت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی تھی کہ اُن کو بجز خاص علمائے محققین کے درایتاً اُن حدیثوں کی تنقیع اور تنقید کی جرأت نہیں ہوئی - مگر ازروئے مذہب اسلام کے ہر ایک مسلمان کا حق ہے کہ اُن کی حدیثوں کی درایتاً تنقیح اور تنقید کرے - ہمارے مؤرخین نے اور مفسرین نے جو کام اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ تمام دلدر اور ناقص اور ضعیف حدیثوں کو اپنی تصنیفات میں جگہ دیتے ہیں -

عیسائی عالم جو کسی حدیث کے درجہ صحت اور تحقیق کے اُن قواعد سے جو علمائے اسلام نے مقرر کیے ہیں محض ناواقف ہوتے ہیں اور درایت کے تو نام سے بھی واقف نہیں ہیں جب کوئی ایسی کتاب پڑھتے ہیں جس میں بجز بد ترین احادیث اور روایات کے اور کچھ نہیں ہوتا تو اپنے دل میں سمجھ لیتے ہیں کہ جزئیات اسلام سے واقف ہو گئے اور ہمارے مذہب کی نکتہ چینی اور تضحیک شروع کرتے ہیں اور جب کہ اُن کی یہ مایہ افتخار تصنیفیں مسلمانوں کی نظر سے گزرتی ہے تو اُس کا نتیجہ صرف یہ ہوتا ہے کہ مصنفین کی بے علمی اور تعصب پر جو اُن کی تصنیفات سے مترشح ہوتی ہے ھنستے ہیں اور اُن کی بے فائدہ صرف اوقات پر افسوس کرتے ہیں -

## سر ولیم میور اور دیگر عیسائی مصنفوں کے شبہات کی تردید

اگرچہ ہم نے مسلمانوں کی روایتوں کا پورا پورا اور بہ تفصیل بیان کیا ہے تاہم بہ نظر مزید تحقیق اُس آگاھی کو نظر انداز نہیں کر سکتے جو ہم کو اپنے نبی کی سوانح عمری

لکھنے والے دو لئیق عیسائی مصنفوں سے حاصل ہوئی ہے یعنی اے اسپرنگر ایم ڈی اور سر ولیم میور ایل ایل ڈی سے -

ڈاکٹر اسپرنگر نے مسلمانوں کی روایتوں اور راویوں کی نسبت بہت تھوڑا بیان کیا ہے اور اُس تھوڑے ہی بیان سے اُن کے اس مضمون سے بہت کم واقفیت ظاہر ہوتی ہے یہاں تک کہ اُن کی مثال ٹھیک ٹھیک اُس شخص کی سی ہے جو نہایت تاریکی میں پڑا ہو اور نور کی حقیقت کی تلاش میں تعصب اور کم فہمی سے جھوٹے شبہوں سے دھوکا کھا کر راہ گم کر گیا ہو اور بے اصل چیزوں کی پیروی میں اصل چیز کو بھی ہاتھ سے کھو دیا ہو - مگر اُن کا ایک بیان قابل غور ہے وہ کہتے ہیں کہ کتب دینیات اہل سنت و جماعت کے ہاں چھ کتابیں سب سے معتبر ہیں یعنی صحیح بخاری ' مسلم ، سنن ابو داؤد ، ترمذی ، نسائی ، ابن ماجہ - ان کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں جو اکثر کتب سابق پر مبنی ہیں جن کی سنیوں کے ہاں بہت قدر ہے - مثلاً (واضح ہو کہ بعض ناموں کی صحت جو انگریزی میں لکھے ہوئے تھے نہیں ہو سکی) دارمی ' دارقطنی ، ابن عیینہ ، اصمعی ، برقانی ، احمد سنی ، بیہقی ، حمیدی خطابی ' بغوی ، رزین ، جرزی ، ابن الاثیر ' مبارک ، ابن جوزی ، نووی -

اب اول تو یہ اخیر کی چودہ کتابیں اُن میں سے جس قدر سے کہ ہم واقف ہیں پہلی چھ کتابوں پر مبنی نہیں ہیں سوائے مشکواۃ کے جو بغوی کی ہے اور اکثر ان میں کی غیر معتبر اور غیر مستند ہیں اور اُن میں جو حدیثیں مذکور ہیں وہ ان چھ کتابوں میں نہیں ہیں دوسرے یہ کہ کوئی حدیث ہو خواہ وہ پہلی قسم کی کتابوں میں ہو خواہ دوسری قسم کی کتابوں میں نہ کسی مذہبی عقیدہ کی بناء قرار پاتی ہے - نہ صحیح اور مستند تسلیم ہوتی ہے جب تک کہ

وہ اُن قواعد سے جو اوپر مذکور ہوئے صحیح نہ ثابت ہوئی ہو ۔

سر ولیم میور نے کسی قدر طوالت کے ساتھ اسلام کی روایتوں اور راویوں کی نسبت بحث کی ہے مگر ہم بافسوس بیان کرتے ہیں کہ اُن کی طرز تحریر سے صاف منکشف ہوتا ہے کہ قبل اس کے کہ ایک غیر متعصبانہ اور آزادانہ تحقیق اور جائز اور منصفانہ دلیل سے کوئی نتیجہ مستخرج کریں ۔ اُن کے دل میں یہ بات سمائی ہوئی تھی کہ یہ سب روایتیں جھوٹی اور لوگوں کی محض بناوٹیں اور احادیں ہیں اور اول ہی سے اس بات کا قصد کر لیا ہے کہ ان سب روایتوں کو ایسا ہی ثابت کریں وہ امر حق کی تحقیق کرنا نہیں چاہتے گو وہ امر حق کچھ ہی کیوں نہ ہو جس کی تحقیق ہر بے غرض مصنف کا اصلی منشاء ہوتا ہے یا کم سے کم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہونا چاہیے ۔ اُن کے طرز استدلال ہی سے اُن کی غرض ظاہر ہو جاتی ہے ۔ وہ اس فقرہ سے مطلب کو آغاز کر کے کہ ”اگلے مسلمانوں کی عادتیں روایت کے رواج کی موید تھیں“ فرماتے ہیں کہ ”اپنے نبی کے کاموں اور باتوں سے زیادہ اور کس مضمون پر مسلمانان سابق سرگرمی سے بحث کرتے“ اس کے بعد صاحب موصوف یہ رائے بیان کرتے ہیں کہ ”ان روایات ہی نے امتداد زمانہ کی وجہ سے محمد (صلعم) کو عجیب و غریب اوصاف سے متصف کر دیا ۔ اُن کے پیروؤں کے دل میں نا دانستہ یہ خیال گزرا کہ محمد (صلعم) کو انسانی طاقت سے بڑھ کر قدرتیں حاصل ہیں . . . اسی مادہ سے اس قدر کثیر روایتیں وجود میں آئیں ۔ جب کبھی اُن بیانات کے امتحان کے لیے واقعات کا کوئی اندازہ سر دست موجود نہ ہوتا تو حافظے کو قوت واہمہ کی بے روک کوششوں سے مدد دی جاتی ۔“ ”صحابہ کبار کی روایتوں کی

تعظیم اور حرمت جو زمانہ ما بعد میں لوگوں کو تھی'' وہ بقول صاحب موصوف '' امتداد ایام کا اثر تھا جو لوگوں کے دلوں میں اور روایتوں پر خود بخود ہوا ہوگا ۔''

اب کہ سر ولیم میور اس طرح پر استدلال کرتے ہیں تو یہ سوال پیش آتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ نیک اور پرہیزگار شخص کا کیا حال ہوگا اگر اس کی ہر بات اور حرکت کو دغا بازی اور ریاکاری کی دھندلی اور خراب عینک سے دیکھیں اور اُس کے جملہ کلمات اور افعال کی غلط تاویل کریں اور جس قدر خراب معنی ہمارا حسد ایجاد کر سکے اُن کے اوپر عائد کریں ۔

کیا حضرت موسیٰ کے تمام معجزات '' اُن کے عصا کا سانپ کی شکل میں ہو جانا ''۔ '' ان کا یدبیضا '' ، ''دریا کا خون کی مانند ہو جانا''۔ ''مینڈکوں کی وبا ''۔ اور اور معجزات جو ان کے مصر میں ظہور پذیر ہوئے تھے ''بحر احمر میں بنی اسرائیل کے لیے رستہ کا کھل جانا'' ''من وسلویٰ کا آسمان سے نازل ہونا ۔'' ''پتھر کی منقش لوحوں کا ملنا جن پر خدا تعالیٰ نے اپنی انگشت مبارک سے لکھا تھا ۔'' خدا تعالیٰ کا بنی اسرائیل کو تمام قوموں پر ترجیح دینا اور ان کو '' میری منتخب قوم'' کے خطابات سے سرفراز کرنا اور اس قدر برکتیں اُن کو عطا فرمانا اور حضرت اسرائیل کو '' میرا پھلوٹھا '' بیٹا کہہ کر ممتاز کرنا ۔ کیا ان سب باتوں کو دل لگی کے قصے اس طرز استدلال کے طور پر جس کو سر ولیم میور نے اختیار کیا ہے نہیں کہہ سکتے ؟ جن کو اُس نبی کے سرگرم پیروؤں یعنی بنی اسرائیل نے ایجاد اور وضع کیا ہو ۔ جنھوں نے بہ سبب '' متشکیانہ تعظیم'' اور '' شائقانہ تکریم'' کے امتداد زمانہ میں اپنے نبی کو '' عجیب و غریب اوصاف سے'' متصف کر دیا ۔ کیا یہ بات بھی حضرت موسیٰ پر اسی طرح

صادق نہیں آ سکتی ہے کہ ”اُن کی وضع کی شان کو دھیان اور مراقبہ سے عروج حاصل ہوا اور جس قدر دور زمانہ اُن کے پیروؤں سے اُن کو کرتا گیا ۔ اس عجیب و غریب انسان کا نقشہ جو آسمان کے فرشتوں (بلکہ خود خدا ہی سے) بے تکلف پیغام و سلام رکھتا تھا زیادہ دھندلا لیکن زیادہ بڑا تناسب حاصل کرتا گیا ۔ دل میں نادانستہ یہ خیال گزرا کہ اُن کو انسانی طاقت سے زیادہ قدرتیں حاصل ہیں اور ایسے سامانوں سے جو انسان کے امکان سے باہر ہیں گھرے ہوئے ہیں ۔“ حضرت عیسیٰ اور اُن کے با اعتقاد اور سر گرم متبعین کا اس وقت کیا حال ہوتا اگر ہر شخص اُن روایات کو محض بناوٹی ایجاذیں سمجھ کر مضحکہ میں ڈال دینا جن میں حضرت عیسیٰ کی کراماتی پیدایش اور حضرت عیسیٰ کا از سر نو زندہ ہونا اور اپنے مجروح ہاتھ اپنے متبعین کو دکھلانا اور اُن کا آسمان پر چڑھ جانا اور اللہ تعالیٰ کے دست راست کی طرف بیٹھنا یعنی حسبِ قانون وحدت فی التثلیث کے اپنے ہی دست راست کی طرف بیٹھنا مذکور ہے ۔

لیکن عقل و فہم کی تعظیم ہم کو اُن لوگوں کی احادیث اور افعال پر عیب رکھنے اور اُن کی بد ترین تاویل کرنے سے مانع آتی ہے جنھوں نے تقویٰ اور نیک اعمال کی وجہ سے شہرت اور عظمت حاصل کی ہو ۔ اور اس امر سے بھی البتہ انکار نہیں ہو سکتا ۔ کہ ہر مصنف کو لازم ہے کہ جب اوروں کی تحریرات اور تصنیفات کی چھان بین کرنے کا ارادہ کرے تو اپنے آپ کو تعصب اور کم ظرفی سے پاک اور صاف کر لے ۔

محمد رسول اللہ کے اصحاب اور خلفاء ایسے لوگ تھے جنھوں نے اپنے آپ کو محض خدا تعالیٰ کی طرف مصروف کر دیا تھا وہ امر حق کو مانتے تھے اور اس جہان فانی کو نظر حقارت سے دیکھتے

تھے وہ ایمان دار صادق القول اور نیک طینت تھے اور ہمارے احادیث کے جمع کرنے والوں نے بدیں غرض کہ احادیث نبوی کا ایک مجموعہ ہو جاوے دور دراز کے سفر اختیار کیے تھے۔ انھوں نے حکام وقت کے ہاتھ سے سخت تکلیفیں برداشت کی تھیں۔ اُن کو بے شمار دقتیں پیش آئیں اور ایسی ایسی مصیبتیں اور اذیتیں سہنی پڑیں جو بہ مشکل خیال میں آسکتی ہیں۔ بایں ہمہ اُنھوں نے کبھی اپنے کام سے پہلوتہی نہیں کی اور اُن کو انجام تک پہنچایا جس سے صریح ثابت ہے کہ اُن کو دینی اور نیک نیت وجہوں سے اس امر کی تحریک ہوئی تھی۔ اور ہم کسی طرح مجاز نہیں ہو سکتے کہ اُن کے افعال کو ریاکاری اور فریب کی طرف منسوب کریں اور یورپین تصنیفات کے اس بے بنیاد بیان پر کہ محض بناوٹی ایجادیں ہیں اُن کی بے جا تحقیر کریں۔

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ ''ترقی پذیر سلطنت کی احتیاجیں قرآن کے مجموعہ سیاست کی افزایش کی خواہاں ہوئیں۔ جو چیز کہ پہلے عربوں کی سادہ وضعی اور محدود نظام مدنی کے واسطے بخوبی کفایت کرتی تھی اُن کی اولاد کی روز افزوں احتیاجوں کے واسطے غیر مکتفی ہو گئی۔'' وہ کہتے ہیں کہ ''یہ اور اسی قسم کے اسباب قرآن کے معدود اور معرا مسائل کی توسیع اور اُس کے اخلاق کے غیر مکمل مجموعہ کی تکمیل کے متقاضی ہوئے۔''

اس بیان میں سر ولیم میور نے دو طرح پر غلطیاں کی ہیں ایک تو یہ کہ جامعین حدیث کو ترقی سلطنت اور مجموعہ سیاست سے کچھ سروکار نہ تھا۔ یہ لوگ محض دین کی طرف متوجہ تھے اُنھوں نے احادیث نبوی کو محض باغراض دینی جمع کیا تھا۔ اُن کی جمع کی ہوئی حدیثوں میں دین ہی کو بہت بڑی

نسبت ہے ، یعنی اُن کا بیسواں حصہ بھی امور سیاست سے متعلق نہیں ہے - دوسرے یہ کہ کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا کہ مسلمانوں نے امور متعلق سیاست کو الہامی سمجھا ہو - خود جناب پیغمبر خدا اپنے زمانہ میں ایسے امور میں صحابہ سے صلاح لیتے تھے اور اس صلاح کے مطابق کاربند ہوتے تھے - اُس زمانہ کے بعد بھی اُن روایتوں کو جو سیاست سے متعلق تھیں کسی نے الہامی نہیں سمجھا - چناں چہ ان کی تفصیل ہم اُوپر بیان کر چکے ہیں - قرآن مجید اور نیز جناب پیغمبر خدا نے ہر چیز متعلق سیاست اور انتظام مدن کو باستثنائے چند اصول عام کے بالکل فرماں رواؤں کی رائے پر چھوڑ دیا ہے اور صرف یہ حکم دیا ہے کہ ذی فہم لوگوں سے مشورہ کر کے کام کریں جو زمانہ کے حالات اور ڈھنگ کے واسطے ضروری ہیں - پس مسلمانوں کو اور اُن کی اولاد کو اپنی روز افزوں احتیاجوں کے واسطے قرآن مجید کی تکمیل کے لیے حدیثوں کی تلاش کرنے کی کچھ ضرورت نہ تھی ، ہاں بلاشبہ مسلمانوں میں یہ خواہش تھی - کہ ہر امر میں خواہ وہ دین سے متعلق ہو یا دنیا سے اسی طرح پر کارروائی کریں جس طرح کہ پیغمبر خدا نے کی تھی اور یہ اس محبت و عشق کا تقاضا تھا جو ہم مسلمان اپنے پیغمبر کے ساتھ رکھتے ہیں اور اسی لیے ہر قسم کی احادیث کو جمع کرتے تھے - پس یہ عشق اور محبت نہایت قابل ستائش تھی - مگر افسوس ہے کہ سر ولیم میور نے مسلمانوں کی اس عمدہ صفت کو بھی بدترین تاویل میں بیان کیا ہے -

اس کے بعد سر ولیم میور صاحب یہ فقرہ لکھ کر کہ "اولاً قرآن ہی چال و چلن کا نافذ قانون تھا" یہ بیان کرتے ہیں کہ " پھر وہ اپنی غرض اصلی کے واسطے مکتفی نہ ہوا اور اس

نقص کی تلافی سنت یعنی پیغمبر صاحب کے احکام اور افعال سے کی گئی'' اس کے بعد لکھتے ھیں کہ ''انھوں نے (یعنی پیغمبر خدا نے) کبھی اپنے آپ کو خطا سے مبرا قرار نہیں دیا۔ بجز اس صورت کے جب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ھوتا تھا۔ مگر اس نئے عقیدہ نے یہ بات تراش لی کہ پیغمبر صاحب کے ھر قول و فعل میں ایک الٰہی غیر خاطی ھدایت منضم ھے۔

ھم مسلمانوں کا معاملات دینی و دنیوی میں اپنے پیغمبر کی تقلید میں کوشش کرنا خواہ وہ امور دین سے، علاقہ رکھتے ھوں، خواہ امور دنیا سے خواہ امور سیاست مدن سے اور خواہ امور متعلق عادت اور عبادت سے دوسری چیز ھے اور اس بات کا اعتقاد کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کون سا قول اور ازروئے وحی کے غیر قابل خطا کے تھا اور کون سے افعال صحابہ کے مشورہ سے کیے گئے تھے جن کو وحی سے کچھ تعلق نہ تھا دوسری چیز ھے۔ سر ولیم میور نے لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لیے خواہ خود غلطی میں پڑ کر ھماری نسبت ناانصافی سے یہ اعتقاد منسوب کیا ھے کہ جناب پیغمبر خدا کے ھر قول و فعل میں ایک الٰہی اور غیر خاطی ھدایت منضم ھے۔ ھاں اس میں کچھ شک نہیں کہ ھم مسلمان تمام قول و فعل اپنے پیغمبر کے اسی ادب اور عظمت سے دیکھتے ھیں۔ جیسے کہ ایک نبی اولوالعزم کے اقوال و افعال ادب اور عظمت کے مستحق ھیں۔

سر ولیم میور بیان کرتے ھیں کہ ''روایتوں کی بناوٹ اور اشاعت کا کام عوام الناس کے فائدوں اور سلطنت کے ملکی حالات پر اس قدر مؤثر تھا کہ بطور خود لوگوں کی سرگرمی پر بالکل چھوڑ دینے کے قابل نہ تھا۔'' اور اپنے بیان کی تائید میں ڈاکٹر اسپرنگر کے مندرجہ ذیل فقرہ کو نقل کرتے ھیں جو

قسطلانی شرح بخاری سے ان کو ھاتھ لگا تھا اور وہ فقرہ یہ ھے :
''چوں کہ پیغمبر صاحب کے ھر معتبر اور صحیح بیان کی جو دستیاب ھو سکے قلم بند کرنے کی ضرورت اشد تھی اس لیے خلیفہ عمر نے ایک گشتی حکم اس باب میں جاری کیا اور بالتخصیص ابو بکر بن محمد کو روایات کے جمع کرنے پر مامور کیا ۔''

اگر قسطلانی نے یہ مضمون لکھا ھے تو محض غلط ھے ۔ حضرت عمرؓ حدیثوں کے جمع کرنے کے خود مخالف تھے جس کو سر ولیم میور نے بھی قبول کیا ھے ۔ اور جو عنقریب معلوم ھوگا ۔ کسی خلیفہ یا کسی مسلمان حاکم نے اُن لوگوں کے کام میں جو بطور خود حدیثیں جمع کرتے تھے کبھی دخل نہیں دیا ۔ ھم علانیہ کہتے ھیں کہ وہ لوگ جن کا یہ بیان ھے کہ ''خلیفہ عمر نے تمام احادیث موجودہ کے باقاعدہ جمع کرنے کا گشتی حکم جاری کیا تھا'' ھم کو حدیث کی کوئی ایک کتاب بھی تمام کتب احادیث میں سے ایسی نشان دیں جو کسی خلیفہ یا حاکم کے حکم سے جمع کی گئی ھو ۔ برخلاف اس کے ھم اعتماد سے کہتے ھیں کہ یہ کل کتابیں بلا استثناء ایسے مقدس لوگوں نے مرتب کی تھیں جو اپنے زمانہ کے خلفا کے دربار میں جانے سے بھی از حد پرھیز کرتے تھے ۔ اُس زمانہ کے خلفا جناب پیغمبر خدا کے خلیفہ نہ تھے بلکہ سلاطین اور بادشاہ تھے کیوں کہ سلسلہ خلافت کا جناب رسالت مآب کی وفات کے تیس برس بعد ختم ھو گیا تھا ۔

سر ولیم میور اپنی کتاب کے حاشیہ میں نہایت ضعیف اور نہایت غیر مستند روایتیں واقدی سے نقل کرتے ھیں ۔ اُن روایتوں میں اخیر روایت یہ ھے کہ خلیفہ عمر جانشین ابوبکر نے سنت

کے قلم بند کرنے کا ارادہ کیا اور ایک مہینہ تک اس باب میں
اللہ جلشانہ سے دعا کی ۔ لیکن آخرکار جب اس کام کے شروع
کرنے پر آمادہ ہوئے تب یہ فرما کر باز رہے کہ " مجھ کو
ایک قوم کا ذکر یاد ہے جنھوں نے اسی قسم کی تحریرات قلم بند
کی تھیں اور کتاب ربانی کو چھوڑ کر ان پر عمل کیا تھا ۔"

یہ روایت جس طرز بیان میں واقدی نے نقل کی ہے وہ
ایسی ہے جیسی کہ اس قسم کی روایتوں میں ایک افواہی باتیں
شامل ہو جاتی ہیں ۔ دراصل صرف اتنی بات ہے کہ حضرت عمرؓ
احادیث کے جمع کرنے کے برخلاف تھے اور اُن کو یقین تھا
کہ حدیثوں کا ٹھیک ٹھیک طور پر جمع ہونا نہایت مشکل ہے ۔
اور اُن کے جمع ہونے سے بلاشبہ ایسی ہی خرابی پیدا ہوگی ۔
جیسی کہ یہود کے ہاں پیدا ہو گئی ۔

اختلاف روایات کے اسباب یعنی انسان کے حافظہ کا ،علم
ضعف ، غلطیاں ، مبالغے ، تعصب ، حمایت اور نیز وہ تفرقہ اور
فساد جو بعد شہادت حضرت عثمان کے اسلام میں پھیل گیا تھا
سر ولیم میور نے بیان فرمایا ہے ۔ اُس کے بعد لکھتے ہیں کہ
" اسی صدی میں روایات نے جڑ پکڑی اور مستقل شکل حاصل کی ۔
اختتام صدی پر روایات موجودہ کی باقاعدہ تلاش شروع ہوئی اور
باضابطہ لکھی گئیں ۔ وہ نمونہ جو اُس وقت ڈھالا گیا تھا کم سے
کم اپنی مخصوص ہیئت پر برابر چلا آیا ۔"

ہم کو اس مقام پر اختلاف روایات پر بحث کرنے کی
ضرورت نہیں ہے کیوں کہ ہم اُس کو اوپر بیان کر چکے ہیں
لیکن ہم کو اس بات کے دیکھنے سے نہایت تعجب آتا ہے کہ
اگرچہ سر ولیم کے نزدیک قریب قریب تمام موجودہ روایات
اسلام ض بناوٹی ہیں بایں ہمہ انھوں نے اپنے سب بیانات کو

واقدی کی روایت پر مبنی کیا ھے جس میں ضعیف ترین روایات منقول ھیں اور طرفہ یہ ھے کہ ان سب روایتوں کو ھمارے خلاف استعمال کرتے ھیں ۔ حالاں کہ تحقیق اور غیر متعصبانہ تصنیف کے مسلمہ قوانین کی رو سے اور نیز مطابق اپنے عقیدہ کے اُن کو لازم تھا کہ اول احادیث صحیحہ اور موضوعہ کی تحقیق اور تمیز کرتے اور پھر مذھب اسلام اور بانی اسلام کی نسبت معترض ھوتے ۔ تمام عیسائی مصنفوں کی تصنیفات میں جنھوں نے دین اسلام کی نسبت لکھا ھے اسی امر ضروری کی کوتاھی پائی جاتی ھے مگر وہ اپنے عیبوں کو نہایت خوش گواری سے ھضم کر جاتے ھیں اور دوسروں کی نسبت عجیب و غریب پیرایہ میں نکتہ چینی کرنے کو موجود ھوتے ھیں ۔

اگر سر وایم میور کی محض یہ غرض ھے کہ روایات اسلام کا لغو اور غیر معتبر اور موضوع ھونا لوگوں کو معلوم ھو جاوے تب بھی مذھب اسلام کی کچھ بے حرمتی اور ذلت نہیں ھے ۔ مسلمانوں نے اس امر کو کچھ چھپا نہیں رکھا ۔ کیوں کہ ھم دیکھتے ھیں کہ اکثر کتابیں حدیث صحیحہ اور غیر صحیحہ میں تمیز کرنے کی غرض سے لکھی گئی ھیں اور ان کی صحت اور درجہ اعتبار کے جانچنے کے لیے اصول و قواعد اور سخت امتحانات قرار دیے گئے ھیں اور جھوٹی حدیثوں کے بنانے والے مجرم ٹھہرائے گئے ھیں ۔

## عیسوی مذھب میں جھوٹی روایتوں کی کثرت

ھم اس بات کے بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ اس باب میں یہود کے مذھب کا حال بدتر اور عیسائی مذھب کا حال بدترین ھے ۔ مذھب عیسوی میں موضوعہ کتابوں اور بے شمار رسالوں کی وجہ سے کتب دینی جو روزانہ ھر کلیسا میں مستعمل

ہوتی تھیں بہت بڑھ گئی تھیں اور دین دار لوگوں کے باہم بے انتہا مناقشوں اور قضیوں کی باعث ہو گئی تھیں جب کہ قسطنطین اعظم نے دین عیسوی قبول کیا تو من جملہ اور اغراض کے جن کے واسطے اس نے مجلس نیس (نسیا) کو ۳۲۰ء میں جمع کیا تھا ایک یہ بھی غرض تھی کہ صحیح اور موضوع اناجیل میں تمیز کی جاوے۔

والٹیر لکھتا ہے کہ "عیسائیان سابق اس بات سے مورد نفرین تھے۔ کہ انہوں نے عیسیٰ کے نام پر صنعت توشیح میں چند اشعار لکھ کر ایک پرانی کاھنہ کی طرف منسوب کیے تھے اور حضرت عیسیٰ کی طرف سے بادشاہ اوڈیسا کے نام جعلی خطوط بنائے جس زمانہ میں کسی ایسے بادشاہ کا وجود بھی نہ تھا حضرت مریم کے خطوط ۔ سنیفا کی جانب سے ۔ پلوس کے نام کے خطوط ، پلاط کے خطوط اور افعال ۔ مصنوعی اناجیل ، جھوٹے معجزات اور اور ہزاروں جعل سازیاں اور فریبوں کے الزامات بھی لگائے گئے تھے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ کے بعد دو یا تین صدیوں کے اندر اس قسم کی کتابوں کی تعداد کثیر ہوگئی تھی ۔

وہ اہم مسئلہ دربارہ الوہیت مسیح ، جس نے کلیسائے نصارے میں ہل چل ڈال دی تھی ۔ مجلس نیس میں جو روم کے بادشاہ قسطنطین نے ۳۲۵ء میں منعقد کی تھی طے ہوا ۔ اس مجلس میں اٹھارہ بشپ اور دو ہزار پادریوں نے مسیح کی الوہیت سے انکار کیا ۔ اور اس پر حجت کی لیکن نہایت سخت مباحثوں اور مناظروں کے بعد یہ بات قرار پائی کہ حضرت مسیح خدا کے اکلوتے بیٹے ہیں ۔ خدائے پدر سے پیدا ہوئے ہیں (نعوذ باللہ منہا) ایریس جو من جملہ اٹھارہ بشپ ہائے معترضین کے تھا فرقہ

یونیٹیرین (موحدین) کا سرغنہ ہوا۔ یعنی اُن لوگوں کا جو حضرت مسیح کی الوهیت کے منکر تھے ۔ اور اسی بناء پر بالزام بے دینی جلاوطن کیا گیا ۔ لیکن تھوڑے ھی عرصہ کے بعد اس کو قسطنطنیہ میں پھر بلا لیا اور اپنے عقائد کو فوقیت بخشنے میں کام یاب ہوا ۔ حتٰی کہ تمام صوبہ جات روم میں اُنھوں نے رواج پایا ۔ باوجود اس کے کہ اُس کے سخت مخالف آثاناسیوس نے جو فرقہ تثلیثیہ کا سرگروہ تھا از حد کوشش کی ۔ اسی مجلس نیس کی کارروائی کے تتمہ میں مرقوم ہے کہ آبائے کلیسا نے اس امر کی تحقیق میں نہایت ششدر ہو کر کہ توریت اور انجیل میں کون سے صحیفے صحیح اور کون سے غیر صحیح ہیں اُن سب کو بلا تمیز و لحاظ ایک قربان گاہ پر رکھ دیا ۔ سنا ہے کہ جو صحیفے لائق تنسیخ تھے زمین پر گر پڑے ۔

دوسری مجلس ۳۸۱ء میں قسطنطنیہ میں منعقد ہوئی تھی جن میں اُن امور کی جو روح القدس کے بارہ میں مجلس نیس نے غیر منفصل چھوڑ دیے تھے تشریح کی گئی تھی اور اسی موقع پر یہ عقیدہ قرار پایا کہ روح القدس بلا شک وہ رب ہے جو باپ سے نفاذ پاتا ہے اور باپ اور بیٹے کے ساتھ باہم مخلوط ہو کر اُس نے احترام حاصل کیا ہے ۔ ۴۳۱ء میں تیسری عام مجلس نے جو بہ مقام افیسس مجتمع ہوئی تھی یہ فیصلہ کیا کہ حضرت مریم بلاشک ام اللہ تھیں ۔ خلاصہ یہ کہ حضرت عیسٰی میں دو صفتیں تھیں اور ایک وجود ۔ نویں صدی میں کلیسائے روم اور یونان کے مابین وہ اختلاف و تفرقہ عظیم واقع ہوا جس کے بعد شہر روم میں تخمیناً اُنتیس خون ریز مشاجرات کرسی پوپ کے حصول کے واسطے واقع ہوئے ۔"

# اسلامی روایات پر سر ولیم میور کی تنقید اور اُس کا تحقیقی جواب

سر ولیم میور اُن مضرت آمیز اسباب کا ذکر کر کے جو خلیفہ مامون الرشید کی متعصبانہ عمل داری میں اپنی کارروائی کر رہے تھے اور یہ بیان کر کے کہ "روایتوں کا عام طور سے جمع ہونا ایسے ہی اسباب کی وجہ سے عمل میں آیا" یہ فرماتے ہیں کہ "خراب اور بے اصل مادہ کی کثرت خود مسلمانوں ہی کی چھان بین کے اندازہ سے قیاس کی جا سکتی ہے اُن کا قول ہے کہ اس باب میں ڈاکٹر ویل کی رائے قابل اعتماد اور لائق تعریف ہے۔" ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں کہ "ایسے وقت میں روایات زبانی پر اعتماد کرنے نے جب کہ وہ حافظہ سے منتقل ہوتی آئی تھیں اور ہر روز نئے نئے اختلافات اسلام میں پیدا کرتی تھیں اختراع اور بناوٹ کے لیے ایک وسیع رستہ کھول دیا جب کہ کسی دینی یا دنیوی معاملہ کی حمایت کی ضرورت ہوتی تو اس سے سہل کوئی بات نہ تھی کہ پیغمبر صاحب کی کسی زبانی روایت کا حوالہ دیتے۔ اس قسم کی روایات کی اصلیت اور جس طور سے کہ محمد (صلعم) کے نام کو تمام دروغ اور بے ہودہ ممکنات کی تائید میں بدنام کرتے تھے اس امر سے صاف صاف ذہن نشین ہو سکتا ہے کہ بخاری نے جو علماء سے روایات حاصل کرنے کے واسطے ملکوں ملکوں پھرا تھا بہت سے برسوں کی چھان بین کے بعد اس بات پر قرار پکڑا کہ من جملہ چھ لاکھ روایات کے جن کا اُس زمانہ میں مروج ہونا تحقیق ہوا تھا صرف چار ہزار معتبر اور مستند تھیں اور منتخب تعداد میں سے یورپین محقق کم سے کم نصف کے خارج کرنے پر بلا وسواس مجبور ہوتا ہے۔ اُس زمانہ کے با لیاقت جامعین کے تجربہ سے بھی یہی منکشف

ہوتا ہے۔ اسی طرح ابو داؤد کی نسبت بھی سنا گیا ہے۔ کہ پانچ لاکھ روایتوں میں سے جو اُس نے جمع کی تھیں چار لاکھ چھیانوے ہزار کو صرف مستند قرار دیا۔"

اس جگہ ہم اس بات پر کہ تعداد اور روایات خارج شدہ کی کیا اصلیت ہے اور کس اصول پر خارج شدہ روایتیں خارج کی گئی تھیں اور آیا اُس سے اُن کل روایتوں خارج شدہ کا موضوع ہونا لازم آتا ہے یا نہیں بحث کرنی نہیں چاہتے۔ بلکہ ہم ڈاکٹر ویل اور سر ولیم میور دونوں کی رائے سے متفق ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہم اس بات کا بھی افسوس کرتے ہیں کہ ڈاکٹر ویل کے اس بیان کے بہ موجب کاربند ہونے کے بجائے کہ "چار ہزار روایات منتخبہ بخاری میں سے یورپین محقق کم سے کم نصف کے خارج کرنے پر بلا وسواس مجبور ہوتا ہے" یورپین محققوں نے جن میں سر ولیم میور سب سے نمبر اول ہیں بخاری کی چار ہزار روایات پر بھی قناعت نہ کر کر اپنی تصنیفات کو واقدی ، ہشامی ، مولود نامہ ، معراج نامہ اور اور کتابوں پر جن میں بجز بے ہودہ باتوں کے اور کچھ نہیں ہے اور جن کو خود مسلمانوں ہی نے خارج کر دیا ہے مبنی کرنے کی جانب مائل ہوئے ہیں۔

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ "جامعین نے گو کہ وہ غیر معتبر روایات کے اخراج میں بے دھڑک تھے روایات معتبر کی تمیز میں کسی عمدہ قانون کا برتاؤ نہیں کیا۔" اس کی تشریح وہ اگلے جملہ میں اس طرح پر کرتے ہیں کہ "مضمون روایت سے کچھ بحث نہ تھی بلکہ محض نام ہی جن کی طرف وہ روایت منسوب ہوتی تھی مسئلہ اعتبار کو حل کر دیتے تھے۔ اگر یہ نام الزام سے مبرا ہوتے تو روایت مستند قرار پاتی - کوئی

بے ہودگی کیسی ہی صریح کیوں نہ ہو کسی روایت کو جو اس امتحان میں پوری ہوتی روایات مستندہ کے رتبہ سے خارج نہیں کر سکتی تھی -

سر ولیم میور کا یہ بیان ہمارے نزدیک بالکل صحیح ہے مگر انھوں نے اس موضوع سے جس پر جامعین حدیث نے حدیثوں کو جمع کیا غور نہیں کی - جس وقت کہ حدیثیں جمع نہیں ہوئی تویں اور اول اول ان کے جمع ہونے کا کام شروع ہوا تو پہلا کام جامعین حدیث کا یہ تھا کہ جہاں تک ممکن ہو صرف ان کے راویوں کی معتبری تحقیق کر کے ان حدیثوں کو قلم بند کر لیں بشرطیکہ بادی النظر میں کوئی ایسا امر جو اس حدیث کی صحت میں مخل ہو موجود نہ ہو - دوسرا کام ان حدیثوں کی معتبری اور نامعتبری کا بلا لحاظ ان کے مضامین کے تھا اس کا وقت ان جامعین کو نہیں ملا تھا کیوں کہ پہلا ہی کام جو انھوں نے کیا وہی نہایت سخت اور مشکل تھا - اگرچہ پچھلے لوگوں کے دلوں میں ان بزرگوں کی جنھوں نے حدیثوں کو باعتبار راویوں کے جمع کیا تھا ایسا ادب اور ایسی عظمت جم گئی تھی کہ اکثروں نے اس دوسرے کام کی نسبت جو باقی رہا تھا توجہ نہ کی - لیکن بہت سے علماء محققین ایسے گزرے ہیں جنھوں نے اس دوسرے فرض کو بھی ادا کیا ہے اور اس کے لیے قواعد بھی منضبط کیے ہیں اور اصول حدیث کی کتابیں تصنیف کی ہیں اور بہ لحاظ مضمن حدیث کے حدیث کی معتبری اور نا معتبری قرار دینے کو فن درایت سے موسوم کیا ہے - قطع نظر اس کے اس وقت ہر ایک مسلمان کے اختیار میں ہے کہ بہ لحاظ اصول درایت کے جس کتاب کی حدیث پر چاہے اس کے معتبر اور نامعتبر ہونے کی بحث کرے اور جس کو نا معتبر سمجھے اس کو نہ مانے -

سر ولیم میور اپنے بیان کے ضمن میں راویوں کے ایمان دار ہونے کو تسلیم کرتے ہیں مگر ساتھ ہی اُس کے یہ بھی کہتے ہیں کہ موضوع روایتیں معتبر روایتوں کے ساتھ مخلوط ہو گئی ہیں اور بہ غرض تمیز مابین صحیح اور موضوع روایتوں کے اس طرح پر لکھتے ہیں۔ کہ " امور جن پر کسی روایت کے اعتبار کا غلبہ بالخصوص منحصر ہونا چاہیے یہ معلوم ہوتے ہیں کہ (۱) آیا مسلمانوں میں بالعموم مضمون مروی کی جانب رعایت اور طرف داری پائی جاتی تھی یا نہیں۔ (۲) دوم یہ کہ آیا راویوں میں کسی خاص غرض، تعصب۔ یا کسی غرض کے آثار پائے جاتے ہیں یا نہیں اور (۳) سوم یہ کہ آیا راوی کو واقعات کے علم کا بذات خود موقع ملا تھا یا نہیں۔

ان تین قواعد معینہ سر ولیم میور میں اخیر کے دو قواعد کے تسلیم کرنے میں ہم کو کچھ کلام نہیں ہے کیوں کہ یہ دو بھی من جملہ انہیں قواعد کے ہیں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ قاعدہ اول کی نسبت ہم حیران ہیں کہ بغیر زیادہ کسی تفصیل کے ہم اس کو اس بات کے لیے کہ آیا فلاں حدیث صحیح ہے یا غلط اور کس قدر صدق یا کذب اُس میں موجود ہے کس طرح پر قاعدہ قرار دیں۔

اس حیرانی کے رفع کرنے کو ہم نے اُس تفصیل کی طرف رجوع کی جو اُس کی نسبت سر ولیم میور نے تحریر فرمائی ہے۔ وہ مذکورہ بالا امر ہر دو طرح سے نظر ڈالتے ہیں یعنی زمانہ کے لحاظ سے اور مضمون کے لحاظ سے۔ زمانہ کو وہ چند حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلا حصہ اُس وقت تک شمار کرتے ہیں۔ " جب تک کہ محمد (صلعم) کی شہرت شروع نہیں ہوئی تھی " وہ بیان کرتے ہیں کہ " پیغمبر صاحب کے اُس زمانہ کے حالات

کے شاهد یا تو عمر میں اُن سے چھوٹے یا اُن کی برابر هیں اس واسطے پیغمبر صاحب کی ولادت سے پیش تر کے واقعات یا اُن کی طفولیت کے حالات کے باب میں اُن کی شہادت معتبر نہیں ہے۔ اور اُن کی نوجوانی کے سوانح بھی اُن میں سے بہت کم اشخاص نے مشاهد کیے ہوں گے۔''

به ظاهر یه بیان لوگوں کے خیال میں صحیح معلوم ہوتا ہوگا۔ لیکن اس میں غلطی یه ہے که سر ولیم میور نے سب سے اول یه فرض کر لیا ہے جیسا که اُنھوں نے خود لکھا ہے که ''روایت کی سب سے پہلی ترویج کا زمانه پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہوا تھا'' مگر اس رائے کے بر خلاف محکم ترین دلائل موجود هیں اور ثابت ہے که روایات کے بیان کرنے کی رسم جناب پیغمبر خدا کی حیات میں شروع ہوئی تھی۔ دوم یه که صاحب موصوف نے اس بات کو ایک امر واقعی تسلیم کر لیا ہے که جمله اصحاب اور وہ بھی جنھوں نے جناب پیغمبر خدا کی حیات میں وفات پائی تھی یا تو جناب پیغمبر خدا سے چھوٹے تھے یا اُن کے هم عمر تھے یه امر تاریخی واقعه کے بر خلاف ہے اور صحابه بھی به لحاظ عمر کے اتنے تو ضرور هی تھے که جناب پیغمبر خدا کی ولادت کے ذرا پیش تر کے واقعات اور نیز اُن کے بچپن اور جوانی کے حالات کو به چشم خود مشاهده کیا ہو اور نیز اُن کو صحیح صحیح یاد رکھ کر اوروں سے بے کم و کاست نقل کیا ہو۔ اور ایسے هی لوگوں کے بیان کو هم مستند قرار دیتے هیں۔

علاوه اس کے کسی واقعه کے صدق کی تحقیق کو محض گواهان معاینه کی موجودگی پر موقوف رکھنا شہادت کے قواعد معینه سے جن کو تمام شائسته اور مهذب قوموں نے تسلیم

کر لیا ہے ۔ سراسر انحراف کرتا ہے ۔ گواہان معاینہ کے سوا اور بھی چند امور ہیں جن کا عمل ایسا ہی مستحکم ہوتا ہے ۔ اور کسی واقعہ کے صدق یا کذب کو ضرور قائم کر دیتے ہیں ۔ صرف اس قدر فرق ہے کہ ہر واقعہ جس کی نسبت کوئی معتبر گواہ معاینہ تصدیق کرے فی الفور تسلیم کر لیا جاتا ہے اور صورت ثانی میں تواتر اور کثرت راویوں کی اُس کی صحت کو بتلاتی ہیں ۔ پس جناب پیغمبر خدا کے کسی زمانہ کے واقعات کی تصدیق میں ہم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتے کہ اُن مسلمہ قوانین کی شہادت کے بہ موجب جو انسان کے قوائے عقلی نے بدون لحاظ کسی مذہب کے مرتب کیے ہیں گواہ کے بیان کے صدق کا امتحان کریں ۔

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ ”اگر کسی واقعہ کی جانب توجہ بالتخصیص مائل نہ ہو تو اُس کی نسبت کامل اور ٹھیک بیان کی امید رکھنی بے فائدہ ہوگی اور بہت سے برسوں کے گزرنے کے بعد ایسے گواہ سے زیادہ سے زیادہ یہ توقع ہو سکتی ہے کہ واقعات قابل الذکر کا عام طور پر بیان کر دے ۔“ اس اصول کو صاحب موصوف جناب پیغمبر کی سوانح عمری کے اُس زمانہ تک جب کہ بقول اُن کے جناب پیغمبر خدا ایک فریق کے سر گروہ ہو گئے نہایت شد و مد سے مستعمل کرتے ہیں اور اُس کو اُس زمانہ کے پیش تر تک وسعت دیتے ہیں جب کہ بقول اُن کے ”آں حضرت نے علانیہ دعویٰ نبوت کیا تھا اور شرک سے ممانعت کی تھی اور اہالیان مکہ سے کھلم کھلا لڑائی اختیار کی تھی ۔“ اور اس بیان سے یہ نتیجہ پیدا کرتے ہیں ۔ کہ جناب پیغمبر خدا کے اُن حالات کا ٹھیک ٹھیک اور قرار واقعی دریافت ہونا جب تک کہ اُنھوں نے عام شہرت حاصل نہیں کی

تھی غیر ممکن ہے ۔

سر ولیم میور کے اس فرضی اصول کو جو اُنھوں نے اپنی ذہانت سے اختراع کیا ہے ہم بلا وسواس مان لیتے اگر ہم اس تردد میں نہ ہوتے کہ اگر یہ اصول مان لیا جاوے تو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی اس سوانح عمری کی نسبت جو آن کی شہرت حاصل کرنے سے پیش تر وقوع میں آئی تھی کیا کیا جاوے گا ۔ کیا ''آن کی نسبت بھی کامل اور ٹھیک ٹھیک بیان کی امید رکھنی بے فائدہ ہوگی'' اور کیا آن حالات کا ٹھیک ٹھیک اور قرار واقعی دریافت ہونا غیر ممکن ہوگا ۔

ہم کو جناب پیغمبر خدا کے اُس زمانہ کی سوانح عمری کی بہ نسبت حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے حالات قبل از پیدائش اور وقت پیدائش اور آن کے ایام طفولیت اور ایام جوانی کی سوانح عمری سے زیادہ غرض ہے ۔ کیوں کہ ہم جناب پیغمبر خدا کے کسی واقعہ ما قبل ولادت اور آن کی کسی سوانح عمری ایام طفولیت کو ایسا نہیں پاتے جس کی صحت پر آں حضرت کی نبوت کی صحت کا مدار ہو ۔ ہم کو آں حضرت کے تمام حالات زندگی میں ایک امر بھی ایسا نہیں دکھائی دیتا جس کی اصلیت آں حضرت کی عمر کے غیر مشہور زمانہ کے کسی واقعہ کی صحت پر موقوف ہو ۔ مگر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے باب میں ایسا نہیں ہے ان دونوں انبیاء علیہم السلام کی عمر کے تمام مشہور زمانہ کی اصلیت آن کی عمر کے غیر مشہور زمانہ کی صحت پر منحصر ہے ۔ ہم کو کس طرح اس امر کا یقین ہو سکتا ہے کہ وہ لا معلوم بچہ جس کو فرعون کی بیوی نے دریائے نیل میں ایک صندوق میں بہتا ہوا پایا تھا عمران کا حقیقی بیٹا تھا جس کو کہ تمام دنیا حضرت موسیٰ کہتی ہے ۔ اور ہم کو

کس طرح اس بات کا یقین کلی ہو سکتا ہے۔ کہ وہ بچہ جس کو ہم ''کلمۃ اللہ'' اور ''روح اللہ'' اور عیسائی ابن اللہ کے خطابوں سے مخاطب کرتے ہیں اور جس کی نسبت یقین ہے کہ بن باپ کے پیدا ہوا تھا داؤد کی نسل میں سے تھا اور وہ وہی تھا جس کو اب عیسیٰ مسیح کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ دونوں امر جو موسوی اور عیسوی مذہب کی بنیاد ہیں ایسے اسرار سے بھرے ہوئے ہیں جن کا ثابت کرنا ایسا محال اور ایسا غیر ممکن ہے جیسا کہ دنیا میں کسی چیز محال اور غیر ممکن کا ثابت کرنا ہے۔ اگر ہم سر ولیم میور صاحب کے اصول مندرجہ بالا کو صحیح تسلیم کر لیں تو ہم کو اندیشہ ہے۔ کہ مبادا ہمارے مذہب کے حق میں مضر ہو کیوں کہ ہم بھی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ پر اعتقاد کامل رکھتے ہیں۔ چوں کہ اس خیال سے ہمارا دل تھراتا ہے اس لیے ہم سے یہ امید ہرگز رکھنی نہیں چاہیے کہ ہم ایسے ضرر رساں اصول کو منظور کریں۔

ہم کو صرف اس زبانی بیان سے کہ سر ولیم میور کا اصول صحیح ہے تسکین نہیں ہوتی بلکہ ہم زیادہ بحث کر کے اس سقم کو دریافت کریں گے جس سے محمد رسول اللہ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ کی زندگی کے غیر مشہور زمانہ کے حالات کو صحیح ماننے میں حیرانی ہوتی ہے۔

یہ سقم جس کو ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں سر ولیم میور کے الفاظ ''بہت سے برسوں کے گزرنے کے بعد'' کے غیر مصرح ہونے سے واقع ہوا ہے اور ایسا کلام شہادت کے مسلمہ قوانین کے بر خلاف ہے۔ اُن کو بجائے اُن الفاظ کے اس طرح کہنا چاہیے تھا کہ ''ایسے زمانے کے انقضا کے بعد جو ایک جائز تحقیق اور نتیجہ کی صحت کے احتمال کو غیر ممکن کر دے۔'' لیکن جناب

پیغمبر خدا کے غیر مشہور زمانہ حیات کو اس قدر عرصہ نہیں گزرا تھا زمانہ رواج روایت مین بہت سے آدمی زندہ موجود تھے جنھوں نے جناب پیغمبر خدا کی پیدایش ، اُن کا بچپن ، اُن کا لڑکپن اور اُن کی نوجوانی دیکھی اور گو بہ قول سر ولیم میور کے "اُن کا حافظہ اور خیال پیغمبر صاحب کی زندگی کے حالات کو بالتخصیص ذہن نشین کرنے میں مصروف نہ تھا" تاہم اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ تمام چشم دیدہ باتوں کو بھول گئے ہوں ۔

برخلاف اس کے جب کہ "ایک بے کس یتیم بچہ ۔ ایک محض ۔ شر باشندہ" ایک ایسا شخص "جس کی نسبت تمام سکنائے مکہ میں سب سے کم یہ گمان ہو سکتا تھا کہ اُن کے پڑوسیوں کی آنکھیں اُس کی طرف متوجہ ہوں" اور جب کہ "ایسا غیر مشہور شخص ایسا خاص چال و چلن اختیار کرے جو اپنی نوعیت میں نہایت جلیل القدر ہو اور جو اُس کے خاندان ، اُس کے ھمسایوں اور اُس کے ہم وطنوں پر بالعموم شاق ہو تو قیاس اُس کا مقتضی ھے کہ ہر شخص جو اُس سے قربت رکھتا ہوگا اُس کی زندگی کے غیر مشہور زمانہ کے حالات اور خفیہ طرز معاشرت کی سخت چھان بین کرے گا اور اُس کی خفیہ معاشرت کے ہر واقعہ کا اسی طرح کے اُن واقعات سے مقابلہ کرے گا جو اُن سب کے رو برو واقع ھوئے ھیں اور جن کی نسبت وہ سب معاینہ کے گواہ ھوں ۔"

سر ولیم میور آگے چل کر بیان کرتے ھیں کہ "ضرور یہ نتیجہ پیدا ھوتا ھے کہ جملہ صورتوں میں جن پر کوئی قاعدہ من جملہ قواعد متذکرہ صدر کے مؤثر ھوتا ھو صراحت ایک بڑی علامت بناوٹ کی ھوگی اور عیسائیوں کے لیے فن تحقیق اور تدقیق

کے اسی قسم کے قانون کا اختیار کرنا بہتر ہوگا کہ ہر روایت جس کی ابتدا واقعات مرویہ کے در حقیقت ہم عصر نہیں ھے حسب اندازہ صراحت بیان کے بے ہودہ ھے - اس سے ہمارا (یعنی عیسائیوں کا) بے ہودہ قصوں کی ایک تعداد کثیر سے پیچھا چھوٹ جاوے گا جن میں کہ گندھے ہوئے بیان اور منجھے ہوئے کلام کی جزوی علامات نقلی کل کی تازگی کے ساتھ موجود ھیں -"

جب کہ ہم نے یہ ثابت کر دیا ھے کہ سرولیم میور کے مذکورہ بالا قواعد شہادت کے اصول مسلمہ کی رو سے سراسر غلط ھیں تو اس کے یہ معنی ھیں کہ جو نتیجہ آن قواعد سے مستنبط کیا ھے کہ "صراحت ایک بڑی علامت بناوٹ کی ہوگی" وہ بھی غلط ھے اور جناب پیغبر خدا کی زندگی کے زمانہ غیر مشہور پر ٹھیک ٹھیک صادق نہیں آتا ھے - آن کا یہ بیان کہ "ہر روایت جس کی ابتداء واقعات مرویہ کے در حقیقت ہم عصر نہیں ھے حسب اندازہ صراحت بیان کے بیہودہ ھے" قانون شہادت کے خلاف ھے - اگر وہ اس طرح پر کہتے کہ "وہ روایت جس کا راوی - نہ یہ کہ جس کی ابتدائے روایت - واقعات مرویہ کے در حقیقت ہم عصر نہیں ھے حسبِ اندازہ صراحت بیان بیہودہ ھے" تو گنجائش تھی -

وہ نتیجہ جو سر ولیم میور نے عیسائیوں کے فن تحقیق و تدقیق کے قانون کو روایات اسلام پر مستعمل کرنے سے حاصل کیا ھے یہ ھے کہ "بیہودہ قصوں کی ایک تعداد کثیر سے ان کا پیچھا چھوٹ جاوے گا - جن مین کہ گندھے ہوئے بیان اور منجھے ہوئے کلام کی علامتیں نقلی کل کی تازگی کے ساتھ موجود ھیں -" لیکن ہم کو اس بات کے کہنے سے نہایت افسوس ہوتا ھے کہ صاحب موصوف نے اس استنباط

میں بھی غلطی کی ہے کیوں کہ یہ استنباط بھی شہادت کے مسلمہ قوانین کے سراسر خلاف ہے جب کبھی کوئی ایسی روایت بیان کی جاتی ہے ۔ جس میں کہ تمام جزوی علامتیں کل کی تازگی کے ساتھ موجود ہوں اور جو امتداد زمانہ کی وجہ سے غیر ممکن معلوم ہوتی ہوں تو اس بناء پر جو شبہ پیدا ہوتا ہے راوی کی نسبت ہوتا ہے کہ اُس کو کیوں کر یہ تفصیل یاد رہی نہ مضمون روایت کی نسبت کیوں کہ اس کا صحیح ہونا حیزامکان سے خارج نہیں ہے ۔ اور اس لیے اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ جب جامعین روایات کو قواعد منضبطہ کے بموجب راوی کا چال چلن ہر طرح بے لوث ثابت ہو جاوے اور اس کے حافظہ پر اعتماد ہو اور اُن واقعات کے یاد رہنے کا بھی امکان ہو تب مضمون روایت کو بھی صحیح تسلیم کرنے میں کچھ شک و شبہ نہیں رہتا ۔

اس کے بعد سرولیم میور دوسرے زمانہ کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی ”وہ جداگانہ حصہ زمانہ کا جو محمد (صلعم) کے مشہور حصہ عمر اور فتح مکہ کے مابین حائل ہوتا ہے ۔“ اُن کے کل بیان کا لب لباب یہ ہے کہ ہم اُن روایات کو معتبر تسلیم نہیں کرسکتے جن میں ” بناوٹ کے افعال “ - ”بے بنیاد اتہامات “ اور مبالغہ آمیز الزامات جو محمد (صلعم) کے مخالفوں کی طرف عائد ہوتے ہیں منقول ہیں ۔ کیوں کہ تمام کفار نے جو مکہ کے رہنے والے خواہ مدینہ کے رہنے والے تھے سب نے اسلام قبول کر لیا تھا ۔ اور تمام یہودی عیسائی اور مشرکین نکال دیے گئے تھے اور اب کوئی ایسا شخص وہاں نہ رہا تھا ۔ جو ایک طرفہ بیان کی تردید کرتا اور چوں کہ خود محمد (صلعم) کفار پر لعنت کیا کرتے تھے تو کب ممکن تھا کہ کسی

مسلمان کو اُن کی حمایت کی جرأت ہوتی اور اسی وجہ سے "اہل روایت بھی کفار سے نفرت کرتے تھے" اور مؤرخین ہمیشہ "اُس شہادت کی طرز پر جو اُن کے خلاف ہوتی تھی آنکھ لگائے رہتے تھے۔"

بغیر اس کے کہ ہم اس مقام پر بیان کو طول دیں یا یہ کہیں کہ صاحب موصوف کا یہی قول اور انبیاء علیہم السلام اور اُن کے متبعین پر بھی صادق آتا ہے۔ خصوصاً اُس زمانہ پر جب کہ حضرت موسیٰ نے نہایت بے رحم لڑائیوں کے بعد تمام کفار کو نیست و نابود کر دیا تھا۔ اور جب کہ قسطنطین اعظم کے زور سے تمام لوگوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔ مگر ہم اس امر کو اس کتاب کے پڑھنے والوں کی منصفانہ رائے پر چھوڑتے ہیں اور یہ سوال کرتے ہیں کہ آیا یہ ممکن ہے کہ نیکی، ایمان داری اور صداقت کے کل آثار یعنی قانون قدرت کے وہ بیش بہا جوہر جو انسان کے قوائے اخلاق کا مادہ ہیں لاکھوں ذی فہم اشخاص کے سینوں سے یک لخت محو ہو گئے ہوں اور وہ سب یک دل یک زبان ہو کر بد ترین افعال کی طرف مائل ہوئے ہوں یعنی دروغ گوئی اور واقعات کی غلط بیانی کی طرف جو ان سب کے رو برو واقع ہوئے ہوں اور جن کو سب نے بہ چشم خود مشاہدہ کیا ہو۔ یہی امر یعنی اُن واقعات کے گواہان معاینہ کی تعداد کا ہزاروں اور لاکھوں کو پہنچنا اُن واقعات کے غلط بیانی کی عدم امکان پر دلالت کرتا ہے۔

ذاتی میلان پر غور کرنے کے وقت سر ولیم میور فرماتے ہیں کہ "راوی کی اس ہوس نے کہ محمد صاحب کی صحبت میں بار پاوے" کیوں کہ اُن کے نام کے ساتھ "شرافت و حرمت مربوط تھی اور اُن کی دوستی حصول مدارج اور عزت کی باعث تھی"

اور اس ہوس نے کہ '' محمد صاحب کے کسی فرضی الہام یا معجزہ سے علاقہ قریبہ حاصل کرے'' کس واسطے کہ '' وحی میں مذکور ہونا سب سے بڑی ممکن الحصول عزت شمار کی جاتی تھی'' خلاف فطرت واقعات کے اختراع یا مبالغہ پر جرأت بڑھائی اور '' روایات کے مبالغہ غلط بیانی اور نیز ایجاد کی باعث ہوئی۔''

جب کوئی مصنف ایسے میلان رائے اور تعصب کی وجہ سے بالکل طرف دار بن جائے۔ تو اس میں کچھ چارہ نہیں ۔ یہ کس طرح ہر خیال میں آ سکتا ہے کہ کسی مذہب کے ابتدائی زمانہ کے معتقدین جو اپنے مذہب پر سچا اعتقاد رکھتے ہوں اور جن کے دلوں کے مخفی سے مخفی کونوں میں بھی یہ اعتقاد ہو کہ پیغمبر خدا کی سنت کا اتباع ہماری نجات کا یقینی اور محفوظ رستہ ہے اور اُن کے احکام سے سرتابی کرنا ضلالت ابدی کا موجب ہے یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایسے پاک اور پرہیزگار آدمی سب کے سب اپنے نبی کے فرمانے کو بالائے طاق رکھ کر اور اپنی مقدس کتاب کے احکام اور نصائح سے آنکھ بند کر کے دروغ گوئی ، فریب دہی اور ریاکاری میں یک لخت مبتلا ہوگئے ہوں ۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر طرح کی بد اعمالیاں اور گناہ اُن سے سرزد ہوئے ہوں ۔ بطور مثال کے کسی مذہب کو لو ۔ ہندو مذہب کو ، بدھ مذہب کو ، دیگر مشرکین مذہب کو ، یہودی مذہب کو ، عیسوی مذہب کو مع اُن کے بہت سے فرقوں کیتھلک ، پروٹسٹنٹ ، یونی ٹیرین ، ٹرینیٹیرین ، ویزولنز ، بپٹسٹ ، جمپرز ، مورمنز ، وغیرہ کو تو ان میں سے ہر مذہب کے ابتدائی زمانہ کے معتقدین میں نیکی ، صداقت ، ایمان داری ، راست بازی ، سرگرمی ، راسخ الاعتقادی اور جان نثاری کی بو پاؤ گے اور اپنے نبی کے احکامات اور اپنے مذہب کے قوانین سے انحراف کرنے کے خیال ہی

سے آن کو خائف اور هراساں پاؤ گے ۔ هم کو اپنے بیان کی تائید اور تصدیق کے لیے من جملہ هزاروں مثالوں کے صرف ایک هی مثال کافی هوگی ۔ اور وہ یہ هے کہ جب کہ زید ابن ثابت سے حضرت ابو بکر نے قرآن کے اجزائے منتشرہ کو ایک جگہ جمع کرنے کا اشارہ کیا تو کچھ عرصہ تک زید ابن ثابت خوف کے مارے عالم سکوت میں رهے اور پھر جب هوش و حواس درست هوئے تو حضرت ابوبکر سے خوف اور غصہ اور بے صبری کے ملے هوئے جوش سے استفسار کیا کہ ایسے کام کرنے کی جو خود پیغمبر خدا کی موجودگی میں نہیں کیا گیا آپ کیوں کر جسارت کرتے هیں ۔ پھر یہ کس طرح ذهن میں آ سکتا هے کہ آن لوگوں نے جو پیغمبر خدا سے اس قدر خوف اور آن کی اس قدر تعظیم کرتے تھے اور جو بجز صداقت کے اور کسی چیز کو نہیں جانتے تھے فی الفور ایسی برائیوں کے اختیار کرنے میں اپنے آپ کو ذلیل اور خوار کر دیا هو اور ایسے گناہ عظیمہ آن سے سرزد هوئے هوں ۔

اسی طرح کی متعصبانہ طبیعت سے سر ولیم میور آگے چل کر یہ بیان کرتے هیں کہ " هم اس باب میں غیر مشتبہ شہادت رکھتے هیں کہ رعایت اور جانب داری نے روایت پر ایک گہرا اور مستقل نقش کر دیا ۔" اس کے بعد صاحب موصوف روایات موضوعہ کے رواج کے بہت سے اسباب کے ضمن میں یہ کہتے هیں ۔ کہ " قومی میلان عموماً تمام اسلام میں پھیلا هوا هے اس وجہ سے زیادہ مضر هے ۔" اسی طرح " محمد صاحب کی توقیر اور آن کو عجیب و غریب اوصاف سے متصف کرنے کی خواهش " سر ولیم میور کے نزدیک تمام قصوں کی ابتدا آن حضرت سے هوئی تھی ۔ کیوں کہ سر ولیم میور بموجب اپنے اعتقاد کے ذرا بھی شک نہیں رکھتے کہ " اصلی واقعات ایک وهم ناک خیال کی رنگ آمیزی

سے اس طرح آراستہ یا مبدل ہو گئے ہیں" اس کے بعد سر ولیم
کہتے ہیں کہ "محمد صاحب کی توقیر کی اسی عام خواہش کی
طرف اُن مسلم معجزات کو بھی منسوب کرنا چاہیے - جن سے
کہ اُن کی سب سے ابتدائی تاریخیں بھی مملو ہیں۔" اس کے بعد
سر ولیم میور نے اپنی بے انتہا خفگی اُن یہودی اور عیسائی عالموں
پر ظاہر کی ہے جنھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور
اسلام کی بشارات کا ذکر کیا ہے - سر ولیم میور آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ کو بھی موضوع اور بے اصل
اس وجہ سے بتلاتے ہیں کہ "پیغمبر اسلام کو حضرت اسماعیل
کی اولاد میں خیال کرنے کی خواہش اور شاید ثابت
کرنے کی کوشش اُن کی حیات ہی میں شروع ہوئی تھی" بعد
اس کے وہ کہتے ہیں کہ "دلیل خلف سے بھی یہی بات صحیح
معلوم ہوتی ہے یعنی وہ روایتیں جو عمدہ شہادت پر مبنی اور
مسلم تھیں اس لیے کہ اوائل اسلام میں مشہور تھیں عموماً
بے اعتبار یا بالکل خارج ہو گئیں کیوں کہ اُن سے محمد صاحب
کی تحقیر یا کسی فاسد عقیدہ کی تائید معلوم ہوئی۔" پھر وہ کہتے
ہیں کہ "اس معاملہ کی حالت کی وجہ سے اس مقام کو اس
قدر کامل طور سے ثابت کرنا جیسا کہ مقامات گذشتہ کو ثابت
کیا گیا غیر ممکن ہے - کیوں کہ اب ہم کو اُن روایتوں کا جو
اوائل میں ترک کر دی گئی تھیں - کچھ پتا نہیں معلوم ہوتا۔"

یہ خلاصہ ہے سر ولیم کے ایک طول طویل بیان کا جس
سے صریح ثابت ہوتا ہے کہ وہ محققانہ تحریر نہیں ہے بلکہ ایک
مخالف مذہب کی تحریر ہے اور ایسے طرز میں لکھی گئی ہے جو
ایک متعصب مخالف کے مناسب اور موزوں ہے جو اپنے بیانات
اور اپنی زبان اور جائز تحقیق کی رعایت میں محتاط نہیں ہے -

اور جو اپنے مذاہب کے سوا اور مذاہب کی باتوں پر اور بالخصوص اُس مذہب کی باتوں پر جس سے اس کے مذہب کو کسی نہ کسی طرح پر مضرت پہنچی ہو نہایت حقارت اور بے اصل شبہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اگر ہم سے ایسے بے موقع اور غیر معتدل بیانات کی نظیر طلب کی جاوے۔ تو ہم اُن سخت اور کفر آمیز کلمات کا حوالہ دیں جو یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے مذاہب کے بارہ میں استعمال کیا کرتے تھے۔

سر ولیم میور فرماتے ہیں کہ "روایتیں جو عمدہ شہادت پر مبنی تھیں کیوں کہ اوائل اسلام میں مشہور تھیں عموماً بے اعتبار یا کل خارج ہو گئیں کیوں کہ اُن سے محمد صاحب کی تحقیر یا کسی فاسد عقیدہ کی تائید معلوم ہوئی۔"

مگر یہ کیسا غلط بیان ہے اور کیسی عجیب بات ہے کہ جس امر کو وہ خود اس قدر اعتماد اور گھمنڈ کے ساتھ نہایت صاف اور بے لاگ زبان میں بیان کرتے ہیں گویا کہ وہ در حقیقت ایک مسلم تاریخی واقع ہے۔ اور شک و شبہ کی گنجائش نہیں رکھتا ہے اُس کی نسبت کوئی سند نہیں پیش کرتے ہیں بلکہ ہم نہایت دل جمعی سے اس معاملہ کو محض یہ کہہ کر دفعتاً طے کرتے ہیں کہ "اس معاملہ کی حالت کی وجہ سے اس مقام کو اس قدر کامل طور سے ثابت کرنا ۔ ۔ ۔ غیر ممکن ہے کیوں کہ اب ہم کو اُن روایتوں کا جو اوائل میں ترک کر دی گئی تھیں کچھ پتہ معلوم نہیں ہوتا۔" کیا اس طرح پر دلیل لانا ایک تعصب کا اثر نہیں ہے؟ مع ہذا سر ولیم میور کا یہ بیان بھی صحیح نہیں ہے کیوں کہ وہ تمام اتہامات اور تحقیر کے الفاظ جو مشرکین اور یہود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کیا کرتے تھے مسلمانوں کی کتابوں میں بلکہ قرآن مجید میں بھی

بیان ہوئے ہیں اور کوئی بات نہ خارج کی گئی ہے اور نہ مخفی کی گئی ہے ۔ رہی یہ بات کہ مسلمانوں کی روایات میں اختلافات واقع ہوئے تھے ہم تسلیم کرتے ہیں مگر ہم آن کے اس تہتک آمیز اسباب کی طرف منسوب ہونے سے جو سر ولیم میور صاحب نے بیان کیے ہیں اعتماد کے ساتھ انکار کرتے ہیں کیوں کہ یہ اختلافات محض آن وجہوں سے عارض ہوئے ہیں جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں ۔

ہم کو اس بات کے دریافت ہونے سے کہ عیسائی مصنفوں نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف غلط اور بے جا اتہامات ہی نہیں لگائے ہیں بلکہ بدوں کسی وجہ کے اپنے دل میں یہ سمجھ کر خوش ہوئے ہیں کہ ہمارے پیغمبر کے نام پاک پر آنھوں نے دھبہ ثابت کیا ہے کچھ بھی تعجب اور ملال نہیں ہوا ہے ۔ کیوں کہ بے اصل بات کچھ بھی تعجب اور ملال کے لائق نہیں ہوتی ۔ مگر ان بے اصل خیالات کی بنا ، اے اسپرنگر ایم ڈی سے معلوم ہوتی ہے جنھوں نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے ایک جرنل یعنی ایک رسالہ میں اور بعد ازاں اپنی کتاب بائی اوگرافی آف محمد میں اس مضمون پر بحث کی تھی ۔ سر ولیم میور کی عمدہ خصلت اور لیاقتوں کی قدر سے جو ہمارے دل میں تھی اور آن کی بہت بڑی مہارت مشرقی علم ادب کی وجہ سے ہم کو قوی آمید ہوئی تھی کہ وہ ڈاکٹر اسپرنگر کے یک طرفہ بیانات اور الزامات کی کماحقہ' موشگافی کریں گے ۔ اور ایک سنجیدہ تحقیقات اور منصفانہ رائے سے رسول عرب کی معصومیت کی حمایت کریں گے مگر افسوس کہ وہ امید کیسی بے اثر نکلی ۔

## تحقیق قصۂ غرانیق

ڈاکٹر اسپرنگر سورہ ” والنجم “ کے حوالہ سے بیان کرتے

هیں که محمد صاحب نے قریش کے بتوں اور معبودوں کی نهایت تعریف کی اور اُن کو تسلیم کر لیا - اور جب که وه سجده میں گئے قریش نے بهی سجده کرنے میں ان کا اتباع کیا - اس تمام قصه کی صحت کو وه مصنف مواهب لدنیه! کے حواله پر مبنی کرتے هیں -

سر ولیم میور اس مضمون پر یوں بحث کرتے هیں که " به ظاهر ایک خوب معتبر قصه موجود هے - جس سے محمد صاحب کا کفار مکه کے ساتھ ایک عارضی موافقت اور مصالحت کرنا ثابت هوتا هے وه اپنے بیان کو - واقدی اور طبری کے بیان پر مبنی کرتے هیں اور خاص کر ایک دلچسپ عبارت پر جو اس قصه کی اسناد کی تشریح میں مصنف مواهب لدنیه نے لکھی هے -" جو اعتراضات و شکوک کو اسلام کی ضرر اور فساد عقیده کے خوف کی طرف منسوب کرتا هے -

مصنف مواهب لدنیه نے اپنی کتاب میں اس مضمون پر تمام مختلف روایتوں اور علماء کی رایوں کو لکھ دیا هے اور اس لیے هم اس مقام پر اُس کتاب کا بجنسه نقل کر دینا کافی سمجھتے هیں اور اسی کے ساتھ اس کی کامل تشریح بهی کریں گے اور اس غرض سے که مطلب سمجھنے میں آسانی هو مواهب لدنیه کی عبارت کو جداگانه دفعات میں منقسم کرتے هیں -

اول - چند لوگ حبش کے هجرت کرنے والوں میں سے آئے جب که رسول الله صلی الله علیه وسلم نے یه آیت پڑھی " و النجم اذا هویٰ " (قسم هے ستاره کی جب نیچے آتا هے) یهاں تک که جب آں حضرت

وقدم نفر من مهاجرة الحبشة حین قرأ علیه السلام و النجم اذا هوی حتی بلغ افرائیتم اللات

والعزی و منات الثالثة
الاخریٰ القی الشیطان فی
امنیة اے فی تلاوت تلک
الغرانیق العلٰی وان
شفاعتهن لترجٰی
فلما ختم السورة سجد
صلی الله علیه وسلم
و سجد معه المشرکون
لتوهمهم انه ذکر الهتهم
بخیر و فشی ذلک بالناس
واظهره الشیطان حتی
بلغ ارض الحبشة و من
بها من المسلمین عثمان
ابن مظعون و اصحابه
و تحدثوا ان اهل مکة
قد اسلموا اکلهم و صلوا
معه صلی الله علیه وسلم
وقدا من المسلمین
بمکة فاقبلوا سراعاً من
الحبشة ۔

اس آیت پر پہنچے "افریئتم
اللات و العزی و منات
الثالثة الاخریٰ" (کیا تم
نے دیکھا لات اور عزیٰ کو
اور پھر منات کو جو تیسرا ہے)
تو شیطان نے آن کی تلاوت
میں یه الفاظ ڈال دیے "تلک
الغرانیق العلٰی و ان
شفاعتهن لترجٰی" (یه
بڑے بت ہیں اور آن کی شفاعت
کی آمید ہے) پس جب آن حضرت
نے سورہ ختم کی تو سجدہ کیا ۔
مشرکوں نے بھی آپ کے ساتھ
سجدہ کیا کیوں که آن کو
یه گمان ہوا تھا که رسول الله
نے آن کے خداؤں کو بھی
بھلائی سے یاد کیا ۔ اور یه
بات لوگوں میں پھیل گئی اور
شیطان نے اس کو مشہور کیا ۔
یہاں تک که ملک حبش میں
اور آن مسلمانوں میں جو وہاں
تھے یعنی عثمان بن مظعون اور آن کے ساتھیوں میں یه خبر عام ہوئی ۔
آن لوگوں نے آپس میں گفتگو کی که مکه کے سب لوگ اسلام
لائے اور آن حضرت کے ساتھ نماز پڑھی اور مسلمانوں کو مکه میں
امن ہو گیا ۔ وہ لوگ بڑی تیزی کے حبش سے روانه ہوئے ۔

دوم : اور جب مشرکین کو معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہے

ولماتبين المشركين عندم ذلك رجعوا الى اشد ما كانوا عليه ـ

تو پہلے سے زیادہ سختی پر مائل ہوئے ـ

سوم : قاضی عیاض نے "شفاء" میں اس قصہ پر اور اُس

وقد تكلم قاضی عیاض رضه فی الشفاء علی هذه القصة و توهين اصلها بمايشفی و يكفی لكن تعقب فی بعضه كماسياتی ـ

کی اصل کے سست ہونے پر کافی و شافی گفتگو کی ہے ـ لیکن اُس کے بعض حصوں پر گرفت کی گئی ہے ـ جیسا کہ آتا ہے ـ

چہارم : امام فخر الدین رازی نے کہا ہے ـ جیسا کہ میں

وقال الامام فخر الدين الرازی مما لخصته من تفسيره هذه القصة باطلة و موضوعة لا يجوز القول بها قال الله تعالٰی وما ينطق عن الهوی ان هو الا وحی يوحی وقال الله تعالٰی سنقرئك فلاتنسٰی ـ

نے ان کی تفسیر کا ملخص سمجھا ہے ـ کہ یہ قصہ جھوٹ ہے اور گڑھا ہوا ہے ـ اُس کا بیان کرنا جائز نہیں ہے خدا نے کہا ہے کہ " آں حضرت اپنی خواہش نفسانی سے نہیں بولتے ـ وہ نہیں ہے مگر وحی جو کہ وحی بھیجی گئی " اور خدا نے کہا " ہم تم کو پڑھاویں گے سو تم نہ بھولو گے ـ"

پنجم : بیہقی نے کہا یہ ثابت نہیں ہے روایت کی

وقال البیهقی هذه غير ثابتة من جهة النقل ثم اخذ يتكلم فی

رو سے ـ پھر بیہقی نے اس بات پر گفتگو کی ہے کہ اس قصہ کے راوی مطعون ہیں ـ"

ان رواة هذه القصة مطعونون ۔

ششم : نیز بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیه وصلم نے سورہ نجم پڑھی اور آس کے ساتھ مسلمانوں اور مشرکوں اور آدمی اور جن نے سجدہ کیا ۔ اس روایت میں غرانیق کی حدیث نہیں ہے ۔ بلکہ یہ حدیث بہت سے طریقوں سے مروی ہے مگر کسی میں غرانیق کی حدیث مذکور نہیں ہے ۔

و ایضاً فقد روی البخاری فی صحیحه انه علیه السلام قراء سورة النجم و سجد معه المسلمون و المشرکون و الانس و الجن و لیس فیه حدیث الغرانیق بل روی هذا الحدیث من طرق کثیرة و لیس فیها البتة حدیث الغرانیق ۔

ہفتم : اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو شخص اس بات کو جائز رکھے کہ رسول اللہ نے ۔ بتوں کی تعظیم کی تو وہ کافر ہے ۔ کیوں کہ یہ تو بداهتاً معلوم ہے ۔ کہ آں حضرت کی بڑی کوشش بتوں کا مٹانا تھا اور اگر ہم اس بات کو جائز رکھیں تو شریعت پر کچھ اعتبار نہ رہے گا ۔ اور ہم کو کل احکام و شریعتوں میں ایسا ہی جائز خیال کرنا لازم آئے گا اور خدا کا یہ قول باطل ہو

ولا شک ان من جوز علی الرسول تعظیم الاوثان فقد کفر لان من المعلوم بالضرورة ان اعظم سعیه کان فی نفی الاوثان ولو جوزنا ذلک ارتفع الامان عن شرعه و جوزنا فی کل واحد من الاحکام و الشرایع ان یکون کذالک ویبطل قوله تعالیٰ یا ایها الرسول بلغ ما انزل

اليک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالته فانه لا فرق فی الفعل بين النقصان فی الوحی والزيادة فيه فبهذه الوجوه عرفنا علی سبيل الاجمال ان هذا القصة موضوعة و قيل ان هذه القصة من وضع الزنادقة لا اصل لها انتهی ۔

جائے گا کہ " اے رسول خدا کی طرف سے جو تجھ پر آتارا گیا ہے اُس کو لوگوں کو پہنچا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اپنی رسالت کو نہیں پہنچایا ۔" کیوں کہ کام کے اعتبار سے وحی کے گھٹانے میں اور زیادہ کر دینے میں کچھ فرق نہیں ہے پس ان دلیلوں سے ہم نے مجملاً جان لیا کہ یہ قصہ گھڑا ہوا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ قصہ زندیقوں کے موضوعات سے ہے جس کی کچھ اصل نہیں ہے ۔

هشتم : اور ایسا نہیں ہے ، بلکہ اُس کی ایک اصل ہے ۔

وليس کذلک بل لها اصل فقد اخرجها ابن ابی حاتم و الطبری و ابن المنذر من طرق عن شعبة عن ابی بشر عن سعيد ابن جبير وند ابن مردويه والبزار و ابن اسحاق فی السيرة وموسیٰ ابن عقبة فی المغازی و ابو معشر فی السيرة کما نبه عليه الحافظ

کیوں کہ اُس کو روایت کیا ہے ۔ ابن ابی حاتم و طبری و ابن المنذر نے متعدد طریقوں سے شعبہ سے اُنھوں نے ابو بشر سے اُنھوں نے سعید ابن جبیر سے اور اسی طرح ابن مردویہ اور بزار اور ابن اسحاق نے سیرت میں اور موسیٰ ابن عقبہ نے مغازی میں اور ابو معشر نے سیرت میں جیسا کہ حافظ عماد الدین ابن کثیر وغیرہ نے بیان کیا ہے ۔

عماد الدین ابن کثیر وغیرہ ۔

لکن قال ان طرقها کلها مرسلة و انه لم یرها مسندة من وجه صحیح و هذا متعقب بما سیاتی ۔

نہم : لیکن کہا ہے کہ اُس کے سب طریقے مرسل ہیں اور یہ کہ وہ صحیح طور سے مسند نہیں کی گئی ہے ۔ اور اس پر اعتراض کیا گیا ہے ۔ جیسا کہ آگے آتا ہے ۔

کذا نبه علی ثبوت اصلها شیخ الاسلام و الحافظ ابو الفضل العسقلانی فقال اخرج ابن ابی حاتم و الطبری و ابن المنذر و من طرق عن شعبة عن ابی بشر عن سعید ابن جبیر قال قراء رسول الله صلی الله علیه وسلم بمکة والنجم فلما بلغ افرائیتم اللات و العزی و منات الثالثة الاخری القی الشیطان علی لسانه تلک الغرانیق العلیٰ

دہم : اور اسی طرح اُس کے اصل ثابت ہونے پر شیخ الاسلام اور حافظ ابوالفضل عسقلانی نے تنبیهه کی ہے سو کہا کہ روایت کیا ہے ابن ابی حاتم اور طبری المنذر نے متعدد طریقوں سے شعبہ سے انہوں نے ابو بشر سے اُنہوں نے سعید بن جبیر سے کہا کہ اُنہوں نے پڑھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں " والنجم " کو ہس جب پہنچے آیت پر " افرئیتم اللات و العزی و منات الثالثة الاخریٰ" شیطان نے آن حضرت کی زبان پر یہ الفاظ ڈال دیے " تلک الغرانیق العلیٰ و ان شفاعتهن لترجیٰ "

و ان شفاعتهن لترجی[1] فقل المشرکین ما ذکر الهتنا بخیر قبل الیوم فسجد و سجد وانزلت هذه الایه و ما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیة الایه -

پس کہا مشرکوں نے آج سے پہلے کبھی محمدؐ نے ہمارے خداؤں کو بھلائی سے یاد نہیں کیا تھا پھر آں حضرت نے سجدہ کیا اور مشرکوں نے بھی سجدہ کیا - پس یہ آیت اُتری و ما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیة اخیر آیت تک -

یازدھم : اور روایت کیا ھے اس کو بزار نے اور ابن

و اخرجه البزار وابن مردودیه من طریق امیه بن خالد عن شعبة فقال فی اسناده عن سعید ابن جبیر عن ابن عباس فیما احسب ثم ساق الحدیث و قال البزار لایروی متصلا الا بهذا الاسناد تفود بو صله امیه بن خالد و هو ثقة مشهور -

مردودیہ نے امیہ بن خالد کی روایت سے اُمیہ نے شعبہ سے - پس کہا "اس کی اسناد جہاں تک میں جانتا ہوں سعید ابن جبیر کی روایت ابن عباس سے ھے -" پھر حدیث بیان کرنے لگے اور بزار نے کہا - یہ حدیث اِتصال کے ساتھ صرف اسی اسناد سے مروی ھے اس کے وصل کرنے میں امیہ بن خالد متفرد ھے اور مشہور ثقہ ھے -

دواز دھم : اور کہا کہ یہ روایت کی گئی ھے کلبی کے

وقال انما یروی هذا من طریق الکلبی عن ابی صالح

طریقہ سے اُس نے ابو صالح سے اُس نے ابن عباس سے

عن ابن عباس انتهٰی و الکلبی متروک لا یعتمد علیه -

انتہٰی - اور کلبی چھوڑ دیا گیا ہے اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا -

سیزدھم : اور اسی طرح اُس کو نحاس نے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے - جس

وکذا اخرجه النحاس بسند اخر فیه الواقدی و ذکرها ابن اسحاق فی السیرة مطولا و اسندها عن محمد ابن کعب و لک ابن عقبة فی المغازی عن ابن شهاب عن الزهری و وکذا ابومعشر فی سیرة له عن محمد ابن کعب القرظی و محمد ابن قیس و اورده من طریقة الطبری و اورد ابن ابی حاتم من طریق اسباط عن السدی ورواه ابن مردویه من طریق عباد ابن صهیب عن یحیٰی ابن کثیر عن الکلبی عن ابی صالح و عن ابی بکر الهذلی و ایوب عن عکرمة و سلیمان التیمی عن من حدثه ثلاثتهم عن

میں واقدی ہے اور اُس کو ابن اسحاق نے کتاب سیرت میں تفصیلاً ذکر کیا ہے اور اُس کو محمد بن کعب سے اسناد کیا ہے اور اسی طرح ابن عقبہ نے مغازی میں ابن شہاب سے اُس نے زہری سے اور اسی طرح ابو معشر نے سیرت میں محمد بن کعب قرظی کے طریقہ سے و محمد بن قیس کے طریقہ سے - اور طبری اُسی کے طریقہ سے لایا ہے - اور ابن ابی حاتم لایا ہے اسباط کے طریقہ سے وہ سدی سے - اور ابن مردویہ نے اُس کو روایت کیا ہے طریقہ عباد بن صہیب سے وہ یحیٰی بن کثیر سے وہ کلبی سے وہ ابو صالح سے اور ابوبکر ہذلی سے اور ایوب سے وہ عکرمہ سے اور سلیمان تیمی نے اُن تین شخصوں

ابن عباس و اوردها الطبری
من طریق العوفی عن
ابن عباس و معنا هم
کلهم فی ذلک واحد و
کلها سوی طریق سعید
ابن جبیر اما ضعیف و
اما منقطع لکن
کثرة الطرق تدل علی
ان للقصة اصلا ۔

سے جنهوں نے ابن عباس سے
روایت کیا ۔ اور طبری اُس
کو عوفی کے طریق سے لایا
ھے اور وہ ابن عباس سے ۔ اور
سب کا مطلب ایک ھی ھے
اور وہ سب طریقے سوائے
سعید ابن جبیر کے طریقه کے
یا ضعیف ھیں یا منقطع ھیں ۔
لیکن بہت سے طریقوں کا ھونا
اس بات پر دلالت کرتا ھے
کہ قصه کی کچھ اصل ھے ۔

چہاردهم : با وجود اس کے کہ اُس کے دو اور طریقے ھیں

مع ان لها طریقین
[1]اخرین مرسلین رجا
لهما علی شرط الصحیح
احد هما ما اخرجه
الطبری من طریق یونس
ابن یزید من ابن شهاب
حدثنی ابوبکر ابن
عبدالرحمن بن الحرث
عن ابن هشام فذکر
نحوه و الثانی ما اخرجه
ایضاً من طریق المعتمر
ابن سلیمان و حماد ابن
سلمة کلاهما عن داؤد

جو مرسل ھیں ۔ اور ان کے
راوی صحیح کی شرط کے موافق
ھیں ۔ ایک وہ جس کو طبری
نے روایت کیا ھے یونس بن
یزید کے طریقه سے یونس نے
ابن شہاب سے کہ حدیث بیان
کی مجھ سے ابو بکر بن عبدالرحمن
بن الحرث نے بن هشام سے
پس اُسی طرح ذکر کیا اور
دوسرے وہ جس کو طبری نے
روایت کیا معتمر بن سلیمان کے
طریقه سے اور حماد بن سلمه
کے طریقه سے دونوں نے داؤد

ابن ابی هند عن العالیه .

بن ابی هند سے داؤد نے عالیه سے .

پانزدهم : کہا حافظ ابن حجر نے جرأت کی ابن العربی نے اپنی عادت کے موافق پس

قال الحافظ ابن حجر و قد تجراء ابن العربی کعادنه فقال ذکر الطبری فی ذلك روایات کثیرة لا اصل لها وهو اطلاق مردود علیه و کذا قول القاضی عیاض هذا الحدیث لم یخرجه اهل الصحة ولا رواه ثقة بسند سلیم متصل مع ضعف نقله و اضطراب روایة و انقطاع اسانیده و کذا قوله و من حکیت عنه هذه القصة من التابعین والمفسرین لم یسندها احد منهم ولا رفعها الی صاحب و اکثر الطریق عنهم فی ذلک ضعیفة واهیة .

کہا - کہ " ذکر کیا طبری نے اس باب میں بہت سی روایتوں کو جن کی کچھ اصل نہیں ہے ." اور یه مطلقاً حکم لگانا رد کیا گیا ہے اور اسی طرح قاضی عیاض کا قول کہ " اس حدیث کو صحت والوں نے نہیں روایت کیا . اس کے ساتھ اس کی نقل کرنے والے ضعیف ہیں اور اس کی روایتوں میں اضطراب ہے . اور اس کی سندیں منقطع ہیں " اور اسی طرح قاضی عیاض کا یه قول که تابعین و مفسرین میں سے جن سے اس قصه کی حکایت کی گئی ہے کسی نے اس کو سند کے ساتھ نہیں بیان کیا اور نه کسی نے اس کو کسی صاحب کی طرف مرفوع کیا اور اکثر طریقے جو ان سے مروی ہیں ضعیف اور واهی ہیں .

شانزدهم : کہا کہ بزار نے بتا دیا کہ یہ حدیث کسی ایسے طریقہ سے مروی نہیں ہے

قال و قد تبین البزار انه لا یعرف من طریق یجوز ذکره الا طریق ابی بشر عن سعید بن جبیر مع الشک الذی وقع فی وصله و اما الکلبی فلا یجوز الروایة عنه لقوة ضعفه ثم رده من طریق النظر بان ذلک لو وقع لا ارتد کثیر ممن اسلم قال و لم ینقل ذلک انتهیٰ۔

جس کا ذکر کرنا جائز ہو بجز اس طریقہ کے جو ابو بشر نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے۔ لیکن با ایں همه اُس کے وصل میں شک واقع ہوا ہے۔ لیکن کلبی۔ تو اُس سے روایت کرنی جائز نہیں ہے بوجہ اُس کے ضعف کے۔ پھر اس حدیث کو عقلاً رد کیا ہے کہ اگر یہ واقعہ ہؤا ہوتا تو بہت سے مسلمان مرتد ہو جاتے۔ حالاں کہ یہ کہیں منقول نہیں۔ انتہیٰ۔

هفتدهم : اور یہ سب باتیں قواعد حدیث کے مطابق نہیں چل سکتیں کیوں کہ جب

و جمیع ذلک لا یتمشی علی القواعد فان الطرق اذا کثرت و تباینت مخار دل ذلک علی ان لها اصلا و قد ذکرنا ان ثلاثة اسانید منها علی شرط الصحیح وهی

حدیث کے بہت سے طریقے ہوں اور اُن کے مخرج جدا گانہ ہوں۔ تو اس بات کی دلیل ہوگی کہ اُس کی کچھ اصل ضرور ہے۔ اور ہم نے بیان کیا کہ تین سندیں اُن میں سے صحیح کی شرط کے موافق ہیں اور دو مرسل ہیں اُن مثل سے دلیل

| | |
|---|---|
| مراسیل یحتج بمثلها من یحتج بالمرسل و کذا من لا یحتج به لا عتضاد بعضها ببعض - (مواهب) - | لاتے ہیں - وہ لوگ جو مرسل سے دلیل لاتے ہیں اور اسی طرح وہ لوگ بھی جو مرسل سے نہیں دلیل لاتے - کیوں کہ بعض طریقہ کو بعض سے تقویت ہوتی ہے - |

اس قصہ کی نسبت مصنف مواہب لدنیہ نے جو طول طویل بیان کیا ہے وہ اس مقام پر ختم ہوتا ہے - مگر مصنف مواہب لدنیہ نے اخیر کو جو یہ بات بیان کی ہے کہ ”روایت کے متعدد مخرج ہونے سے اس بات کی دلیل ہو سکتی ہے کہ اُن کی کچھ اصلیت ہے اور تین سندیں جن کا سلسلہ آنحضرت تک نہیں پہنچا - صحیح تصور کرنے کے لائق ہیں اور جو لوگ کہ ایسی روایتوں کو جن کا سلسلہ آنحضرت تک نہ پہنچا ہو صحیح تصور نہیں کرتے وہ بھی اُس کے متعدد ہونے کے سبب اُس کو تسلیم کریں گے -“ یہ بیان اُس کا محض غلط ہے - جو روایتیں کہ اس باب میں ہیں اور جو خود اُس نے بیان کی ہیں - باہم مختلف ہیں اور روایات مختلفہ کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا - کہ اس کے متعدد مخارج ہیں - اور روایات مرسل یعنی جس کا سلسلہ آنحضرت تک نہ پہنچا ہو گو اُس کو متعدد لوگوں نے بیان کیا ہو قابل سند نہیں ہے جب تک کہ اُس کی تائید کے لیے کوئی روایت مستند موجود نہ ہو اور نیز وہ روایت قرآن مجید کے مخالف نہ ہو لیکن جب کوئی روایت مثل روایت مذکورہ بالا کے قرآن مجید کے احکام کے برخلاف ہو - اور جب کہ وہ جناب پیغمبر خدا کے اُن تمام حالات کے بر خلاف ہو جو شرک کے مٹانے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے سے متعلق ہیں اور

جب کہ وہ اسلام کے اصلی اصول سے اتفاق نہ رکھتی ہو اور معہذا ایسی مختلف اور مشتبہ ہو جس کا مدار صرف اس بات پر ہو کہ وہ الفاظ کس نے کہے تھے اور کہنے والا بھی محقق نہ ہؤا ہو تو ایسی روایت ازروئے عقل اور انصاف کے کس طرح آن قواعد میں داخل ہو سکتی ہے ۔ جن میں اس روایت کے داخل کرنے کو مصنف مواہب لدنیہ نے کوشش کی ہے ۔

وہ لوگ بھی جو اس روایت کے حامی ہیں اس بات کا صاف صاف اقرار کرتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس کی تائید میں کوئی کافی ثبوت اور کوئی قابل اعتماد سند موجود نہیں ہے ۔ اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ سر ولیم میور اس قدر اعتماد کے ساتھ کس بنا پر یہ بیان فرماتے ہیں کہ "بہ ظاہر ایک خوب مستند قصہ موجود ہے ۔ جس سے محمد صاحب کا مشرکین مکہ کے ساتھ ایک عارضی موافقت اور مصالحت کر لینا ثابت ہوتا ہے ۔"

اس روایت کی صحت کی نسبت رائے قائم کرنا اس کتاب کے پڑھنے والوں پر چھوڑتے ہیں ۔ خود مصنف مواہب لدنیہ نے جو روایتیں اس کی نسبت لکھی ہیں انھیں سے اس کی صحت اور عدم صحت کا سراغ لگاتے ہیں ۔ ہم کہتے ہیں کہ فقرہ "تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترجی" ہرگز جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نہیں نکلا تھا ۔ کیوں کہ مصنف مواہب لدنیہ نے لکھا ہے جیسا کہ فقرہ دوم میں ہم نے نقل کیا ہے کہ "جب مشرکوں کو یہ بات معلوم ہوئی کہ پیغمبر خدا نے یہ لفظ نہیں فرمائے تھے تو انھوں نے پہلے سے بھی زیادہ دشمنی اختیار کی ۔"

جناب پیغمبر خدا کی زندگی میں ایک ایسا زمانہ گذرا ہے

یعنی جب آنجناب مکہ میں تشریف رکھتے تھے کہ کفار مکہ آنحضرت کے ساتھ نہایت جفا اور بیرحمی سے پیش آتے تھے اور ہر طرح پر جو ان کا وحشیانہ بغض ایجاد کر سکتا تھا آنحضرت کو ایذا اور تکلیف دیتے تھے - کفار مکہ جناب پیغمبر خدا کے وعظ میں خلل انداز ہونے کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہیں دیتے تھے - آنحضرت کو نماز پڑھتے وقت تنگ کرتے تھے اور جب کہ آنحضرت خدائے واحد کی حمد و ثنا بیان فرماتے تھے مشرکین بھی جھوٹے معبودوں کی تعریف کیا کرتے تھے - پس مذکورہ بالا روایت سے جو منصفانہ نتیجہ بر آمد ہوتا ہے - وہ صرف اس قدر ہے کہ جب آنحضرت سورہ نجم نماز میں پڑھ رہے تھے تو کفار مکہ حسب عادت مخل ہوئے اور اپنے بتوں کی تعریف کی -

یعنی جب کہ جناب پیغمبر خدا سورہ نجم پڑھ رہے تھے اور اس آیت پر پہنچے " افرئیتم اللات و العزیٰ و منات الثالثۃ الاخریٰ " تو مشرکین میں سے کسی نے اپنے بتوں کی تعریف کی غرض سے یہ جملہ کہا " تلک الغرانیق العلیٰ و ان شفاعتہن لترجیٰ " اور جب کہ جناب پیغمبر خدا نے سجدہ کیا - مشرکین نے بھی براہ برابری اپنے بتوں کو سجدہ کیا - مشرکین میں اس بات کا اختلاف ہوا - کہ وہ جملہ کس نے کہا - کچھ عجب نہیں کہ مشرکین سمجھے ہوں کہ وہ جملہ پیغمبر خدا ہی نے فرمایا تھا - مگر ان کو بہت جلد معلوم ہوگیا کہ پیغمبر خدا نے وہ جملہ نہیں کہا اور اس لیے آں حضرت سے زیادہ دشمنی پر مستعد ہو گئے - اس وقت کے مسلمان ہرگز یقین نہیں کر سکتے تھے - کہ آں حضرت نے وہ جملہ فرمایا ہو - اور کہنے والا بھی متحقق نہیں ہوا - اس لیے انھوں نے کہا

کہ شیطان نے کہا تھا بعد اُس کے جب روایات کے بیان کرنے
اور لکھنے کی نوبت پہنچی تو مسلمان عالموں میں اختلاف ہوا ۔
جو لوگ شیطان کے زیادہ معتقد تھے اور اس بات پر یقین کرتے
تھے کہ شیطان پیغمبروں کے کلام میں اس طرح پر اپنا کلام
ملا دے سکتا ہے کہ پیغمبر ھی کی زبان سے نکلتا ہوا معلوم
ہو انھوں نے کہا کہ پیغمبر ھی کی زبان سے وہ لفظ نکلے تھے ۔
کیوں کہ شیطان نے وہ لفظ ملا دیے تھے ۔ مگر دونوں فریق
اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ پیغمبر صاحب نے وہ لفظ کہے
تھے ۔ با ایں ھمہ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ جناب رسول خدا
کے اصحاب میں سے کسی نے ان الفاظ کا کسی نہج پر پیغمبر خدا
کی زبان مبارک سے نکلنا نہیں خیال کیا ۔ کیوں کہ کوئی روایت
ایسی نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ اُن صحابہ میں سے جو اس
وقت ایمان لا چکے تھے کسی نے اس بات کو بیان کیا ہو ۔ بلکہ
نہ کسی نے صحابہ میں سے اور نہ کسی نے کبار تابعین میں سے اُن
کو بیان کیا ہے ۔ یہی بے سر و پا روایتیں ھیں ۔ جن کا ذکر
طبری اور واقدی اور ابن اسحاق نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے ۔

جو کچھ ھم نے اوپر بیان کیا ہے کہ وہ جملہ مشرکین
میں سے کسی نے کہا تھا اُس کی تشریح خود مواھب لدنیہ کی
ایک روایت میں مندرج ہے ۔ جس کو ھم بعینہٖ اس مقام پر نقل
کرتے ھیں ۔

اُس روایت کا ترجمہ یہ ہے ”اور کہا گیا ہے کہ رسول اللہ
جب اس آیت پر پہنچے ”و مناۃ

| | |
|---|---|
| وقیل انہ لما وصل الی | الثالثۃ الاخریٰ“ تو |
| قولہ و مناۃ الثالثۃ | مشرکوں کو ڈر ہوا ۔ کہ |
| الاخری خشی المشرکون | اس کے بعد کچھ ایسی چیز نہ |

ان یاتی بعد ھاشی ایذم آلھتھم بہ فبادر وا الی ذلک الکلام فخلط وہ فی تلاوۃ النبی صلعم علی عادتھم فی قولھم لاتسمعوا لھذا القرآن و الغوافیہ و نسب ذلک الی الشیطان لکونہ الحامل لھم علی ذلک اوالمراد بالشیطان شیطان الانس (مواھب)

پڑھیں جن میں آن کے خداؤں کی مذمت بیان کریں - پس وہ لوگ فوراً یہ کلام کرنے لگے اور رسول اللہ کی تلاوت میں ملا دیا - اپنی آس عادت کے موافق جیسا کہ وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اس قرآن کو سنو مت اور اس میں گر بڑ کر دو - اور یہ بات منسوب ہو گئی شیطان کی طرف - کیوں کہ آس نے آن لوگوں کو اس پر آمادہ کیا تھا یا شیطان سے مراد آدمیوں کے شیطان ھیں (یعنی شریر آدمی) -

روایات کے معتبر قرار دینے کے لیے سر ولیم میور نے ایک اور قاعدہ ایجاد کیا ھے وہ فرماتے ھیں کہ ”جب کسی روایت میں محمد صاحب کی تحقیر کے کلمات ھوں مثلاً بعد حجرت کے اگر آن کے متبعین میں سے کسی نے بے ادبی یا آن کے دشمنوں نے گستاخی کی ھو یا کار خیر میں ناکام ھونا یا کسی واقعہ یا عقیدہ میں اصول اور منشاء اسلام سے اختلاف اور انحراف پایا جاوے - تو اس کے تسلیم کرنے کو قوی دلیلیں ھیں - کیوں کہ یہ قیاس میں نہیں آتا کہ ایسی روایتیں اختراع کر لی جاویں یا مخترع ھو کر محمد صاحب کے متبعین میں رواج پا سکیں -“

درحقیقت کسی روایت کی صحت کے اثبات کا یہ ایک عجیب طرز ھے ! کیا ھم کو آن تمام روایات کو صحیح اور مستند مان لینا چاھیے - جن کو مخالفین اسلام نے موضوع اور مخترع کیا تھا -

اور جن کو مسلمان عالموں نے اپنی کتابوں میں اس غرض سے نقل کیا ہے - کہ اُن کی تردید کریں اور اُن کو موضوع اور بے اصل ثابت کریں یا وہ کسی غلطی کے سبب سے مسلمانوں میں رواج پا گئی تھیں اور جن کی نسبت علماء نے تحقیق کی اور بتایا کہ یہ روایتیں ملحدوں اور کافروں کی پھیلائی ہوئی روایتیں ہیں - در اصل یہودیوں نے اور بالخصوص عیسائیوں نے اس قسم کی بے ہودہ روایتیں اور قصے آں حضرت کی نسبت اس حاسدانہ ارادہ سے کہ نئے مذہب اور اُس کے بانی پر عیب لگائیں اختراع کر لئے تھے - پس اُن مذکورہ بالا وجوہات سے مسلمانوں کی کتابوں میں مذکور ہونا کوئی دلیل اُن کی صحت کی نہیں ہو سکتی - .

تعجب ہے کہ سر ولیم میور اُن روایات کے معتبر ہونے کی یہ دلیل بیان کرتے ہیں - کہ "قیاس میں نہیں آتا کہ ایسی روایت اختراع کر لی جاوے یا مخترع ہو کر متبعین محمد صاحب میں رواج پا سکے -" یہی اُن کی دلیل اس بات کی کافی دلیل ہے کہ وہ روایتیں جھوٹی اور مخالفین اسلام اور یہودیوں اور عیسائیوں کی مخترع ہیں -

## آں حضرت صلعم کے خضاب لگانے پر بحث

سر ولیم میور ایک اور نیا قاعدہ ایجاد کرتے ہیں اور اس کا نام "تلون آمیز اختراع" قرار دیتے ہیں اور اُس کی مثالیں اس طرح پر بیان کرتے ہیں کہ "مثلاً بیس گواہ تو یہ بیان کرتے ہیں کہ محمد صاحب خضاب کیا کرتے تھے اور خضاب کی دوا کا نام بھی بتاتے ہیں - بعض صرف اسی قدر دعویٰ نہیں کرتے کہ ہم نے بہ چشم خود اس امر کو پیغمبر صاحب کی زندگی میں مشاہدہ کیا تھا - بلکہ اُن کی وفات کے بعد آپ کا بال جس پر کہ

رنگ محسوس ہوتا تھا دکھلا دیا تھا - اور بیس گواہ جن کو
ایسے ہی عمدہ ذریعے واقفیت کے حاصل تھے بیان کرتے ہیں
کہ پیغمبر صاحب نے کبھی خضاب نہیں کیا اور آن کو خضاب
کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی کیوں کہ آن کے سفید بال اس قدر
تھوڑے تھے کہ شمار میں آ سکتے تھے -

اس میں کچھ شک نہیں کہ جناب پیغمبر خدا کے سفید بال نہایت
کم تھے کہ گنتی میں آ سکتے تھے - اور آن حضرت نے تمام عمر
کبھی خضاب نہیں کیا - جو لوگ کہ ہمیشہ حاضر باش رہتے
تھے ان کا یہی بیان ہے - جو کہ سفید بال ہونے سے پہلے
اکثر بال بھورے ہو جاتے ہیں - تو جن لوگوں نے ان
بھورے بالوں کو دیکھا خیال کیا کہ خضاب کیے ہوئے ہیں
اور آنھوں نے آن حضرت کا خضاب کرنا بیان کیا - اور آسی
بھورے بال کو دکھا کر استدلال کیا - خضاب کی دوا کا ذکر
کسی معتبر حدیث میں نہیں ہے - بلکہ حدیث میں آس شے کا ذکر
ہے جس کو پیغمبر خدا ہر وقت غسل کے اپنے سر پر ملتے تھے -
پس ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ آن روایات کا اختلاف حالات
مذکورہ بالا کے سبب قدرتی اسباب سے وقوع میں آ سکتا ہے آن
کو دیدہ و دانستہ عیارانہ بناوٹیں نہیں کہہ سکتے اور نہ آن
روایتوں کو اور نہ آسی قسم کی اور روایتوں کو جن کا ذکر
سر ولیم میور نے اپنی کتاب کے حاشیہ میں کیا ہے متناقض روایتیں
کہہ سکتے ہیں -

## حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی مُہر

بعد آس کے سر ولیم میور اس قسم کی ایک اور مثال پیش
کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ”خاتم نبوی کے باب میں
جس میں کوئی جانب داری مطالب خاندانی یا عقیدہ کے مضر نہ

تھی نہایت متناقض روایتیں ھین - ایک فریق کا قول ھے کہ اپنے مراسلات پر مہر لگانے کی ضرورت سے پیغمبر صاحب نے خالص چاندی کی ایک انگشتری بنوائی تھی - دوسرے فریق کا بیان ھے کہ خالد ابن سعید نے اپنے واسطے ایک لوھے کی انگوٹھی جس پر چاندی کا خول چڑھا ھوا تھا بنوائی تھی اور محمد صاحب نے اُس انگوٹھی کو پسند کر کے اپنے پاس رھنے دیا - ایک تیسری روایت ھے کہ اُس انگشتری کو عمرو ابن سعد حبش سے لائے تھے - اور چوتھی روایت یہ ھے کہ معاذ ابن جبل نے اُس مہر کو اپنے لیے یمن میں کھدوایا تھا - بعض روایتوں میں منقول ھے کہ محمد صاحب اس انگشتری کو سیدھے ھاتھ میں پہنا کرتے تھے اور بعض میں لکھا ھے کہ اُلٹے ھاتھ میں - بعض روایات میں مندرج ھے کہ مہر کا رخ اندر کی طرف رکھا کرتے تھے - اور بعض میں یہ ھے کہ باھر کی طرف کو - بعض روایات سے ثابت ھوتا ھے کہ اُس مہر پر جملہ " صدق اللہ " منقش تھا اور بعض سے واضح ھوتا ھے کہ جملہ ' محمد رسول اللہ ' تھا - اب یہ سب روایتیں ایک ھی انگشتری کی طرف اشارہ کرتی ھیں کیوں کہ یہ متواتر بیان کیا گیا ھے کہ محمد صاحب کی وفات کے بعد اسی انگشتری کو ابوبکر اور عمر اور عثمان نے زیب انگشت کیا تھا اور عثمان کے ھاتھ سے چاہ غریس میں گر پڑی تھی - ایک روایت یہ بھی ھے کہ نہ تو پیغمبر صاحب نے اور نہ کبھی ان کے خلفائے راشدین نے کوئی انگشتری پہنی تھی -"

جس طبیعت سے ان روایتوں کو بیان کیا ھے بلاشبہ نہایت افسوس کے قابل ھے اور سر ولیم میور کی طبیعت سے نہایت بعید معلوم ھوتا ھے - یہ بیان سر ولیم میور کا کہ "یہ سب روایتیں ایک ھی انگشتری کی طرف اشارہ کرتی ھیں" محض غلط ھے اور جو

دلیل اُس کی بیان کی ہے وہ اس سے بھی زیادہ غلط ہے - کیا یہ ممکن نہیں کہ چاندی کے خول کی انگشتری کو کسی دیکھنے والے نے چاندی کی انگوٹھی خیال کی ہو ؟ یا چاندی کی انگوٹھی علیحدہ اور خول والی علیحدہ ہو - کیا یہ بات ممکن نہیں ہے کہ معاذ ابن جبل والی پر جملہ ''صدق اللہ'' اور جناب پیغمبر خدا کی بنائی ہوئی انگوٹھی پر جلمہ ''محمد رسول اللہ'' کندہ تھا ؟ کبھی آن حضرت نے انگوٹھی کو سیدھے ہاتھ میں پہنا ہو اور کبھی اُلٹے ہاتھ میں اور کبھی اس طرح پہنا ہو کہ مہر کا رخ اندر کی طرف ہو اور کبھی باھر کی طرف - اُس انگوٹھی کو آن حضرت اور خلفائے راشدین ہمیشہ اور ہر وقت پہنے نہیں رہتے تھے - جس شخص نے اُن کو ایسی حالت میں دیکھا اُس نے بیان کیا کہ کبھی انگوٹھی نہیں پہنی تھی جو کہ سر ولیم میور نے غلطی سے یا دانستہ اُن سب روایتوں کو ایک ھی انگشتری سے متعلق کیا ہے اس لیے اپنی دلیل میں بلا تفصیل بیان کرتے ہیں کہ وھی انگشتری صحابہ تک پہنچی تھی - حالاں کہ وہ صرف وہ انگشتری تھی جس پر جملہ ''محمد رسول اللہ'' کندہ تھا - پس اُن روایتوں میں سے کوئی روایت بھی متناقض نہیں ہے - بڑے افسوس کی بات ہے کہ سر ولیم میور نے اپنے فرضی اور دل نشین نقوش و خیالات کو اس قدر آزادی دے دی ہے کہ اُن کو حجت و برھان کی صراط مستقیم سے منحرف کر دیا ہے اور ہر شے متعلق باسلام کو گو کیسی ھی سادہ اور قرین قیاس کیوں نہ ہو شک و شبہ کی نظر سے دیکھنے پر مائل کیا ہے اور اس کو جعل سازی اور ایجاد اور اختراع وغیرہ ناموں سے بدنام کرتے ہیں - سر ولیم میور کی تجربہ کاری سے بہ حیثیت ایک اعلٰی درجے کے عالم ہونے کے یقینی اُمید تھی کہ اُن کو اس بات سے مطلع کر دے گی - کہ

محض بیانات جن کی تائید میں کوئی دلیل و ثبوت نہ ہو ۔ ہمیشہ اسی مقصد کی خرابی کے باعث ہوتے ہیں جس کی حمایت کی ان سے توقع کی گئی ہو ۔

## اسلام میں جھوٹ بولنا جائز نہیں

ہر صحیح دماغ اور ذی ہوش شخص کو اس بات کے معلوم ہونے سے ملال ہوگا کہ سر ولیم میور نے قواعد فن تصنیف سے اس قدر انحراف اختیار کیا ہے کہ دین اسلام پر الفاظ ذیل میں ایک بے جا اتہام عاید کرتے ہیں یعنی وہ فرماتے ہیں کہ ”مقدس جھوٹ کی رسم اصول اسلام سے منحرف نہیں ہے ۔ مروجہ دینیات اسلام کی رو سے فریب بعض حالتوں میں روا ہے خود پیغمبر صاحب نے اپنے احکام و نظیر سے اس عقیدہ کی ترغیب دی ہے کہ بعض مواقع پر جھوٹ بولنا جائز ہے“ اس عبارت کے حاشیہ میں وہ بیان کرتے ہیں کہ ”مسلمانوں کے ہاں عام اعتقاد یہ ہے کہ چار موقعوں پر جھوٹ بولنا جائز ہے : اول کسی شخص کی جان بچانے کے واسطے ۔ دوم صلح اور اتفاق کرانے کے واسطے ۔ سوم عورت کی ترغیب دینے کے واسطے ۔ چہارم سفر یا مہم کے وقت میں ۔“

ان کی مثالیں بھی صاحب موصوف لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ”اول کی نسبت تو پیغمبر صاحب کی صریح منظوری موجود ہے ۔ عمار ابن یاسر کو کفار مکہ نے بہت اذیت پہنچائی اور اسلام سے انکار کرنے پر انھوں نے رہائی پائی ۔ پیغمبر صاحب نے اس فعل کو پسند کیا اور فرمایا کہ ” اگر وہ پھر ایسا کریں ۔ تو پھر اسی طرح انکار کر دینا ۔“ (کاتب الواقدی صفحہ ۲۲۷ ½) ایک اور روایت خاندان یاسر میں چلی آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مشرکین نے عمار کو پکڑ لیا اور جب تک کہ ان سے محمد صاحب کی مذمت اور اپنے معبودوں کی تعریف نہ کرا لی ان کو نہ

چھوڑا - اور جب وہ پیغمبر صاحب کے پاس آئے اور آنھوں نے حال پوچھا تو کہا کہ یا نبی اللہ بڑی خرابی کی بات ہوئی - جب تک کہ میں نے آپ کی مذمت اور آن کے معبودوں کی تعریف نہ کی مجھ کو نہ چھوڑا - پیغمبر صاحب نے پوچھا کہ تو اپنے دل کا کیا حال پاتا ہے - تو جواب دیا کہ ایمان میں مستقل اور مطمئن ہے - اُس وقت محمد صاحب نے فرمایا کہ اگر وہ پھر ایسا کریں - تو پھر یہی کہہ دینا - محمد صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ عمار کا جھوٹ ابو جہل کے سچ سے بہتر ہے -

سر ولیم میور کی نکتہ چینی ہر ایک شخص کو تعجب میں ڈالتی ہوگی - شکسپیئر کا قول ہے " دیکھو کہ کس طرح ایک سادہ قصہ تم کو دھوکا دے دے گا -" اول تو ان روایتوں کی جس کو سر ولیم میور نے بیان کیا ہے معتبر سند درکار ہے دوسرے جن الفاظ میں صاحب موصوف نے ان مضامین کو بیان کیا ہے وہ درست اور ٹھیک نہیں ہیں یعنی زیادہ تر عام اور غیر معین ہیں - سر ولیم میور اول موقع جھوٹ بولنے کے جواز کا " کسی کی جان بچانا " بیان کرتے ہیں - اول تو یہی غلط ہے کیونکہ بہ موجب آن روایتوں کے جو آنھوں نے بیان کی ہیں آن کو لازم تھا " اپنی جان بچانا " لکھتے اور اس بے دھڑک اور پُر جرأت بیان کی بجائے سر ولیم میور کو لازم تھا کہ جملہ شرائط اور قیود اور مواقع کی جو صدق سے اس طرح انحراف کرنے کو جائز ٹھیراتے ہیں تصریح کر دیتے - جس فریبندہ اور معیوب پوشاک میں سر ولیم میور نے اس مضمون کو ملبوس کیا ہے اگر وہ اتار لی جائے تو وہ اصلی نتائج جو بہ ذریعہ جائز اور منصفانہ دلیل اور صحیح مقدمات سے مستنبط ہوں گے یہ ہوں گے کہ " اگر کفار یا کوئی بے رحم و جفاکار اشخاص جبر اور اذیت یا قتل کی دھمکی

سے کسی ایسے آدمی سے اُس شے کا انکار کرا لیں جس کو کہ وہ اپنے دل سے اور ایمان سے بر حق سمجھتا ہو اور جس کے اُوپر وہ ایسی مصیبت میں بھی دلی اعتقاد رکھتا ہو تو ایسے حال میں اگر وہ اس سے انکار کرے تو سزائے ارتداد کا ھرگز مستوجب نہیں ہے۔''

جبریہ مؤاعید سے انحراف کے جواز کی تصدیق فرانسس اول بادشاہ فرانس کی مشہور و معروف نظیر سے بھی ہوتی ہے یعنی اس بادشاہ کو چارلس خامس نے جنگ پاویا (۱۵۲۵ء) میں مقید کر کے ماڈرڈ کے پر ذلت صلح نامہ کا بالجبر اقبال کرا کے دستخط کرا لیے تھے بادشاہ فرانسس نے مخلصی پاتے ہی اپنے قول و قرار پر قائم رہنے سے بہ عذر اجبار انکار کیا اور پوپ کلیمینٹ سابع نے در حقیقت اُس کو اس جبریہ حلف سے بری کر دیا۔

آدمی کے افعال کے جرم اور بے جرمی کا مدار نیت اور اختیار پر ہوتا ہے اور اسی بناء پر تمام لوگ افعال کو نیک و بد قرار دیتے ہیں۔ کیا وہ کلمات اور حرکات جو کسی شخص سے بہ سبب اذیت اور قتل کی دھمکیوں کے لکھوا اور کرا لیے گئے ہوں اسی درجہ اور ویسی سزا کے مستوجب ہیں جیسے کہ اُس شخص کے کلمات اور حرکات جو بلا اجبار و اکراہ اُس سے سرزد ہوئے ہوں۔

یہ اصول جس سے کہ اسلام کی پاکیزگی اور سچائی ظاہر ہوتی ہے اور جو محض ایک بے خطا اور قدرتی فطرت کا بے کم و کاست سچا نمونہ ہے اور جس کو سر ولیم میور نے البتہ اس قابل الاعتراض اور خراب صورت میں بیان کیا ہے

من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیہم غضب من اللہ

ولہم عذاب عظیم ۔ (سورۃ النحل آیت ۱۰۸) ۔ قرآن مجید میں نہایت سادہ اور صریح طور پر بالفاظ ذیل بیان کیا گیا ہے کہ "جس نے خدا کے ساتھ کفر کیا بعد ایمان لانے کے ۔ مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اُس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو ۔ لیکن جس نے کفر کے ساتھ سینہ کھولا پس اُس پر خدا کا غصہ ہے اور اُن پر بڑا عذاب ہے ۔

اس آیت پر فقہا نے غور کی ہے اور اُس کے حکم کا مقصد دو طرح پر قرار دیا ۔ اول عزیمت یعنی با وصف اذیتوں اور تکلیفوں اور قتل کے خوف کے جو کفار اُس پر روا رکھیں ۔ وہ ظاہرا میں بھی اُسی سچ پر قائم رہے جس پر وہ ایمان رکھتا ہے ۔ دوم رخصت یعنی ایسی حالت میں اُس کو اپنے بچانے کے لیے اجازت ہے کہ ظاہر میں اُس ایمان کا جس کی تصدیق اُس کے دل میں ہے بہ طور تقیہ کے انکار کرے اور دشمنوں کی ایذا سے نجات پاوے ۔ البتہ یہ ایک عجیب بات ہے کہ سر ولیم میور نے اس حقیقت کو اُس مقدس جھوٹ پر محمول کیا ہے جس کا رواج عیسائیوں میں تھا اور اس پر بھی ہم کو نہایت تعجب آتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے مدعا کو عجیب اختصار اور اقتصار کے ساتھ ادا کیا ہے یعنی ان چند لفظوں میں کہ "کسی کی جان بچانے کے واسطے" جس کے بیان کے لیے قرآن مجید میں بھی باوجود اُس کی مشہور و معروف مختصر البیانی کے ایک پوری آیت درکار ہوئی ہے ۔

دوسرا موقع جواز کذب کا بہ قول سر ولیم میور کے وہ ہے جب کہ کوئی شخص صلح و آشتی کرانا چاہے اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ امر روایت ذیل سے بہ خوبی ثابت ہے ۔ اس روایت

کا ترجمہ انگریزی زبان میں جو اُنھوں نے فرمایا ہے وہ حسب مندرجہ ذیل ہے ۔

”وہ شخص جو دو شخصوں کے مابین صلح کرائے اور اُن کے رفع نزاع کے واسطے کلمات خیر کہے جھوٹا نہیں ہے گو وہ کلمات دروغ ہوں ۔“

مگر یہ ترجمہ جو سر ولیم میور نے کیا ہے محض غلط ہے ۔ اصل حدیث جو بخاری اور مسلم میں ہے اور جس کو مشکواۃ میں بھی نقل کیا گیا ہے ہم بجنسہ اس مقام پر لکھتے ہیں ۔

اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ”ام کلثوم نے کہا کہ

| | |
|---|---|
| عن ام کلثوم قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس فیقول خیرا او ینمی خیرا (متفق علیہ مشکواۃ) | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے جھوٹا وہ شخص جو صلح کراوے درمیان آدمیوں کے پس کہے بھلائی اور پہنچاوے بھلائی ۔“ |

قاضی بیضاوی نے اس کی شرح اس طرح پر کی ہے کہ

| | |
|---|---|
| قال القاضی البیضاوی ای یبلغ ما یسمعہ و یدع شرہ (کرمانی) ۔ | ”پہنچاوے وہ باتیں جو سنوا دیں اُس کو اور چھوڑ دے شر کی باتوں کو ۔“ |

سر ولیم میور کی عربی علمیت کو خیال کر کے ہم کو افسوس ہوتا ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ خود اصل حدیث پر غور کرتے اور خود اُس کا صحیح ترجمہ لکھتے انھوں نے کپتان ای ۔ این ۔ میتھو کے غلط ترجمہ مشکواۃ کو اختیار کیا اور کپتان میتھو نے دانستہ یا نا دانستہ کیسی غلطی کی ہے کہ الفاظ ”گو وہ کلمات دروغ ہوں“ اپنے ترجمہ میں بڑھا دیے ہیں اور وہ الفاظ

حدیث میں نہیں ہیں ۔

ہمارے مذہب میں اگر کوئی شخص کسی ماجرے کے حالات پورے پورے بیان نہ کرے ۔ اور قصداً کسی بد نیتی سے اس ماجرے کی کوئی بات کہے اور کوئی بات نہ کہے اس پر بھی کذاب کا اطلاق ہوتا ہے اس لیے جناب پیغمبر خدا نے فرمایا کہ اگر صلح کروانے کی حالت میں صرف اچھی ہی باتوں کا تذکرہ کرے ۔ تو وہ کذابوں میں داخل نہیں ہے ۔ یعنی جو سزا کہ ایسے شخص کے لیے ہے جس نے بدنیتی سے کچھ باتوں کو چھوڑ دیا ہے ۔اس سزا کا مستحق نہیں ہے ۔"

تیسرا اور چوتھا موقع جس میں سر ولیم میور اسلام میں جھوٹ بولنا جائز قرار دیتے ہیں ۔ وہ یہ ہے "کسی عورت کو ترغیب دینے میں" اور "سفر یا مہم میں" سر ولیم میور فرماتے ہیں کہ "بہ لحاظ تیسرے موقع کے ہمارے پاس ایک افسوس آمیز نظیر موجود ہے کہ محمد صاحب نے ماریہ قبطیہ کے معاملے میں اپنی ازواج سے جھوٹے وعدے کرنے معیوب نہ سمجھے اور بہ لحاظ چوتھے موقع کے ان کا معمول تھا کہ بہ وقت ترتیب مہمات (باستثنائے مہم تبوک) اپنے مدعائے اصلی کو پوشیدہ رکھتے تھے اور کسی سمت غیر کی جانب روانگی کا عزم مشتہر کر دیتے تھے ۔"

سر ولیم میور نے تیسرے موقع کی جو نظیر پیش کی ہے وہ محض غلط ہے ۔ کوئی صحیح روایت اس معاملہ میں قابل اعتبار موجود نہیں ہے اور حدیث کی معتبر کتابوں میں اس کی بابت ایک لفظ بھی نہیں پایا جاتا ۔ اور چوں کہ بنیاد کے استحکام اور ضعف ہی سے اوپر کی عمارت کے استحکام اور ضعف کا حال کھل جاتا ہے ۔ پس کوئی بات قابل اعتبار نہیں ہو سکتی ۔ جب کہ اس

روایت کی صحت کا جس پر وہ مبنی ہو کافی ثبوت نہ ہو ۔

ترتیب مہمات کے وقت غیر سمت کو مشتہر کرنے کی تائید میں بھی کوئی معتبر روایت نہیں ہے ۔ لیکن اگر ہم اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیں تو کیا سر ولیم میور قوانین جنگ سے بھی واقف نہیں ہیں ۔ جو اس پر نکتہ چینی کرتے ہیں ؟ جب تک کہ کسی فریق سے عزم جنگ مشتہر نہیں کیا گیا ہے اس وقت تک کوئی ایسا کام کرنا جس سے طرف ثانی کو دھوکا ہو بلاشبہ خلاف اخلاق اور صداقت کے ہے ۔ لیکن جب جنگ کا اشتہار دے دیا جاوے تو اس وقت کوئی ایسا حیلہ کرنا جس سے فریق ثانی مغلوب ہو صداقت کے خلاف نہیں ہے ۔

## عیسائی مذہب میں جھوٹ بطور رکن مذہبی

تعجب یہ ہے کہ سر ولیم میور اس الزام کو جو عیسائی مذہب پر قدیم سے چلا آتا ہے مسلمانی مذہب پر عاید کرنا چاہتے ہیں ۔ مقدس جھوٹ کا تو مسلمانوں کو خواب میں بھی خیال نہیں آیا ہوگا کیوں کہ اس کا تصور ہی اس صدق حقیقی کی نقیض ہے جو قرآن مجید کا لب لباب اور جوہر ہے اور اس کی ہر سطر میں جلوہ نما ہے ۔ برخلاف اس کے یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں جیسا کہ تاریخ سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے من جملہ ارکان مذہبی کے مقدس جھوٹ بھی ایک رکن تھا اور ہم کو اس بات کے سننے سے تعجب آتا ہے کہ مقدس پال حواری ۔ اس کو برا بھی نہیں سمجھا تھا گناہ سمجھنا تو درکنار جیسے کہ خود عیسائی عالم اس امر کو مقدس پال کے اس کلام سے ثابت کرتے ہیں جہاں انھوں نے فرمایا ہے کہ " اگر میرے جھوٹ کے سبب خدا کی سچائی ظاہر ہوئی اور اس کی بزرگی زیادہ ہوئی تو کس لیے میں گنہگار گنا جاتا ہوں " (پال کا خط رومیوں کو باب ۳ ورس ۷) ۔

اب ہم تاریخ کی کتابوں سے اُس مقدس جھوٹ کا ذکر کرتے ہیں جو عیسائی مذہب میں مروج تھا۔ کتاب کرشچین مایتھولوجی ان ویلڈ میں مرقوم ہے کہ "کلیسا کا وہ شریف اور راست باز فرزند۔ یعنی موشیم جس کی سند اور مسلمہ صداقت میں پادریوں کو کبھی کلام نہیں ہوا ہے امر ذیل کی تصدیق کرتا ہے۔ پیروان افلاطون و فیثا غورث نے اس امر کو ایک اصول قرار دیا تھا کہ صدق و پرہیزگاری کے مطالب کی ترقی کی غرض سے دھوکا دینا اور نیز بر وقت ضرورت جھوٹ کا استعمال کرنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ یہودیان سکنائے مصر نے حضرت عیسیٰ کے آنے سے پیش تر اس اصول کو اُن سے (یعنی پیروان افلاطون و فیثا غورث سے) سیکھا اور اخذ کیا تھا جیسا کہ بے شمار تحریرات سابقہ سے بلا حجت و اعتراض ثابت ہے اور عیسائیوں پر اس مضر غلطی نے ان دونوں ذریعوں سے اثر کیا۔ جیسا کہ اُن بے شمار کتابوں سے جن کو نامی و گرامی اشخاص کی طرف اتہاماً منسوب کیا ہے ظاہر ہے خلاصہ صدر صرف دوسری صدی کی طرف اشارہ کرتا ہے جب کہ بے شمار اناجیل و خطوط وغیرہ حسب بیان موشیم غلط موضوع ہوئی تھیں اور غلط منسوب کی گئی تھیں۔ مگر چوتھی صدی میں اس مروجہ اصول میں کہ دینی مطالب کی ترقی کے واسطے دھوکا دینا اور جھوٹ بولنا نہایت ثواب کا کام ہے۔ بہت کم استثناء وقوع میں آئے ہیں۔۔۔۔ بلانڈل دوسری صدی کے ذکر میں بیان کرتا ہے کہ خواہ مزدوروں اور کذابوں کی اشد بے حیائی خواہ معتقدین کی قابل افسوس سریع الاعتقادی کے لحاظ سے یہ ایک نہایت خراب زمانہ تھا اور مقدس جھوٹ میں اور سب زبانوں سے سبقت لے گیا تھا۔۔۔ کسوبن اس طرح پر شاکی ہے کہ مجھ کو دین عیسوی

کے ابتدائی زمانہ میں اس بات کے دریافت ہونے سے رنج ہوا کہ بہت سے لوگ کلام ربانی کو اپنے اختراعات سے مدد دینے سے ناموری سمجھتے تھے بدیں غرض کہ ہمارے نئے عقیدہ کو عقلائے کفار گوش دل سے سنیں'' (صفحہ ۸۰ - ۸۲) -

اسی کتاب میں یہ بھی بیان ہے ''اور جب کبھی معلوم ہوتا تھا کہ انجیل ہر امر میں اہل دین کے مطالب یا حکام ملکی کے اغراض کے جو اُن سے ساز رکھتے تھے موافق نہیں ہے تو ضروری تحریفات کر لی جاتی تھیں اور طرح طرح کے مقدس جھوٹ اور جعل سازیاں کچھ مروج ہی نہ تھیں - بلکہ بہت سے پادریوں نے ان کو جائز قرار دیا تھا'' (صفحہ ۵۲) -

اس کتاب میں ایک اور مقام پر یہ بیان ہے ''اول کی تین صدیوں کے لحاظ سے ہم کو اپنے دین کی صحیح تاریخ کا کچھ علم نہیں بجز اُس کے جو نہایت خراب اور بگڑے ہوئے ذریعوں سے حاصل ہوتا ہے کس واسطے کہ ان اہل سیر کی روایتیں اور حکایتیں جو اُس زمانہ میں گزرے تھے ذرا بھی اعتبار کے قابل نہیں ہیں یہ محض مقدس جھوٹ اور جعل سازیوں کی وجہ سے مشہور ہیں مگر ان موروثی کرتبوں اور ہنروں میں بھی یوسی بیس بشپ قیصریہ صدی آیندہ میں اُن سے بھی سبقت لے گیا جس کا کلام حق کو چھانٹ چھونٹ کر دین کے عام مطالب سے موافق کر دینے میں کوئی ہم سر نہ تھا - وہ خود براہ فخر بیان کرتا ہے کہ ''جس سے ہمارے دین کی عظمت و نام آوری بڑھے میں نے بیان کر دیا ہے اور جو اُس کی تحقیر و تذلیل کی طرف مائل ہو میں نے سب چھوڑ دیا ہے'' (صفحہ ٦٦) -

متعدد اہل سیر کی تحریرات میں عدیم الامکان ریاضت اور عام سفلہ پن کی جو عیاشی و بد وضعی کی طرف مائل ہے - ایک عجیب

ملاوٹ پائی جاتی ہے ۔ شہوات جسمانی اور خوف ایمانی کے مابین غلبہ حاصل کرنے کی صریح کوششیں اکثر قابل تضحیک معلوم ہوتی ہیں گو بعض اُن میں کی لذات دیرینہ سے ثابت ہوئی ہوں لذات جدیدہ کی خواہش اُن میں مستتر معلوم ہوتی ہے مگر یہ صرف طبیعت انسانی کے ضعف کی وجہ ہے اور ہم کو صرف اسی وقت رنج آمیز حیرت ہوتی ہے جب کہ وہ صفات ملکوتی کے حصول کا دعوی کرتے ہیں ۔ اُن کے خام اور بے ہودہ عقاید جو لاطینی زبان میں بیان ہیں پادریان کیتھلک کے ہر وعظ و خطبہ میں مخلوط ہیں اور حواریان ذی الہام کے عقاید اور نیز حضرت مسیح کے ملفوضات کی نسبت زیادہ تر منقول ہوتے ہیں لیکن یہ امید ہے کہ ٹریٹولین کے خیالات لاطائل "ڈی ہابی ٹیو مولیرس" اور سنٹ باسل کی "ڈی ویراور جی نے ٹے ٹی" نوجوان عورتوں کو نہیں دکھلائی جائیں گی ۔ تمام بے اعتقاد مصنف جنھوں نے احکام الٰہی کا فلسفہ کی رو سے امتحان کیا ہے دین عیسوی کو کفر بتا کر مضرت پہنچانے میں اس قدر ساعی نہیں ہوئے ہیں جس قدر کہ حضرت اہل سیر ہوئے ہیں ۔ اُنھوں نے چشمہ آب ہی کو زہریلا کر دیا ہے اور ان بے اعتقاد مصنفین نے اُس کا پانی پینے سے لوگوں کو باز رکھا ہے ۔ اُن کی سریع الاعتقادی نے جو اس وجہ سے عارض ہوئی تھی کہ وہ طبائع و معاملات انسانی سے محض نا تجربہ کاری اور علوم طبیعی سے بالکل ناواقفیت رکھتے تھے انجیل کی بے شرمانہ تحریفات و تصرفات کی استعانت سے کلیسائے روم میں عجیب و غریب بے ہودگیوں اور بدعتوں کا ایک جم غفیر شائع کر دیا جن کو باوجود داد و فریاد عقل کے خوش اعتقادی اب بھی ہضم کر جاتی ہے ۔ صرف اسی قدر مضرت اُن سے نہیں پہنچی ہے اُنھوں نے اخلاق کی بنیاد کو کھوکھلی

کر دیا ۔ انھوں نے اس مقولہ کی (جس کو میں موشیم کے الفاظ میں لکھتا ہوں) تلقین کہ ' دھوکا دینا اور جھوٹ بولنا جب کہ ان ذریعوں سے مطالبہ دین ترقی پذیر ہوں ثواب ہے ۔' کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ اس مطلق العنان اصول نے دروغ گوئیوں اور جعل سازیوں کے چشمہ کا دہانہ کھول دیا جس کا پانی ابتداءً دین عیسوی کی سر زمین میں مثل طوفان کے چھا گیا اور ان فریبوں اور باطنی ذخیروں کو جو فی زماننا عیسائیان رومن کیتھلک کو انگشت نما اور بدنام کرتے ہیں رواج دیا ۔ اہل سیر میں اول سے لے کر آخر تک سب سے بڑا خاصہ یہ پایا جاتا ہے کہ وہ کفر آمیز سفلگی ۔ سریع الاعتقادی ، تعصب اور فریب دہی کے حامی تھے با ایں ہمہ ایسے لوگوں کو جانشینیان پطرس حواری نے پاک اور مقدس لوگوں کی فہرست میں لکھا ہے ۔

سر ولیم میور کو مناسب تھا ۔ کہ ان حالات پر خیال کر کے اسلام کی نسبت مقدس جھوٹ کی بے جا طور پر تہمت لگانے کی کوشش نہ فرماتے ۔ اسلام سرتاپا صدق ہے ۔ وہ نہایت درجہ کے صدق اور راست بازی کا دین ہے اور اسی حیثیت سے اور سب دینوں پر جن میں کسی نہ کسی قدر جھوٹ کی آمیزش پائی جاتی ہے فوقیت کے دعوے کا مجاز ہے ۔

(۷)

# قرآن جناب پیغمبر خدا پر کس طرح نازل ہوا

انہ القرآن کریم فی کتاب مکنون لا یمسّہ الاّ المطھّرون

قرآن مجید جناب پیغمبر خدا پر حضرت موسیٰ کی طرح پتھر کی تختیوں پر کھدا ہوا نازل نہیں ہوا تھا اور نہ اس بات کی ضرورت پڑی تھی کہ اُن کے ٹوٹ جانے کے سبب اُس کے ضائع ہونے کا خوف ہوا ہو اور پھر آن حضرت کے اصحاب کے لیے اُس کی دوبارہ نقل پتھر کی تختیوں پر کھودنے کی ضرورت پڑی ہو۔ اُس کے نزول کی نسبت کوئی امر عجائبات سے بھرا ہوا نہ تھا کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل سینا کا پہاڑ تھا اور مسلمانوں کے دل پتھر کی لوحیں تھیں۔ خدا فرماتا ہے کہ "بے شک وہ اُتارا ہوا ہے عالموں کے پروردگار کا۔ اُس کو اُتارا ہے روح الامین نے اوپر تیرے دل کے تاکہ تو ہو ڈرانے والوں میں سے (اُس کو اُتارا ہے) عربی زبان واضح میں اور بے شک وہ ہے اگلوں کے صحیفوں میں۔

و انہ لتنزیل رب العالمین نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین و انہ لفی زبر الاولین (سورہ شعرا)۔

## نزول قرآن کے متعلق عائشه صدیقه کی روایت

حضرت عائشه صدیقه نزول وحی کی کیفیت اس طرح بیان کرتی هین که حارث بن هشام نے آن حضرت سے پوچها

عن عایشه ان الحارث بن هشام سأل رسول الله صلعم فقال یا رسول الله کیف یاتیک الوحی فقال رسول الله صلعم احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس هواشد علی فیفصم عنی و قد وعیت عنه ما قال و احیانا یتمثل لی الملک رجلا فیکلمنی فاوعی مایقول ----- (متفق علیه) -

که یا رسول الله آپ پر وحی کیون کر آتی هے - آپ نے فرمایا که کبهی تو گهنٹه کی آواز کی طرح آتی هے اور وه مجه پر بہت سخت هوتی هے پس پهر مجه سے منقطع هو جاتی هے اور مین نے یاد رکها جو کہا اور کبهی فرشته آدمی کی صورت مین مجه سے کلام کرتا هے - پس مین یاد رکهتا جو کہتا هے -

جو طریقه نزول وحی کا اس حدیث مین رسول خدا نے بتایا اُس مین کوئی عجیب امر یا اسرار نہین هے لیکن بالفعل هم اس مضمون کو اور وحی کی حقیقت کے بیان کو چهوڑ دیتے هین کیون که همارا اراده هے که جب پیغمبر خدا کی سوانح عمری کے اس مقام پر پہنچین - جب که آن حضرت پر اولا وحی نازل هوئی تهی اُس وقت هم اُس کو شرح و بسط سے بیان کرین گے -

## وحی یعنی قرآن مجید جب نازل هوتا تها لکها جاتا تها یا نہین

آن حضرت کے زمانه سے پیش تر اور نیز آن حضرت کے

زمانہ میں ملک عرب میں کوئی معین یا باقاعدہ طریقہ تعلیم کا
جاری نہیں تھا - عربوں میں صرف دو شاخیں علم کی تھیں
یعنی قدرتی فصاحت و بلاغت اور علم الانساب - اُن کی تحصیل
کے لیے کسی مکتب یا مدرسہ میں تعلیم کے پا۔ کی ضرورت
نہ تھی وہ صرف زبانی تعلیم پر منحصر تھے۔ اسی وجہ سے اس زمانہ
میں بے شمار آدمی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور جو لوگ
لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے اُن کی تعداد نہایت محدود تھی پہلے یعنی
جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے پچھلوں کے مقابلہ میں اُمی
کہلاتے تھے - اگرچہ ان دونوں قسموں کے لوگوں میں بہت
ھی کم فرق تھا -

اس میں کچھ شک نہیں کہ آں حضرت کو لکھنا پڑھنا
کچھ نہیں آتا تھا نہ وہ خود لکھ سکتے تھے اور نہ اوروں کا
لکھا پڑھ سکتے تھے اور اسی سبب سے آں حضرت کا لقب اُمی
ہو گیا تھا - ہمارے امر بیان کی تصدیق بے شمار معتبر اور
مستند روایات اور احادیث سے ھوتی ھے اور اس کے بر خلاف
ایک بھی ایسی روایت نہیں پائی جاتی جو کسی قدر بھی
معتبر ھو - درحقیقت اگر آں حضرت کو لکھنا پڑھنا آتا ھوتا
تو ان کے صحابہ رفقا اور متبعین اس امر میں کسی طرح
سکوت اختیار نہ کرتے اور ان کی ازواج مطہرات اور اُن کے
عزیز اور اقربا اور بالخصوص اُن کے چچا جنھوں نے اُن کو
پالا تھا بے خبر نہیں رہ سکتے تھے اور نہ ایسی جرأت ھو
سکتی تھی - کہ اپنے قبیلہ کے سامنے خلاف واقعہ اپنے آپ کو
اُمی فرماتے اور قرآن مجید میں بھی اپنے تئیں امی لقب سے
ظاھر کرتے - کیوں کہ ایسی صورت میں مخالفین کو گرفت کا
آسان موقع ھاتھ آ جاتا اور عقائد اسلام کی تصدیق پر اُن کو

ہرگز یقین نہ آتا ۔ قطع نظر اس کے ایک ایسی خفیف بات کے چھپانے سے جناب پیغمبر خدا کو کیا فائدہ تھا ۔ آن کا لکھا پڑھا ہونا منصب نبوت کے کسی طرح مخالف نہ تھا اور نہ اُس سے قرآن مجید کی شان اور اس کے معجزہ میں اور بے مثل فصاحت و بلاغت میں کچھ فرق آ سکتا تھا کیوں کہ حروف کے لکھ لینے یا پڑھ لینے سے کوئی انسان فصیح و بلیغ نہیں ہو سکتا خصوصاً ایسا فصیح و بلیغ جس کا مثل عرب کے بڑے بڑے فصحا میں سے کوئی بھی نہ تھا ۔

اسلام کے مورخوں میں سے کسی کو اس بات کا انکار نہیں ہے کہ اُس زمانہ میں فن تحریر کا عرب میں رائج تھا اور کچھ لوگ لکھنا جانتے تھے اور اوروں کا لکھا ہوا پڑھ سکتے تھے ۔ اُس زمانہ کے بڑے بڑے شاعر اپنے قصیدوں کو کعبہ کی دیواروں اور دروازوں پر آویزاں کرتے تھے ۔ چناں چہ قصائد سبعہ معلقہ اسی نام سے مسلمانوں میں معروف و مشہور ہیں اس وقت عرب میں بے شک فن تحریر کا رواج تھا مگر بہت کم لوگ اُس کو جانتے تھے اور بمقابلہ نہ جاننے والوں کے اُن کی تعداد بہت قلیل تھی ۔

ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وحی جو آں حضرت پر وقتاً فوقتاً نازل ہوتی تھی دو قسم کی تھی : اول وہ تھی جس کے بجنسہٖ الفاظ پیغمبر خدا پر نازل ہوتے تھے اور بجنسہٖ وہی الفاظ پیغمبر خدا پڑھ سناتے تھے دوسری وہ جس کا مطلب پیغمبر خدا پر القا ہوتا تھا اور پیغمبر خدا اپنے الفاظ میں اُس کو بیان فرماتے تھے ۔ اول قسم کی وحی کو ہم اصطلاحاً وحی متلو یا قرآن یا کلام اللہ کہتے ہیں ۔ اور دوسری قسم کے وحی کو وحی غیر متلو یا حدیث ۔

جب کہ قرآن مجید کی کوئی آیت پیغمبر خدا پر نازل ہوتی تھی تو آں حضرت کسی کاتب کو بلواتے تھے اور بجنسہٖ وہی الفاظ جو بہ ذریعہ وحی کے القا ہوتے تھے لکھوا دیتے تھے تاکہ لوگ اُس کو بہ خوبی یاد کر لیں اور وہ محفوظ رہیں۔ خود قرآن مجید کی اکثر آیتیں جیسے کہ "الم ذلک الکتاب" اور آیت "لا یمسہ الا المطہرون" اس پر دلالت کرتی ہیں گو کہ پچھلی آیت کی دوسری حقیقت ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی آیات نازلہ کے لکھ لینے کی رسم اوائل ایام نزول وحی سے اختیار کی گئی تھی کیوں کہ یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ آں حضرت کے مکہ سے ہجرت کرنے سے پیش تر یعنی اُس زمانے میں جب کہ اسلام کا آغاز تھا اور وہ وہ ایک ضعف کی حالت میں تھا اُن معدود لوگوں کے پاس جو ایمان لے آئے تھے ان وحیوں کی نقلیں موجود تھیں اور حضرت عمر کے خاندان میں بھی ان کے مسلمان ہونے سے پہلے اُس کی ایک نقل تھی اس لیے کہ اُن کی بہن مسلمان ہو گئی تھیں۔

جب کوئی قرآن کی آیت ایسی نازل ہوتی تھی کہ اُس کے پہلے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" ہوتی تھی تو سمجھا جاتا تھا کہ نئی صورت شروع ہوئی ہے چناں چہ ابو داؤد نے ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے۔ کہ آں حضرت صلعم سورۃ کا علیحدہ ہونا نہیں جانتے تھے جب تک کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" نازل ہو۔

عن ابن عباس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یعرف فصل السورۃ حتی ینزل علیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم (رواہ ابو داؤد)۔

پوری سورۃ وقت واحد میں نازل نہیں ہوتی تھی بلکہ بعض آیتیں کسی وقت اور بعض آیتیں کسی وقت نازل ہوتی تھیں اور اسی وجہ سے کسی صورت کی آیتیں بہ ترتیب لکھی نہیں جاتی تھیں بلکہ جدا جدا چمڑوں یا آونٹ کی ہڈیوں یا کھجور کی چھال پر لکھی جاتی تھیں ۔

اس بات کے ثبوت میں کہ جو کچھ چمڑوں یا ہڈیوں یا کھجور کی چھال وغیرہ پر لکھا گیا تھا وہ بالکل محفوظ اور متعدد لوگوں کے قبضے میں تھا ۔ چار معتبر حدیثیں موجود ہیں ۔

پہلی حدیث : ابن عباس کی ہے جو بخاری میں منقول ہے ۔

عن ابن عباس قال جمعت المحکم فی عہد رسول اللہ صلعم فقلت لہ وما المحکم قال المفصل (بخاری باب تعلیم الصبیان القرآن) ۔

ابن عباس نے کہا کہ میں نے محکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جمع کیا میں نے آن سے کہا کہ محکم کیا ۔ آنھوں نے کہا مفصل ۔

دوسری حدیث : قتادہ کی بھی بخاری میں موجود ہے قتادہ

حدثنا قتادۃ قال سئلت انس بن مالک من جمع القران علی عہد النبی صلعم قال اربعۃ کلہم من الانصار ابی بن کعب ۔ معاذ ابن جبل و زید بن ثابت و ابو زید ۔ (بخاری باب القراء) ۔

کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک سے پوچھا کہ آن حضرت کے زمانے میں قرآن کس نے جمع کیا کہا چار شخص نے جو چاروں انصار تھے ۔ ابی بن کعب ، معاذ بن جبل ، زید بن ثابت ، ابو زید ۔

تیسری حدیث : انس کی بخاری میں موجود ہے انس کہتے ہیں

عن انس قال مات النبی صلعم ولم یجمع القرآن غیر اربعة ابوالدرداء معاذ بن جبل و زید بن ثابت و ابو زید (بخاری باب القراء) ۔

کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کی اور چار شخصوں کے سوا کسی نے قرآن نہیں جمع کیا ۔ ابو درداء ، معاذ بن جبل ، زید بن ثابت ، ابو زید ۔

اور چوتھی وہ حدیث ہے جس میں بیان ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت میں زید ابن ثابت نے جب قرآن مجید کو ایک جگہ جمع کرنا چاہا تو قرآن مجید کی تمام آیتیں جو مختلف وقتوں میں نازل ہوئی تھیں اور مختلف چیزوں پر لکھی ہوئی تھیں اور مختلف اشخاص کے قبضہ میں تھیں اُن سب کو منگا کر اکٹھا کیا ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تحریرات سب موجود اور محفوظ تھیں ۔

## سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کیوں کر ہوئی اور کس نے کی

ہم کو واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں کی ترتیب خود جناب پیغمبر

و عن ابن عباس قال قلت لعثمان ما حملکم علی ان عمدتم الی الانفال وھی من المثانی و الی البراة وھی من المائین فقرنتم بینھما ولم تکتبوا بسم اللہ الرحمن

خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اور اُن کی ہدایت اور حکم کے موافق عمل میں آئی تھی ۔ جیسے کہ ابن عباس کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے ابن عباس نے حضرت عثمان سے کہا کس چیز نے تم کو آمادہ کیا

الرحیم وو ضعتموا ھا فی
السبع الطوال ماحملکم
علی ذلک قال عثمان کان
رسول اللہ صلعم مما یاتی
علیہ الزمان ینزل علیہ
السور ذوات العدد وکان
اذا نزل علیہ شئی دعا
بعض من کان یکتب
فیقول ضعوا ھؤلاء
الایات فی سورۃ التی یذکر
فیھا کذا و کذا و کانت
الانفال من اوائل مانزل
بالمدینۃ و کانت براۃ من
آخرۃ القرآن نرلا و کانت
قصتھا شبیھۃ بقصتھا فقبض
رسول اللہ صلعم ولم یبین
لنا انا انھا منھا فمن
اجل ذلک قرنت بینھما
ولم اکتب سطر بسم اللہ
الرحمان الرحیم وو ضعتھا
فی السبع الطوال ۔ (رواہ
احمد و الترمذی و ابو داؤد) ۔

انفال کی طرف کہ وہ مثانی میں
سے ہے اور براءۃ کی طرف کہ
وہ مائین میں سے ہے ۔ تمھارے
اس ارادے کا پھر اُن دونوں
کو ملا دیا اور بسم اللہ الرحمان
الرحیم کو نہیں لکھا ۔ اور ان
دونوں کو سبع طوال میں رکھا
اس بات پر تم کو کس چیز
نے آمادہ کیا ۔ عثمان نے کہا ۔
حضرت پر بہت سی آیتوں والی
سورتیں ایک مدت میں اُترتی
تھیں ۔ اور جب آپ پر کچھ
اُترتا تھا تو آپ اُن میں سے
کسی کو جو لکھا کرتے تھے
بلا کر فرماتے تھے ۔ کہ ان
آیتوں کو اُس سورت میں رکھو
جس میں ایسا ایسا ذکر کیا
گیا ہے ۔ اور انفال اُن میں سے
ہے جو اول مدینہ میں اُتری ۔
اور براءۃ سب سے آخیر میں
اُتری ۔ اور اس کا قصہ اُس کے
قصہ سے ملتا ھوا تھا پھر
آں حضرت کا انتقال ھوگیا اور
آپ نے بتایا نہیں کہ وہ اس سے ہے ۔ پس اس وجہ سے میں نے
اُن دونوں کو ملا دیا ۔ اور بسم اللہ الرحمان الرحیم کی سطر نہیں

لکھی - اور ان دونوں کو سبع طوال میں رکھا -

بخاری کی ایک اور روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود نے ستر سورتیں خود آں حضرت کے منہ سے سن کر یاد کر لی تھیں چناں چہ اُس میں لکھا ہے کہ عبداللہ نے خطبہ پڑھا اور کہا کہ بخدا میں نے آں حضرت کے منہ سے کچھ اوپر ستر سورتیں لیں (یعنی سیکھیں) -

عن شقیق بن سلمة قال خطبنا عبداللہ فقال واللہ لقد اخذت من فی رسول اللہ صلعم بضعا وسبعین سورة (بخاری باب تالیف القرآن) -

ایک اور روایت میں بخاری اُن لوگوں کے نام بیان کرتا ہے - جنھوں نے قرآن مجید کو حفظ کر لیا تھا اور اُن کے نام یہ ہیں عبداللہ ابن مسعود ، سلام ، معاذ بن جبل ، ابی ابن کعب اور ایک روایت میں آیا ہے کہ منجملہ مقتولین جنگ یمامہ کے جو پیغمبر خدا کی وفات کے تھوڑے ہی بعد ہوئی تھی - ستر شخص ایسے شہید ہوئے تھے - جن کو قرآن مجید بالکل حفظ تھا -

ان تمام روایتوں سے دو امر بخوبی ثابت ہوتے ہیں - اول یہ کہ گو جناب پیغمبر خدا کی حیات میں قرآن مجید چمڑے وغیرہ پر کیسی ہی بے ترتیبی سے لکھا ہوا موجود ہو - مگر جن لوگوں نے کہ پوری سورتیں یاد کرلی تھیں - اُن میں آیتوں کی بالکل ترتیب تھی اور وہ ترتیب یقینی آں حضرت کی ہدایت اور حکم کے موافق تھی - دوسرے یہ کہ جن لوگوں نے قرآن مجید کو ترتیب وار حفظ کر لیا تھا - اُس سے یہ دلیل مستنبط ہوتی ہے - کہ قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب بھی آں حضرت ہی

کے فرمانے سے لوگوں کو معلوم ہو گئی تھی -

جناب پیغمبر خدا خود بھی قرآن مجید کی تلاوت
فرمایا کرتے تھے اور مسلمانوں کو بھی آس کے
پڑھتے رہنے کی ہمیشہ ہدایت کرتے تھے -

اس مضمون کی نسبت ہم کو کچھ زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ، بلکہ صرف آن معتبر اور مستند حدیثوں کا نقل کر دینا کافی ہے - جن سے امر مذکورہ کا ثبوت ہوتا ہے اور جن سے پایا جاتا ہے کہ قرآن مجید کے پڑھنے اور یاد رکھنے میں جس ترتیب سے کہ پیغمبر خدا نے فرما دیا تھا کس قدر لوگوں کو توجہ تھی اور وہ حدیثیں یہ ہیں -

پہلی حدیث : بخاری کی ہے - آس میں بیان کیا ہے -

| | |
|---|---|
| عن عثمان رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم خیر کم من تعلم القرا'ان و علمه (رواه البخاری) - | که حضرت عثمان سے روایت ہے که فرمایا رسول الله صلی الله علیه و سلم نے تم میں اچھا وہ شخص ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا - |

دوسری حدیث : مسلم کی ہے عقبه بن عامر کہتے ہیں که رسول الله صلی الله علیه وسلم

| | |
|---|---|
| عن عقبة بن عامه قال خرج رسول الله صلی الله علیه و سلم ونحن فی الصفة فقال ایکم یحب ان یغذ و کل یوم الی بطحان اعقیق فیاتی | باهر تشریف لائے - اور ہم لوگ صفه میں تھے - پس فرمایا که تم لوگوں میں سے کس کو یه پسند ہے که ہر روز صبح کو بطحان یا عقیق جائے اور دو اونٹنیاں لائے بغیر اس کے |

بناقتين كم دين في غيرا ثم ولا قطع رحم قلنا يا رسول الله كلنا نحب ذلك قال افلا يغدو احدكم الى المسجد فيعلم او يقرا ايتين من كتاب الله خير له من ثلث واربع خير له من ثلث واربع خير له من اربع و من اعداد هن من الابل (رواه مسلم)۔

کہ مرتکب جرم ہو یا قطع رحم کرے ۔ ہم لوگوں نے کہا یا رسول اللہ یہ تو ہم سب لوگ چاہتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا کیا پس تم لوگ مسجد میں ہر صبح کو آکر دو آیتیں کتاب اللہ کی نہیں سیکھتے یا نہیں پڑھتے جو دو اونٹنیوں سے اس کے لیے بہتر ہیں اور تین تین سے بہتر ہیں اور چار چار سے بہتر ہیں اور جتنی ہوں اتنی اونٹنیوں سے بہتر ہیں ۔

تیسری حدیث : مسلم اور بخاری دونوں کی ہے ۔

عن عايشة قالت قال رسول الله صلعم الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البورة والذي يقرأ القرآن و يتتعتع فيه وهو عليه شاق له اجران (متفق عليه)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قرآن کا ماہر ہو وہ پاکیزہ بزرگ نیک لوگوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس مین دقت اٹھاتا ہے اور اس پر شاق ہے اس کو دوہرا ثواب ہے ۔

چوتھی حدیث بھی مسلم اور بخاری دونوں مین موجود

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلعم لاحسد الا علی اثنین رجل آتاہ اللہ القرآن فھو یقوم بہ اناء الیل و آناء النھار و رجل اتاہ اللہ مالا فھو ینفق منہ اناء اللیل و اناءِ النھار (متفق علیہ) ۔

ہے ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رشک کے قابل صرف دو شخص ہیں ایک وہ جس کو خدا نے قرآن دیا ہو (یعنی اُس کو قرآن پڑھنا آتا ہو) اور وہ برابر دن رات تلاوت کرتا رہے اور ایک وہ جس کو خدا نے مال دیا اور وہ برابر دن رات خرچ کیا کرے (یعنی خیرات دیا کرے۔

پانچویں حدیث کو بھی مسلم اور بخاری دونوں نے نقل کیا ہے

عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلعم مثل المومن الذی یقراء القرآن مثل الا ترجۃ ریحھا طیب و طعمھا طیب و مثل المومن الذی لا یقراء القرآن مثل التمرہ لا ریح لھا و طعمھا حلو و مثل المنافق الذی لا یقراء القرآن کمثل الحنظلۃ لیس لھا ریح و طعمھار و مثل المنافق الذی یقراء القرآن مثل الریحانہ

ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ آں حضرت نے فرمایا جو مسلمان قرآن پڑھتا ہے اُس کی مثال ترنج کی سی ہے اس کا مزا بھی اچھا اور خوشبو بھی اچھی ۔ اور جو مسلمان قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال چھوارے کی سی ہے ۔ خوشبو نہیں اور مزہ میٹھا ہے اور جو منافق قرآن نہیں پڑھتا اُس کی مثال اندرائن کی سی ہے خوشبو کچھ نہیں اور مزا کڑوا ۔ اور جو منافق قرآن

ریحها طیب و طعمها مر (متفق علیه) ۔

پڑھتا ہے اس کی مثال ریحانه کی ہے خوشبو اچھی اور مزا کڑوا ۔

چھٹی حدیث کو ترمزی اور نسائی اور ابن ماجه نے نقل کیا ہے ۔ ابوهریره کہتے

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلعم تعلموا القرآن فاقرؤاه فان مثل القرآن لمن تعلم فاقرواء و قام به کمثل جواب محشو مسکا تفوح ریحه کل مکان و مثل من تعلمه فرقد وهونی جوفه کمثل جواب اوکی علی مسلک (رواه الترمذی و النسائی و ابن ماجة) ۔

هیں فرمایا رسول الله صلی الله علیه وسلم نے سیکھو قرآن اور پڑھاؤ ۔ کیوں که جو شخص قرآن سیکھے اور پڑھے اور اس پر قائم رہے اس کے لئے قرآن ایسا ہے جیسے ایک کیسه مشک سے بھرا ہوا ۔ اس کی خوش بو ہر جگه پھیلتی ہے اور جو شخص قرآن سیکھ کر سو گیا ہو اور وہ اس کے پیٹ میں ہو وہ مثل ایک کیسه کے ہے جو مشک بھر کر بند کر دیا ہو ۔

ساتویں حدیث کو بیہقی نے نقل کیا ہے ۔ ابن عمر

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلعم ان هذه القلوب تصدا کما یصدا الحدید اذا اصابه الماء قیل یا رسول الله ما وجلاء ها قال کثرة ذکر الموت

کہتے هیں رسول الله صلی الله علیه وسلم نے فرمایا که دلوں کو بھی مورچه (زنگ) لگ جاتا ہے جس طرح لوہے کو لگتا ہے لوگوں نے کہا یا رسول الله پھر وه صاف کیوں کر ہو فرمایا موت

و تلاوت القرآن ۔ (رواہ البیهقی) ۔

کو بہت یاد کرنے اور قرآن کی تلاوت کرنے سے ۔

آٹھوین حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہے ۔ عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ منبر

عن عبداللہ بن مسعود قال قال لی رسول اللہ صلعم علی المنبرا اقراء علی قلت اقراء علیک و علیک انزل قال انی احب ان اسمعه من غیری فقراءت سورة النساء حتی اتیت الی ھذہ الایة فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید و جئنابک علی ھؤلاء شهیدا قال حسبک الان فالتفت الیه فاذا عیناہ تذرقان (متفق علیه) ۔

پر مجھ سے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قرآن سناؤ ۔ میں نے کہا کہ آپ کے آگے میں پڑھوں اور آپ پر تو نازل ہوا ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ دل پسند ہے کہ دوسرے سے سنوں ۔ پس میں نے سورہ نساء پڑھی یہاں تک کہ میں اس آیت پر آیا "فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید و جئنابک علی ھولاء شهیدا" (یعنی پس کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور تجھ کو ان سب گواہوں پر گواہ لائیں گے) آپ نے فرمایا اچھا بس ۔ میں نے جو آنکھ اٹھا کر دیکھا ۔ تو آپ کی آنکھیں آنسو گرا رہی تھیں ۔

نویں حدیث ابو داؤد میں بیان ہوئی ہے ۔ ابو سعید کہتے ہیں کہ میں ضعیف مہاجروں کے

عن ابی سعید الخدری قال جلست فی عصابة من

ایک گروہ میں بیٹھا تھا ۔ اور ان میں سے بعض بعض سے بوجہ

ضعفاء المهاجرين و ان بعضهم ليستتر ببعض من العری و قاری یقوم علینا اذ جاء رسول اللہ صلعم فقال علینا فلما قام رسول اللہ صلعم سکت القاری فسلم ثم قال ما کنتم تصنعون قلنا کنا نستمع الی کتاب اللہ قع فقال الحمد اللہ الذی جعل من امتی من آمرت ان اصبر نفسی معهم قال فجلس و سلطنا لیعدل بنفسه فینا قال بیده هکذا فتحلقوا او بزرت وجوههم له فقال البشر و ایا معشر صعالیک المهاجرین بالنور التام یوم القیمة تدخلون الجنة قبل اغنیاء الناس بنصف یوم ذلک خمسمائة (رواه ابو داؤد) ۔

عریانی چھپتے تھے ۔ اور ایک قاری ہم پر قرآن پڑھتا تھا اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ۔ اور کھڑے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھڑے ہوئے تو قاری چپ ہو گیا آپ نے سلام کیا اور فرمایا کہ تم کیا کر رہے تھے ۔ ہم لوگوں نے کہا خدا کی کتاب سن رہے تھے ۔ آپ نے فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے میری امت میں سے ایسے لوگوں کو کیا جن کے ساتھ مجھے صبر کرنے کا حکم ہے ۔ کہا ابو سعید خدری نے کہ پھر آں حضرت ہم لوگوں کے بیچ میں بیٹھ گئے تاکہ اپنے کو ہم لوگوں کے برابر کریں ۔ پھر ہاتھ سے اشارہ کیا کہ پس پس لوگ گرداگرد بیٹھ گئے اور سب کا منہ آں حضرت کی طرف تھا پس فرمایا کہ اے مفلس مہاجرین تم کو خوش خبری ہو نور کامل کی قیامت کے دن ۔ تم لوگ جنت میں مال داروں سے آدھے دن پہلے جاؤ گے اور یہ پانچ سو برس کا ہوگا ۔

# نازل ہونا قران کا سات قرائتوں میں
# یا قرأت مختلفہ میں

اختلاف قرأت ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے سبب سے عیسائی مصنفوں کو نہایت دھوکا پڑا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح عہد عتیق اور عہد جدید کی کتابوں میں اختلاف قرأت ہے اسی طرح کا اختلاف قرأت قرآن مجید میں بھی ہے ۔ حالاں کہ وہ دونوں بالکل مختلف ہیں اور جو اسباب کہ عہد عتیق اور عہد جدید میں قرأت مختلفہ کے پیش آئے ہیں ۔ اس سے اور قرآن مجید کی قرأت سبعہ سے زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ اگر ہم قرآن مجید کی قرأت سبعہ یا اختلاف قرأت کو انھیں معنوں میں لیں جن معنوں میں کہ عیسائیوں نے لیا ہے تو بہ آسانی کہا جا سکتا ہے ۔ کہ ہم مسلمانوں کے قرآن مجید میں اختلاف قرأت مطلق نہیں ہے ۔

عہد عتیق اور عہد جدید میں جو اختلاف قرأت ہے اس کی بنیاد اور اس کے اسباب اور اس کے نتائج رورنڈ مسٹر ہارن نے یہ بیان کیے ہیں کہ "دو یا زاید قرأت مختلفہ میں صرف ایک ہی قرأت صحیح ہو سکتی ہے اور باقی کاتب کی عمداً تحریفات یا غلطیاں ہوں گی" مگر قرآن مجید میں یہ بات نہیں ہے کیوں کہ تمام اختلاف قرأت اس معنی میں جس میں کہ مسلمانوں نے اس اصطلاح کو قرار دیا ہے جس قدر قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں وہ سب صحیح اور سب درست ہیں گو ظاہر میں یہ امر کیسا ہی متناقض معلوم ہوتا ہو ۔

رورنڈ مسٹر ہارن نے عہد عتیق اور عہد جدید میں قرأت مختلفہ کے واقع ہونے کے یہ اسباب بیان کیے ہیں (۱) "ناقلوں کی

چوک اور غلطیان - (۲) منقول و منہ میں سقم اور غلطیوں کا موجود ہونا - (۳) کاتبوں کا بدوں کسی کافی سند کے متن کی عبادت کی اصلاح کی خواہش کرنا - (۴) قصداً تحریفات کا کرنا جو کسی فریق کے حصوں مدعا کے واسطے کی گئی ہوں -'' ان اسباب کو قرآن مجید کی اختلاف قرأت سے کچھ بھی علاقہ نہیں ہے - بلکہ قرآن میں جو اختلاف قرأت ہیں اُن کے اسباب حسب تفصیل ذیل ہیں :

اول - تمام قرآن مجید یا اُس کی سورتیں ایک وقت میں نازل نہیں ہوئی تھیں - بلکہ کوئی آیت کسی سورت کی کسی وقت میں اور کوئی آیت کسی وقت میں نازل ہوئی تھی - ایک سورت ابھی ختم ہونے نہیں پائی تھی کہ دوسری سورت نازل ہونی شروع ہوئی اور ایسی چند آیتیں نازل ہوئیں جن کا مضمون اُس سورت کی آیتوں سے جو پہلے نازل ہو چکی تھی بالکل مختلف تھا اور یہ سورت بھی نامکمل رہ کر ایک اور سورت نازل ہونی شروع ہو گئی اور اسی طرح سلسلہ جاری رہا - تمام آیتیں جس طرح پر نازل ہوئیں علیحدہ علیحدہ چمڑوں کے ٹکڑوں پر اور بے ترتیبی سے لکھی ہوئی رہیں - اگرچہ پیغمبر خدا نے تمام آیتوں اور سورتوں کی ترتیب لوگوں کو بتلا دی تھی تاہم لوگوں کو جن کے پاس قرآن مجید کی آیتوں کی نقلیں منتشر حالت میں موجود تھیں اُن سب کو اس کا علم نہیں ہوا تھا اس سبب سے آیتوں کو بہ ترتیب پڑھنے میں اختلاف واقع ہوا - بعض لوگوں نے بعض آیتوں کو اُن آیتوں کے ساتھ ملا کر پڑھا جن سے وہ ٹھیک طور پر علاقہ نہیں رکھتی تھیں -

دوم - نقطوں کا اختلاف - قدیم تحریر میں جس کے نمونے اب بھی ہمارے پاس موجود ہیں - نقطوں کے دینے کا بہت کم

رواج تھا - فعل مضارع کے پہلے حرف "ی" غائب کے صیغہ پر اور حرف "ت" حاضر کے صیغہ پر آتی ہے - لکھنے میں ان دونوں حرفوں کی ایک ہی صورت ہے - صرف فرق یہ ہے کہ پہلے حرف کے نیچے دو نقطے ہوتے ہیں اور دوسرے حرف کے اوپر دو نقطے ہیں - نقطوں کے لکھنے کا قدیم تحریر میں رواج نہ ہونے سے کسی نے اُس حرف کو "ی" پڑھا اور کسی نے "ت" اور علماء نے اُس کو اختلاف قرأت قرار دیا -

سوم - عرب کی مختلف قوموں میں جو مختلف اقطاع میں رہتی تھیں مختلف لہجے تھے اور ہر ایک قوم اپنے لہجہ میں قرآن مجید کی آیتوں کو پڑھتی تھی اور اختلاف لہجہ کو بھی علما نے اختلاف قرأت میں داخل کیا ہے -

چہارم - اعراب کا اختلاف - قدیم تحریر میں لفظوں پر اعراب دینے کا بھی دستور نہ تھا اور نہ اہلِ عرب کو کہ عربی خود اُن کی مادری زبان تھی اعراب دینے کی ضرورت تھی - مگر بعض دفعہ جملوں کے دو طرح پر ربط دینے سے اعراب میں اختلاف ہو جاتا ہے - اس سبب سے لوگ بعض الفاظ کے اعراب میں اختلاف رکھتے تھے مثلاً وضو کی آیت میں جو لفظ "ارجلکم" واقع ہے بعضوں نے خیال کیا کہ اُس کا عطف "وجوھکم" پر ہے جو اُسی آیت میں واقع ہے اور اسی سبب سے اُنھوں نے "ارجلکم" کے "ل" کو مفتوح پڑھا - اور بعضوں نے اس کا عطف "رؤسکم" پر خیال کیا اور "ارجلکم" کے "ل" کو مکسور پڑھا - اگرچہ ایسی مثالیں بہت کم ہیں مگر علماء نے اس کو بھی اختلاف قرأت میں داخل کیا - حالاں کہ درحقیقت یہ ایک بحث نحو کے قواعد سے

متعلق ہے نہ اختلاف قرأت سے ۔

پنجم۔ عربی زبان سے جو لوگ واقف ہیں وہ جانتے ہیں ۔ کہ ایک ہی مادہ کے افعال کے لیے عربی زبان میں متعدد ابواب ہوتے ہیں اور ان ابواب سے ایک ہی مادہ کے مختلف طرح پر صیغے مشتق کیے جاتے ہیں اور گو وہ لکھنے میں ایک ہی صورت کے ہوں مگر ان کا تلفظ مختلف ہو جاتا ہے اس وجہ سے بعض لفظوں کو قرآن مجید کے کسی شخص نے کسی باب سے مشتق سمجھ کر کسی تلفظ سے پڑھا اور کسی نے دوسرے باب سے مشتق سمجھ کر کسی تلفظ سے پڑھا ۔ عرب میں بعض قومیں ان ابواب میں سے کسی باب کا استعمال کرتی تھیں اور بعض قومیں کسی باب کا اور اسی سبب سے ان الفاظ کے تلفظ میں اختلاف ہو جاتا تھا ۔ اس قسم کا اختلاف بھی بہت ہی شاذ و نادر قرآن مجید میں ہے ۔ علمائے اسلام نے اس کو بھی اختلاف قرأت میں داخل کیا حالاں کہ وہ صرف عربی زبان کے قواعد صرف سے متعلق ہے ۔

اس بیان سے واضح ہوگا کہ کتب عہد عتیق اور عہد جدید پر عیسائی عالموں نے جن معنی کو اختلاف قرأت کا اطلاق کیا ہے اور جو اسباب اس کے بیان کیے ہیں ۔ اس سے اور قرآن مجید کے اختلاف قرأت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے ۔ اگر اختلاف قرأت کے وہی معنی قرار دیں جو عیسائی عالموں نے قرار دیے تو اس کا قرآن مجید کی نسبت استعمال کرنا صریح غلطی اور خطا ہے ۔

جو امور کہ ہم نے اوپر بیان کیے ہیں ان کی توضیح کے لیے ہم چند حدیثوں کو اس مقام پر نقل کرتے ہیں ۔

پہلی حدیث - ابو داؤد اور بیہقی کی ہے - اُس نے جابر سے

عن جابر قال خرج علینا رسول الله صلعم و نحن نقرأ القرآن و فینا الاعرابی و العجمی فقال اقرؤا فکل حسن و سیجیی اقوام یقیمونه کما یقام القدح یتعجلونه ولا یتاجلونه - (رواه ابوداؤد البیهقی فی شعب الایمان) -

بیان کیا ہے کہ جابر کہتے ہیں کہ آں حضرت ہم لوگوں کے سامنے تشریف لائے اور ہم لوگ قرآن پڑھ رہے تھے اور ہم میں عربی و عجمی دونوں قسم کے لوگ تھے پس فرمایا کہ پڑھو سب اچھا ہے اور آئندہ ایسی قومیں آئیں گی کہ اُس کو سپاٹے سے پڑھیں گی تیر کے سپاٹے کی مانند جلدی کریں گی اور ٹھہر کر نہ پڑھیں گی -

دوسری حدیث - ترمذی کی ہے اُس نے ابی ابن کعب سے

عن ابی ابن کعب قال لقی رسول الله صلعم جبرئیل فقال یا جبرئیل انی بعثت الی امة امیین منهم العجوز والشیخ الکبیر و الغلام و الجاریة و الرجل الذی لم یقراء کتابا قط قال یا محمد ان القرآن انزل علی سبعة احرف (رواه الترمذی) -

بیان کیا ہے - ابی ابن کعب نے کہا کہ رسول الله صلی الله علیه وسلم جبرئیل سے ملے پس فرمایا کہ اے جبرئیل میں مبعوث ہوا ایک جاہل اُمت کی طرف جس میں بوڑھے اور بوڑھیا اور لڑکا و لڑکی اور ایسے آدمی ہیں - جنہوں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی جبرئیل نے کہا - اے محمد قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے -

تیسری حدیث - بخاری اور مسلم کی ہے اُن دونوں نے

عن ابن عباس ان رسول الله صلعم قال اقراءنی جبرئیل علی حرف فراجعته فلم ازل استزیده و یزیدنی حتی انتهی الی سبعة احرف قال ابن شهاب بلغنی تلک السبعة الا حرف انما هی فی الامر یکون واحد الا یختلف فی حلال ولا حرام ۔ (متفق علیه) ۔

ابن عباس سے بیان کیا ہے کہ رسول الله صلی الله علیه وسلم نے فرمایا مجھ کو جبرئیل نے قرآن پڑھایا ایک حرف پر پھر میں نے اُن سے دوہرا کر پڑھوایا پس میں برابر زیادہ پڑھواتا رہا اور وہ زیادہ کرتے گئے یہاں تک کہ سات حرف (یعنی قرأت) تک پہنچے ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ ساتوں حرف معلوم ہوئے سو مطلب ایک ہی رہتا ہے ۔ کسی حلال و حرام میں اُن سے اختلاف نہیں پڑتا ۔

چوتھی حدیث ۔ بخاری اور مسلم کی ہے اُن دونوں نے

عن عمر بن الخطاب رض قال سمعت هشام بن حکیم بن حزام یقرء سورة الفرقان علی غیر ما اقراءها و کان رسول الله صلعم اقرینبها فکدت عن اعجل علیه ثم امهلته حتی انصرف ثم لبیته بردائه فجئت به رسول الله صلعم فقلت یا رسول الله انی سمعت هذا تقراء سورة الفرقان

حضرت عمر سے بیان کیا ہے ۔ عمر بن خطاب نے کہا کہ میں نے ہشام بن حکیم بن حزام کو سورہ فرقان پڑھتے سنا خلاف اُس کے جس طرح میں پڑھتا ہوں اور مجھ کو رسول الله صلی الله علیه وسلم نے پڑھایا تھا ۔ پس قریب تھا کہ میں اُن پر جلدی کروں پھر میں نے اُن کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ پھر کر چلے پھر میں

علی غیر ما اقرأ فیها فقال رسول الله صلعم اقراء فقراه القراءة التی سمعته یقرأ فقال رسول الله صلعم هکذا انزلت ثم قال لی اقراء فقرأت فقال هکذا انزلت ثم قال لی اقراء خضرأت فقال هکذا انزلت ان القرآن انزل علی سبعة احرف فاقرأو ما تیسر منه (متفق علیه و اللفظ لمسلم) -

آن کو چادر پکڑ کر رسول اللہ صلعم کے پاس لایا اور کہا کہ یا رسول اللہ میں نے ان کو سورہ فرقان اور طرح سے پڑھتے سنا - اس طرح سے نہیں جس طرح آپ نے مجھ کو پڑھایا تھا - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آن کو چھوڑ دو کہ پڑھیں پس انھوں نے اسی طرح پڑھا جیسا کہ میں آن سے سن چکا تھا - پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح آتری ہے - پھر مجھ سے کہا پڑھو - میں نے پڑھا تو فرمایا اسی طرح آتری ہے - قرآن سات حرفوں پر آترا ہے جس طرح آسان ہو پڑھو -

پانچویں حدیث - حدیث بخاری کی ہے آنھوں نے ابن

عن ابن مسعود قال سمعت رجلا قرؤ سمعت النبی صلعم یقراء خلافها فجئت به النبی صلعم فاخبرته فعرفت فی وجهه الکراهة فقال کلا کما یحسن فلا تختلفوا فان من کان قبلکم اختلفو فهلکوا - (رواه البخاری) -

مسعود سے بیان کیا ہے کہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن پڑھتے سنا اور رسول اللہ صلعم کو اس کے برخلاف پڑھتے سنا - پس میں اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا اور اس بات کی اطلاع کی - پس میں نے حضرت کے چہرہ پر ناگواری دیکھی - پھر آپ

نے فرمایا تم دونوں ٹھیک پڑھتے ہو سو اختلاف مت کرو ۔ تم سے پہلوں نے اختلاف کیا تو ہلاک ہوئے ۔

جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا اُس سے ہر شخص کو معلوم ہوا ہوگا کہ قرآن مجید کے اختلاف قرأت اور توریت اور انجیل کے اختلاف قرأت میں بہت بڑا فرق ہے اور وہ اختلاف قرأت جس کو ہم نے مد اول میں داخل کیا ہے یعنی آیتوں کا آگے پیچھے اور اُلٹ پلٹ پڑھنا وہ اختلاف حضرت ابوبکر کے زمانۂ خلافت میں قریب قریب معدوم ہو گیا تھا جب کہ زید ابن ثابت نے قرآن مجید کے مختلف حصوں کو ایک جگہ جمع کر دیا تھا اور جب حضرت عثمان کی خلافت کے عہد میں جنھوں نے زید ابن ثابت کے جمع کیے ہوئے قرآن کی نقلیں مسلمانوں میں تقسیم کر دی تھیں اس اختلاف کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا تھا ۔

حاضر اور غائب کے صیغوں کا اختلاف جو صرف ی اور ت کے لفظوں کے سبب سے تھا وہ باقی رہا ۔ موجودہ قرآنوں میں اختلاف قرأت بھی لکھا جاتا ہے نہایت احتیاط سے حاشیہ پر اُن اختلافات کو لکھ دیا جاتا ہے ۔ مگر قرآن مجید کے پڑھنے والوں کو ظاہر ہے ۔ کہ وہ اختلاف نہایت قلیل اور شاذ و نادر ہیں اور معہذا اُن سے اصلی مطلب اور احکام قرآن مجید میں کچھ فرق نہیں ہوتا ۔

تلفظ کا اختلاف بھی قریب قریب معدوم ہو گیا ہے ۔ کیوں کہ قریش کے تلفظ کو سند قرار دینے میں کوششیں کام یاب ہوئی ہیں ۔ قریش ہی کے لہجہ اور زبان میں قرآن مجید نازل ہوا تھا اور اسی لہجہ اور زبان میں جناب پیغمبر خدا

اُس کو پڑھا کرتے تھے - لیکن جو کہ اس زبان میں بعض حروف ایسے ہیں جن کا تلفظ اور قوموں سے ادا نہیں ہو سکتا اس سبب سے اس اختلاف سے بالکل پیچھا نہیں چھوٹتا مثلاً اگر ہم کسی ایک عجمی اور کسی بدو اور کسی تربیت یافتہ عرب کو قرآن پڑھتے ہوئے سنیں تو فوراً پہچان لیں گے کہ یہ اختلاف اب بھی موجود ہے - مگر یہ اختلاف صرف قرآن مجید کے پڑھنے میں محسوس ہوگا - نہ اُس کے املا میں اور اسی لیئے وہ اختلاف ضبط تحریر میں نہیں آ سکتا اس کا اندازہ کرنے کو اُن لوگوں سے قرآن مجید کے سننے کی ضرورت ہے -

اعراب کا اختلاف بھی چند مقام میں جو بلحاظ قواعد صرف و نحو کے وقوع میں آیا ہے اب تک موجود ہے اور اُسی قسم کے قرآن مجید کے حاشیوں پر لکھ بھی دیا جاتا ہے اور قرآن مجید کی تفسیروں میں اُس کی نسبت ہر ایک امر کی تشریح کی جاتی ہے - ابواب کے اختلاف سے جو صیغوں میں تلفظ کا اختلاف ہے - وہ بھی بعض جگہ موجود ہے - اُس کی بھی تصریح اسی قسم کے قرآن مجید کے حاشیوں پر کی جاتی ہے اور تفسیروں میں اُن پر پوری بحث ہے -

مگر جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ان اختلافات سے قرآن مجید کے اصلی معنی اور مقصد میں کچھ اثر واقع نہیں ہوتا اور جو الزام کہ عیسائیوں پر اپنی کتابوں میں تحریف کرنے کا ہے اُس قسم کا الزام مسلمانوں پر قرآن کی آیات میں تصرف کرنے اور کمی و بیشی کرنے کا یا اپنی کتاب مقدس میں قصداً غلط اصلاحیں کرنے کا یا کسی فریق کے مدعا کے حاصل کرنے کے لیے تعریف کرنے کا یا کسی آیتوں کو چھپا ڈالنے کا الزام عائد نہیں ہو سکتا - علم ادب کی ایک شاخ ہے

جو بالتخصیص قرآن مجید کی عبارت پڑھنے سے علاقہ رکھتی ہے اور جس کا نام علم تجوید ہے ۔ اس پر بہت کتابیں لکھی گئی ہیں اور علماء نے شرح و بسط سے اس کی شرحیں کی ہیں ۔

## قرآن مجید کی آیات میں ناسخ و منسوخ ہونے کا بیان

عیسائی عالموں نے الفاظ ناسخ و منسوخ کے معنی سمجھنے میں جس کا اطلاق علمائے اسلام نے بطور اصطلاح کے آیات قرآنی پر کیا ہے بہت بڑی غلطی کی ہے ۔ انھوں نے غلطی سے یہ سمجھا ہے ۔ کہ ناسخ آیتوں نے منسوخ آیتوں کو اس وجہ سے کہ ان میں کچھ نقص یا کسی قسم کا اشتباہ تھا بے کار کر دیا ہے ۔ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے کیوں کہ علمائے اسلام نے جو دینیات کے مسائل کے محقق ہیں ان معنوں سے جو عیسائی عالم سمجھتے ہیں مختلف معنی قرار دیے ہیں ۔ مسلمانوں کا اس بات پر ایمان رکھنا ایک مذہبی فرض ہے کہ خدا تعالی علیم اور علام الغیوب ہے ۔ یعنی اس کو ماضی اور حال اور استقبال کا یکساں علم ہے ۔ پس اگر ناسخ و منسوخ کے یہ معنی سمجھے جاویں کہ اللہ تعالی نے ایک اپنے حکم سابق کو کسی حکم ما بعد سے بدیں وجہ کہ اس پہلے حکم میں کچھ نقصان تھا منسوخ کر دیا تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ حکم سابق کے وقت خدا تعالی کی صفت علم کامل میں کچھ نقصان تھا اور ایسا عقیدہ اسلام کی رو سے کفر ہے ۔ پس ظاہر ہے کہ علمائے اسلام نے جن معنوں میں لفظ ناسخ و منسوخ کو استعمال کیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے جو عیسائی عالم سمجھتے ہیں ۔

ناسخ و منسوخ کا لفظ اصطلاحاً دو چیزوں پر اطلاق

ہوتا ہے : ایک نبی سابق ایسی شریعت پر جو دوسرے نبی کی شریعت سے تبدیل ہو گئی ہو۔ مثلاً حضرت عیسٰیؑ کی شریعت سے پہلے ایک مرد اپنی زوجہ کی حیات میں اُس کی بہن یعنی اپنی سالی سے شادی کر سکتا تھا حضرت موسٰیؑ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور فرمایا کہ کوئی آدمی اپنی زوجہ کی زندگی میں اُس کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد کر سکتا ہے۔ حضرت موسٰیؑ نے مرد کو کامل اختیار دیا تھا کہ جب چاہے اپنی زوجہ کو طلاق دے دے اور گھر سے باہر نکال دے اس حکم کو بقول عیسائیوں کے حضرت عیسٰیؑ نے تبدیل کر دیا اور حکم دیا۔ کہ مرد اپنی زوجہ کو کسی صورت سے طلاق نہیں دے سکتا۔ جب تک کہ اُس نے کسی سے زنا نہ کیا ہو۔ آں حضرت نے بھی طلاق دینے کو مرد کے اختیار میں رکھا۔ لیکن اس پر یہ قید لگائی۔ کہ اگر بغیر کسی اشد ضرورت اور معقول وجہ کے ایسا کرے تو وہ ایک گناہ کا مرتکب ہوگا۔

الفاظ ناسخ و منسوخ کا استعمال جو علمائے اسلام نے شریعت انبیائے سابقین کی نسبت کیا ہے اور جس کا یہ مقصود ہے کہ ناسخ سے وہ شریعت مراد ہے جو شریعت نبی سابق کو غیر واجب العمل کر دے اور منسوخ سے وہ شریعت سابق مراد ہے جو غیر واجب العمل ہو گئی ہو۔ ان معنوں میں تو قرآن مجید کی آیتوں پر لفظ منسوخ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ قرآن مجیدؐ کے بعد کوئی ایسی شریعت نازل نہیں ہوئی اور نہ نازل ہوگی جو شریعت اسلام کو غیر واجب العمل کر دے۔ مگر ہم انبیائے سابقین کی شریعت کے منسوخ ہونے پر زیادہ بحث نہیں کریں گے بلکہ صرف اس مختصر بیان پر

ختم کریں گے کہ علمائے اسلام نے شریعت انبیائے سابقین پر بھی ناسخ و منسوخ ہونے کا اطلاق اُن معنوں میں نہیں کیا ہے - جو عیسائی خیال کرتے ہیں -

جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا اس سے ظاہر ہوگا کہ قرآن مجید کی وہ آیت جس کو ہم ذیل میں لکھتے ہیں قرآن مجید کی ایک آیت کے دوسری آیت کے منسوخ ہونے سے کچھ علاقہ نہیں ہے اور نہ اُس سے اس بات پر استدلال کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت قرآن مجید کی دوسری آیت کو منسوخ کرتی ہے کیوں کہ اُس آیت میں جو کچھ بیان ہے وہ انبیائے سابقین کی شریعت کے ناسخ و منسوخ ہونے سے متعلق ہے نہ قرآن مجید کی ایک آیت کے دوسری آیت سے اور وہ آیت یہ ہے -

ما یرد الذین کفرو من اهل الکتاب ولا المشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم و الله یختص برحمته من یشاء و الله ذوالفضل العظیم - ما ننسخ من آیة او ننسها نات بخیر منها او مثلها الم تعلم ان الله علی کل شیئی قدیر - (سوره بقر - آیت ٩٩ و ١٠٠) -

اهل کتاب جو کافر ہوئے اور مشرکین یہ نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے خدا کی طرف سے کوئی بھلائی اُترے اور خدا خاص کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے اور خدا بڑی فضیلت والا ہے - ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اُس سے اچھی لاتے ہیں یا اُس کے برابر - کیا تو یہ نہیں جانتا کہ خدا ہر شے پر قدرت رکھتا ہے -

مذکورہ بالا آیتوں سے کوئی ذی فہم شخص یہ نہیں

سمجھ سکتا کہ اُن سے قرآن مجید کی ایک آیت کا قرآن مجید کی دوسری آیت سے منسوخ ہونا پایا جاتا ہے بلکہ صاف اُس میں اہل کتاب کا ذکر ہے اور اہل کتاب جو اس بات کے مخالف تھے کہ اُن نی شریعت کے بر خلاف کوئی حکم نہ ہو اُس کی نسبت خدا نے کہا کہ ہم جس آیت یعنی حکم شریعت اہل کتاب کو منسوخ کرتے یا بھلاتے ہیں تو اُس سے بہتر یا اُسی کی مانند حکم بھیج دیتے ہیں۔

ہمارے نزدیک اس آیت سے کسی طرح یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ قرآن مجید کی ایک آیت دوسری آیت کو منسوخ کرتی ہے بلکہ اُس کو صریح شریعت اہل کتاب یا رسوم مشرکین سے علاقہ ہے جن کی طرف خاص اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ جن کی شریعت کے احکام میں شریعت محمدی سے کسی قدر کمی و بیشی ہو گئی ہے۔

دوسرے ناسخ و منسوخ کی اصطلاح کا اطلاق علماء نے قرآن مجید کی آیتوں اور احادیث نبوی پر بھی کیا ہے۔ لیکن نہ اُن معنوں میں جو عیسائی سمجھتے ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث نبوی میں ایسے احکام ہیں جو امر واحد سے علاقہ رکھتے ہیں مگر وہ احکام مختلف حالات اور مواقع پر صادر ہوئے ہیں اور جب کہ وہ حالت باقی نہیں رہتی تو وہ حکم جو اس حالت سے متعلق تھا غیر واجب التعمیل ہو جاتا ہے اور دوسرا حکم جو حالت تبدیل شدہ سے مناسب ہو صادر ہوتا ہے ایسی حالت میں علمائے اسلام حکم اول پر منسوخ اور اور حکم ثانی پر ناسخ کا اطلاق کرتے ہیں مگر اس کے یہ معنی کسی طرح نہیں ہو سکتے کہ حکم اول میں کسی قسم کا نقص تھا بلکہ وہ حالت خاص جس کے واسطے وہ حکم مناسب تھا

باقی نہیں رہی اس لیے وہ حکم بھی واجب التعمیل نہیں رہا ۔ لیکن درحقیقت منسوخ نہیں ہوا ۔ کیوں کہ اگر احیاناً وہی حالت پھر ظہور پذیر ہو تو وہی پہلا حکم واجب التعمیل ہوگا اور دوسرا حکم واجب التعمیل نہ رہے گا ۔

مثلاً جب شراب پینے کی امتناع کا حکم نازل ہوا تو آں حضرت نے سبز رنگ کے پیالوں کے استعمال کا بھی جو عرب میں بالتخصیص شراب پینے کے لیے مخصوص تھے منع فرمایا ۔ مگر جب شراب پینے کی امتناع کا حکم عموماً سب لوگوں کو معلوم ہو گیا اور اس کا رواج بھی اٹھ گیا اس وقت آنحضرت نے سبز رنگ کے پیالوں کے استعمال کی اجازت دے دی ۔ اسی قسم کی ایک یہ مثال ہے کہ جب تک مسلمان مکہ میں رہے جہاں کفار قریش کی حکومت تھی اور مسلمان اُن کے محکوم تھے اس وقت تک اُن کو اپنے حکام کے ہاتھ سے ہر قسم کی تکلیفوں اور سختیوں کو صبر اور استقلال کے ساتھ برداشت کرنے کا حکم رہا ۔ لیکن جب کہ مسلمان اُن کی عمل داری کو چھوڑ کر دوسرے ملک میں چلے گئے تو اس وقت جہاد کرنے کے احکام صادر ہوئے ۔ ان دونوں مثالوں میں علمائے اسلام نے اصطلاحاً حکم اول کو منسوخ اور حکم ثانی کو ناسخ سمجھا ہے لیکن اگر پہلی صورتیں پھر پیش آویں تو وہی پہلے حکم واجب التعمیل ہوں گے ۔

مختلف امور میں بعض احکام شریعت حضرت موسیٰؑ کے ایسے تھے کہ جب تک خاص احکام اُن کی نسبت آں حضرت پر نازل نہیں ہوئے آں حضرت نے انھیں حکموں پر عمل کیا ۔ مگر جب خاص حکم نازل ہوئے تو اُن کے مطابق کاربند ہوئے اور علماء نے اُن احکام موسوی پر بھی منسوخ اور ان احکام خاص پر ناسخ کا اطلاق کیا ۔ ان بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ

یہ الفاظ صرف اصطلاحیں ہیں جو علماء نے مقرر کی ہیں ۔ محققین علمائے اسلام کا عقیدہ ہے کہ الفاظ ناسخ و منسوخ اپنے اصلی اور لغوی معنوں میں قرآن مجید کی نسبت مستعمل نہیں ہوئے ہیں ۔

جعفر کی حدیث میں جو یہ روایت ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ ”میرا کلام قرآن مجید کو منسوخ نہیں کرتا ہے مگر قرآن مجید کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور قرآن مجید کی ایک آیت ایک آیت کو منسوخ کرتی ہے“ اور ابن عمر کی حدیث میں جو یہ روایت ہے کہ ”میرا ایک کلام میرے دوسرے کلام کو منسوخ کرتا ہے ۔ جس طرح کہ قرآن کی بعض آیتیں قرآن کی بعض آیتوں کو منسوخ کرتی ہیں ۔“ ان حدیثوں کی معتبر سند نہیں ہے اس لیے تسلیم کے قابل نہیں ہیں ۔

اس باب میں ابن ماجہ کی حدیث نہایت صحیح اور معتبر ہے جو اُن دونوں حدیثوں کے بر خلاف ہے اور جن سے اُن لوگوں کی رائے کی جو قرآن کی ایک آیت سے دوسری آیت کے منسوح ہونے کے قائل ہیں بخوبی تردید ہوتی ہے اور وہ حدیث یہ ہے :

عن عمرو ابن شعیب عن ابیه عن جده قال سمع النبی صلعم تو مایتدارؤن فی القرآن فقال انما هلک من کان قبلکم بهذا ضربوا کتاب الله بعضه ببعض و انما نزل کتاب الله یصدق بعضه بعضا فلا تکذبوا بعضه ببعض فما علمتم منه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کو سنا کہ قرآن میں جھگڑا کرتے ہیں ۔ پس فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے وہ اسی سے ہوئے خدا کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے لڑایا (یعنی

فقولوا بهِ و جهلتهم رد کیا) اور خدا کی کتاب
فکلوه الی عالمه (رواه تو اس لیے آتری ہے کہ بعض
احمد و ابن ماجه) - سے بعض کی تصدیق ہو - پس
بعض کی بعض سے تکذیب مت کرو - اس میں سے جو جانو وہ
کہو اور جو نہ جانو اس کو اس کے واقف کار پر چھوڑ دو -

اس حدیث سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں میں سے کوئی آیت بھی کسی آیت کی ناسخ ہے نہ کوئی آیت منسوخ ہے -

مگر عالموں کا یہ اختلاف محض لفظی بحث پر مبنی ہے کیوں کہ دونوں فریق یعنی وہ لوگ جو ناسخ و منسوخ کے ہونے کے قائل ہیں اور جو لوگ اس کے قائل نہیں ہیں دونوں کے مباحثوں سے ایک ہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے اس لیے ہم اس مقام پر ان پہلی دو حدیثوں کے نا معتبر اور غیر مستند ہونے پر بحث کرنی بے فائدہ سمجھتے ہیں - کیوں کہ دونوں فریقوں کا بہ لحاظ حقیقت حال کے ایک ہی عقیدہ ہے -

ایک زمانہ کے بعد جب کہ فقہائے اسلام نے قرآن مجید سے اوامر اور نواہی کا استنباط شروع کیا اور کتب فقہ کا تالیف ہونا شروع ہو گیا تو انہوں نے الفاظ ناسخ و منسوخ کو زیادہ وسیع اصطلاح میں استعمال کرنا شروع کیا جس پر نہ تو ان الفاظ کے لغوی اور لفظی معنی کا اور نہ ان معنوں کا جو ہم نے اوپر بیان کیے ہیں ٹھیک ٹھیک اطلاق ہو سکتا ہے -

مثلاً انہوں نے دیکھا کہ قرآن مجید کی ایک آیت میں کسی معاملہ کی نسبت ایک عام حکم ہے اور پھر کوئی خاص آیت ان کو ایسی ملی کہ جس سے اس عام حکم میں کسی حالت میں استثناء پایا جاتا تھا تو انہوں نے اس خیال

سے کہ وہ پہلی آیت اپنی عمومیت پر باقی نہیں رہی اُس کو منسوخ اور دوسری آیت کو اُس کا ناسخ قرار دیا حالاں کہ یہ صرف ایک فرضی اصطلاح ہے چناں چہ ہم ایک مثال سے اس امر کی زیادہ تر تشریح اور توضیح کرتے ہیں ۔

قرآن مجید میں ایک یہ آیت ہے کہ

و الذین یتوفون منکم و یذرون ازواجاً وصیةً لازواجھم متاعاً الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن من معروف و اللہ عزیز حکیم (سورۂ بقر آیت ۱۴۲) ۔

اور جو لوگ تم میں سے وفات پاتے ہیں اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیاں ۔ وصیت کر جاویں اپنی بیبیوں کے لیے فائدہ دینا ایک برس تک بن نکالے ۔ پس اگر نکل جاویں پس نہیں گناہ ہے تم پر اُس چیز میں کہ کریں وہ اپنے حق میں کچھ بہتری اور اللہ غالب دانا ہے ۔

اس آیت کے صاف اور سیدھے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ اپنے مرنے کے بعد ازدواج چھوڑ جاویں اُن کے ایک برس کے نان و نفقہ کے لیے وصیت کر جاویں تا کہ عورت (جو کہ اس جہاں میں اپنے تمام حوائجُ ضروری میں اپنے خاوند کی محتاج ہوتی ہے) اپنے رنج و مایوسی کے ایام میں خاوند کے مر جانے سے مصیبت اور تکلیف میں نہ پڑے ۔ ہمارے فقہاء نے بیان کیا کہ اس آیت سے تین حکم نکلتے ہیں : (۱) شوہر پر واجب ہے کہ زوجہ کے سال بھر کے نان و نفقہ کی وصیت کر جاوے ۔ (۲) زوجہ شوہر متوفی کی جائداد میں سے ایک سال سے زیادہ کے نان و نفقہ کی متسحق نہیں ہے ۔ (۳) زوجہ شوہر کی وفات کی تاریخ سے سال بھر تک کسی دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی ۔

جب کہ فقہا نے اپنی ذہانت سے یہ قرار دیا کہ اس آیت سے یہ تین مسئلے نکلتے ہیں تو اُن کو ایک اور آیت نظر پڑی جو ذیل میں مندرج ہے

و الذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعة اشھر و عشرا فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف۔ و اللہ بما تعملون خبیر ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبة النساء او اکننتم فی انفسکم علم اللہ انکم ستذکرونھن ولکن لا تواعدوھن سرا الا ان تقولوا قولا معروفا۔ (سورہ بقر آیت ۲۳۴ و ۲۳۵)۔

''اور جو لوگ تم میں سے وفات پاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں تو انتظار کرائیں (یہ عورتیں) اپنی جانوں کو چار مہینے اور دس دن۔ پس جب پہنچیں اپنی مدت کو پس تم پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ اُس چیز میں کہ وہ اپنے حق میں بھلائی سے کوئی بات کریں اور خدا اُس چیز سے خبر رکھتا ہے جو تم کرتے ہو اور نہیں گناہ ہے تم پر اس بات میں کہ اشارةً تم نے عورتوں سے پیغام نکاح کیا ہو یا تم نے اپنے دل میں چھپا رکھا ہو۔ خدا جانتا ہے کہ تم ان کو یاد کرو گے مگر اُن سے خفیہ وعدہ مت کر لو بجز اس کے کہ اچھی بات کہو۔''

اس آیت میں انھیں فقہاء نے اُس میعاد کی تصریح اور تعیین پائی جس عورت کو شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کرنا نہیں چاھیے اور اُنھوں نے سمجھا کہ یہ تعیین میعاد پہلی آیت کے تیسرے حکم سے جو اُنھوں نے از خود اپنی ذہانت سے قرار دے لیا تھا مختلف ہے تو اُنھوں نے پہلی آیت

کے تیسرے حکم کو بہ لفظ منسوخ تعمیر کیا اور پچھلی آیت کو اس کا ناسخ قرار دیا ۔

اُس کے بعد اُن کو ایک اور آیت نظر پڑی جو ذیل میں مندرج ہے

| | |
|---|---|
| و لھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم من بعد وصیہ توصون بھا او دین (سورہ نساء آیت ۱۴) ۔ | "اور ان کے لیے چوتھائی حصہ ہے تمہارے ترکہ میں سے اگر تمہارے کوئی اولاد نہ ہو پس اگر کوئی ہو تو اُن کے لیے آٹھواں ہے تمہارے ترکہ میں سے بعد وصیت کے جو تم نے کی ہو یا قرضہ ہو ۔" |

اس آیت سے اُنھوں نے یہ دیکھا کہ بیوہ عورت کے لیے اس آیت میں صاف صاف معین حصہ شوہر کے ترکہ میں سے معین ہے تو انھوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ پہلی آیت سے جو اُنھوں نے پہلا اور دوسرا حکم استخراج کیا تھا وہ دونوں حکم بھی اس آیت سے منسوخ ہو گئے اور یہ آیت اُن کی ناسخ ہے ۔

ہر سمجھ دار آدمی یہ بات جانتا ہے کہ مذہب اسلام میں فقہاء کا ایسا درجہ نہیں ہے کہ جیسا عیسائی مذہب میں پوپ کا درجہ ہے جس کو عیسائی خطا اور نسیان سے مبرا سمجھتے ہیں مسلمانوں کے مذہب میں قرآن مجید ہر شخص کی دسترس میں ہے اور ہر شخص کو اس میں حق بات تلاش کرنے کا اختیار ہے ۔ ہر مسلمان اس بات کا مجاز ہے کہ اگر وہ چاہے تو مذکورہ بالا تینوں مسئلوں کو جو فقہاء نے مذکورہ بالا آیت سے اخذ کیے ہیں اور جو درحقیقت ایک مسئلہ بھی ان مسئلوں میں سے اس آیت سے

اخذ نہیں ہو سکتا نہ مانے اور صاف کہہ دے کہ اُن آیتوں میں سے
کوئی آیت بھی ایک دوسرے کی ناسخ و منسوخ نہیں ہے پس کسی
آیت کو ناسخ اور کسی کو منسوخ قرار دینا صرف فقہاء کی
رائے ہے جو اُنھوں نے اپنے مسائل کے استنباط کے طریقہ
کی تسہیل کے لیے اختیار کی ہے مگر اُس سے یہ بات کہ
درحقیقت قرآن میں ناسخ و منسوخ ہے لازم نہیں آتی -

مگر افسوس یہ ہے کہ عیسائی عالموں نے جو سمجھا ہے
اُس میں دانستہ یا نا دانستہ غلطی کی ہے - مشہور و معروف
مؤرخ گبن اور ہمارے زمانہ کے بڑے عالم سر ولیم میور نے
ناسخ و منسوخ کی اصطلاحوں کے صحیح اور اصلی معنوں سے
جن میں ہمارے فقہاء نے ان کو مستعمل کیا تھا ناواقفیت کی
وجہ سے صریح مغالطہ کھایا ہے اور وہ خیالات بیان کیے ہیں
جن کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں -

گبن اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ "مرضی الٰہی کے دائمی
اور کامل اندازہ کی بجائے آیات قرآن (مجید) محمد (صلعم) کی
سمجھ کے مطابق مرتب ہوئی تھیں - ہر وحی اُن کی حکمت عملی
یا خواہش کے مناسب ہے اور آیتوں کا تناقض اس وسیع قول سے
کہ کسی پہلی آیت میں کسی پچھلی آیت سے تبدیل یا ترمیم
ہو گئی ہے رفع ہو گیا ہے -"

سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمد میں لکھتے ہیں کہ
"اگرچہ تنسیخ کا آسان عقیدہ قرآن میں تسلیم کیا گیا ہے
مگر مسلمان اس اجتماع ضدین کی تطبیق کی حتی الامکان کوشش
کرتے ہیں، تاہم بمجبوری ان کو معترف ہونا پڑا ہے کہ
قرآن میں کم سے کم دو سو پچیس آیتیں منسوخ ہیں -"

اس خطبہ کے شروع میں ہم نے بیان کیا ہے کہ آں حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم پر دو قسم کی وحی نازل ہوتی تھی : اول وحی
متلو یعنی کلام اللہ ۔ دوم وحی غیر متلو یعنی حدیث ۔
یہ ممکن ہے کہ بعض شخصوں نے غلطی سے دوسری قسم کی وحی
کو پہلی قسم کی وحی سمجھا ہو اور اُن کو قرآن مجید میں نہ پا کر
یہ گمان کیا ہو ۔ کہ بعض آیتیں منسوخ ہوگئی ہیں اور جو کہ اُن
کے پڑھنے کی اجازت نہ تھی اس لیے قرآن مجید میں مندرج
نہ ہوئیں مگر ظاہر ہے کہ ایسا خیال جس کو ہوا خود اُس
کی غلطی ہے ۔ علاوہ اس کے اس بات کے فرض کر لینے کے لیے
کہ کوئی آیت ایسی تھی جس کے پڑھنے کی اجازت نہ تھی
اس لیے قرآن مجید سے خارج رکھی گئی تھی کوئی سند نہیں ہے ۔
چناں چہ اس امر کی نسبت اس خطبہ کے اخیر میں پوری
بحث کریں گے ۔

## کیا جناب پیغمبر خدا قرآن مجید کی کوئی آیت بھول گئے تھے

ہم مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ جناب پیغمبر خدا کو تمام
قرآن من اولہ الی آخرہ جو نازل ہوا تھا یاد تھا اور کبھی
کوئی آیت آں حضرت نہیں بھولے نہ آپ کے دل سے محو ہوئی ۔
اور تمام آیتیں جو آپ پر نازل ہوتی تھیں آپ کاتبوں سے لکھوا
دیتے تھے اس کی سند میں قرآن مجید کی ایک آیت کا اور بخاری
کی ایکہ حدیث کا لکھ دینا کافی ہے قرآن کی آیت یہ ہے کہ

| | |
|---|---|
| سنقرئک فلا تنسی | ”ہم تجھ کو پڑھا دیں گے |
| الا ما شاء اللہ (سورہ سبح | سو تو نہ بھولے گا مگر جو |
| اسم آیت ٦) ۔ | خدا چاہے ۔“ |

بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر اس طرح پر کی ہے (ہم تجھ

کو پڑھا دیں گے) جبرئیل کی زبان سے یا تجھ کو قاری کریں گے

(سنقرئک) علی لسان جبرئیل او سنجعلک قاریا بالھام القراۃ (فلاتنسیٰ) اصلا من قوۃ الحفظ مع انک امی لیکون ذلک آیۃ اخری لک ۔ ۔ ۔ (الا ما شاء اللہ) نسیانہ بانہ نسخ تلاوتہ و قیل المراد بہ القلۃ و الندرۃ لما روی انہ علیہ السلام اسقط آیۃ فی الصلواۃ فحسب ابی رض انہا نسخت فسالہ فقل نسیتھا او نفی النسیان راسافان القلۃ تستعمل للنفی (بیضاوی) ۔

قرأت کے الہام سے (پس تو نہ بھولے گا) ہرگز حافظہ کی قوت سے باوجود اس کے کہ تو ان پڑھ ہے تا کہ یہ ایک نشانی ہو دوسری تیرے لیے (مگر جو خدا چاہے) اُن کا بھلا دینا اس طرح پر کہ اُس کی تلاوت منسوخ کر دی اور کہا گیا ہے کہ اُس سے مراد کم ہونا اور نادر ہونا ہے اس لیے کہ روایت ہے کہ آں حضرت نے ایک آیت نماز میں چھوڑ دی ۔ پس پر ابی رضی اللہ عنہ نے سمجھا وہ منسوخ ہو گئی ۔ حضرت سے پوچھا آپ نے فرمایا کہ میں بھول گیا ۔ یا بھولنے کی مطلقاً نفی مراد ہے ۔ کیوں کہ قلت کا لفظ نفی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے ۔

بیضاوی نے اول تو یہ لکھا ہے کہ ”فلاتنسیٰ“ سے یہ مطلب ہے کہ پیغمبر صاحب قرآن کو ہرگز نہیں بھولنے کے ۔ ”الا ماشاء اللہ“ کے لفظ میں اُس نے تین رائیں قائم کی ہیں : ایک یہ کہ منسوخ شدہ آیت کو بھول جاویں گے ۔ یہ صرف اُس کی رائے ہے قرآن مجید سے اس پر کوئی نص نہیں ہے ۔ دوسری رائے اُس نے ایک حدیث پر قائم کی ہے کہ آپ ایک

آیت پڑھنی بھول گئے تھے ۔ اگر ہم اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیں تو بھی اس سے بھول جانا کسی آیت کا یعنی دل سے محو ہو جانا ثابت نہیں ہو سکتا ۔ تیسری رائے اس کی نسیان سے قطعی انکار کی ہے ۔ یہ رائے صحیح ہے گو کہ جو وجہ اس نے لکھی ہے وہ خود اس کے دل کی پیدا کی ہوئی ہے جس کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے ۔

قرآن مجید کا طرز بیان یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے قادر مطلق ہونے کے اظہار کے لیے ہر ایک حکم اور ہر ایک امر کے ساتھ جملہ استثنائیہ فرماتا ہے مگر اس سے درحقیقت یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہ واقع بھی ہوگا بلکہ اس سے محض اظہار قدرت مراد ہوتا ہے اس کی سینکڑوں مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں ۔ پس اس مقام پر بھی جملہ استثنائیہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ درحقیقت آں حضرت کسی آیت کو بھول گئے تھے یا بھول جاویں گے ۔ بلکہ صرف اظہار قدرت کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم قرآن کا کوئی جزو نہیں بھولو گے لیکن جس کو کہ خدا چاہے ۔ زمخشری جو علم عربیت کا بہت بڑا عالم ہے یہی بات لکھتا ہے کہ اس جملہ سے استثناء مراد نہیں ہے اور اس کی مثال اس طرح پر دی ہے ۔ کہ "مثلاً کوئی شخص اپنے ساتھی سے کہے کہ جو کچھ میری ملکیت میں ہے اس میں تو بھی شریک ہے مگر جو خدا چاہے تو اس طرح کہنے سے کسی چیز کا استثناء کرنا شریعت سے مقصود نہیں ہوتا ۔ اسی طرح اس مقام پر بھی جملہ استثنائیہ سے کسی آیت کا مستثناء کرنا مقصود نہیں ہے ۔"

فی الکشاف کما تقول لصاحبک انت سہیمی فیما املک الا ما شاء اللہ لا یقصد استثناء شی (کشاف) ۔

بخاری میں اسی کے متعلق دو حدیثیں حضرت عائشه سے مذکور هیں - پہلی حدیث یه هے که

عن عایشة سمع النبی صلعم رجلا یقرأ فی المسجد فقال یرحمه الله لقد اذکرنی کذا وکذا آیة من سورة کذا (بخاری باب نسیان القرآن) -

"عائشه سے روایت هے که نبی صلی الله علیه وسلم نے ایک شخص کو مسجد میں پڑھتے سنا پس کہا که خدا اُس پر رحم کرے مجھ کو یه یه آیتیں اُس سورة سے یاد دلائیں"۔

دوسری حدیث یه هے که

عن عایشة قالت سمع رسول الله صلعم رجلا یقرأ فی سورة باللیل فقال یرحمه الله لقد اذکرنی کذا و کذا آیة کنت أنسیتها من سورة کذا - (بخاری باب نسیان القرآن) -

"حضرت عائشه سے روایت هے که رسول الله صلی الله علیه وسلم نے ایک شخص کو ایک سورة پڑھتے سنا رات کو پس فرمایا که خدا اُس پر رحم کرے مجھ کو فلاں فلاں آیتیں یاد دلائیں جن کو میں فلاں سورة سے بھول گیا تھا"۔

اول تو ان دونوں حدیثوں کو ملانے سے معلوم هوتا هے که یه واقعه مسجد میں هوا تھا اور اس بات پر یقین نہیں هو سکتا که حضرت عائشه خود موجود تھیں - کیوں که اُس کا کوئی اشاره اُن حدیثوں میں نہیں هے اور اس لیے یه حدیثیں قابل استدلال نہیں - دوسری وجه ان حدیثوں کے قابل استدلال نه هونے کی یه هے که ان میں سے کسی میں نہیں بیان کیا که وه آیت کون سی تھی جس کو آں حضرت بھول گئے تھے

اور نہ یہ بیان کیا ہے ۔ کہ کس سورۃ کی وہ آیت تھی ۔ قطع نظر اس کے مسلمان جو نسیان سے انکار کرتے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی آیت آں حضرت کے سینہ مبارک سے محو نہیں ہو گئی تھیں کہ ہمیشہ کے واسطے معدوم ہو گئی ہو ۔ اگر اس نسیان کو جو ان حدیثوں میں مذکور ہے تسلیم بھی کر لیں تو اس کا نتیجہ صرف اتنا ہے کہ جس وقت اس شخص نے وہ آیت پڑھی اس وقت آں حضرت کو اس کا خیال نہیں تھا ۔ آپ نے فرمایا کہ خوب یاد دلایا ۔ یہ امر بمقتضائے بشریت ہو سکتا ہے ۔ کیوں کہ ہم بشریت سے آں حضرت کو مبرا نہیں کرتے ہیں ۔ اس آیت کا یاد آ جانا خود اس بات کی دلیل ہے کہ آں حضرت کے سینہ مبارک سے وہ آیت محو نہیں ہوئی تھی ۔

## قرآن مجید حضرت ابوبکر کی خلافت میں کس طرح جمع ہوا

قرآن مجید کے جمع ہونے کا صحیح اور کامل بیان حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں بخاری کی ایک صحیح اور معتبر حدیث میں مذکور ہے جس کو ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں اور وہ حدیث یہ ہے :

| | |
|---|---|
| عن زید ابن ثابت | زید ابن ثابت کہتے ہیں کہ |
| قال ارسل الی ابو بکرؓ | مجھ کو ابوبکر نے اہل یمامہ |
| عند مقتل اھل الیمامۃ | کے قتل کے زمانہ میں بلا |
| فاذا عمر بن الخطاب | بھیجا ۔ عمر بن خطاب بھی |
| عندہ قال ابو بکرؓ ان | وہاں موجود تھے ابوبکر نے |
| عمرؓ اتانی فقال ان | کہا کہ عمر میرے پاس آئے |

القتل قد استحر یوم
الیمامة بقرأ القرآن و انی
اخشی ان استحر القتل
بالقراء بالمواطن
فیذهب کثیر من القرآن
و انی اری ان تأمر بجمع
القرآن قلت لعمر کیف
تفعل شیئاً لم یفعله
رسول الله صلعم قال عمر
هذا و الله خیر فلم یزل
عمر یراجعنی حتی
شرح الله صدری لذلک
ورایت فی ذلک الذی
رای عمر قال زید قال
ابوبکر انک رجل شاب
عاقل لا نتهمک و قد
کنت تکتب الوحی
لرسول الله صلی فوالله علیه
وسلم فتتبع القرآن
فاجمعه الله لو کلفونی
نقل جبل من الجبال
ماکان اثقل علی مما
امرنی به من جمع
القرآن قال قلت لابی
بکر کیف تفعلون

اور کہا کہ یمامہ کے دن
قرآن کے قاری کثرت سے قتل
ہو گئے اور میں ڈرتا ہوں
کہ اور موقعوں میں بھی قاری
کثرت سے مقتول ہوں۔ تو
قرآن بہت سا جاتا رہے گا اور
میری یہ رائے ہوئی ہے کہ
تم قرآن کے جمع کرنے کا
حکم کرو۔ میں نے عمر سے
کہا تم وہ کام کیوں کر
کرو گے جس کو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں
کیا۔ عمر نے کہا خدا کی
قسم یہ عمدہ بات ہے۔ عمر
اسی طرح مجھ سے اصرار کرتے
رہے یہاں تک کہ خدا نے
میرا سینہ اس کے لیے کھول
دیا اور میں نے بھی اس کام
میں وہ فائدہ دیکھا جو عمر
نے سوچا تھا۔ زید کہتے ہیں
کہ ابوبکر نے کہا تم جوان
عاقل آدمی ہو تم پر ہم
بدگمانی نہیں کر سکتے اور
تم رسول اللہ صلعم کے لیے
وحی لکھا کرتے تھے۔

شیئا لم یفعله رسول الله
صلی الله علیه وسلم
قال هو والله خیر فلم
یزل ابو بکر یراجعنی
حتی شرح الله صدری
للذی شرح له صدر
ابی بکر و عمر فتتبعت
القرآن اجمعه من العسب
و اللخاف و صدور الرجال
حتی وجدت اخر سورة
التوبة مع ابی خزیمة
الانصاری لم اجدها مع
احد غیره "لقد جاء کم
رسول من انفسکم عزیز
علیه ما عنتم" حتی
خاتمة براة وکانت
الصحف عند ابی بکر
حتی توفاه الله ثم عند
عمر حیاته ثم عند
حفصة بنت عمر (رواه
البخاری)۔

پس قرآن کی جستجو کر کے
اس کو جمع کرو۔ سو خدا
کی قسم اگر کسی پہاڑ کے ہٹا
دینے کو کہتے تو مجھ پر
اتنا گراں نہ ہوتا جتنا کہ
قرآن کے جمع کرنے کا حکم
گراں معلوم ہوا میں نے
ابوبکر سے کہا تم لوگ
وہ کام کیوں کر کرو گے
جس کو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے نہیں کیا۔
ابوبکر نے کہا خدا کی قسم
یہ اچھا کام ہے۔ ابوبکر اسی
طرح اصرار کرتے رہے یہاں
تک کہ خدا نے میرا سینہ
اس کے لیے کھول دیا جس
کے لیے ابوبکر و عمر کو خیال
دلایا تھا۔ پس میں قرآن کو
تلاش کرکے جمع کرنے لگا
ھڈیوں اور سفید پتھر کی تختیوں
سے اور لوگوں کے سینہ سے
یہاں تک کہ سورہ توبہ کا اخیر میں نے ابو خزیمہ انصاری
کے پاس پایا اور کسی کے پاس نہیں پایا "لقد جاءکم
رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم" سے براۃ
کے آخیر تک اور سب قرآن ابوبکر کے پاس تھے یہاں تک کہ

خدا نے ان کو وفات دی - پھر عمر کے پاس تھے - اُن کی زندگی تک پھر حفصہ کے پاس جو عمر کی بیٹی تھیں -

مذکورہ بالا حدیث سے تین امر کی قرار واقعی تصریح ہوتی ہے :

اول : حضرت عمر کے اس کہنے سے کہ یمامہ میں بہت سے قرآن کے قاری قتل ہو گئے ہیں اور مجھ کو اندیشہ ہے کہ اگر اور مقاموں میں سخت لڑائی ہو اور قرآن کے قاری بہت مارے جاویں تو اکثر حصہ قرآن کا ضائع ہو جاوے گا - اس قول سے پایا جاتا ہے کہ اُس وقت تک بہت سے قاری جن کو قرآن مجید جس قدر کہ آں حضرت پر نازل ہوا تھا بخوبی یاد تھا موجود تھے -

دوم : ہم کو بدرجہ یقین ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو قرآن مجید حفظ یاد تھا -

سوم : اس میں کچھ شبہ نہیں رہتا کہ قرآن مجید کی کوئی آیت ایسی نہیں تھی جو تلاش کے بعد چمڑے یا ہڈیوں یا اور کسی چیز پر لکھی ہوئی نہ ملی ہو -

ان تمام بیانوں سے جو اوپر مذکور ہوئے اور نیز عبدالعزیز بن رفیع کی حدیث سے جس کو ہم ابھی نقل کریں گے یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ زید ابن ثابت نے کل قرآن مجید کو بے کم و کاست جمع کر لیا تھا اور یہ قرآن جو بالفعل ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے بجنسہٖ وہی ہے - کوئی چیز اس میں چھوٹی ہوئی نہیں ہے -

عبدالعزیز بن رفیع کہتے ہیں - کہ میں اور شداد بن معقل
عن عبد العزیز بن    ابن عباس کے پاس گئے - شداد
رفیع قال دخلت انا و    نے اُن سے کہا کہ آیا رسول اللہ

شداد بن معقل علی ابن عباس فقال له شداد بن معقل اترک النبی صلعم من شئی قال ما ترک الا ما بین الدفتین قال و دخلنا علی محمد بن الحنیفة فسالنا فقال ما ترک الا ما بین الدفتین (بخاری) ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ چھوڑا ابن عباس نے کہا کچھ نہیں چھوڑا مگر دو دفتیوں کے درمیان میں (یعنی قرآن) کہا اور گئے ہم محمد بن حنفیہ کے پاس اور اُن سے بھی پوچھا اُنھوں نے کچھ نہیں چھوڑا مگر دو دفتیوں کے درمیان میں ۔

## حضرت عثمانؓ جامع الناس علی القرآن کی خلافت میں قرآن مجید کی نقلوں کا تقسیم ہونا

وهی قرآن جس کو زید ابن ثابت نے جمع کیا تھا حضرت عثمان کی خلافت تک محفوظ چلا آتا تھا ۔ حضرت عثمان نے اپنی خلافت میں اُس کی متعدد نقلیں مختلف ممالک میں بھیجیں ۔ چناں چه یه امر نہایت تفصیل کے ساتھ بخاری کی حدیث میں مذکور ہے اور وہ حدیث یه ہے :

عن انس بن مالک ان حذیفة بن الیمان قدم علی عثمان و کان یغازی اهل الشام فی فتح ارمینیة و اذربیجان مع اهل العراق فافزع حذیفة اختلافهم

حذیفه بن یمان عثمان کے پاس آئے اور وہ عراق والوں کے ساتھ اهل شام سے لڑے تھے ۔ آرمینیه و آذر بیجان کی فتح میں ۔ تو حذیفه کو ان لوگوں کا قرأة قرآن میں مختلف ہونا رنج دہ ہوا ۔ حذیفه نے عثمان سے کہا اے امیر المومنین اس

فی القرأة فقال حذیفة
لعثمان یا امیر المومنین
ادرک ھذہ الامة قبل
ان یختلفوا فی الکتاب
اختلاف الیھود و
النصاری فارسل عثمان
الی حفصة ان ارسلی الینا
بالصحف ننسخھا فی
المصاحف ثم نردھا
الیک فارسلت بھا
حفصة الی عثمان فامر
زید ابن ثابت و عبد اللہ
ابن الزبیر و سعد بن
العاص و عبد الرحمان
بن الحارث بن ھشام
فنسخوھا فی المصاحف
و قال عثمان للرھط
القرشیین الثلثة اذا
اختلفتم انتم و زید ابن
ثابت فی شی من القرآن
(و فی حدیث "فی عربیة
من عربیة القرآن" باب
نزل القرآن بلسان قریش)
فاکتبوہ بلسان قریش
فانما نزل بلسانھم

امت کی خبر لو قبل اس کے
کہ قرآن میں مختلف ھو جس
طرح یہود و نصاریٰ مختلف
ھوئے ۔ عثمان نے حفصہ کے
پاس آدمی بھیجا کہ صحیفے
ھمارے پاس بھیج دو ھم نقل
کر کے واپس بھیج دیں گے
حفصہ نے عثمان کے پاس وہ
صحیفے بھیج دیے ۔ عثمان نے
زید ابن ثابت و عبد اللہ بن
الزبیر و سعد بن العاص و
عبد الرحمان بن الحارث بن
ھشام کو حکم دیا ۔ سو ان
لوگوں نے آن کو مصحفوں
میں نقل کیا اور عثمان نے تین
قریشی گروھوں سے کہا کہ
جب تم لوگ اور زید ابن ثابت
قرآن کی کسی چیز میں اختلاف
کرو (اور ایک حدیث میں ھے
کہ قرآن کی کسی عربیت کے
متعلق اختلاف کرو دیکھو
باب نزول القرآن بلسان قریش)
تو اس کو قریش کی زبان
میں لکھو کیوں کہ قرآن
آنھیں کی زبان میں آترا ھے ۔

ففعلوا حتى اذا نسخوا
الصحف في المصاحف رد
عثمان الصحف الى
حفصة و ارسل الى كل افق
بمصحف مما نسخوا و
امر بما سواه من القرآن
في كل صحيفة او مصحف
ان يحرق قال ابن شهاب
و اخبرني خارجة بن زيد
بن ثابت انه سمع زيد
بن ثابت قال فقدت آية
من الاحزاب حين نسخنا
المصحف و قد كنت
اسمع رسول الله صلى الله
عليه وسلم يقراء بها
فالتمسناها فوجدناها مع
خزيمة بن ثابت الانصاري
"من المومنين رجال
صدقوا ما عاهدوا الله
عليه" فالحقناها في
سورتها في المصحف
(رواه البخاري) ۔

پس اُن لوگوں نے ایسا ہی
کیا یہاں تک کہ جب صحیفوں
کو مصحفوں میں نقل کر لیا
تو عثمان نے صحیفے حفصہ کے
پاس واپس بھیج دیے اور جو
قرآن کے نسخے نقل ہوئے ۔
اُن کو ملک کے ہر ایک حصہ
میں بھیج دیا اور حکم دیا
کہ اُس کے سوا جو کچھ کہ
کسی صحیفہ یا مصحف میں
ہو سب جلا دیا جاوے
ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ
کو خارجہ بن زید بن ثابت
نے خبر دی کہ اُنھوں نے
زید بن ثابت سے سنا وہ کہتے
تھے ۔ کہ میں نے "احزاب"
کی ایک آیت نہیں پائی قرآن
کی نقل کرتے وقت اور میں
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے اس کو پڑھتے سنا
تھا ۔ پس ہم نے اُس کی
جستجو کی ۔ پس خزیمہ بن
ثابت انصاری کے پاس یہ آیت پائی ۔ "من المومنین
رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه" پس اُس کو اس
کی سورت میں مصحف میں ملا دیا ۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جملہ " اختلافہم فی القرأت "
سے وہی اختلاف قرأت مراد ہے جس کا بیان شرح و بسط سے
اوپر ہو چکا ہے اور جملہ " فی عربیة من عربیة القرآن "
جس کو ہم نے دو خطوط ہلالی میں لکھا ہے اور جو ایک
اور حدیث کا ٹکڑا ہے اس مطلب کو زیادہ تر واضح کرتا ہے
حضرت عثمان کی خلافت میں جو نقلیں ہوئی تھیں وہ بالکل مطابق
اصل کے تھیں اور اُن میں کسی طرح تغیر و تبدل یا کمی و بیشی
نہیں کی گئی تھی ۔ لہجہ یا صیغوں کے تلفظ کا جو اختلاف عرب
کی زبانوں میں تھا اُس کا بھی کچھ نشان نہ تھا ۔

زید ابن ثابت کی پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ
سورہ توبہ کا اُخیر حصہ خزیمہ انصاری کے پاس سے ملا تھا ۔ لیکن
اس روایت میں بیان ہے کہ سورہ احزاب کی ایک آیت خزیمہ
انصاری کے پاس سے نکلی تھی ۔ ان دونوں بیانوں میں کچھ
اختلاف نہیں ہے کیوں کہ جس زمانہ میں زید ابن ثابت نے
قرآن کو جمع کیا تھا اُس زمانہ میں سورہ توبہ کا آخری حصہ
بھی خزیمہ کے پاس سے ملا ہوگا اور سورہ احزاب کی آیت بھی
اُنھیں کے پاس سے نکلی ہوگی ۔ اس آخیر کی روایت سے
یہ سمجھنا کہ احزاب کی آیت ہر وقت نقل کرنے قرآن کے
دستیاب ہوئی تھی یہ غلطی ہے کیوں کہ یہ ذکر بھی اس
روایت میں اُسی وقت کا ہے کہ حضرت ابوبکر کے وقت میں
زید ابن ثابت نے قرآن جمع کیا تھا اور اگر فرض کریں کہ یہ
ذکر اُس وقت کا ہے جب کہ قرآن کی نقلیں ہوتی تھیں تو بھی
ممکن ہے کہ اُس جمع کیے ہوئے قرآن میں سے وہ آیت کسی
طرح خراب ہو گئی ہو اور پھر تلاش سے خزیمہ کے پاس
سے ملی ہو ۔ یا ابن شہاب کو یا حضرت انس کو اس روایت کے

بیان کرنے میں کچھ اشتباہ واقع ہوا ہو -

## قرآن مجید کا اپنے طرز میں کامل ہونا اس کے الہامی الاصل ہونے کو ثابت کرتا ہے

اس موقع پر ہم بشپ مڈلٹن کے بیان کو جو ایک عالم اور فاضل آدمی تھا نظر انداز نہیں کر سکتے وہ بیان کرتا ہے کہ "یونانی توریت اور انجیل سے بالکل جہالت اور وحشیانہ پن ظاہر ہوتا ہے اور جملہ عیوب سے جن کا کسی زبان میں پایا جانا ممکن ہے بھری ہوئی ہیں - مگر ہم کو از روئے فطرت کے خود بخود یہ توقع ہوتی ہے کہ الہامی زبان کا سلیس اور لطیف عمدہ پر اثر ہونا چاہیے اور اس کا عام کلام کی قوت اور اثر سے بھی متجاوز ہونا ضرور ہے - کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی چیز ایسی نہیں ہو سکتی جس میں کسی قسم کا نقص ہو - خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو افلاطون کی سی لطافت اور سسرو کی سی بلاغت کا متوقع ہونا چاہیے -

اب چوں کہ قرآن مجید اپنی طرز میں کامل ہے اس واسطے اس کا الہامی الاصل ہونا لازم آتا ہے اور اسی طرح سے اس کا الہامی الاصل ہونا اس کے کامل النوع ہونے پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ انسان سے جو خود ضعیف البنیان اور مرکب من الخطاء و النسیان ہے کوئی کامل اور بے عیب شے پیدا نہیں ہو سکتی - اسی امر کی نسبت قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیتیں دعویٰ کرتی ہیں -

پہلی آیت یہ ہے خدا فرماتا ہے کہ "اور اگر تم شک
و ان کنتم فی ریب　　میں ہو اس چیز سے جو ہم
مما نزلنا علی عبدنا　　نے اپنے بندے پر آتاری پس

| | |
|---|---|
| فأتو بسورة من مثله وادعوا شهدا کم من دون الله ان کنتم صادقین فان لم تفعلوا و لن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس و الحجارة اعدت للکافرین (سوره بقرآت ۲۱ و ۲۲) - | لاؤ اسی کی سی ایک سورۃ اور بلاؤ اپنے گواہوں کو خدا کے سوا اگر تم سچے ہو - پس اگر نہ کرو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو بچو اس آگ سے جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں - جو کافروں کے لیے طیار کی گئی ہے - |

دوسری آیت یہ ہے خدا فرماتا ہے کہ "کہ دے کہ

| | |
|---|---|
| قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل هذا القرآن لا یاتون بمثله و لو کان بعضهم لبعض ظهیرا (سوره بنی اسرائیل آیت ۹۰) - | اگر تمام انسان اور جن اس بات پر اتفاق کریں کہ اس قرآن کا مثل لائیں تو نہ لا سکیں گے گو ایک دوسرے کے مددگار ہوں" - |

ان آیتوں کا مقصد و مدعا وہی ہے جو اوپر بیان ہوا کہ انسان ضعیف البنیان کی بنائی ہوئی کوئی چیز کامل النوع نہیں ہو سکتی بلکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جو خود ذات کامل ہے ہر شے کامل النوع کا مخرج ہے اور یہ امر اس بات پر غور کرنے سے اور بھی زیادہ واضح اور غیر مشتبہ ہو جاتا ہے کہ قدرت کی سب سے زیادہ سادہ اور سب سے کم پیچیدہ اشیاء میں سے ایک چیز کی بھی کسی مصنوعی شے نے ہم سری نہیں کی ہے سبقت لے جانا تو در کنار -

اگرچہ یہ بات ممکن ہے کہ انسان کوئی ایسی چیز بناوے جو اور مصنوعی چیزوں کے وسیع دائرہ میں یکتائی کا دعویٰ کرے

اور باوجود اس کے کہ اور اشخاص اُس کی خوبی تک پہنچنے کے لیے بہت کچھ جد و جہد کریں اور اُس تک نہ پہنچ سکیں تاہم اُس کو کامل النوع کہنا ٹھیک اور جائز نہیں ہو سکتا ۔ قرآن مجید کی خوبی چار چیزوں سے ثابت ہوتی ھے (۱) اُس کے نہایت صاف اور شستہ دل پر اثر کرنے والی اور رجھانے والی فصاحت و بلاغت سے ۔ (۲) اس کے اصول متعلق بہ دینیات سے ۔ (۳) اُس کے اخلاقی اصول سے ۔ (۴) قانون سیاست اور انتظام مدن کے اصول سے جو اُس میں مندرج ھیں ۔ ان چار چیزوں میں سے پہلی چیز تو محض اهل عرب سے متعلق تھی کیوں کہ قرآن مجید اُنھیں کی زبان میں نازل ھوا تھا اور وھی دعویٰ بے مثلی کر رھے تھے ۔ باقی تین چیزیں تمام جہان کی طرف خطاب کی گئی تھیں اور ھم اپنے مخالفوں اور حریفوں کے رو برو جرأت اور اعتماد سے دعویٰ کرتے ھیں کہ کسی غیر الہامی شخص نے اُس کا مثل نہ تو پیدا کیا ھے اور نہ کوئی قیامت تک پیدا کر سکے گا ۔

جو اصول کہ ھم نے اوپر بیان کیے اُن سے مشہور مؤرخ گبن محض نا واقف تھا اور اسی نا واقفی کے سبب سے اُس نے مغالطہ کھایا ھے جہاں اُس نے یہ بیان کیا ھے کہ ” پیغمبر خدا حرارت مذھبی یا جوش کی حالت میں اپنی رسالت کی صداقت کو اپنے قرآن کی خوبی پر منحصر کرتے ھیں ۔ اور انسان اور ملائک دونوں کو اپنے قرآن کے ایک صفحہ کی بھی خوبیوں کی برابری کرنے کے لیے قسم دلاتے ھیں اور جوش سے دعویٰ کرتے ھیں کہ ایسا بے نظیر کلام صرف اللہ تعالیٰ ھی کا ھو سکتا ھے ۔ یہ دلیل نہایت استحکام کے ساتھ ایک سرگرم عرب کی طرف خطاب کی گئی ھے جس کا دماغ

ایمان اور کیفیت کے واسطے موزوں ہے اور جس کا کان سریلی آوازوں سے مسرت اندوز ہوتا ہے اور جس کی بے علمی انسانی ذہانت کے ایجادوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے۔ طرز بیان کی فصاحت اور بلاغت ترجمہ کے ذریعہ سے یورپ کے کافروں تک نہیں پہنچ سکتی وہ اُس کے قصے اور احکام اور بیان کی اُس بے انتہا ناموزوں بے ربطی کو جس سے کسی قسم کا تصور و خیال بہت کم پیدا ہوتا ہے جو کبھی تو خاک پر غلطاں ہوتا ہے اور کبھی بادلوں کے پار ہو جاتا ہے نہایت بے صبری کے ساتھ پڑھتے ہیں۔" مگر ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کی بے مثل فصاحت و بلاغت کا دعویٰ محض اہل عرب کے واسطے مخصوص تھا نہ اور ملک کے لوگوں کے لیے اس لیے مسٹر گبن کا بیان کچھ اس دعویٰ کے مخالف نہیں ہو سکتا۔

پھر یہی مصنف بیان کرتا ہے کہ "اگر قرآن کی تحریر استعداد انسانی سے متجاوز ہے تو ہومر کی ایلیڈ اور ڈی موستھنیز کی فلپکس کس برتر عقل کی طرف منسوب کرنی چاہیے" مگر ہم کسی ایسی مصنوعی شے کے وجود کے امکان کا اوپر اقرار کر چکے ہیں جس کی خوبی سے کوئی اور چیز ہم سری نہ کر سکے اور جو اُسی نوع کی اور مصنوعی اشیاء کے تمام دائرہ میں ہمیشہ دعویٰ یکتائی کرتی رہے بایں ہمہ یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ وہ اپنی نوع میں کامل ہو۔

یہی مؤرخ پھر بیان کرتا ہے کہ "اوصاف الٰہی کا بیان رسول عرب کی قوت مدرکہ کو اعزاز بخشتا ہے لیکن اُن کے بلند ترین خیالات صحیفہ ایوب کی ذی شان سادگی کے سامنے جو اُسی ملک میں اور اُسی زبان میں بہت مدت پہلے لکھا گیا تھا پست ہیں۔"

هم مسٹر گبن سے اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کر سکتے کیوں کہ مسٹر گبن میں قرآن مجید اور صحیفہ ایوب کے باهمی تفرق کی نسبت حکم دینے کا مادہ نہیں هے ۔ لیکن هم بدوں خوف اعتراض کے کہ سکتے هیں کہ نہایت ذی علم عربی دانوں نے قرآن مجید کو بہ لحاظ فصاحت و بلاغت کے بے مثل قرار دیا هے اور اس بات پر متفق هیں کہ کوئی تحریر اُس سے سبقت نہیں لے گئی اور نہ لے جا سکے گی ۔ لبید سا بڑا شاعر قرآن مجید کی سورہ بقر کی چند آیتوں کو سن کر متحیر هو گیا اور اُس کی بلاغت کا انسانی قوت سے برتر هونے کا اقرار کیا اور آں حضرت کی رسالت کو قبول کر لیا ۔

چند اور عیسائی عالموں نے بھی اسی کے مؤید رائیں قرآن مجید کی نسبت لکھی هیں جن کو هم اس مقام پر نقل کرتے هیں ۔

مسٹر کار لائل کا بیان هے کہ ”میرے نزدیک قرآن مجید میں سچائی جوهر اُس کے تمام معانی میں موجود هے جس نے کہ اُس کو وحشی عربوں کی نظروں میں بیش بہا کر دیا تھا ۔ سب سے آخیر یہ کہا جا سکتا هے کہ یہ کتاب یعنی قرآن سب سے اول اور سب سے اخیر جو عمدگیاں هیں وہ اپنے میں رکھتا هے اور هر قسم کے اوصاف کا بانی هے بلکہ در اصل هر قسم کے وصف کی بناء صرف اُسی سے هو سکتی هے ۔“

مسٹر گاڈ فری هگنز لکھتے هیں کہ ”حضرت مسیح کی انجیل کی طرح قرآن مجید غریب آدمی کا دوست اور غمخوار هے ۔ بڑے آدمیوں اور دولت مند آدمیوں کی نا انصافی کی هر جگہ مذمت کی گئی هے وہ آدمیوں کی باعتبار مدارج کے توقیر نہیں کرتا هے ۔ یہ امر اُس کے مصنف کی لا زوال نیک نامی کا

موجب ہے (خواہ وہ محمد عرب کے نامی پیغمبر ہوں یا اُس کے تیسرے خلیفہ عثمان) اور (واضح ہو کہ گاڈ فری ہگنز کا یہ اعتقاد تھا - کہ قرآن حضرت عثمان کا تصنیف کیا ہوا ہے) کہ اس میں ایسا ایک بھی کوئی حکم نہیں بتلایا جا سکتا ہے جس میں پولیٹیکل خوشامد و روا داری کی طرف ذرا سا بھی میل ہو اور جس طرح کہ ویسٹ منسٹر ریویو نے منصفانہ رائے دی ہے کہ اگر کسی خود مختار مشرقی حاکم کو کوئی چیز کبھی روک سکتی ہو تو وہ غالباً قرآن مجید کی ایک بے تکلف آیت کسی با جرأت مظلوم کی زبانی ہوگی -"

ایک اور مصنف نے کوارٹرلی ریویو میں قرآن مجید کی نسبت یہ مضمون لکھا ہے کہ "اُن تبدیلات مضامین میں جو مثل برق کے تیز و طرار ہیں اس کتاب کی ایک نہایت بڑی خوبصورتی پائی جاتی ہے - اور گیتھ کا یہ قول بجا ہے کہ جس قدر ہم اُس کے قریب پہنچتے ہیں یعنی اس پر زیادہ غور کرتے ہیں وہ ہمیشہ دور کھچتی جاتی ہے یعنی زیادہ اعلیٰ معلوم ہوتی ہے وہ بتدریج فریفتہ کرتی ہے پھر متعجب کرتی ہے اور آخرکار فرحت آمیز تحیر میں ڈال دیتی ہے "-

وہی مصنف ایک اور مقام پر لکھتا ہے کہ "شادی اور غم ، محبت اور بہادری اور جوش کے وہ عظیم الشان اظہارات جن کی محض ضعیف آواز ہائے باز گشت اب ہمارے کانوں پر اثر کرتی ہیں محمد کے وقت میں پوری پوری آواز رکھتے تھے اور محمد کو سب سے زیادہ نامی اور گرامی لوگوں سے کچھ ہم سری ہی کرنی نہیں پڑی تھی بلکہ اُن پر فوقیت حاصل کرنی تھی اور اپنے کلام کو اپنی رسالت کی علامت اور دلیل گردانا پڑا تھا -"

ایک اور مقام پر یہی مصنف لکھتا ہے کہ ”ہم دفعتاً از راہ ترجیح اس عجیب کتاب کی ماہیت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کی اعانت سے عربوں نے سکندر اعظم کے جہان بڑا جہان اور روم کی سلطنت سے وسیع تر سلطنت فتح کر لی اور جس قدر زمانہ کہ روم کو اپنی فتوحات حاصل کرنے میں درکار ہوا تھا اس کا دسواں حصہ بھی ان کو نہ لگا۔ ایسی کتاب جس کی اعانت سے جملہ بنی سام میں یہی لوگ بہ حیثیت سلاطین یورپ میں آئے تھے جہاں کہ اہل فینشیا تاجروں کی حیثیت سے اور یہود پناہ گیروں یا قیدیوں کی طرح پر آئے تھے۔ یہی لوگ مع اپنے پناہ گیروں کے یورپ کو انسانیت کی روشنی دکھلانے کے واسطے آئے تھے۔ یہی لوگ جب کہ تاریکی محیط ہو رہی تھی یونان کی مردہ عقل اور علم کو زندہ کرنے اور اہل مغرب اور اہل مشرق کو فلسفہ، طب، ہیئت اور نظم لکھنے کا خوش نما اور دل چسپ فن سکھلانے اور علوم جدیدہ کے بانی مبانی ہوئے تھے اور ہم لوگوں کو غرناطہ کی تباہی کے دن پر ہمیشہ کے واسطے رلانے کو آئے تھے۔“

مسٹر سیل اس طرح پر لکھتے ہیں کہ ”یہ بات علی العموم مسلم ہے کہ قرآن قریش کی زبان میں جو جملہ اقوام عرب میں شریف ترین اور مہذب ترین قوم ہے انتہا کی لطیف اور پاکیزہ زبان میں لکھا گیا ہے۔ لیکن اور زبانوں کی بھی کسی قدر آمیزش ہے گو وہ آمیزش بہت ہی قلیل ہے۔ وہ لا کلام عربی زبان کا نمونہ ہے اور زیادہ پکے عقیدہ کے لوگوں کا یہ قول ہے اور نیز اس کتاب سے بھی ثابت ہے کہ کوئی انسان اس کا مثل نہیں لکھ سکتا۔ (گو بعض فرقوں کی مختلف رائے ہے) اور اسی واسطے اس کو لا زوال معجزہ

قرار دیا ہے جو مردہ کے زندہ کرنے سے بڑھ کر ہے اور تمام
دنیا کو اپنی ربانی الاصل ہونے کا ثبوت دینے کے لیے اکیلا
کافی ہے اور خود محمد نے بھی اپنی رسالت کے ثبوت کے لیے اسی
معجزہ کی طرف رجوع کیا تھا اور بڑے بڑے فصحائے عرب کو
(جہاں کہ اس زمانہ میں اس قسم کے ہزار ہا آدمی موجود تھے
جن کا محض یہ شغل اور حوصلہ تھا کہ طرز تحریر اور
عبارت آرائی کی لطافت میں لائق اور فائق ہو جاویں) علانیہ
کہلا بھیجا تھا اس کے مقابلہ کی ایک سورۃ بھی بنا دو۔
اس بات کے اظہار کے واسطے کہ اس کتاب کی خوبی تحریر کی
آن ذی لیاقت لوگوں نے دراصل تعریف و توصیف کی تھی جن کا
اس کام میں مبصر ہونا مسلم ہے منجملہ بے شمار مثالوں کے
ایک مثال کو بیان کرتا ہوں۔ لبید ابن ربیعہ کا ایک قصیدہ
جو محمد کے زمانہ میں سب سے بڑے زبان آوروں میں تھا خانہ کعبہ
کے دروازہ پر چسپاں تھا (یہ رتبہ نہایت اعلیٰ تصنیف کے واسطے
مرعی تھا) اور کسی شاعر کو اس کے مقابلہ میں کسی اپنی
تصنیفات کو پیش کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ لیکن جب کہ
تھوڑے ہی عرصہ کے بعد قرآن کی دوسری سورۃ کی آیتیں اس
کے مقابلہ میں لگائی گئیں تو خود لبید (جو اس زمانہ میں مشرکین
میں سے تھا) شروع ہی کی آیت پڑھ کر بحر تحیر میں غوطہ زن ہوا
اور فی الفور مذہب اسلام قبول کر لیا اور بیان کیا کہ ایسے
الفاظ صرف نبی ہی کی زبان سے بر آمد ہو سکتے ہیں ــــــ
قرآن کا طرز تحریر عموماً خوش نما اور رواں ہے بالخصوص
اس جگہ جہاں کہ وہ پیغمبرانہ وضع اور توریتی جملوں کو
نقل کرتا ہے۔ وہ مختصر اور بعض مقامات میں مبہم ہے اور
مشرقی ڈھنگ کے موافق پر حیرت صنعتوں سے مرصع اور روشن

اور پُر معنی جملوں سے مزین ہے اور اکثر جگہ اور علی الخصوص اُس مقام پر جہاں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اوصاف کا بیان ہے نہایت عالی درجہ اور رفیع الشان ہے۔"

## سر ولیم میور اور دیگر عیسائی مؤرخوں کی غلطیاں نسبت قرآن مجید کے

عیسائی عالموں نے قرآن مجید کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اگرچہ وہ صریحاً لغو اور بے ہودہ ہے تاہم اُس پر نظر ڈالنے اور اُن غلطیوں کو بیان کرنے سے در گذر نہیں کی جا سکتی۔

مسلمان بادشاھوں یا عالموں کو تو خدا نے توفیق نہیں دی کہ قرآن مجید کو خود دوسری زبانوں میں ترجمہ کرتے اور مختلف ملکوں میں شائع کرتے۔ یورپ کی زبان میں جس قدر اُس کے ترجمے ہوئے وہ غیر مذھب کے لوگوں یعنی عیسائیوں نے کیے۔ ابتدا میں جس طرح پر بذریعہ ان ترجموں کے قرآن مجید کا رواج یورپ میں ھوا اس کا بیان گاڈ فری ھگنز نے عمدہ طرح پر ان الفاظ میں کیا ہے کہ "اگر عبرانی توریت کا ترجمہ اس طرح پر شائع ھوتا کہ ھر لفظ قابل تبدیل متین اور شائستہ معنی سے ذلیل اور غیر مہذب معنی میں بدل دیا جاتا اور ھر آیت پر جس کا مضمون کسی جوڑ توڑ اور نا قابل برداشت غلط ترجموں اور غلط تاویلوں کے ساتھ مصنف پر معیوب معنی پہنانے کا ذریعہ بنایا جاتا اور ایک بے قدر اور خراب شرح اُس کے ساتھ لگی ھوتی تو اُس ذریعہ کا کسی قدر تصور بندھ سکتا ہے جن کی وساطت سے یورپ میں قرآن مجید کی اشاعت ھوئی۔"

مگر ھم بعض عیسائی مصنفوں کے جیسے کہ مسٹر سیل ھیر

شکر گذار ھیں کہ اُنھوں نے قرآن مجید کے انگریزی میں ترجمہ کرنے میں بہت کوشش کی ھے ۔ اگر اُس میں کہیں غلطی ھے تو مفسرین کی صحیح اور غلط تفسیر میں تمیز نہ کرنے کے سبب سے ھے جو درحقیقت مسٹر سیل کے لیے ایک نہایت مشکل کام تھا ۔

مگر اُن عیسائی عالموں پر تعجب ھوتا ھے جنھوں نے عجیب عجیب خیالات اور ایسے خیالات جن کی کچھ بنیاد نہیں معلوم ھوتی قرآن مجید کی نسبت ظاھر کیے ھیں ۔ ھمفری پریڈو ڈین آف ناروچ نے لکھا ھے کہ "محمد (صلعم) لوگوں کو سکھاتے تھے کہ اس کتاب (یعنی قرآن) کا اصلی مسودہ آسمانی دفتر میں رکھا ھوا ھے اور جبرئیل میرے پاس ایک ایک سورۃ کی نقل جس کی لوگوں میں شائع کرنے کی حسب موقع ضرورت ھوا کرتی ھے لایا کرتے ھیں ۔"

یہ بیان ایک ایسا بے ھودہ بیان ھے جس کی تردید لکھنی بھی بے فائدہ ھے ۔ جب کبھی مسلمانوں کی نظر سے ایسا بیان گذرتا ھے ۔ تو وہ متعجب اور متحیر رہ جاتے ھیں ۔ کہ یہ کہاں سے اور کیوں کر لکھا گیا ھے ۔

مشہور مؤرخ مسٹر گبن نے اسی طرح کی جہالت کی باتیں لکھنے میں کچھ تامل نہیں کیا ھے وہ لکھتے ھیں کہ "وجود قرآن بقول آں حضرت کے یا اُن کے متبعین کے غیر مخلوق اور ابدی ذات الٰہی میں موجود ھے اور نور کے قلم سے لوح محفوظ پر لکھا ھوا ھے ۔ اُس کی ایک نقل کاغذ پر لکھی ھوئی ریشم اور جواھرات کی جلد میں حضرت جبرئیل فلک اول پر لے آئے ھیں ۔"

لوح محفوظ کا نام مسٹر گبن نے انگریزی ترجمہ میں

دیکھ لیا اور اُس کی حقیقت کچھ بھی نہین سمجھی اور یہ بات
کہ قرآن مجید مخلوق ہے یا غیر مخلوق ایک فلسفی مسئلہ ہے جس
کے سمجھنے تک مسٹر گبن کا خیال بھی نہین پہنچا -

ڈین پریڈو کی نا درست مگر دل چسپ ایجادیں جو ذیل
میں لکھی جاتی ہیں کچھ کم تعجب انگیز اور تحیر آمیز
نہین ہین - اُن کا بیان ہے کہ " محمد (صلعم) کے پاس کاغذ پر
لکھی ہوئی پوری نقل قرآن مجید کی لائی گئی تھی اور اُنھوں نے
اُس کو ایک صندوق مین رکھا تھا جس کا نام صندوق
رسالت تھا اور ابوبکر نے جو اُن کے جانشین ہوئے سب اول
اُس کو جمع کیا - کیوں کہ جب مسیلمہ نے اُنھیں کی طرح
اخیر زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو ایسی ہی کام یابی
کی اُمید میں اسی طرح اُس نے ایک قرآن مرتب کیا اُس کی
ایک کتاب بنا کر اپنے متبعین میں شائع کی - اُس وقت ابوبکر
نے محمد (صلعم) کے قرآن کو بھی اسی طرح مشہور کرنا
ضروری سمجھا "۔

یہ چند مثالیں منجملہ اُن سینکڑوں بے ہودہ باتوں کے جو
عیسائی مصنفوں کی جملہ تحریرات مین اسلام کی نسبت پائی
جاتی ہین - سر ولیم میور - ایک معقول قاعدہ مصنفی کا برتا ہے
اور اپنے استدلات میں مسلمانوں کی دینیات سے کس قدر واقفیت
ظاہر کی ہے - لیکن اس بات کا افسوس ہے کہ اُنھوں نے بحث
کے واسطے صرف اُن روایتوں کو منتخب کیا ہے جن کو خود
مسلمان بھی سب سے زیادہ ضعیف سب سے زیادہ مشکوک اور
سب سے زیادہ ناقابل اعتبار خیال کرتے ہین - یا اُن کے مطلب
اور مقصد مین مختلف الرائے ہین -

اُنھوں نے اولاً اپنی تمام لیاقتوں کو اس بات کے ثابت

کرنے میں صرف کیا ہے کہ محمد صلعم کے عہد میں نوشت و
خواند عرب میں معدوم نہ تھی اور " وحی بالعموم کھجور
کے پتوں یا چمڑے یا پتھروں یا اور ایسی بے جوڑ اشیاء پر
جو سر دست دستیاب ہوتیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لکھ لی جایا کرتی تھی ۔"
مگر اس امر سے ہم نے خود اقرار کیا ہے اور کسی مسلمان
کو اس سے کبھی انکار نہیں ہوا بلکہ اس کو تو ہم قرآن مجید
کے لفظ بہ لفظ محفوظ ہونے کا جیسا کہ پیغمبر خدا پر نازل
ہوا تھا سب سے قوی دلیل خیال کرتے ہیں ۔

سر ولیم میور آیات کے منسوخ ہونے کے نسبت کسی قدر
طوالت کے ساتھ بحث کرتے ہیں جو کہ حسب قاعدہ اسلام
درست نہیں ہے اور اس کی تائید میں کوئی شہادت بھی نہیں ہے
مثلاً اُن کا بیان ہے کہ " اکثر حصہ قرآن کا صرف عارضی
مدعا تھا جو ایسے حالات کی وجہ سے عارضی ہوا تھا جس کی
عظمت بہت جلد جاتی رہی اور یہ امر مشتبہ معلوم ہوتا ہے
کہ آیا پیغمبر صاحب کا منشاء اس قسم کی آیات سے اُن کی عام
عظمت یا اُن کی ترویج تھی یا نہیں ۔ قرینہ اس کو نہیں چاہتا
کہ اُن حصوں کے نگاہ رکھنے کی اُنھوں نے کوشش کی ہو ۔"

یہ غلطی جو سر ولیم میور کو ہوئی اکثر عیسائی مصنفوں
کو لفظ منسوخ کے معنی نہ سمجھنے کے سبب یا غلط سمجھنے
کے سبب ہوئی ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ لفظ منسوخ کے
جو معنی عیسائی مصنف سمجھتے ہیں اُن معنوں میں قرآن مجید کی
مطلق کوئی آیت منسوخ نہیں ہے اور اگر اُس لفظ کے وہ معنی
لیے جاویں جس میں مسلمان فقیہوں نے اُس لفظ کو اصطلاحاً
استعمال کیا ہے تب کوئی آیت عارضی مدعا کی قرآن مجید میں
موجود نہ تھی اور سب سے دائمی ترویج مقصود تھی ۔

سر ولیم میور اپنی کتاب کے حاشیہ میں مارکسی اور ویلس سے مندرجہ ذیل روایتیں نقل کرتے ھیں ” ایک روایت ھے کہ عبد اللہ ابن مسعود نے محمد صلعم کی زبانی ایک آیت کو لکھ لیا اور صبح کو اس کو کاغذ پر سے اڑا ھوا پایا جس کی نسبت پیغمبر صاحب نے بیان کیا کہ وہ آسمان پر اڑ گئی - اس کے بعد کی روایتوں میں اس واقعہ میں یہ معجزہ نما مضمون اور اضافہ کر دیا گیا کہ اس آیت کا اڑ جانا بہت سے مسلمانوں کے قرآنوں میں آن واحد میں واقع ھوا تھا -“

ھم کہتے ھیں کہ یہ روایت جس کے راوی کا بھی نام معلوم نہیں گروشیس کے کبوتر کی مانند ایک صریح ایجاد ھے اور ھم اس بات سے خوش ھیں کہ سر ولیم میور نے بھی کہا ھے کہ اس روایت کی کچھ اصلیت نہیں ھے اور ” بلا شک بناوٹ ھے -“

سر ولیم میور نے ایک نئی اصطلاح ” وحی کامل “ کی مسلمانوں کے مذھب میں قائم کی ھے اور لکھتے ھیں کہ یہ مسلمانوں کے محاورہ کے موافق ھے اور پھر اس کی تشریح اس طرح کرتے ھیں کہ ” وحی کامل سے میری مراد بلا شک اس وحی سے ھے جو محمد (صلعم) کے آخیر زمانہ میں موجود اور مروج تھی علاوہ اس کے جو شاید ضائع یا غارت یا غیر مستعمل ھو گئی ھو -“

اس اصطلاع سے ھم لوگ واقف نہیں ھیں - شاید ” آیات محکم “ کا ترجمہ سر ولیم میور نے ” وحی کامل کیا ھو لیکن آیات محکم “ کے وہ معنی نہیں ھیں جو سر ولیم میور نے بیان کیے ھیں - لیکن اگر ھم سر ولیم میور کی اصطلاح کو تسلیم کریں تو وحی کامل کا اطلاق ان سب وحیوں پر ھوگا جو جناب پیغمبر

خدا پر نازل ہوئی تھیں اور ہم اس بات کا یقین دلاتے ہیں اور آگے چل کر ثابت بھی کریں گے کہ کبھی کوئی وحی ضائع یا غارت یا غیر مستعمل نہیں ہوئی ہے ۔

قرآن مجید کی ترتیب کی نسبت سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ ”قرآن جس طرح کہ ہمارے زمانہ تک چلا آتا ہے اپنے مختلف حصوں کی ترتیب اور بندش میں مضمون یا وقت کی کسی معقول ترتیب اور نظام کا پابند نہیں ہے اور یہ قیاس میں نہیں آتا کہ محمد (صلعم) نے اس کے ہمیشہ اسی تسلسل میں پڑھنے کے واسطے فرمایا ہو ۔ مضامین کی ابتر ملاوٹ زمانہ اور معنی کے لحاظ کے جا بجا بے ربطی ، کسی جزو کا جو مدینہ میں نازل ہوا ہو ، بعض اوقات اس آیت سے پیش تر واقع ہونا جو بہت عرصہ پہلے مکہ میں نازل ہوئی ہو ، کسی احکام کا ایسے احکام کے پیچھے ملحق ہونا جو اس کی تنسیخ یا ترمیم کرتا ہو ۔ یا کسی دلیل کا دفعتاً ایسے فقرہ کے حائل ہو جانے سے منقطع ہو جانا جو اس کے مقصد کے موافق نہ ہو یہ سب باتیں ہم کو اس امر کے یقین سے باز رکھتی ہیں کہ ترتیب موجودہ یا درحقیقت کوئی کامل ترتیب محمد (صلعم) کی حیات میں مستعمل اور مروج تھی ۔“

ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ موجودہ قرآن مجید کی ترتیب اس طرز میں جس میں کہ قرآن مجید ہے ایسی باقاعدہ ہے اور بہ لحاظ معنی کے اپنی طرز خاص میں ایسی منظوم ہے کہ اس سے زیادہ ہونا ممکن نہیں ہے ۔ بہت سی کتابیں محض اس علاقہ کی تشریح کی غرض سے تصنیف ہوئی ہیں جو سب سورتوں اور آیتوں کے مابین موجود ہے ۔ قرآن مجید کی عبارت ایسی موجز اور مختصر ہے کہ دو آیتوں کے علاقہ باہمی کی جن کے معنی بادی النظر

میں ایک دوسرے سے بے گانہ معلوم ہوتے ہیں کسی قدر تشریح کی ضرورت معلوم ہوتی ہے اور اُن لوگوں کو جو اُس سے نا واقف ہوتے ہیں ''گونجنے والی اور سامعہ خراش ، ابتر ، خام ، بے سری ، مکرر بیانی ، طول کلام الجھاوٹ ، نہایت خام اور مہمل'' جیسا کہ سر ولیم میور نے بیان کیا ہے معلوم ہوتی ہے۔

اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ قرآن مجید کسی مصنف کی تصنیف کی ہوئی کتاب نہیں ہے۔ وہ خدا کا کلام ہے اور بجنسہ وہی الفاظ لکھ لیے گئے ہیں۔ کلام جب مخاطبین سے کیا جاتا ہے تو بہت سے امور مخاطبین کے ذہن میں موجود ہوتے ہیں اور متکلم اپنے کلام سے اُن کو محذوف رکھتا ہے مگر جو شخص کوئی کتاب تصنیف کرتا ہے وہ ایسا نہیں کرتا۔ عیسائی مصنف اس باریکی پر خیال نہیں کرتے اور نہ شان نزول آیتوں کی اُن کے ذہن میں ہوتی ہے۔ اس لیے اُن کو آیات کے ربط میں مشکل پڑتی ہے مگر مسلمانوں کو ایسا نہیں ہوتا۔

ہم افسوس سے بیان کرتے ہیں کہ سر ولیم میور کے اعتراضات اس قدر عام ہیں کہ جواب کے قابل نہیں ہیں۔ اگر وہ کسی مخصوص آیتوں کا نشان دیتے جن میں اُن کے نزدیک زمانہ اور معنی کے اعتبار سے جا بجا بے ربطی ہو یا اُن براہین کا جو اُن کے نزدیک دفعتاً کسی ایسے فقرہ کے حائل ہو جانے سے منقطع ہو گئے ہوں جو اُن کے مدعا سے مطابقت نہ رکھتا ہو تو اُس وقت ہم یقیناً صاحب موصوف کی دقتوں کو حل کر دیتے اور آیات کے واقعی علاقہ باہمی کا نشان دینے کی ذمہ داری اپنے اُوپر لیتے۔ بہ لحاظ سر ولیم میور کے اُس بیان کے ''جو کسی احکام کے پیچھے کسی ایسے احکام کے ملحق ہونے کے

باب میں ہے جو اُس کی ترمیم یا تنسیخ کرتا ہو" بارہا ہم لکھ چکے ہیں کہ اُن اصلی معنوں کی ناواقفیت جن میں کہ علماء اسلام نے اصطلاحات ناسخ و منسوخ کو دراصل استعمال کیا تھا ایسے لئیق مصنف کے قلم سے ایسا بیان نکلا ہے ۔

حضرت ابوبکر کے عہد خلافت میں قرآن مجید کے یک جا جمع ہونے کے طریقہ کو بیان کرکے سر ولیم میور حضرت عثمان کی خلافت کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ "اصلی جلد جو پہلی دفعہ مرتب ہوئی حفصہ کے گھر میں دستیاب ہوئی اور ایک پر غور نظر ثانی عمل میں آئی ۔ اگر زید اور اُن کے ساتھیوں میں کوئی اختلاف پایا گیا تو ساتھیوں کی رائے کو ترجیح دی گئی اس وجہ سے کہ محاورہ قریش کے واقف تھے اور اس نئے مجموعہ کی اس طرح سے مکی زبان میں تطبیق کر دی جس میں کہ پیغمبر صاحب نے اپنے الہامات کو بیان کیا تھا ۔"

سر ولیم میور نے جو کچھ بیان کیا ہے اُس کا مخرج دریافت کرنے میں ہم نہایت حیران ہیں ۔ مسلمانوں کے ہاں تو کسی کتاب میں ایسی حدیث یا کوئی روایت نہیں ہے مذکورہ بالا بیان میں تین جملے علانیہ اعتراض کے قابل ہیں : (۱) نظر ثانی ۔ (۲) اس طرح سے تطبیق کر دی ۔ (۳) نیا مجموعہ ۔ کسی قسم کی روایت سے ہم کو ثابت نہیں ہوتا کہ زید کے جمع کیے ہوئے قرآن مجید پر کبھی نظر ثانی ہوئی ہو ۔ جس حدیث میں کہ اس امر کا تذکرہ ہے اور جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں ۔ اُس میں یہ الفاظ ہیں "فنسخوھا فی المصاحف" یعنی اُنھوں نے اُس کی چند نقلیں کر لیں ۔ مگر اس میں پر غور نظر ثانی کا کچھ ذکر نہیں ۔

اس حدیث میں یہ عبارت بھی ہے کہ "اذا اختلفتُم

انتم و زید ابن ثابت فی شیء من القرآن " یعنی جب کہ تم میں اور زید ابن ثابت میں قرآن مجید کے اندر کسی چیز میں اختلاف واقع ہو - اگرچہ وہ چیز جس میں کہ اُن کو اختلاف واقع ہو بہت سے احتمالات کی گنجائش رکھتی ہے لیکن ہم اُس کے بعد ہی اُس کی تشریح پاتے ہیں جہاں کہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ " فکتبوہ بلسان قریش " یعنی اُس کو قریش کی زبان میں لکھو - اب یہ صریح ظاہر ہے کہ وہ چیز اختلاف تلفظ کے سوا اور کچھ نہ تھی -* بخاری کی حدیث سے جو نقل کی گئی ہے یہ امر اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے - جس میں مذکور ہے کہ " فی عربیۃ من عربیۃ القرآن " یعنی اگر تم کو قرآن کی عربیت کی کسی عربیت میں اختلاف ہو - ان لفظوں سے زیادہ تر تلفظ اور مد اور ادغام اور نون ہائے تنوین سے علاقہ معلوم ہوتا ہے جو عربی عبارت کے پڑھنے میں مختلف قومیں عرب کی استعمال کرتی ہیں - اس جملہ کے کہ " اس طرح سے مکی زبان سے تطبیق کر دی " یہ معنی ہیں کہ کچھ اختلاف واقع ہوا تھا اور جامعین نے اُس کو بدل دیا - مگر حدیث سے یہ بات نہیں پائی جاتی بے شک جامعین کو کہا گیا تھا کہ اگر کچھ اختلاف تم میں ہو تو قریش کے محاورہ میں لکھو لیکن اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ درحقیقت اُن میں اختلاف واقع ہوا تھا پس سر ولیم کا یہ کہنا کہ " اُنھوں نے مکی زبان سے تطبیق کر دی " صحیح نہیں ہے -

ہم نہیں جانتے کہ سر ولیم میور نے لفظ " نیا مجموعہ " کس بنا پر استعمال کیا ہے اور کس جگہ سے اُن کو یہ بات معلوم ہوئی ہے - اس امر کی نسبت وہ اپنی کتاب کے حاشیہ میں اس طرح پر تحریر فرماتے ہیں کہ " اس معاملہ کی خرابی

اور ناموزونیت سے بچنے کے واسطے کہا گیا ہے کہ قرآن اپنے
بیرونی لباس کے لحاظ سے زبان عربی کی سات مختلف زبانوں میں
نازل ہوا تھا - یہ بعید از قیاس نہیں ہے کہ خود محمد (صلعم)
ہی اس کے خیال کے بانی اور مؤید ہوئے ہوں بدیں غرض کہ
ایک ہی آیت قرآنی کی مختلف الالفاظی کی دقت رفع ہو جاوے"
یہ عبارت ایک ایسی طرز اور تعصب سے لکھی گئی ہے جس پر
ہم افسوس کرتے ہیں - ایسے لوگوں پر جو تقویٰ، نیکی،
صداقت، صاف باطنی - راست بازی کے واسطے ممتاز ہوں - دغا،
فریب اور ریاکاری کا الزام لگانا برہان جائز کے معینہ قوانین اور
اخلاق اور تہذیب کے مسلم اصول کے خلاف ہے - ہم اس امر
کو اس کتاب کے پڑھنے والوں کی رائے پر چھوڑتے ہیں
اور اس پر زیادہ بحث نہیں کرتے کیوں کہ ہمارا عقیدہ ہے
کہ وہ لوگ جو سچے پاک باز اور تقویٰ شعار ہیں گو وہ کسی
مذہب اور ملت کے کیوں نہ ہوں ویسے ہی تعظیم اور تکریم
کے مستحق ہیں جیسے کہ خود اپنے ہاں کے بزرگ اور مقدس
لوگ - معہٰذا کیا سر ولیم میور اس بات سے ناواقف ہیں کہ عربی
زبان میں الفاظ کو مد اور بغیر مد اور بغیر ادغام اور با نون
تنوین اور بغیر نون تنوین پڑھنے سے جو عرب کی مختلف قوم کے
مختلف طریقے تھے تلفظ میں کس قدر فرق ہو جاتا ہے لیکن
درحقیقت لفظ میں یا معنی میں کچھ نہیں ہوتا - یا لفظ کا ایک
ہی مادہ مختلف صورت سے بلا تبدیل اصلی مادہ لفظ اور معنی
کے پڑھا جا سکتا ہے جیسے کہ سورہ الحمد میں لفظ "مالک"
کا ہے قدیم تحریر میں اس کی یہ صورت ہے "ملک" یہ لفظ ملک
بھی پڑھا جاتا ہے - ملاّک بھی پڑھا جا سکتا ہے لام کی تشدید
سے اور مالک بھی پڑھا جا سکتا ہے پس اگر اس لفظ کو کسی

عرب نے کسی طرح پڑھا ہو با وصف اختلاف تلفظ کے کوئی تبدیل مادہ لفظ یا معنی میں نہیں ہے - لیکن قریش کی زبان میں مالک کا لفظ جاری تھا اس کا قائم رکھنا کون سے اعتراض کا مقام ہے -

سر ولیم میور نے جو کچھ لکھا وہ مقتضا اس مقصد کا تھا جس مقصد سے آنھوں نے کتاب لکھی ہے مگر سب سے زیادہ سچی بات جو آن کے قلم سے نکلی ہے وہ یہ ہے کہ " دنیا میں غالباً کوئی اور ایسی کتاب نہیں ہے جو بارہ سو برس تک ایسے خالص متن کے ساتھ رہی ہو " اور ہمارا اعتقاد یہ ہے - کہ وہ ہمیشہ تک ایسی رہے گی اور اس امر کی تصدیق آس پشین گوئی سے ہوتی ہے جو قرآن مجید میں موجود ہے خدا فرماتا ہے " انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون " یعنی تحقیق ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا ہے اور ہم بالتحقیق آس کی حفاظت کریں گے -

سر ولیم میور اپنے بیانات کے اثناء میں فرماتے ہیں کہ " اگرابوبکر کے قرآن کا متن خالص ہوتا تو ایسی جلدی وہ کیوں کر خراب ہو جاتا اور اپنے اختلافات کی وجہ سے ایک کامل نظر ثانی کا محتاج ہوتا " ہم نہایت صاف طور سے اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت ابوبکر کا قرآن نہ خراب ہوا تھا اور نہ وہ کسی نظر ثانی کا محتاج ہوا تھا اور نہ اس میں نظر ثانی کی گئی تھی بلکہ صرف آس کی نقلیں کی گئی تھیں -

قرآن مجید میں اختلاف کے اسباب جو سر ولیم میور نے بیان کیے ہیں وہ صحت سے بالکل معرا ہیں ہم قرأت مختلفہ کے ذیل میں جس قدر کہ اس مضمون کی نسبت بیان کرنا ممکن تھا شرح و بسط کے ساتھ بیان کر چکے ہیں -

سر ولیم میور آگے چل کر بیان فرماتے ھیں کہ ”لیکن جب کہ یہ بیان کرتے ھیں کہ قرآن مجید جس حیثیت سے اس کو پیغمبر صاحب نے چھوڑا تھا اب بجنسہ ویسا ھی موجود ھے - اس دعویٰ کے واسطے کہ خود پیغمبر صاحب ھی نے بعض آیات کو جو ایک مرتبہ وحی ظاھر کی گئی ھوں بعد کو تبدیل یا خارج نہ کر دیا ھو کوئی دلیل نہیں ھے -“

مگر ھم کہتے ھیں کہ جب تک یہ بات ثابت نہ ھو کہ درحقیقت بعض آیتیں ایسی تھیں کہ پیغمبر خدا نے اُن کو خارج کر دیا تھا اُس وقت تک بلا شبہ یہ بات کہ جس حیثیت سے قرآن پیغمبر صاحب نے چھوڑا تھا بجنسہ ویسا ھی موجود ھے جیسا کہ حدیث عبدالعزیز سے اوپر بیان ھو چکا ھے اور تمام وحی قرآنی جو آں حضرت پر نازل ھوئی تھیں قرآن میں موجود ھیں اس بات کی کافی دلیل ھے کہ پیغمبر خدا نے نہ کسی آیت کو تبدیل کیا ھے اور نہ کسی آیت کو خارج کیا ھے - مگر ھم کسی جگہ وعدہ کر چکے ھیں کہ اس مضمون پر کسی قدر طوالت کے ساتھ بحث کریں گے پس اس جگہ اس وعدہ کو پورا کرتے ھیں -

سر ولیم میور اپنے مذکورہ بالا دعویٰ کی تصدیق پر مندرجہ ذیل سندیں پیش کرتے ھیں اور اُن بیانات کو کاتب الواقدی سے نقل کرتے ھیں کہ ”عمر نے ابی ابن کعب کی تعریف کی اور فرمایا کہ وہ قرآن مجید کا سب سے کامل قاری ھے ھم بہ تحقیق بعض آیات کو جو ابی کے پڑھنے میں شامل ھیں چھوڑ دیا کرتے ھیں کیوں کہ ابی کہا کرتا ھے کہ میں نے پیغمبر صاحب کو یوں فرماتے سنا ھے اور میں ایک لفظ بھی جو پیغمبر صاحب نے قرآن مجید میں درج کیا ھے نہیں چھوڑتا ھوں

مگر اصل یہ ہے کہ قرآن مجید کے وہ حصے اُبی کی عدم موجودگی میں نازل ہوئے تھے جو بعض آیتوں کو جن کو وہ پڑھتا ہے تنسیخ یا ترمیم کرتے ہیں ۔

سر ولیم میور نے جیسا کہ اُن کی تمام تحریر سے پایا جاتا ہے اس مضمون کو توڑ مروڑ دیا ہے اور جو کچھ اُنھوں نے بیان کیا ہے اس اصل حدیث کے مضمون سے جو حضرت عمر سے منقول ہے سراسر خلاف ہے اور اس عبارت کا کہ " بعض آیات کو جو اُبی کے پڑھنے میں شامل ہیں چھوڑ دیا کرتے ہیں" اُس حدیث میں پتہ بھی نہیں ہے ۔ ہم اس حدیث کو بجنسہ بے کم و کاست ذیل میں مندرج کرتے ہیں اور وہ حدیث یہ ہے ۔

حدثنا عمرو بن علی قال حدثنا یحییٰ قال حدثنا سفیان عن حبیب عن سعید ابن جبیر عن ابن عباس قال قال عمر اقرأنا ابی و اقضانا علی و انا لندع من قول ابی و ذلک ان ابیا یقول لا ادع شیئاً سمعته من رسول اللہ صلعم و قد قال اللہ تعالیٰ ما ننسخ من آیۃ او ننسھا (بخاری کتاب التفسیر) ۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا ہم لوگوں میں اُبی بڑے قاری ہیں اور علیؓ بڑے قاضی ہیں اور ہم لوگ اُبی کا قول چھوڑ دیتے ہیں اور وہ یہ بات ہے کہ اُبی کہتے ہیں ۔ میں کوئی چیز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکا ہوں نہ چھوڑوں گا اور حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے "ما ننسخ من آیۃ او ننسھا ۔"

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ کسی جگہ اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت عمر بعض آیات قرآنی کو جن کو ابی پڑھا کرتے تھے - چھوڑ دیا کرتے تھے - یہ حدیث قرآن مجید سے احکامات استخراج کرنے سے متعلق ہے - ابی قرآن مجید کی ہر ایک آیت سے جو حکم مستخرج ہوتا تھا استخراج کرتے تھے اور جملہ احکام مستخرجہ کو صحیح خیال کرتے تھے - ان کی رائے یہ تھی کہ ظواہر آیات سے جو معنی یا احکام نکلتے ہوں ان کے استخراج میں دوسری آیت پر نظر رکھنا ضرور نہیں جیسے کہ اہل ظواہر کا مذہب ہے لیکن حضرت علی مرتضیٰ کی رائے اس کے برخلاف معلوم ہوتی ہے - اس پر حضرت عمر نے کہا کہ ابی سب سے عمدہ قرآن پڑھنے والا ہے اور حضرت علی ہم میں سب سے بڑے قاضی ہیں یعنی سب سے بہتر حکم دینے والے ہیں اور ہم سب سے زیادہ قرآن مجید سے احکام و قوانین مستخرج کر سکتے ہیں اس واسطے ہم چھوڑ دیتے ہیں ابی کے قول کو یعنی جو ابی نے قرآن سے حکم کا استخراج کیا ہے اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور حضرت علی سے اتفاق کرتے ہیں - ہماری اس تشریح کی تصدیق خود اسی حدیث کے اس جملہ سے ہوتی ہے کہ '' اقضانا علی '' کیونکہ اگر یہ حدیث محض قرأت مختلفہ سے متعلق ہو تو یہ جملہ اس کے بقیہ حصہ سے کچھ علاقہ نہ رکھے گا -

ہمارے اس بیان کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ بخاری نے جو مسلمانوں کے ہاں نہایت نامی اور مقدس اور مستند محدثین میں سے ہے اس حدیث کو اس مقام پر بیان کیا ہے جہاں کہ وہ احکامات ناسخ و منسوخ سے بحث کرتا ہے نہ اس جگہ جہاں کہ

اُس نے قرأت مختلفه کا بیان کیا هے مگر بخاری نے اسی حدیث کو کسی قدر ترمیم شده صورت میں اُس مقام پر بھی بیان کیا هے جهاں که اُس نے قاریوں کے باهمی اختلاف پر بحث کی هے چناں چه اُس حدیث کو بھی هم نقل کرتے هیں اور اس بات پر بھی بحث کریں گے که اُن دونوں حدیثوں میں سے کون سی حدیث صحیح هے اور وه حدیث یه هے ۔

حدثنا صدقة ابن الفضل قال اخبرنا یحیٰی عن سفیٰن عن حبیب بن ابی ثابت عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال قال عمرؓ علیؓ اقضانا و ابی اقرانا و انا لندع من لحن ابی و ابی یقول اخذته من فی رسول الله صلی الله علیه وسلم فلا اترکه لشئی قال الله تعالیٰ ما ننسخ من آیة او ننسها نات بخیر منها او مثلها (بخاری باب القراء) ۔

ابن عباس سے روایت هے که حضرت عمرؓ نے کہا علیؓ هم لوگوں میں سب سے بڑے قاضی هیں اور ابی هم لوگوں میں سب سے بڑے قاری هیں اور هم لوگ ابی کی قرأت کو چھوڑ دیتے هیں اور ابی کہتے هیں که میں نے اُس کو رسول الله صلی الله علیه وسلم کے منه سے لیا هے پس اُس کو کسی طرح نه چھوڑوں گا الله تعالیٰ نے کہا ما ننسخ من آیة او ننسها نات بخیر منها او مثلها (یعنی جب هم کوئی آیت منسوخ کرتے هیں یا بھلا دیتے هیں تو اُس سے اچھی یا اُس کے برابر لاتے هیں) ۔

اس حدیث میں وه لفظ جس کا ترجمه هم نے قرأت کیا هے ”لحن“ هے مگر جو که قرآن مجید اور اُس کی آیتوں کا ایک

ھی لحن ھے اس لیے آیات قرآنی کی تلاوت پر بھی لحن کا اطلاق ھوتا ھے -

یہ پچھلی حدیث دو وجہ سے مشکوک ھے : اول یہ کہ گو اس حدیث کے اور نیز حدیث ماسبق دونوں کے راوی ایک ھیں مگر پہلی میں لفظ "قول" اور دوسری میں لفظ "لحن" مستعمل ھوا ھے اس لیے ھمارا عقیدہ ھے کہ صدقہ ابن فضل اس حدیث کے راوی نے لفظ "لحن" کو بجائے "قولہ" کے براہ غلطی استعمال کیا ھے - دوسرے یہ کہ اس حدیث میں دو جملے ھیں ایک "علی اقضانا" اور دوسرا "ما ننسخ من آیۃ او ننسھانات بخیر منھا او مثلھا" ان دونوں جملوں کو قرآن کی قرأت مخصوص سے قابل قیاس کوئی علاقہ نہیں ھے اس واسطے ھماری رائے ھے کہ صدقہ نے پہلی حدیث کے سمجھنے میں اور اس دوسری حدیث کے بیان کرنے میں علانیہ غلطی کی ھے لیکن بغرض اختتام حجت تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لیتے ھیں کہ یہ پچھلی حدیث بھی صحیح ھے تو اس سے زیادہ اس کے اور کچھ معنی نہیں ھو سکتے کہ حضرت عمر نے حضرت علی مرتضیٰ کے لحن کو ابی کے لحن پر ترجیح دی - بہرکیف سر ولیم میور نے براہ زبردستی اس سے یہ نتیجہ مستنبط کیا ھے کہ "حضرت عمر نے کہا کہ ھم بالتحقیق بعض آیات کو جو ابی کے پڑھنے میں شامل ھیں چھوڑ دیا کرتے ھیں -"

سر ولیم میور واقدی سے ایک اور روایت نقل کرتے ھیں اور وہ یہ ھے کہ "ابن عباس نے کہا کہ مجھ کو عبد اللہ ابن مسعود کا پڑھنا پسند ھے کیوں کہ محمد (صلعم) ھر رمضان میں ایک مرتبہ قرآن جبرائیل سے پڑھوایا کرتے تھے اور اپنی وفات کے سال میں اس کو دو مرتبہ پڑھوایا تھا اور عبد اللہ

دونوں مرتبہ حاضر تھے اور جو چیز کہ منسوخ ہوئی تھی اور جس چیز میں ترمیم ہوئی تھی اس کو مشاہدہ کیا تھا۔"

اس روایت کے اخیر حصہ کی کوئی معتبر سند نہیں ہے اور نہ ہم اس کو کسی مستند اور صحیح حدیث میں پاتے ہیں اور اگر بالفرض وہ واقدی میں موجود بھی ہو جس میں کہ ہم کو ہمیشہ شک رہے گا۔ تب بھی وہ اعتبار کے مستحق نہیں ہے کیوں کہ تمام نا معتبر اور بے سند روایتیں جو واقدی میں ہیں تام مور کے قصہ لالۂ رخ سے کچھ زیادہ اعتبار کی مستحق نہیں ہیں اور اگر ہم بغرض اتمام حجت اس کی اصلیت تسلیم کر لیں تو بھی سر ولیم میور کا فرض کیا ہوا یہ عقیدہ کہ "قرآن مجید میں شاید بعض ایسی آیتیں نہ موجود ہوں جو ایک زمانہ میں نازل ہوئی ہوں مگر بعد کو منسوخ یا ترمیم ہو گئی ہوں" کیوں کر ثابت ہوتا ہے۔ باقی رہی یہ آیت کہ "ماننسخ من آیۃ او ننسھانات بخیر منھا او مثلھا" اس پر ہم پہلے بحث کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ وہ شریعت یہود سے علاقہ رکھتی ہے نہ آیات قرآن سے۔

سر ولیم میور اپنی کتاب کے حاشیوں کے ضمن میں بعض روایات کو قرآن مجید کی آیتوں کے اخراج یا عدم اندراج کی تمثیلات کے طور پر نقل کرتے ہیں۔

اول بیر معونہ کی روایت کو لکھا ہے کہ "بیر معونہ پر ستر مسلمانوں کے شہید ہونے پر محمد (صلعم) نے اللہ تعالیٰ کی وساطت سے ان لوگوں کے پیغام کے پہنچنے کا دعویٰ کیا جس کو مختلف راویوں نے (کسی قدر اختلاف کے ساتھ) اس طرح پر نقل کیا ہے "بلغوا قرمنا عنا انا لقینا ربنا فرضی

عنا و رضینا عنہ (کاتب الواقدی) تمام مسلمان اس کو کچھ مدت تک آیت قرآنی کے طور پر پڑھتے رہے اس کے بعد یہ منسوخ یا خارج کر دی گئی۔"

اول تو اس روایت کی صحت ھی میں کلام اور انکار ہے۔ مزیدے برآں سر ولیم میور کا یہ فرضی بیان کہ "تمام مسلمان آن کو کچھ مدت تک آیت قرآنی کے طور پر پڑھتے رہے اس کے بعد یہ منسوخ یا خارج کر دی گئی" محض بے بنیاد ہے اور کسی معتبر اور مستند روایت میں پایا نہیں جاتا اور اگر بالفرض ہم آس کو صحیح تصور کر لیں تو آس کا نتیجہ صرف یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنی غلطی سے وحی غیر متلو یعنی حدیث کو وحی متلو یعنی قرآن سمجھا تھا اور درحقیقت وہ قرآن کی آیت نہ تھی۔

دوسری روایت سر ولیم میور نے متعلق احکام زنا کے لکھی ہے کہ "عمر کی نسبت کہا گیا ہے کہ اپنی خلافت میں اھل مدینہ سے اس طرح گفتگو کی" اے لوگو اس بات کی احتیاط رکھو کہ آس آیت کو نہ بھول جاؤ جو زنا کی نسبت سنگ ساری کا حکم دیتی ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہم دو سزاؤں کو یعنی بیاھے اور بے بیاھے اشخاص کی زنا کاری کی بابت کتاب اللہ میں نہیں پاتے ھیں تو آس کا میں یہ جواب دیتا ھوں کہ میں نے پیغمبر صاحب کو زنا کی پاداش میں سنگ سار کرتے ھوئے دیکھا ہے اور اسی پر ہم نے آن کے بعد عمل در آمد کیا ہے اور واللہ اگر یہ امر مانع نہ ھوتا کہ لوگ کہہ دیں گے کہ عمر نے ایک نئی بات قرآن میں درج کر دی تو میں نے آس کو قرآن میں درج کر دیا ھوتا کیوں کہ میں نے بہ تحقیق اس آیت کو پڑھا ہے کہ

”و الشیخ و الشیخة اذا زنیا فا رجموهما البتہ“
(کاتب الواقدی اور ویلس) -

اول تو اس بیان میں جو واقدی نے لکھا ہے اصلی حدیث کی غلط بیانی اور غلط نمائی ہے اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ یہ فقرہ کہ ”و الشیخ و الشیخة اذا زنیا فا رجموهما البتہ“ اصل حدیث میں نہیں ہے اور نہ اس بات کی کوئی سند ہے کہ کبھی مسلمانوں نے اس کو قرآنی آیت سمجھا ہو دوسرے اس فقرہ کی عبارت ایسی ناقص اور خراب ہے کہ قطع نظر عربوں سے کوئی عجمی ادنٰی درجہ کا عربی دان بھی اس کو نہ لکھے گا چہ جائے اس کے وہ خدا کا کلام ہو - مگر ہم اس امر کو ابتدا سے بیان کریں گے اور اس بیان کے اثناء میں اصلی حدیث کو بھی نقل کریں گے جس سے ثابت ہوگا کہ عربی فقرہ مذکورہ بالا اس میں نہیں ہے -

قرآن مجید میں زنا کی سزا یہ ہے

| | |
|---|---|
| و اللاتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشھدو اعلیھن اربعة منکم فان شھدوا فامسکوھن فی البیوت حتی یتوفاھن الموت او یجعل الله لھن سبیلا (سورہ نساء آیت ۱۹) - | اور تمہاری عورتوں میں سے جو زنا کریں تو ان پر چار گواہ لاؤ - پس اگر وہ گواہی دیں تو ان کو گھروں میں روک رکھو یہاں تک کہ وہ اپنی موت سے مریں یا خدا ان کے لیے کوئی راہ نکالے - |

دوسری آیت جس میں زنا کی سزا کی تفصیل ہے وہ یہ ہے -

| | |
|---|---|
| الزانی و الزانیة فاجلدوا کل واحد منھما مأیة جلدة (سورہ نور آیت ۲) | زانی اور زانیہ ہر ایک کو ان میں سے سو کوڑے مارو - |

بعد اس کے پیغمبر خدا نے زنا کے باب میں اس طرح فرمایا۔
جو ذیل کی روایت میں بیان ہوا ہے۔

عن عبادة بن الصامت قال ----- قال خذوا عنی قد جعل الله لهن سبیلا الثیب بالثیب و البکر بالبکر الثیب جلد مایة ثم رجم بالحجارة و البکر جلد مایة ثم نفی سنة (مسلم باب حد الزنا)۔

عباده بن صامت سے روایت ہے کہ کہا ----- لو مجھ سے۔ خدا نے اُن کے لیے رستہ نکالا۔ ثیب ثیب کے ساتھ اور باکرہ باکرہ کے ساتھ ثیب کو سو کوڑے مارے جائیں گے پھر سنگ سار کیا جاتا ہے اور باکرہ کو سو کوڑے مارے جائیں گے پھر ایک برس جلا وطن کر دینا کافی ہے۔

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ خود پیغمبر صاحب نے یہودی مرد اور عورت کو جو زنا کاری کے مجرم قرار پائے تھے یہودی شریعت کے موافق سنگ سار کرنے کی اجازت دی تھی اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیں کہ یہودی کے سوا اور کسی کو بھی آں حضرت نے سنگ سار کیا تھا تو بھی اس بات کا ثابت کرنا غیر ممکن ہے کہ بعد نزول اُس آیت کے جس میں زنا کی سزا کا حکم ہے آں حضرت نے ایسا حکم دیا ہو۔ اسی طرح مسلم کی اس حدیث کی نسبت جو اوپر مذکور ہے ثابت کرنا مشکل ہے کہ وہ حدیث سورہ نور کی آیت کے بعد کی ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زنا کی سزا کی نسبت اختلاف رائے ہوا۔ جس کا ہونا ضرور تھا اور معلوم

ھوتا ہے کہ اُن دونوں آیتوں اور ایک حدیث کی بناء پر جو اوپر مذکور ھوئیں تین مختلف رائیں پیدا ھوئیں ۔

اول : سورہ نساء کی آیت میں بیان کیا گیا ھے کہ ”اُن کو اپنے مکانوں سے باھر نہ جانے دو ۔ یہاں تک کہ موت اُن کو ٹھکانے لگائے یا اللہ تعالیٰ اُن کے واسطے کوئی سبیل نکال دے“ اس آیت کے آخیر لفظوں سے بعض لوگ یہ سمجھے کہ وہ سبیل یہی ھے جو مسلم کی حدیث میں بیان ھوئی ھے کہ بیاھے ھوئے اشخاص کو بجرم زنا سو درے لگانے چاھئیں اور سنگ سار کرنا چاھیے اور کوارے شخصوں کو سو درے لگانے چاھئیں اور ایک سال کے واسطے جلا وطن کر دینا چاھیے ۔ کچھ عجب نہیں ھے کہ لوگوں نے اُس حکم کو ایک جزو قرآن سمجھا ھو ۔

دوم : بعض لوگوں کی یہ رائے ھوئی کہ سورہ نساء کی آیت سورہ نور کی آیت سے منسوخ ھو گئی ھے اور زنا کی سزا خواہ اُس کا مرتکب کوئی بیاھا ھوا شخص ھو خواہ کوارا ، سو درے قرار پائے ھیں معلوم ھوتا ھے کہ ان لوگوں نے مسلم کی حدیث کی کچھ وقعت نہیں کی اور اُس کی دو وجہیں معلوم ھوتی ھیں : (۱) یہ کہ یہ محقق نہیں ھے کہ وہ قول آں حضرت کا جو مسلم کی حدیث میں ھے سورۂ نور کی آیت کے بعد کا ھے ۔ (۲) یہ کہ جب تک کسی امر میں کوئی خاص حکم نازل نہیں ھوتا تھا تو آں حضرت یہود کی شریعت کے موافق عمل فرمایا کرتے تھے اور اس لیے مسلم کی حدیث حجت کے قابل نہیں ھو سکتی ۔

سوم : بعض لوگ اس بات کو تو تسلیم کرتے تھے کہ سورہ نساء کی آیت تو سورہ نور کی آیت سے منسوخ ھو گئی ھے ۔

مگر جو کہ سورہ نساء کی آیت میں کوئی قطعی سزا مذکور نہیں ہے اس لیے مسلم کی حدیث میں جو سزا ہے وہ بیاہے ہوئے شخصوں کے لیے سزا ہے اور سورہ نور کی آیت میں جو سزا ہے وہ کوارے لڑکوں کے لیے سزا ہے ۔ مسعودی کی بھی اسی قسم کی رائے معلوم ہوتی ہے ۔

یہ اختلاف رائے آج تک چلا آتا ہے کیوں کہ معتزلی اور خارجی جو مسلمانوں کے دو بڑے فرقے ہیں اور معتزلی فرقہ کے لوگ عربیت میں بہت بڑا عالی درجہ رکھتے ہیں ۔ اب بھی یہی کہتے ہیں کہ زنا کی سزا سنگ سار کرنا نہیں ہے اور اس خطبہ کے راقم کی بھی گو وہ ان دونوں فرقوں سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا ہے بلکہ سنی مذہب کی بھی یہی رائے ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر وہ رائے رکھتے تھے جس کا ہم نے تیسری قسم میں بیان کیا ہے اور اس لیے جب کہ وہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو اکثر اشخاص کے سامنے یہی بیان کیا اور شاید اپنی تمام سلطنت میں یہی حکم دیا ہو ۔

واقدی نے اس حدیث کو زیادہ افراط و تفریط کے ساتھ لکھا ہے اور سر ولیم میور نے اپنی کتاب میں اس کو بجنسہ نقل کیا ہے ۔ اصل حدیث جو مسلم میں منقول ہے ہم ذیل میں مع ترجمہ کے لکھتے ہیں ۔

قال عمر بن الخطاب و ھو جالس علی منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ بعث محمدا صلی اللہ

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھے تھے کہا کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بر حق بھیجا ۔ آن پر مقرر کیے ہوئے حکم آتارے سو آن چیزوں میں سے جو آن پر اللہ

عليه وسلم بالحق انزل
عليه الكتاب فكان مما
انزل الله عليه آية الرجم
قرأناها وعيناها و
عقلناها فرجم رسول الله
صلى الله عليه وسلم و
رجمنا بعده فاخشیٰ ان
طال بالناس زمان ان
يقول قائل مانجد الرجم
فی كتاب الله تعالیٰ
فيضلوا بترك فريضة
انزلها الله وان الرجم فی
كتاب الله حق على من زنا
اذا احصن من الرجال
و النساء اذا قامت البينة
اوكان الحبل او الاعتراف ۔
(مسلم باب حد الزنا) ۔

نے اتاریں رجم کا حکم تھا ۔
ہم نے اُس کو پڑھا اور متعین
کیا اور خیال کیا ۔ سو
رجم کیا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے اور ہم نے اُن
کے بعد رجم کیا میں ڈرتا ہوں
کہ زیادہ زمانہ گذر جانے
پر کوئی کہنے والا کہے کہ
ہم رجم کو خدا کے مقرر کیے
ہوئے احکام میں نہیں پاتے پس
تو گمراہ ہوں گے اُس فرض کے
چھوڑنے سے جس کو خدا نے
اُتارا اور رجم حق ہے خدا کے
مقرر کیے ہوئے حکم میں اُس
شخص پر جس نے زنا کیا ہو
اور بیاہا ہوا ہو ۔ مردوں
اور عورتوں میں سے ۔ جب
دلیل قائم ہو جاوے یا حمل رہ گیا ہو یا خود اُن کو اقرار ہو ۔
(مسلم باب حد الزنا) ۔

اما قوله صلى الله
عليه وسلم فقد جعل
الله لهن سبيلا فاشارة
الى قول الله تعالى
فامسكوهن فی البيوت
حتى يتوفاهن الموت

لیکن آں حضرت کا قول
کہ "خدا نے ان کے لیے رستہ
نکالا" ۔ اللہ کے اس قول
کی طرف " فامسکوهن
فی البیوت حتی یتوفهن
الموت او یجعل اللہ

او يجعل الله لهن سبيلا فبين النبي صلعم هذا هو ذلك السبيل واختلف العلماء في هذه الاية فقيل هي محكمة و هذا الحديث مفسر لها و قيل منسوخة بالاية التي في اول سورة النور و قيل ان اية النور في البكر ين و هذه الاية في الثيبين (نووی) ۔

لهن سبيلا" (یعنی پس ان کو روکے رکھو گھروں میں یہاں تک کہ موت ان کو اٹھا لے یا خدا ان کے لیے رستہ نکالے) اشارہ ہے ۔ پس نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے اس رستہ کا بیان کر دیا ۔ اور عالم لوگ مختلف ہوئے ہیں اس حکم میں ، پس کہا گیا کہ وہ محکم ہے اور یہ حدیث اس کی مفسر ہے اور کہا گیا کہ وہ منسوخ ہے اس حکم سے جو سورہ نور کے اول میں ہے ۔ اور کہا گیا کہ "نور" کا حکم باکرہ کے باب میں ہے اور یہ حکم ثیبہ کے باب میں ہے (نووی) ۔

قوله فكان مما انزل الله عليه اية الرجم قرأناها وعيناها و عقلناها اراد به اية الرجم "الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموها البتة" (نووی) ۔

حضرت عمر کا یہ قول کہ "ان چیزوں میں سے جو خدا نے ان پر اتاریں ، رجم کا حکم تھا ؛ ہم نے اس کو پڑھا اور متعین کیا اور خیال کیا ۔ اس سے مراد رجم کا یہ حکم ہے "الشیخ و الشیخة اذا زنیا فارجموھما البتة" (یعنی جب بوڑھا اور بوڑھی زنا کریں تو ان کو ضرور سنگسار کرو) ۔ (نووی)

و في ترك الصحابة كتابة هذه الاية دلالة

اور صحابہ نے جو اس حکم کا لکھنا چھوڑ دیا ، تو

ظاهرة ان المنسوخ لا یکتب فی المصحف (نووی) ۔

اس بات کی صاف دلیل ہے کہ منسوخ قرآن میں نہیں لکھا جاتا (نووی) ۔

قوله فاخشی ان طال بالناس زمان ان یقول قائل ما نجد الرجم فی کتاب الله فیضلوا بترک فریضة هذا الذی خشیة قد وقع من الخوارج و من وافقهم (نووی)۔

حضرت عمر کا یہ قول کہ ”میں ڈرتا ہوں کہ جب زیادہ زمانہ گذر جاوے تو کوئی کہنے والا کہے کہ ہم رجم کو خدا کے مقرر کیے ہوئے حکم میں نہیں پاتے، پس لوگ گمراہ ہوں گے ایک فرض کے چھوڑنے سے ”یہ ڈر جو حضرت عمر کو تھا، خارجیوں اور ان کے موافقوں سے اس کا ثبوت بھی ہو گیا (نودی) ۔

واجمع العلماء علی وجوب جلد الزانی البکر مائة و رجم المحصن و هو الثیب و لم یخالف فی هذا واحد من اهل القبلة الا ما حکی القاضی عیاض وغیره عن الخوارج و بعض المعتزلة کالنظام و اصحابه فانهم لم یقولوا بالرجم ۔ (نووی) ۔

اور اجماع کیا ہے عالموں نے اس پر کہ جو زانی بکر ہو اس کو کوڑے پیٹنا واجب ہے اور بیاہا ہوا اور ثیب ہو اس کو سنگسار کرنا واجب ہے اور اس امر میں اہل قبلہ میں سے ایک شخص نے بھی اختلاف نہیں کیا، سوائے اس کے کہ قاضی عیاض وغیرہ نے خارجیوں اور بعض معتزلہ سے جیسے نظام اور اس کے متبعین سے نقل کیا ہے ، کیوں کہ یہ لوگ [illegible] کے قائل نہیں ہیں [illegible]

اس ترجمہ میں ہم نے لفظ ''آیت'' اور ''کتاب'' کے ترجمہ میں ''حکم'' کا لفظ مستعمل کیا ہے ، ہم اس باب میں بہت سی مثالیں پیش کر سکتے ہیں کہ یہ الفاظ خود قرآن مجید اور احادیث میں ان معنوں میں مستعمل ہوئے ہیں ، مگر ہمارا مخالف اس ترجمہ پر معترض ہونے کا مجاز ہے اور کہ سکتا ہے کہ الفاظ ''آیت'' اور ''کتاب'' ہی کیوں نہ مستعمل کیے ، اس لیے ہم دوسرا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں ، جس میں ''آیت'' کا ترجمہ ''آیت'' اور ''کتاب'' کا ترجمہ ''قرآن'' کیا ہے ۔ اس ترجمہ کے پڑھنے والوں پر ظاہر ہوگا کہ اگر اس طرح پر ترجمہ کیا جاوے تو حدیث کیسی مہمل اور بے معنی ہو جاتی ہے ۔

دوسرا ترجمہ : عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے منبر پر بیٹھے تھے ، یہ کہا کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق بھیجا ، ان پر قرآن اتارا ۔ سو ان چیزوں میں سے جو آن پر اللہ نے اتاریں ، رجم کی آیت تھی ۔ ہم نے اس کو پڑھا اور متعین کیا اور خیال کیا سو رجم کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہم نے ان کے بعد رجم کیا ۔ میں ڈرتا ہوں کہ زیادہ زمانہ گذر جانے پر کوئی کہنے والا کہے کہ ہم رجم کو قرآن میں نہیں پاتے ۔ پس تو گمراہ ہوں گے اس فرض کے چھوڑنے سے جس کو خدا نے اتارا اور رجم حق ہے ، قرآن میں اس شخص پر جس نے زنا کیا ہو اور بیاہا ہوا ہو ۔ مردوں اور عورتوں میں سے جب دلیل قائم ہو جائے یا حمل رہ گیا ہو یا خود ان کو اقرار ہو ۔ (مسلم)

کیا اس حدیث کے یہ دو فقرے کہ ''ہم قرآن میں رجم کا حکم نہیں پاتے'' اور یہ فقرہ کہ ''بے شک رجم قرآن میں ہے''

ایک دوسرے کے نقیض نہیں ہیں ؟

اس لفظی بحث کو چھوڑ کر اب ہم اصل مطلب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ عبارت جس کو سر ولیم میور واقدی سے نقل کرنا بیان کرتے ہیں کہ ”اور واللہ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہہ دیں گے کہ عمر نے ایک نئی چیز قرآن میں درج کر دی ، تو میں اس کو قرآن مجید میں درج کر دیتا ، کیوں کہ بہ تحقیق میں نے اس آیت کو سنا ہے 'والشیخ و الشیخة اذا زنیا فارجموھما البتہ' ۔

اپنی تصنیفات کا حجم بڑھانے کی نیت سے اور نیز اپنی کامل آگہی کی غرض سے ہمارے مفسرین اور اہل سیر نے تمام مہمل اور بےہودہ افسانوں کو جو عوام الناس میں مشہور تھے ، بہ کمال آرزو جمع کر کے اپنی کتابوں میں درج کر لیا ہے اور ہم اس کتاب کے پڑھنے والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ تمام محققین مسلمان ان کو مہمل تصور کرتے ہیں اور اسلام ان کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے ۔

نووی مسلم کی شرح میں لکھتا ہے کہ لفظ ”حکم“ سے جس کی طرف اس عبارت میں اشارہ ہے منجملہ ان احکامات کے جو پیغمبر خدا پر نازل ہوئے تھے ، آیت رجم بھی تھی اور ہم نے اس آیت کو دیکھا پڑھا اور سمجھا تھا اور وہ آیت الشیخ و الشیخة اذا زنیا فارجموھما البتہ ہے ۔ اس کے بعد نووی یہ بیان کرتا ہے کہ چوں کہ آیت مذکورہ کا قرآن مجید میں کہیں پتہ نہیں ہے اس لیے تیقین کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آیات منسوخ شدہ قرآن مجید میں درج نہیں کی گئی تھیں ۔

مگر ہر ذی فہم شخص سمجھتا ہے کہ نووی کا یہ بیان نہ تو کوئی حدیث نبوی ہے اور نہ کوئی حکم مذہبی ہے ، بلکہ ایک مفسر کی محض رائے ہے ۔ معہٰذا یہ رائے بھی تسکین بخش نہیں ہے ، کیوں کہ اس پر یہ اعتراض عائد ہوتے ہیں : (۱) یہ کہ نووی نے اس امر کے ثبوت کی کوشش بھی نہیں کی کہ آیت مذکورہ درحقیقت قرآنی آیت تھی ۔ (۲) یہ کہ وہ اس بات کی بھی کوئی دلیل نہیں پیش کرتا کہ حضرت عمر کی مراد اسی آیت سے تھی ۔ (۳) اس نے ان دونوں باتوں کو بلا دلیل غلطی سے صحیح تصور کر کے یہ نتیجہ باطل مستنبط کیا ہے کہ آیات منسوخ شدہ قرآن مجید میں درج نہیں ہوتی تھیں ۔ افسوس ہے کہ ہماری اکثر کتب سیر و تفاسیر ایسی ہی روایات اور احادیث سے مملو ہیں جو مفروضات باطل پر مبنی ہیں اور بجز مصنف ہی کے قیاست کے اور کسی چیز سے ان کی تائید نہیں ہوتی ۔ عیسائی مصنف ان کی تحقیق سے ناواقف ہوتے ہیں ۔ اور ان کو صحیح حدیثیں تصور کر لیتے ہیں اور بہ کمال شوق اسلام کی نسبت بے اصل الزامات ان پر مبنی کرتے ہیں ۔ اس مقام پر ہم کو اس امر سے کہ رجم کا حکم اسلام میں ہے یا نہیں زیادہ بحث نہیں ہے ۔ بحث صرف اس قدر ہے کہ جس کو آیت رجم کہا جاتا ہے وہ کبھی قرآن کی آیت نہیں تھی اور نہ کبھی قرآن مجید سے خارج کی گئی تھی ۔

آیتوں کے اخراج اور عدم اندراج کی بابت سر ولیم میور نے تیسری مثال مارکسی کی نقل کی ہوئی روایت بیان کی ہے ، جو سونے کی گھاٹی کے باب میں تھی اور جو قرآن میں مندرج ہونے سے رہ گئی ہے ۔ چوتھی تمثیل میں وہ عبداللہ ابن مسعود کے اس قصہ کو پیش کرتے ہیں ، جس میں کہ انھوں نے بیان کیا ہے کہ

میں نے رات کو اپنے ورقوں میں سے ایک آیت کو غائب پایا۔
پانچویں تمثیل میں اس آیت کا ذکر کرتے ہیں، جو مکہ کے
معبودان مجازی کے بارہ میں تھی۔ لیکن ہم ان کے نہایت
شکر گذار ہیں کہ انھوں نے خود یہ بات کہہ کر کہ یہ سب
روایتیں غلط اور موضوع ہیں، اس جھگڑے کو چکا دیا ہے۔
پس ہم کو مردہ کے مارنے کی کچھ ضرورت نہیں رہی۔

---

(۸)

# خانۂ کعبہ کے تاریخی حالات

## (اسلام سے قبل)

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکاً
وھدیً للعالمین

عرب کے ملک میں جو نہایت قدیم روایت اس زمانہ سے جب کہ قرآن مجید کا ذکر بھی نہ تھا، برابر چلی آتی ہے اور جس کو عرب کی تمام قومیں بغیر کسی شبہ اور اختلاف کے پشت در پشت مانتی چلی آتی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کعبہ کو حضرت ابراہیم نے بنایا تھا اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل ان کے شریک تھے۔

قرآن مجید میں اس گھر کے بننے کی جو خبر آئی ہے۔ وہ بھی اسی قدر ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

اذ یرفع ابرھیم القواعد من البیت و اسماعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔
(سورہ بقرہ۔ آیت ۱۲۱)

جب کہ ابراہیم اور اسماعیل نے اس گھر کی بنیادیں اٹھائیں تو انھوں نے یہ دعا مانگی کہ "اے ہمارے پروردگار! اس گھر کو ہم سے قبول کر۔ بے شک تو اس دعا کو سننے والا ہے اور دلی نیت کو جانتا ہے۔"

اس دعا سے جو اس کے بنانے والوں نے کی اور قرآن مجید کی اور بہت سی آیتوں سے جو اس کے بعد ہیں بہ‌خوبی ظاہر ھے کہ یہ گھر خدا کے واسطے یعنی اس کی عبادت کے لیے بنایا گیا تھا جیسے کہ اس زمانہ میں لوگ مسجد بناتے ہیں ۔

قرآن مجید میں کعبہ کو بالتصریح "مسجد" کہا گیا ھے ۔ چناں چہ ایک جگہ خدا نے فرمایا ھے کہ :

| | |
|---|---|
| انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا (سورہ توبہ ۔ آیت ۲۸) | مشرک ناپاک عقیدہ کے ہیں ۔ وہ اس برس کے بعد سے اس بزرگ مسجد (یعنی کعبہ) کے پاس نہ آویں ۔ |

اور ایک اور جگہ خدا نے فرمایا کہ :

| | |
|---|---|
| لقد صدق الله رسوله الرویا بالحق لتدخلن المسجد الحرام انشاءالله (سورہ فتح آیت ۲۷) ۔ | خدا نے اپنے رسول کو یہ سچا خواب دکھلایا بالکل ٹھیک کہ "بے شک تم داخل ہوگے اس بزرگ مسجد (یعنی کعبہ) میں انشاءاللہ ۔" |

جس زمانہ میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں اس زمانہ میں کعبہ کے گرد وہ مکانات نہیں تھے جو اب ہیں اور جو حرم کہلاتے ہیں اور جن کا مطلب یہ ھے کہ مسجد داخل حد حرم ھے لیکن خاص کعبہ وہ مسجد ھے ، جس کو حضرت ابراہیم نے بنایا اور اسی خاص عمارت کو قرآن مجید میں مسجدالحرام کہا ھے ۔

قرآن مجید میں کوئی خاص زمانہ کعبہ کی تعمیر کا نہیں بتایا ھے ، صرف دو صفتیں اس کی بیان ہوئی ہیں ، ایک "بیت‌العتیق" یعنی نہایت پرانا قدیم گھر ، دوسرے "اول بیت وضع للناس" یعنی سب سے پہلا گھر جو آدمیوں کے لیے خدا کی عبادت

کرنے کو بنایا گیا ، جس قاعدہ پر حال کے زمانہ کے مؤرخ پرانے زمانہ کا حساب لگاتے ہیں اس حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی سنہ کی بیالیسویں صدی میں ، یعنی حضرت عیسیٰ[1] سے انیسویں صدی ماقبل میں کعبہ بنا تھا پس اگر اسی حساب کو صحیح مانا جاوے تو بھی ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں جہاں تک کہ اس کا حال معلوم ہوا ہے ، کعبہ سے پہلے کوئی گھر خدا کی عبادت کے لیے نہیں بنایا گیا تھا ، بلکہ سب سے اول کعبہ بنا تھا ۔

ہم صرف عرب کی روایت اور قرآن مجید کی آیت ہی کو اس بات کے ثبوت کے لیے کہ کعبہ حضرت ابراہیم کا بنایا ہوا ہے ، پیش کرنے پر اکتفا کرنا نہیں چاہتے ۔ بلکہ اس کے ثبوت کے لیے ایسی دلیلیں بھی ہیں جو واقعی ایک حقیقت ہیں اور جن کو ان لوگوں نے لکھا ہے ، جن کو مذہب اسلام سے کچھ تعلق نہ تھا ۔ چناں چہ امر مذکورہ کا ثبوت مفصلہ ذیل مقدمات کے ملانے اور ان سے نتیجہ نکالنے سے بہ خوبی حاصل ہوتا ہے ۔

## مقدمہ اول ۔ ابراہیم نے اپنے بیٹے اسماعیل کو اسی نواح میں یعنی حجاز میں بسایا جہاں اب کعبہ ہے

ہم اس کے ثبوت کے لیے ایسی مذہبی یا تاریخی روایتوں پر جو متنازعہ ہیں اور جن کے الفاظ کے معنی یا مصداق پر بحث ہے ، توجہ کرنا نہیں چاہتے ، بلکہ ایسے واقعات پر استدلال کرتے ہیں جو سب کو تسلیم ہیں یا جو جغرافیہ کی تحقیقات سے ثابت ہوتے ہیں ، اور ان کو ایسے لوگوں نے تحقیق کیا ہے جن کو اسلام سے کچھ تعلق نہ تھا ۔

یہ بات سب کو تسلیم ہے کہ حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹے

تھے - ۱- نبایوث ، ۲- قیدار ، ۳- ادبئیل ، ۴- مبسام ، ۵- مشماع ، ۶- دوماہ ، ۷- مسا ، ۸- حدر ، ۹- تیما ، ۱۰- یطور ، ۱۱- نافیس ، ۱۲- قید ماہ ، اور یہ سب حجاز میں آباد تھے جہاں مکہ ہے -

پہلا بیٹا حضرت اسماعیل کا نبایوث عرب کے شمال مغربی حصہ میں آباد ہوا - ریورنڈ گاڑی پی کاری ایم اے نے اپنے نقشہ میں اس کا نشان ۲۸ و ۳۰ درجہ عرض شمالی اور ۳۶ و ۳۸ درجہ طول شرقی کے درمیان میں لگایا ہے -

دوسرا بیٹا حضرت اسماعیل کا قیدار نبایوث کے پاس جنوب کی طرف حجاز میں آباد ہوا ، رورنڈ مسٹر فاسٹر کہتے ہیں کہ اشعیاہ نبی کے بیان سے بھی صاف صاف قیدار کا مسکن حجاز ثابت ہوتا ہے ، جس میں مکہ و مدینہ بھی شامل ہیں اور زیادہ ثبوت اس کا حال کے جغرافیہ میں شہر الحزر اور نبت سے پایا جاتا ہے جو اصل میں القیدار اور نبایات ہیں ، اہل عرب کی یہ روایت کہ قیدار اور اس کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی ، اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ عہد عتیق میں قیدار کا مسکن عرب کے اسی حصہ میں یعنی حجاز میں بیان ہوا ہے ، دوسرے یہ کہ یہ بات بہ خوبی ثابت ہے کہ یورینیس اور بطلیموس اور پلینی اعظم کے زمانوں میں یہ قومیں حجاز کی باشندہ تھیں ، گیدڑی یعنی قیدری دری یعنی مخفف قیدری اور گدڑ و ناتئی یعنی قیداری کدریتی یعنی قیدری ، چناں چہ اس کا ذکر ہسٹری جغرافیہ جلد اول صفحہ ۲۰۸ میں مندرج ہے پس بہ خوبی ثابت ہے کہ قیدار حجاز میں آباد تھا -

رورنڈ گاڑی پی کاری نے اپنے نقشہ میں قیدار کی آبادی کا نشان ۲۶ و ۲۷ درجہ عرض شمالی و ۳۷ و ۳۸ درجہ طول شرقی کے درمیان لگایا ہے -

تیسرا بیٹا حضرت اسماعیل کا اوبئیل ہے ، بموجب سند جوزیفس کے اوبئیل بھی اپنے ان دونوں بھائیوں کے ہم سایہ میں آباد ہوا تھا ۔

چوتھا بیٹا حضرت اسماعیل کا مبسام ہے مگر اس کی سکونت کے مقام کا پتہ نہیں ملتا ۔

پانچواں بیٹا حضرت اسماعیل کا مشماع ہے ، ریورنڈ مسٹر فاسٹر کا یہ قیاس صحیح ہے کہ عبرانی میں جس کو مشماع لکھا ہے اسی کو یونانی ترجمہ سبٹو ایجنٹ میں مسما اور جوزیفس نے مسماس و بطلیموس نے مسمیز لکھا ہے اور عرب میں اسی کی اولاد بنی مسما کہلاتی ہے ، پس کچھ شبہ نہیں کہ یہ بیٹا قریب نجد کے اولاً آباد ہوا تھا ۔

چھٹا بیٹا حضرت اسماعیل کا دوماہ تھا مشرقی اور مغربی جغرافیہ داں قبول کرتے ہیں کہ یہ بیٹا تہامہ میں آباد ہوا تھا ۔

ساتواں بیٹا حضرت اسماعیل کا مسا تھا ، ریورنڈ مسٹر فاسٹر بیان کرتے ہیں کہ یہ بیٹا مسوپوٹیمیا میں آباد ہوا ، مگر یہ صحیح نہیں ہے ، کچھ شبہ نہیں کہ یہ بیٹا جب حجاز سے نکلا تو یمن میں آباد ہوا اور یمن کے کھنڈرات میں اب تک مسا کا نام قائم ہے ، ریورنڈ گٹری پی کاری نے اپنے نقشہ میں اس مقام کا نشان ۱۳ درجہ اور ۳۰ دقیقہ عرض شمالی اور ۴۳ درجہ اور ۳۰ دقیقہ طول شرقی میں قائم کیا ہے ۔

آٹھواں بیٹا حضرت اسماعیل کا حدر تھا اور عہد عتیق میں حداد بھی اس کا نام ہے ، یمن میں شہر حدیدہ اب تک اسی کا مقام بتلا رہا ہے اور قوم حدیدہ جو یمن کی ایک قوم ہے ، اسی کے نام کو یاد دلاتی ہے ۔ زہیرمی مؤرخ کا بھی یہی قول ہے

اور ریورنڈ مسٹر فاسٹر بھی اسی کو تسلیم کرتے ہیں ۔

نواں بیٹا حضرت اسماعیل کا تیما تھا ، ان کی سکونت کا مقام نجد ہے اور بعد کو رفتہ رفتہ خلیج فارس تک پہنچ گئے ۔

دسواں بیٹا حضرت اسماعیل کا یطور ہے ، ریورنڈ مسٹر فاسٹر بیان کرتے ہیں کہ اس کا مسکن جدور میں تھا جو جبل کسیرنی کے جنوب اور جبل‌الشیخ کے مشرق میں واقع ہے ۔

گیارھواں بیٹا حضرت اسماعیل کا نافیش تھا ، ریورنڈ مسٹر فارسٹر توریت اور جوزیفس کی سند سے لکھتے ہیں کہ عریبیا ڈزرٹا میں ان کی نسل اسی نام سے آباد تھی ۔

بارھواں بیٹا حضرت اسماعیل کا قیدماہ تھا انھوں نے بھی یمن میں سکونت اختیار کی تھی ، غرض کہ اہل جغرافیہ کی تحقیقاتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اسماعیل اور ان کی اولاد کا مسکن حجاز تھا ۔

## مقدمہ دوم - حجر اسود اور قربانی کی رسم کو اور کعبہ کا بیت‌اللہ نام ہونے کو خاص ابراہیم سے تعلق ہے ۔

خود حضرت ابراہیم اور تمام اُن کی اولاد میں یہ رواج تھا کہ خدا کی عبادت کی جگہ پر بہ طور ایک نشان کے لنبا بن گھڑا پتھر کھڑا کر لیتے تھے اور اس کو مذبح یعنی قربانی گاہ اور بیت اللہ قرار دیتے تھے اور وہاں خدا کی عبادت بجا لاتے تھے ، اور اس کے نام پر قربانی کرتے تھے ، پس کعبہ میں اسی رسم کا برابر جاری چلا آنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اس معبد کی اصل ابراہیم سے ہے ۔

اس بات کا ثبوت کہ پتھر اور قربانی اور بیت‌اللہ نام رکھنے کی رسم ابراہیم سے چلی آتی ہے ، توریت مقدس سے جس کی قدامت

میں کوئی شبہ نہیں کر سکتا ، ثابت ہوتی ہے ۔

کتاب پیدائش باب ۱۲ ورس ۷ میں لکھا ہے کہ " تب خداوند نے ابراہام کو دکھلائی دے کر کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دوں گا اور اس نے وہاں خداوند کے لیے جو اس پر ظاہر ہوا ایک مذبح بنایا" ۔ اور اسی باب کی آٹھویں آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ پھر وہاں سے ابراہیم نے کوچ کیا اور آگے جا کر پھر ایک مذبح بنایا اور خدا کے نام سے یعنی خدا کے گھر کے نام سے اس کو موسوم کیا ۔

اسی کتاب کے تیرھویں باب کی آٹھویں آیت میں ہے کہ بلوطستان ممری میں جو حبرون میں ہے ، ابراہیم جا رہا اور وہاں خداوند کے لیے ایک مذبح بنایا ۔

ان تینوں آیتوں سے ثابت ہے کہ خدا کے لیے مذبح تعمیر کرنا اور خدا کے نام سے اس کو پکارنا اور وہاں خدا کے نام پر قربانی کرنا حضرت ابراہیم کا طریقہ تھا ۔

یہ طریقہ ان کی اولاد میں بھی جاری تھا ، چناں‌چہ کتاب پیدائش باب ۲۶ ورس ۲۵ میں لکھا ہے کہ بیر شبع میں اسحاق پسر ابراہیم کو خدا دکھلائی دیا اور اس نے وہاں مذبح بنایا اور خدا کے نام سے اس کو موسوم کیا ۔

اب ہم کو یہ بتانا رہا کہ یہ مذبح کس طرح بنایا جاتا تھا ، اس کی تفصیل بھی توریت مقدس میں موجود ہے ۔

کتاب خروج باب ۲۵ میں لکھا ہے کہ " اگر میرے لیے پتھر کا مذبح بناوے تو تراشے ہوئے پتھر کا مت بنائیو کیوں کہ اگر تو اسے اوزار لگاوے گا تو اسے ناپاک کرے گا ۔"

اور اسی کتاب کے باب ۲۴ درس ۴ میں لکھا ہے کہ " اور موسیٰ نے خداوند کی ساری باتیں لکھیں اور صبح کو سویرے

اٹھا اور پہاڑ کے تلے ایک مذبح بنایا اور اسرائیل کے بارہ سبطوں کے موافق بارہ ستون بنائے گئے ۔"

اور کتاب پیدائش باب ۲۸ ورس ۱۸ ، ۱۹ ، ۲۲ میں لکھا ہے کہ "یعقوب صبح سویرے اٹھا اور اس پتھر کو جسے اس نے اپنا تکیہ کیا تھا ، لے کے ستون کی مانند کھڑا کیا اور اس کے سر پر تیل ڈالا ۔"

اور اس مقام کا نام بیت ایل (یعنی بیت‌الله خدا کا گھر) رکھا ۔

اور کہا کہ "یہ پتھر جو میں نے ستون کی مانند کھڑا کیا خدا کا گھر یعنی بیت‌الله ہوگا ۔"

ان آیتوں سے بہ خوبی ثابت ہے کہ ابراہیم اور اس کی اولاد کا یہ طریقہ تھا کہ خدا کی عبادت کے لیے مذبح ایک بن گھڑا پتھر کھڑا کر کر بناتے تھے ، کبھی اس کے ساتھ کوئی مکان بھی بنا دیتے اور کبھی پتھر کھڑا کرنے کے بعد بناتے تھے اور اس کو بیت‌الله کہتے تھے ۔

بالکل یہی حالت کعبہ کی اور حجر اسود کی ہے جو ایک بن گھڑا لمبا پتھر ہے ، پہلے صرف حجر اسود کھڑا کیا تھا ، پھر جب وہاں کعبہ بنایا تو اس کے کونہ میں اس کو لگا دیا ۔

توریت میں صرف بنی اسرائیل کے حالات اور واقعات بیان ہوئے ہیں اور بنی اسماعیل کا اس میں ذکر نہیں ہے مگر ملکی روایتوں یا جاہلیت کے اشعار میں ان کا ذکر پایا جاتا ہے ۔ ارزقی کی کتاب اخبار مکہ سے پایا جاتا ہے کہ بن گھڑا پتھر کھڑا کر کر خدا کی عبادت گاہ بنانا صرف بنی اسرائیل ہی میں نہ تھا ، بلکہ بنی اسماعیل میں بھی بہ کثرت رائج تھا ۔

چناں چہ اس نے لکھا ہے کہ " بنی اسماعیل و جرہم جو

مکه میں رهتے تهے، وهاں رهنے کی ان کو گنجائش

ان بنی اسماعیل
و جرهم من ساکنی مکة
ضاقت علیهم مکة
فتفسحوا فی البلاد
والتمسوا المعاش
لیزعمون ان اول ما کانت
عبادة الحجارة فی بنی اسماعیل
انه کان لا یظعن من مکة
ضاعن منهم الا احتملوا
معهم من حجارة الحرم
تعظیما للحرم و صبابة
بمکة و بالکعبة حیث
ما حلوا وضعوه
فطافوا به کالطواف
بالکعبة حتی سلخ
ذلک بهم الی ان کانوا
یعبدون ما استحسنوا
من الحجارة و اعجبهم
من حجارة الحرم خاصة
حتی خلفت الخلوف
بعد الخلوف و نسوا ما
کانوا علیه و استبدلوا
بدین ابراهیم و اسمعیل
و غیره فعبدوا الاوثان۔
(صفحه ۷۲)۔

نه هوئی تو وه ملک میں نکلے
اور معاش کی تلاش میں پڑے
پس لوگ خیال کرتے هیں که
اولاً پتهر کا پوجنا بنی اسماعیل
میں اس طرح شروع هوا که
جب ان میں سے کوئی مکه سے
جاتا تو حرم کے پتهروں میں
سے ایک پتهر اٹها لیتا، حرم
کو بزرگ سمجھ کر اور مکه
اور کعبه کے شوق میں جهاں
اترتے تو اس پتهر کو
رکھ لیتے اور اس کے گرد
مثل کعبه کے طواف کرتے،
پھر اس کی یهاں تک نوبت
پهنچ گئی، که جو پتهر اچها
دیکھتے اور جو حرم کا پتهر
عجیب اور اچها معلوم هوتا
اس کی عبادت کرتے۔ اسی طرح
پشتوں پر پشتیں گذر گئیں اور
بهول گئے جو بات پهلی تهی
اور ابراهیم اور اسماعیل کے
دین کو بدل دیا اور بتوں
کو پوجنے لگے۔

مسلمانوں کی کتابوں میں اس پتھر کی نسبت نہایت قصہ آمیز روایتیں لکھی ہیں اور ترمذی اور ابن ماجہ و دارمی میں بھی چند عجیب عجیب روایتیں آئی ہیں ، جیسا کہ یہ پتھر نہایت پرانا ہے اور حضرت ابراہیم کے ساتھ منسوب ہونے سے قدیمی ہونے پر تقدس اور زیادہ ہو گیا ہے ، ویسے ہی لوگوں نے اس کی نسبت جیسا کہ پرانی باتوں کی نسبت دستور ہے ، قصہ آمیز اور تعجب انگیز روایتیں بنا لی ہیں ۔ قرآن مجید میں اس پتھر کا مطلق ذکر نہیں ہے ، اگر در حقیقت وہ ایسا ہی ہوتا جیسا کہ روایتوں کے بنانے والوں نے بیان کیا ہے ، تو ممکن نہ تھا کہ باوجودیکہ قرآن مجید میں کعبہ کے بننے کا ذکر ہے اور اس پتھر کا ذکر نہ کیا جاتا ۔ جس قدر روایتیں اس پتھر کی نسبت آئی ہیں سب مجروح و مرجوح ہیں اور کسی کی سند قابل اعتبار کے نہیں ہے اور نہ ان کا سلسلہ درستی اور صحت سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے ، مگر ان روایتوں کا خلاصہ بیان کرنا خصوصاً ان کا جو ترمذی و ابن ماجہ و دارمی میں ہے خالی از لطف نہ ہوگا ۔

روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ " یہ پتھر حضرت جبرائیل بہشت سے لائے تھے اور وہ اول اول دودھ کی مانند سفید تھا ، لیکن انسان کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا ۔" ایک روایت کا یہ مضمون ہے کہ " وہ بہشت میں کے جواہرات میں کا ایک لعل بے بہا ہے ، خدا نے اس کی چمک دمک لے لی ہے ، اگر نہ لیتا تو تمام دنیا ایک سرے سے دوسرے سرے تک منور ہو جاتی" ، ایک اور روایت میں ہے کہ " قیامت کے دن اس پتھر کے دو آنکھیں اور ایک زبان ہوگی ، جن کے ذریعہ سے وہ ان کو پہچان لے گا

اور ان کے نام بتا دے گا جنھوں نے اس دنیا میں اس کو بوسہ دیا ہے ۔'' ایک لا مذہب نے اس روایت کو سن کر کہا کہ جب دنیا میں اس کی آنکھیں نہیں ہیں تو قیامت میں آنکھیں ملنے سے وہ کیوں کر شناخت کر لے گا ۔ ایک احمق مسلمان نے جواب دیا کہ خدا کی قدرت سے ۔ لا مذہب بولا کہ پھر آنکھیں دینے کی کیا ضرورت ہے ۔ بالفرض اگر کوئی ان روایتوں کو صحیح تسلیم کرے تو ان کے الفاظ کے لغوی معنے نہیں لیے جاویں گے ، بلکہ ان کو بہ طور استعارہ قرار دیا جاوے گا اور اس صورت میں ان کا مقصود یہ ہوگا کہ کسی آدمی کے افعال جو اس نے دنیا میں کیے ہیں ، قیامت میں پوشیدہ نہیں رہیں گے ۔ اس قسم کے مضامین کو استعارہ میں بیان کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ عام لوگ اس کو باسانی سمجھ لیتے ہیں ۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے ہاتھ گواہی دیں گے کہ اس نے ان سے کیا کیا ہے اور اس کی زبان ان سب باتوں کو بیان کرے گی جو اس کے ہونٹوں سے نکلی ہیں اور جس زمین پر وہ اترا اترا کر غرور اور تکبر کی چال سے چلا تھا ، وہ اس کی گواہی دے گی ۔ ان سب روایتوں کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی زندگی کا ہر ایک کام خدا سے مخفی نہ رہے گا ، اگرچہ اب بھی مخفی نہیں ہے ۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ ان میں سے ایک روایت بھی صحیح نہیں اور ان موضوع روایتوں نے ایسی خرابی ڈال دی ہے کہ اصلی و صحیح بات بھی تاریکی میں پڑ گئی ہے ۔ مگر ارزقی نے ایک روایت کتاب اخبار مکہ میں لکھی ہے ، اگر اس کے زواید اور مبالغہ آمیز باتوں سے جو اس میں شامل ہیں ، قطع نظر کی جاوے تو اس سے اصلیت اس کی کسی قدر معلوم ہوتی ہے ۔ بعد ایک قصہ بیان کرنے کے اس میں لکھا ہے کہ

و کان اللہ عز و جل استودع الرکن ابا قبیس حین غرق اللہ الارض زمن نوح و قال اذا رایت خلیلی مبنی بیتی فاخرجہ لہ الخ (کتاب اخبار مکہ صفحہ ۲۲)۔

”حجر اسود کو اللہ تعالیٰ نے طوفان نوح کے زمانہ میں ابوقبیس پہاڑ کو سپرد کر دیا تھا اور اس کو سمجھا دیا تھا کہ جب تو میرے خالص دوست یعنی ابراہیم کو دیکھے کہ وہ میرا گھر بناتا ہے، تو اس پتھر کو نکال دیجیو۔

ہر ایک اس روایت سے سمجھ سکتا ہے کہ صحیح بات صرف اس قدر ہے کہ یہ پتھر جبل ابو قبیس میں کا جو مکہ کے پاس ہے، ایک پتھر ہے۔ حضرت ابراہیم نے مثل اپنی عادت و طریقہ کے اول اس پتھر کو بہ طور مذبح کے کھڑا کیا، جب ان کی اولاد یہاں مستقل رہنے لگی تو انہوں نے مکان مذبح بھی بنایا اور اس پتھر کو اس کے کونہ میں لگا دیا۔

اسی کتاب میں یہ بھی ایک ٹھیک روایت لکھی ہے کہ ”وہ دو دفعہ آتش زدگی میں جلنے کے

و انما شدۃ سوادہ لانہ اصابۃ الحریق مرۃ بعد مرۃ فی الجاھلیۃ والاسلام فاما حریقہ فی الجاھلیت فانہ ذھبت امراۃ فی زمن قریش تجمر الکعبۃ فطارت شرارۃ فی استار الکعبۃ فاحترقت الکعبۃ واحترق الرکن

سبب سے اس قدر کالا ہو گیا ہے۔ ایک دفعہ زمانہ جاھلیت میں قریش کے زمانہ میں ایک عورت کے ھاتھ سے کعبہ کے پردہ میں خوشبو جلاتے وقت آگ لگ گئی تھی، جس کے سبب سے کعبہ اور حجر اسود دونوں جل گئے تھے اور حجر اسود کالا ہو گیا تھا اور

الاسود و اسود و تنو هنت الكعبة فكان هو الذی هاج قریشا علی هذا هدمها و بناءها و اما حریقة فی الاسلام ففی عصر ابن الزبیر ایام حاصرة الحصین بن نمیر الکندی احترقت الکعبة و احترق الرکن فتفلق بثلاث فلق حتی شعبه ابن الزبیر بالفضة فسواده لذلک۔
(صفحہ ۳۲)۔

ایک دفعہ زمانۂ اسلام میں ابن زبیر کے وقت میں کعبہ میں آگ لگ گئی تھی اور حجر اسود جل کر تین ٹکڑے ہو گیا تھا اور ابن زبیر نے اس کے گرد چاندی کا حلقہ چڑھا دیا تھا۔

یہ پتھر جو کعبہ کے کونہ میں لگایا گیا تھا ، اس سے مقصود اس پتھر کی پرستش نہ تھی ، بلکہ صرف اس لیے لگایا گیا تھا کہ کعبہ کا طواف (جس کی حقیقت ہم بیان کریں گے) شروع ہونے اور ختم ہونے کی نشانی ہو۔

حدثنی جدی قال حدثنا سفیان بن عیینة عن مجاهد عن الشعبی قال لما امر ابرهیم ان یبنی البیت و انتهی الی موضع الحجر قال لاسماعیل آتنی بحجر لیکون علما للناس

چناں چہ کتاب اخبار مکہ ازرقی میں لکھا ہے کہ جب ابراهیم کو حکم ہوا کہ خدا کا گھر بناوے اور جب وہ بناتے بناتے وہاں پہنچے جہاں اب حجر اسود ہے تو انھوں نے اسماعیل سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ تا کہ وہ لوگوں کے لیے

يبدؤن منه الطواف فاتاه بحجر فلم يرضه فاتی ابراهيم بهذا الحجر ثم قال اتانی به من لم يكلنی علی حجرک ـ (کتاب اخبار مکه صفحه ۲۹) ـ

ایک نشانی هو اور اسی سے طواف شروع کیا کریں ، وہ ایک پتھر لائے ، ابراهیم نے اس کو پسند نہیں کیا ، پھر ابراهم کو یه پتھر مل گیا ـ پھر ابراهیم نے (اسماعیل کے اس سوال کے جواب میں که یه پتھر کہاں سے آیا) کہا که اس نے دیا جس نے تیرے پتھر کے بھروسه پر مجھے نہیں رکھا ـ

مقتدر باللہ ابو الفضل جعفر ابن معتضد کے عہد میں جو ۲۹۵ هجری میں خلیفه هوا تھا ، قرامطه حجر اسود کو کعبه سے اکھاڑ کر لے گئے تھے ، مدت بعد پھر لا کر رکھ دیا ـ

## مقدمه سوم ـ کعبه بلا شبه بیت العتیق هے

ملکی اور مذهبی روایتوں کے سوا غیر مذهب مؤرخوں کی تحقیقات سے بھی کعبه کا نہایت قدیم زمانه سے موجود هونا ثابت هوتا هے ، مسٹر گبن جیسا که وہ نہایت مشہور مؤرخ هے ، ویسا هی نہایت بڑا عالم اور فلسفی هے ، اس نے اپنی تاریخ میں کعبه کے ذکر میں بیان کیا هے که ”کعبه کی صحیح قدامت سنه عیسوی سے پہلے کی هے ، ساحل بحر احمر کے ذکر میں ڈایو ڈورس یونانی مؤرخ نے تھیموویت اور سیبین کے بیان میں ایک مشہور و معروف معبد (یعنی کعبه) کا ذکر کیا هے جس کے اعلٰی درجے کے تقدس کی تمام اهل عرب تعظیم کرتے تھے“ اگر ڈایو ڈورس کے زمانه میں کعبه ایک مشہور و معروف معبد تھا ، جس کے اعلٰی درجه کے تقدس کی تمام عرب تعظیم کرتے تھے ، تو هم کو اس کی اصلیت کو در حقیقت ایک نہایت قدیمی زمانه

(ابراہیم کے زمانہ) سے منسوب کرنا چاہیے -

سر ولیم میور صاحب اس پر ایک معترضانہ تقریر لکھتے ہیں کہ "جو کچھ ڈایو ڈورس نے لکھا ہے ، اس سے عرب کی اس روایت کی صحت پر کہ کعبہ اور اس کے تمام مراسم کی اصلیت ابراہیم و اسماعیل سے ہے ، کیوں کر قیاس ہو سکتا ہے - عرب کی یہ روایت مسلمانوں کی بنائی ہوئی نہ تھی ، بلکہ آں حضرت صلعم کے زمانہ سے بہت مدت پہلے اہل مکہ کی عام رائے تھی ، ورنہ قرآن میں بطور ایک حقیقت مسلمہ کے اس کا ذکر نہ ہوتا اور نہ بعض مقامات کے نام ، جو کعبہ کے گرد واقع ہیں ، ابراہیم و اسماعیل سے متعلق کیے جاتے ، جیسا کہ وہ متعلق کیے گئے ہیں -"

مگر ہم سمجھتے ہیں کہ سر ولیم میور نے بلا شبہ یہاں غلطی کی ہے ، جو کچھ ڈایو ڈورس نے لکھا ہے ، اس سے عرب کی اس قدیم روایت کی صحت کا ثبوت ہوتا ہے ، اس بات سے کہ مذہب اسلام سے پیش تر اہل عرب تسلیم کرتے تھے کہ کعبہ کو اور ان تمام مراسم کو ، جو کعبہ سے علاقہ رکھتی ہیں ، ابراہیم سے تعلق ہے ، اس کی اصلیت و صحت نہایت مضبوطی سے ثابت ہوتی ہے ، کیوں کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو کیا وجہ تھی کہ اہل عرب نے اور بنی جرہم نے اور تمام مختلف عرب کی قوموں نے اس کو ابراہیم اور اسماعیل سے منسوب کیا تھا - عرب ایک بت پرست قوم تھی اور ابراہیم بت شکنی میں ایک مشہور شخص تھا - اس لیے ضرور تھا کہ تمام عرب کی قومیں ابراہیم و اسماعیل سے نفرت کرتیں اور کبھی اپنے معبد کو ابراہیم یا اسماعیل سے منسوب نہ کرتیں ، باوجود اس مغایرت و منافرت کے تمام عرب کی قوموں کا اس بات کو تسلیم کرنا کہ کعبہ کو

اور اس کے مراسم کو ابراهیم و اسماعیل سے تعلق ہے ، علانیہ اس کی صحت و اصلیت کی دلیل ہے نہ اس کے برخلاف ، جیسا کہ سر ولیم میور نے تصور کیا ہے ، اس روایت کا اسلام کے زمانہ سے پیش تر بطور حقیقت مسلمہ کے تسلیم ہوتا چلا آنا ہمارے لیے دلیل ہے نہ ہمارے مخالف کے لیے ۔

## مقدمہ چہارم ۔ سر ولیم میور کے اعتراضوں کی تردید

سر ولیم میور نے اپنی کتاب مسمی لائیف آف محمد میں بلا کسی دلیل اور کسی ثبوت کے ان تمام واقعات سے ، جن سے کسی مؤرخ نے انکار نہیں کیا ، انکار کیا ہے اور ایک خیالی اور فرضی بات کو ، جو ان کے دل میں آئی ، حقیقتِ واقعہ قرار دیا ہے ، جن کی تردید ہم کرنا چاہتے ہیں ، معلوم ہوتا ہے کہ سر ولیم میور نے اپنے خیال کی فرضی سچائی قائم کرنے کو جو فی نفسہ سچ نہیں ہے ، حسب تفصیل ذیل وجوہات قائم کی ہیں ۔

اول : انھوں نے یہ بات فرض کر لی ہے کہ مکہ کے قریب اسماعیل کا آباد ہونا اور یہ بات کہ یقطان اہل عرب کے مورث اعلیٰ تھے ، سب بناوٹ اور قصہ ہے اور ہر قسم کی تواریخی سچائی اور احتمال سے مبرا ہے ۔

لیکن اس بات کے کہنے سے پہلے سر ولیم میور پر فرض تھا کہ یہ بات بیان کرتے کہ اہل عرب کو ، اگر وہ نسل میں اور رسومات میں اور مذہب میں یقطان اور اسماعیل سے بالکل مختلف تھے ، تو اس بناوٹ کی کیا ضرورت پیش آئی تھی اور کیوں تمام ملک اور تمام قبیلے ، جو آپس میں نہایت دشمن اور سخت عداوت رکھتے تھے اور روز خانہ جنگیاں اور باہمی لڑائیاں کرتے تھے ، اس ایک بات پر متفق ہو گئے تھے ۔

عرب کی تمام تاریخوں سے جن کو عیسائی مؤرخوں نے بھی تسلیم کیا ہے ثابت ہوتا ہے کہ یقطان عرب کا مورث اعلٰی تھا ان تمام باتوں کی کس طرح سر ولیم میور تردید کرتے ہیں کیوں کہ ایسے موقع پر بہ مقابل ثبوت کے صرف انکار کر دینا کافی نہیں ہے۔

یونانی مؤرخ اہل جغرافیہ حجاز میں اسماعیل کی اولاد کی مسکونت کا نشان بتاتے ہیں یونانی مؤرخوں نے حجاز کی اُن قوموں کا ذکر کیا ہے جو اسماعیل کے بیٹوں کے نام سے موسوم تھیں اُن سب واقعی باتوں کو سر ولیم میور کس طرح معدوم کرتے ہیں۔

دوم : وہ فرماتے ہیں مگر صرف از راہ خود پسندی کہ "عقیدۂ باطل کے اصلی اجزا میں کسی بات کا ایسا کوئی نشان نہیں ہے کہ جو حضرت ابراہیمؑ سے متعلق ہو، حجر اسود کا بوسہ دینا کعبہ کے گرد طواف کرنا، مکہ اور عرفات اور منا میں رسمیات کا ادا کرنا اور مقدس مہینوں اور مقدس ملک کی تعظیم کرنا ان سب باتوں کو حضرت ابراہیمؑ سے یا اُن خیالات اور اصول سے کسی طرح کا تعلق نہیں ہے جو غالباً ان کی اولاد کو اُن سے پہنچیں۔ یہ باتیں یا تو ٹھیک ٹھیک مختص المقام تھیں یا اُن کو بت پرستی کے اُس اصول سے جو جزیرہ عرب کے جنوب میں جاری تھے تعلق تھا اور وہاں سے بنی جرہم یا بنی قطورہ یا ازدیت یا کوئی اور قوم جو یمن سے نقل مکان کرکے مکہ میں آباد ہوئی تھی اپنے ساتھ لائی تھی۔"

مگر ہم کو افسوس ہے کہ سر ولیم میور نے بنی ابراہیم یا بنی اسرائیل کی تمام رسمیات سے جو اُن کے ہاں جاری تھیں یک لخت چشم پوشی کر لی ہے ورنہ وہ دیکھتے کہ ان

رسمیات میں اور بنی اسرائیل کی رسمیات میں بالکل اتحاد پایا جاتا ہے -

حجر اسود وہی مذبح ہے جس کو خدا کے حکم سے ابراہیم ، اسحاق ، یعقوب ، اور موسیٰ بناتے تھے (دیکھو کتاب پیدائش باب ١٢ ورس ٧ و ٨ باب ١٣ ورس ١٨ و باب ٢٦ ورس ٢٥ و باب ٢٨ ورس ١٨ و ١٩ و ٢٢ کتاب خروج باب ٢٠ ورس ٢٥ و باب ٢٤ ورس ٤) بوسہ کے خاص فعل کی نسبت ہم جدا لکھیں گے - اس مقام پر جو سر ولیم میور نے اس کا ذکر کیا اس سے ایک عام مقصد بیان کرنا معلوم ہوتا ہے یعنی پتھر کی تعظیم ، مگر انھوں نے ان پتھروں کی اس تعظیم کو فراموش کر دیا - جو ابراہیم اسحاق و یعقوب و موسیٰ کرتے تھے یہ بزرگ ایسے پتھروں کو مقدس جانتے تھے خدا کے نام سے ان کی تعظیم کرتے تھے یعقوب نے ان پر تیل ڈالا (دیکھو پیدائش باب ٢٨ ورس ١٩) جو اس زمانہ کے دستور کے موافق غایت الغایت تعظیم پرستش کے قریب تھی - یعقوب نے کہا کہ یہ جگہ خانہ خدا ہوگی - دیکھو کتاب پیدائش باب ٢٨ ورس ٢٢ - خدا نے منع کیا کہ اس گھر کے اوپر مت چڑھو تا کہ تمھاری شرم گاہ اس کے اوپر ننگی نہ ہو جائے (دیکھو کتاب خروج باب ٢٠ ورس ٢٦) پس اب کون سا دقیقہ تعظیم کا باقی رہ گیا ہے جو اس قسم کے پتھروں کی نسبت بنی ابراہیم[٤] میں جاری نہ تھا جس کے سبب سر ولیم میور حجر اسود کی اس خفیف تعظیم کو (اگر وہ ہو بھی) بنی ابراہیم کی رسم سے جدا کر کر عرب کے بت پرستوں کی رسم بتاتے ہیں -

ایک گھر کا خدا کے واسطے بنانا اور بیت اللہ اس کا نام رکھنا جیسے کہ کعبہ ہے ، اگر ابراہیم کی رسومات سے نہ

تصور کیا جاوے تو وہ کون تھا (یعنی موسیٰ) جس نے مقام گبعون بیابان میں خدا کا گھر بنایا (دیکھو کتاب خروج باب ۴۰ ورس ۲ و کتاب اول تاریخ الایام باب ۲۱ ورس ۲۹) -

اور وہ کون تھا (یعنی داؤد) جس نے خرمنگاہ ارنان یبوسی کو خدا کا گھر بنانے کو مول لیا اور پتھر و لکڑی و لوہا و پیتل اس کے بنانے کو جمع کیا ، (دیکھو کتاب اول تاریخ الایام باب ۲۲) -

اور وہ کون تھا (یعنی سلیمان) جس نے بعد کو خرمنگاہ ارنان یبوسی میں نہایت عالی شان مکان بنایا جس کو خدا کا گھر اور بیت المقدس نام ملا (دیکھو کتاب تاریخ ایام دوم باب ۳) -

پس کعبہ کی بناء کو اور اس کو خدا کا گھر قرار دینے کو ابراہیم کی طرف منسوب نہ کرنا بلکہ عرب کے بت پرستوں کی رسم بتانا نہایت تعجب کی بات ہے -

مکہ میں خاص کعبہ کے ساتھ جو رسم ادا کی جاتی ہے وہ صرف طواف ہے (جس کی حقیقت ہم بیان کریں گے) سر ولیم میور کو اس رسم کی نسبت ابراہیمی رسم ہونے سے انکار کرنا اس وقت مناسب تھا جب کہ اولاً وہ کسی تاریخ یا توریت مقدس سے یہ بات ثابت کر لیتے کہ ابراہیم و اسحاق و یعقوب نے جو مذبح اور بیت اللہ بنائے تھے ان میں وہ کیا کیا کرتے تھے اس واسطے کہ توریت سے موسیٰ کے وقت سے پیش تر صرف خدا کے نام یا عبادت کے لیے ان گھروں کا بننا تو معلوم ہوتا ہے مگر اس سے عبادت کا طریقہ نہیں معلوم ہوتا اور ہم کو اس بات کے یقین کرنے کی قوی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں خدا کی عبادت کا طریقہ یہی تھا جو طواف کی صورت میں پایا جاتا ہے اور اسماعیل کی اولاد نے اپنے دادا کے اسی طریقہ کو

اور اسی ہیئت کو اب تک قائم رکھا ہے ۔

ہم کو امید ہے کہ سر ولیم میور اس بات کو بہ خوبی جانتے ہیں کہ حج خانہ کعبہ کا نہیں ہوتا حج کو خانہ کعبہ سے کچھ تعلق نہیں ہے پس یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مسلمانوں کے مذہب میں خانہ کعبہ کا حج ہوتا ہے ۔

عرفات : ایک ایسی چیز ہے جو خاص ابراہیم اور اس کی اولاد سے علاقہ رکھتی ہے ہزاروں جگہ توریت میں آیا ہے ''کہ خدا ابراہیم کو مرئی ہوا، خدا اسحاق کو مرئی ہوا ' خدا یعقوب کو مرئی ہوا ' خدا موسیٰ کو مرئی ہوا'' پس ٹھیک یہی معنی عرفات کے ہیں جس پہاڑ پر جو قریب مکہ کے ہے خدا ابراہیم و اسماعیل کو مرئی ہوا اس پہاڑ کا نام جبل عرفات ہے ۔ معلوم نہیں کہ سر ولیم میور نے عرفات کو کیا سمجھا ۔ جو اس کی نسبت کہا کہ اس کو ابراہیمی رسوم یا حالات سے کچھ تعلق نہیں ہے ۔

عرفات ایک ایسی چیز ہے جو تمام دنیا کے بت پرستوں سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتی ۔ یہ خاص امر ابراہیم کی نسل میں مروج تھا اس مقام پر ہم اس کے مطلب پر کہ خدا کیوں کر دکھائی دے سکتا ہے بحث نہیں کرنا چاہتے اور نہ ان الفاظ کے مطلب و مراد سے بحث منظور ہے بلکہ یہاں صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ عرفات کا استعمال بجز خاندان ابراہیم کے دنیا کے اور کسی خاندان یا مذہب میں نہ تھا اور اسی لیے عرفات یا جبل عرفات کے نام سے اس کا خاص تعلق ابراہیم سے ثابت ہوتا ہے ۔

یہی مقام ہے جہاں حاضر ہونے کو حج کہتے ہیں وہاں کوئی چیز نہیں ہے پہاڑ تلے کا میدان ہے اس میں لوگ جمع

ہوتے ہیں اور خدا کی یاد کرتے ہیں اس کی تسبیح کرتے ہیں اس قدوس کو قدوس کہہ کر یاد کرتے ہیں اس مجمع میں صرف خطبہ پڑھا جاتا ہے - جس میں خدا کی تعریف ہوتی ہے اور خدا کے احکام سنائے جاتے ہیں ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ موسیٰ نے کوہ سینا کی تلیٹی میں سنائے تھے - پس غور کرنا چاہیے کہ اس رسم کی اصلیت بت پرستوں سے پائی جاتی ہے یا خاص ابراہیم سے -

منا کا مقام صرف قربانی کے لیے ہے وہاں بجز قربانی کے اور کوئی رسم نہیں ہوتی تمام توریت قربانی کی رسم سے بھری پڑی ہے جہاں بیت اللہ بنایا تھا وہاں قربانی ہوتی تھی اور اسی قربانی کے سبب سے بیت اللہ مذبح کے نام سے پکارا جاتا تھا منا اور خانہ کعبہ نہایت قریب ہے اور اس لیے قربانی نذر کرنے کے لیے وہ مقام قرار دیا گیا تھا - ہاں ابراہیم اور یعقوب و اسحاق اور موسیٰ اور داؤد اور سلیمان کی قربانی اور مذہب اسلام کی قربانی میں یہ فرق ہے کہ اس قربانی میں جانور کو مار کر اس کی لاش کو آگ میں جلا دیتے تھے اس خیال سے کہ خدا کو اس کی خوش بو یعنی چراند پسند آتی تھی مذہب اسلام میں وہ قربانی غریب و محتاج لوگوں کو تقسیم کی جاتی ہے تاکہ وہ بھوک کی سختی سے محفوظ رہیں پس اگر اسی امر کے سبب سر ولیم میور نے منا کی رسومات کو بت پرستی کی رسوم تصور کیا ہے تو کچھ افسوس کی بات نہیں ہے - کیوں کہ ہر ذی عقل اس پہلی قربانی سے اس پچھلی قربانی کو نہایت عمدہ اور بہتر سمجھتا ہوگا (اس امر کی تحقیق کہ مذہب اسلام میں قربانی کیا چیز ہے ہم جداگانہ لکھیں گے) -

کسی ملک کو مذہب اسلام نے مقدس نہیں ٹھہرایا بلکہ

مقدس جگه کو جو خاص خدا کی پرستش کو مقدس هاتهوں سے بنائی گئی تهی مقدس ٹهہرایا هے یه بهی ابراهیم هی کا طریقه تها اور برابر اُس کی اولاد میں چلا آتا تها جہاں وہ خانه خدا یا مذبح بناتے تهے اُس کو مقدس ٹهہراتے تهے۔ موسیٰ کو خدا نے کہا که سینا پہاڑ کے لیے حد ٹهہرا اور اُس کو مقدس کر (کتاب خروج باب ۱۹ ورس ۲۳) وہ کون تها (یعنی خدا) جس نے کہا که "مقام مقدس سرا احترام نمائید (سفر لویان باب ۲۶ ورس ۲) اسی طرح بیت المقدس کو مقدس ٹهہرایا خانه کعبه کے لیے بهی جب سے وہ بنا ایک حد ٹهہرائی گئی جو حرم کہلاتی هے اور اُس کو اُس مقدس نام کے ادب کے لیے جس کے نام پر وہ پاک جگه بنائی گئی مقدس ٹهہرایا تها یه بهی ایک نہایت عمده ثبوت اس بات کا هے که بیت الله کو اور حرم کو مقدس ٹهہرانا خاص ابراهیم سے تعلق رکهتا هے نه بت پرستوں کی رسم سے۔

هاں سر ولیم میور کی ایک بات کو میں تسلیم کروں گا که رجب اور ذیقعده اور ذلحجه اور محرم کے چار مہینوں کا مقدس ٹهہرانا زمانه جاهلیت کی رسم تهی اُن کو مقدس اس مراد سے ٹهہرایا تها که اُن مہینوں میں زمانهٔ جاهلیت کے عرب لڑائی نہیں لڑتے تهے۔ عرب کی قومیں نہایت مفسد اور خانه جنگ تهیں برسوں تک آپس میں لڑائی جاری رهتی تهی اور اُن چار مہینوں میں عام قوموں کو مکه میں آنا اور حج کرنا اور کعبه کے بتوں کو پوجنا هوتا تها پس اُن سب قوموں نے آپس میں عهد کر لیا تها که ان دنوں میں لڑائی موقوف رهے گی پس یہی وجه تهی که اُنهوں نے اُن مہینوں کا اشهر حرم نام رکها تها مگر سر ولیم میور نے جو غلطی کی هے وہ یه هے

که مذهب اسلام نے بھی اُن کو مقدس مانا ہے حالاں که
مذهب اسلام نے اُن کی تقدیس کو رد کر دیا ہے اور کوئی مہینا
مسلمانی مذهب میں مقدس نہیں رہا ہے اسلام نے کہا که
چار مہینے جو مقدس ٹھہرائے گئے ہیں اُن میں تم لڑائی کی ابتدا
مت کرو لیکن اگر کافر لڑیں تو لڑو ـ

خدا تعالیٰ سورہ توبه میں فرماتا ہے که "گنتی مہینوں
کی الله کے نزدیک برس کے باره مہینے ہیں خدا کے مقرر کیے ہوئے

ان عدة الشهور
عندالله اثنا عشر شهراً فی
کتاب الله یوم خلق السموات
و الارض منها اربعة حرم
ذلک الدین القیم فلا
تظلموا فیهن انفسکم
و قاتلوا المشرکین
کافة کما یقاتلونکم
کافة (سوره توبه) ـ

حکم میں جب سے که آسمان
و زمین پیدا کیا (یعنی لوند
کے مہینه کا اس میں حساب
نہیں ہے) انھی میں سے چار
مہینے وه ہیں جن کو اہل
عرب اشہر حرم کہتے ہیں
یہی ٹھیک حساب ہے اب
خدا تعالیٰ فرماتا ہے که ان
چار مہینوں پر کچھ حصر نہیں
ہے بلکه تم اُن باره کے باره
مہینوں میں آپس میں مت لڑو ـ اور تمام کافروں سے لڑو جس طرح
که وه تم سے لڑیں ـ پس یه آیت اس بات کی دلیل ہے که
مذهب اسلام میں اشہر حرم نہیں مانے جاتے بلکه باره کے باره
مہینے ایک سے ہیں ـ

ضمیر فیهن کی اثنا عشر شهرا کی طرف راجع ہے
نه اربعة کی طرف ـ

سوم : وه فرماتے ہیں که "عرب کے خاص طریقے

سیبین ازم[1] اور بت پرستی اور پتھر کی پرستش تھی اور ان سب کو مکہ کے مذہب سے بڑا تعلق تھا ۔"

ہم کو اس بات کے قبول کرنے میں کچھ تامل نہیں ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جو طریقے مکہ میں جاری تھے اُن میں بہت کچھ رسومات بت پرستی کی شامل ہو گئی تھیں ۔ سیبین ازم یعنی صائبین کا مذہب بھی اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہا تھا اس میں ہزاروں باتیں کفر و شرک اور کواکب کی پرستش کی داخل ہو گئی تھیں اور وہ بگڑا ہوا مذہب اور بت پرستی آپس میں مل کر زمانۂ جاہلیت میں اُس نے نہایت عجیب صورت پیدا کی تھی ۔ مگر جو خاص باتیں ابراہیم کے مذہب کی اُن میں پائی جاتی تھیں اُن کو بھی سر ولیم میور بت پرستی سے منسوب فرماتے ہیں اُن کی غلطی ہے خانہ کعبہ کو اور ابراہیمی اور اسماعیلی نماز کے طریقہ کو جس کو اب طواف کعبہ کہتے ہیں (اور جس کی اصل ہم بیان کریں گے) سیبین ازم یا بت پرستی سے کچھ تعلق نہ تھا ۔ پتھر یا حجر اسود کی پرستش جس کو سر ولیم میور خاص عرب کا دستور بیان کرتے ہیں (اگر درحقیقت وہ پتھر کی پرستش ہی ہو) خاص ابراہیم کا طریقہ تھا جیسا کہ ہم ابھی ثابت کر آئے ہیں یہ طریقہ خاص ابراہیم سے پیدا ہوا اور یعقوب و اسحاق اور اسماعیل اور موسیٰ نے اُس کی پیروی کی جو بن گھڑے اور ننگے پتھروں کو ستون کی مانند کھڑا کرتے تھے اور اُن پر تیل چڑھاتے تھے خواہ یوں کہو کہ مہادیو کی پنڈی کی طرح اُن پتھروں کی پرستش کرتے تھے ۔ غرض کہ جو کچھ اُن کی نسبت کہو ہم تسلیم کر لیں گے

---

۱۔ مذہب صابئہ ۔

مگر یہ بات کہ وہ طریقہ ابراھیمی نہ تھا بلکہ خاص عرب کے بت پرستوں کا طریقہ تھا جیسا کہ سر ولیم میور بیان کرتے ھیں تسلیم نہیں ھو سکتا کیوں کہ اُن کی غلطی علانیہ ثابت ھے -

ان تمام قابل افسوس قیاسات اور فرضی قصوں کے بعد سر ولیم میور نے مکہ کی ابتدا اور مکہ کے مذھب کی ایک فرضی تاریخ بیان کی ھے اور ھر ایک کو بلا دلیل اور بغیر ثبوت کے فرض کر لینے کے بعد سر ولیم میور بالطبع (جو درحقیقت ایسا ھی ھونا ضرور تھا) اپنے عالی دماغ اور ترو تازہ موجزن ذھن کے ایجادات کو عرب کی واقعی تاریخ سے مطابق کرنا نا ممکن پاتے ھیں - مگر جس طرح کہ سر ولیم میور کا خیال بہت بلند اور فکر بہت تیز ھے اُس کی بہ نسبت اُن کے قلم تیز رفتار کی جولانی بھی کچھ کم نہیں ھے - پس وہ ایک لمحہ میں اپنے خیال کو جولانی دے کر اپنے قلم کے چند اشاروں سے تمام نا ممکن باتوں پر غالب آتے ھیں - مگر جو کہ اُن کے قلم سے نکلی ھوئی وہ باتیں نہ تو تواریخی واقعات ھیں اور نہ عرب کی مختص المقام روایتیں اور نہ کتابِ مقدس کی سچی باتیں بلکہ صرف سر ولیم کے عجیب و غریب کام کرنے والے خیال کی ایجادیں ھیں اور کسی قسم کی معتبر سند اور ھر ایک قسم کی تائید و تصدیق سے مبرا ھیں - اس وجہ سے ھم ان کو اپنے اس خطبہ میں ذکر کرنا محض بے فائدہ سمجھتے ھیں -

## (۱) تعمیر ابراھیم

پرانی باتوں کے ساتھ ھمیشہ قصے و کہانیاں لوگ ملا دیتے ھیں ان کو مقدس و متبرک بنانے کو ایسے ایسے واقعات اُن کے ساتھ منسوب کرتے ھیں جن کی کچھ بھی اصل

نہیں ہوتی ۔ مذہب اسلام میں بھی لوگوں نے ایسا ہی کیا ہے ۔
مکہ کی نسبت جو حالات روایتوں میں مذکور ہیں اُن کا بھی
یہی حال ہے قرآن مجید میں بہت تھوڑے لفظ ہیں اور نہایت
مختصر ان کا مطلب ہے کہ ابراہیم نے خدا کی عبادت کے لیے
مسجد بنائی اور خدا سے دعا کی کہ تو اُس کو اپنے مبارک نام
پر قبول کر ۔ مگر مؤرخین نے اس پر وہ حاشیے چڑھائے اور
وہ واقعات لگائے کہ نعوذ باللہ خدا کو بھی معلوم نہ تھے ۔
پس ایک منصف شخص کا یہ کام نہیں ہے ۔ کہ اُن جھوٹی باتوں
کو جن کو ہم خود جھوٹا کہتے ہیں مذہب اسلام قرار دے
اور پھر اس پر اعتراضات کی بنا قائم کرے کیوں کہ وہ
تو بنائے فاسد علی الفاسد ہے اور نہ اُس شخص کو جس کے دل
میں اسلام کی جانب سے کچھ شبہ پیدا ہو یہ مناسب ہے کہ اُن
جھوٹی روایتوں سے ڈگمگاوے کیوں کہ وہ تو خود جھوٹی ہیں ۔
مگر جو واقعات کہ مبالغہ آمیز تقدس کے ساتھ بیان ہوتے ہیں
اُن میں اصلی واقعات بھی شامل ہوتے ہیں اس لیے ہر عقل مند
و منصف کو لازم ہے کہ اُن اصلی واقعات کو اُن جھوٹی باتوں
سے تا بہ مقدور چھانٹ لے اور پھر اُس پر جو وہ چاہے اپنی رائے
قائم کرے ۔

تمام روایتیں جو مکہ کی نسبت کتابوں میں مندرج ہیں ۔
سب کی سب نا معتمد ، غیر مستند و مشتبہ ہیں اور اُن میں سچی
اصلی بات کے ساتھ بہت کچھ جھوٹ اور قصے و کہانیاں شامل
کر دیے ہیں مگر جس قدر کہ سچ ہے وہ اُن سے بخوبی ممیز
ہو سکتا ہے ۔ چناں چہ ہم اس خطبہ میں اُسی قدر تحریر پر اکتفا
کریں گے جس قدر کہ ہمارے نزدیک سچ ہے ۔

حضرت ابراہیم نے بیت اللہ بنانے کو پہاڑ کی گھاٹی میں جہاں

اس قسم کی عارتیں بنانے کو بالطبع جگه پسند کی جاتی ہے جگه پسند کی اور زیاده تر پسند کرنے کی وجه یه تھی که چشمه زم زم کے نہایت قریب تھی وہاں انہوں نے حضرت اسمٰعیل کی شرکت سے کعبه یعنی مسجد بنائی کتابوں میں اس کا ارتفاع نو درعه اور ایک طرف کا عرض بیس اور ایک طرف کا بائیس اور ایک طرف کا طول اکتیس اور ایک طرف کا بتیس لکھا ہے اگر یه پیمائش صحیح ہو تو اس سے معلوم ہوتا ہے که اس نیک زمانه میں پیمائش کے آلات نه تھے اور قائمے زاویے نہیں نکل سکتے تھے غالباً اسی وجه سے ہر مقابل کے ضلعے مساوی نہیں بن سکے ۔

فبنا البیت و جعل طوله فی السماء تسعة اذرع و عرضه فی الارض اثنین و ثلاثین ذراعاً من الرکن الاسود الی الرکن الشامی الذی عند الحجر من وجهه وجعل عرض مابین الرکن الشامی الی الرکن الغربی الذی فیه الحجر اثنین و عشرین ذراعا وجعل طول ظ[illegible] الغربی الی الرکن الیمانی احدو ثلاثین ذراعا وجعل عرض شقها الیمانی من الرکن الاسود الی الرکن الیمانی عشرین ذراعاً (کتاب اخبار مکه ازرقی ص ۳۱) ۔

جو پیمائش که مذکور ہوئی ہے اس کے مطابق ہم اس مقام پر نقشه کعبه کا ثبت کرتے ہیں جس سے اس کی قطع بخوبی معلوم ہوگی ۔ دائیں طرف جو حصه نقطوں سے گھرا ہوا ہے حضرت ابراہیم کے وقت میں وہ بھی کعبه میں داخل تھا ۔ قریش نے تعمیر کے وقت اس قدر چھوڑ دیا تھا ۔ کعبه کے اندر

جو نقطہ دار نشان ہین وہ اُن ستونوں کے ہین جو قریش نے بنائے تھے وہ اب نہیں ہین بعوض اُس کے عبد اللہ ابن زبیر نے تین ستون بنائے ہین جن کے سیاہ نشان بیچ میں بنے ہوئے ہیں غرض کہ جس قدر سیاہ سیاہ ہے وہ اب موجود کعبہ ہے -
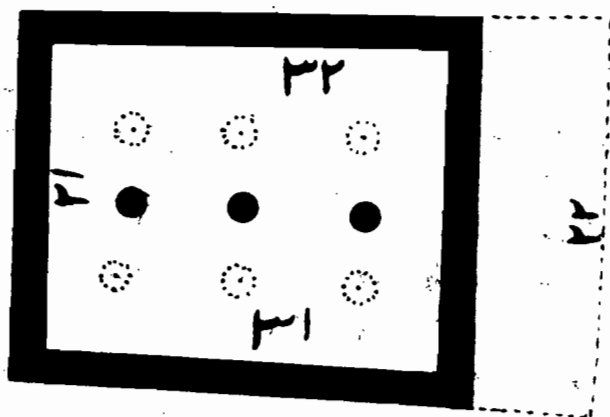
تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں دیواریں ہی دیواریں بنی تھین ، چھت نہیں تھی اور دروازہ زمین سے ملا ہوا تھا اور اس مین نہ کواڑ چڑھے تھے ، نہ کنڈی لگی تھی اور بلا شبہ اس زمانہ کی حالت ایسی تھی کہ اس سے زیادہ تعمیر مکان میں گو وہ خدا ہی کا گھر بنایا گیا ہو اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا - اس عمارت کے ایک بیرونی گوشہ پر طواف کے شمار کرنے کو ، جس سے اس کی ابتدا اور انتہا معلوم ہو سکے ، ایک لمبا پتھر لگا دیا ، جو حجر اسود کے نام سے مشہور ہے اور جس کے قیاس کرنے کی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ پتھر غالباً اسی قسم کا پتھر ہے ، جیسا کہ ابراہیم خدا کی عبادت کے لیے کھڑا کر لیا کرتے تھے ، جس کو مذبح یا قربانی گاہ یا آلٹر کہتے ہیں - اس چار دیواری کے اندر ایک کنواں کھودا تھا ،

جس کو خزانه کعبه کهتے تھے اور جو کچھ نذر و نیاز کعبه مین آتی تھی ، وه اس میں رکھ دیتے تھے ، تاکه چوری سے محفوظ رہے ۔

## (۲) تعمیر بنی جرهم

کعبه کی تعمیر کے بعد حضرت اسماعیل اس کے محافظ رہے جب ان کا انتقال هوا تو بنی جرهم کو اس میں مداخلت هوئی ۔

قالوا و توفی اسماعیل و دفن فی الحجر کانت امه قد دفنت فی الحجر ایضاً و ترک ولدا من رعلة ابنة مضاض بن عمرو الجرهمی فقام مضاض بامر ولد اسماعیل کلهم لانهم بنو بنته فلم یزل امر جرهم یعظم بمکة و یستفحل حتی رووا البیت و کانوا ولاته و حجابه و ولاة الاحکام بمکة فجاء ئسیل فدخل البیت فانهدم فعادته جرهم علی بناء ابراهیم و کان طرله فی السماء تسعة اذرع ۔

(کتاب اخبار مکه صفحه ۷۸)۔

کیوں که وه ان کے قریب تر رشته دار تھے اور بنی اسماعیل کے خیر خواه و محافظ تھے ۔ مضاض ابن عمر و جرهمی جو نانا اسماعیل کے بیٹے کا تھا اس نے اپنے هاتھ میں سب اختیار لے لیا ۔ بنی جرهم کے اختیار کے زمانه میں پهاڑی ناله آیا اور کعبه میں پانی چڑھ گیا اور کعبه ڈھے گیا ، جس کو بنی جرهم نے انهیں بنیادوں پر جو ابراهیم نے بنائی تھیں اور اسی صورت پر پھر بنا لیا ، اس کی بلندی زمین سے نو زرعه تھی ۔

هم کو کسی تاریخ سے اس تعمیر کا زمانہ نہیں معلوم ہوا اور اسی سبب سے ہم کوئی زمانہ اس کی تعمیر کا قرار نہیں دے سکتے ۔

## (۳) تعمیر عمالیق

عرب میں جو لوگ آباد ہوئے وہ تین ناموں سے مشہور ہیں ۔ ایک عرب البائدہ ۔ ایک عرب العاربہ اور ایک عرب المستعربہ ۔ عرب البائدہ وہ لوگ کہلاتے تھے ، جن میں عاد و ثمود اور جرہم الاولیٰ ۔ اور عمالیق اولیٰ تھے ۔ وہ قومیں برباد ہو گئیں اور تاریخ کی کتابوں میں ان کا بہت کم حال ملتا ہے اور یہ سب قومیں ابراہیم سے اور بناء کعبہ سے پہلے تھیں ۔

عرب العاربہ کی وہ قومیں ہیں ، جس کی نسل یقطان یا قحطان سے چلی ہے اور تمام قبائل عرب اسی نسل میں ہیں ۔ حمیر بھی انہیں کا ایک قبیلہ ہے اور بنی حمیر میں بھی ایک قبیلہ عمالیق کے نام سے تھا ، جو مکہ میں بستا تھا ۔ اس پچھلی قوم نے بنی جرہم پر غلبہ پا لیا تھا اور کعبہ کی مختار ہو گئی تھی ، اس زمانہ میں اس قوم عمالیق ثانی نے کعبہ کو پھر بنایا ، جو غالباً پہاڑوں کے نالے چڑھ آنے سے ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا ۔

بعض مؤرخوں نے ان دونوں قوموں میں تمیز نہیں کی اور عرب البائدہ میں جو قوم عمالیق تھی ، اس کی نسبت تعمیر کعبہ کو خیال کیا اور جو کہ وہ قوم بنی جرہم سے پہلے تھی ، اس لیے لکھ دیا کہ عمالیق نے قبل بنی جرہم کے تعمیر کعبہ کی تھی ، حالاں کہ اس زمانہ میں نہ ابراہیم تھے نہ کعبہ تھا ۔

مؤرخوں کی اس غلطی میں پڑنے کا سبب ان کا ایک اور غلط خیال بھی ہے ۔ مسلمانوں میں بہت سی ایسی روایتیں جو

دیو پری کے قصه سے کچھ زیاده رتبه نہیں رکھتیں ، موجود هیں جن میں بیان هوا هے که کعبه پہلے عرش کے نیچے چار ستون کے چوکھمبے کی طرح بنایا گیا تھا ۔ اس کے ستون زبر جد کے تھے اور یاقوت احمر کی پچی کاری سے ڈھنکے هوئے تھے ۔ اس گھر کا نام تو بیت المعمور هوا پھر خدا نے فرشتوں کو حکم دیا که زمین پر اسی کے مقابل اتنا هی بڑا اور ایسی شکل کا گھر بناؤ ، اور وہ اس جگه بنایا تھا جہاں اب کعبه هے ، مگر افسوس هے که وه فرشتے اچھے انجینئیر نه تھے ، حضرت آدم کے پیدا هوتے هوتے وه گھر نه رها تھا که حضرت آدم کو پھر بنانا پڑا مگر نوح کے طوفان نے پھر اس کو ڈھا دیا ۔ تب نوح نے بنایا پھر اسی طرح ٹوٹتا ڈھتا رہا ۔ یه سب جھوٹی روایتیں قرآن مجید کے ایک لفظ ''عتیق'' کی بناء پر بنا لی گئی هیں جن میں سے ایک جگه کی بھی کچھ اصل نہیں هے ۔ اسی قسم کی جھوٹی روایتیں هیں جنھوں نے اسلام کی سچائی کو چھپا دیا اور هر سمجھ دار کے دل میں جب وه غور کرتا هے اسلام کی طرف سے شبه ڈال دیا ۔ مگر ان کو سمجھنا چاهیے ۔ که اسلام مشتبه نہیں هے بلکه اس قسم کی روایتیں مشتبه اور جھوٹی هیں ۔ تعجب یه هے که بہت سے ساده لوح مسلمان اور نادان مؤرخ ان روایتوں پر یقین رکھتے هیں ۔ اور جب که انھوں نے قدامت مکه ایسی پرانی فرض کرلی جو آدم سے بھی پرانی هے تو اب ان کو اس بات کے کہنے میں که جرهم سے پہلے عمالیق نے تعمیر کی تھی کچھ باک نہیں رہا ۔

ایک فرانسیسی مورخ نے اپنی کتاب ''موسومه ڈائی کرائیکن ڈراسٹ مکه'' میں حضرت علی کی روایات سے لکھا هے که پہلے بنی جرهم نے اور اس کے بعد عمالیق نے (یعنی عمالیق ثانی نے)

کبعه کی تعمیر کی -

عمالیق ثانی کی تعمیر کا زمانه بھی نہیں معلوم ھو سکتا لیکن اس قدر معلوم ھوتا ھے که سنه عیسوی سے ایک صدی پیش تر وہ لوگ مکه پر قابض تھے اس لیے که جذیمه بادشاده دوم خاندان حیرہ کی ایک نہایت سخت لڑائی عمالیق سے ھوئی تھی جس میں عمیالیقوں نے شکست فاش پائی تھی اور یه واقعه سنه عیسوی سے تخمیناً سو برس پیش تر ھوا تھا -

## (۴) تعمیرِ قصیٰ

ایک مدت بعد پھر کعبه میں کچھ نقصان آ گیا اور بجز اُس کے که سیلاب سے نقصان پہنچا ھو ، جو اب بھی کبھی آ جاتا ھے اور کوئی سبب نقصان کا معلوم نہیں ھوتا ۔ اُس وقت قصی ابن کلاب نے اُس کو بنایا - اگرچه اس تعمیر کا زمانه بھی ٹھیک ٹھیک نہیں معلوم ھے ، مگر چوں که اس میں کچھ شبه نہیں ھے که قصیٰ چھ پشت پیش تر آنحضرت صلی اللہ علیه وسلم سے تھا ، اس لیے غالباً یه تعمیر دو سو برس پیش تر آنحضرت صلعم کی ولادت سے ھوئی تھی -

## (۵) تعمیرِ قریش

رسول خدا صلی اللہ علیه و آله وسلم پیدا ھو چکے تھے اور آپ کا سن شریف تخمیناً بارہ چودہ برس کا ھوگا یعنی تیسری دھائی ما قبل سال اظھار نبوت مین کعبه کے غلاف میں آگ لگی اور کعبه کی دیواریں آتشزدگی کے سبب بودی ھوگئیں

فلما احترقت الكعبة توهنت جدرانها من كل جانب و تصدعت و كانت الخرف و الا ربعة مظلة و السيول متواترة و لمكة سيول عوارم فجأ

سیل عظیم علی تلک الحال فدخل الکعبة و صدع جدرانها و اخافهم ففزعت من ذلک قریش فزعا شدیدا وهابوا هدمها و خشوا ان مسوها ان ینزل علیهم العذاب ۔ (کتاب اخبار مکه صفحه ۱۰۷) ۔

اور کئی جگه سے پھٹ بھی گئیں اسی عرصه میں پہاڑی نالوں کی جنھیں عرب سیل عوارم کہتے ہیں کثرت ہوئی اور ایک ناله نہایت زور و شور سے آیا اور خانه خدا پانی سے بھر گیا اور دیواریں پھٹ گئیں اور گرنے کو ہوئیں تب قریش نے اُس کے بنانے کی فکر کی ۔

فبینما هم فی ذلک ینظرون و یتشاورون اذ اقبلت سفینة الروم حتی اذا کانت بالشعیبة وهی یومئذ ساحل مکة قبل جدة انکسرت فسمعت بها قریش فرکبوا الیها فاشتروا خشبها و اذنوا لاهلها ان یدخلوا مکة فیبیعون ما معهم من متاعهم ان لا یعشروهم ۔۔۔ فکان فی السفینة رومی نجار بناء یسمی باقوم فلما قدموا بالخشب مکة قالوا لو بیننا بیت ربنا فاجمعوا لذلک و تعاونوا علیه و ترافدوا فی النفقة ۔

معلوم ہوتا ہے که قریش فن تعمیر عمارت سے بہت کم واقف تھے اور وہ اس فکر میں تھے که اس کو کون بناوے اور کیوں کر بناویں ۔ اس درمیان میں رومیوں کا جو اُس زمانه میں عیسائی اور رومن کتیھلک مذہب کے تھے ایک جہاز بندرگاه مکه میں آیا ۔ اُس زمانه میں جده بندرگاه نه تھا بلکه شعیب بندرگاه تھا اور وہاں وہ جہاز ٹوٹ گیا جب قریش نے یه بات سنی تو وہاں گئے اور اُس کی لکڑی مول لے لی اور جہاز والوں کی خاطر داری کی اور کہا که تم مکه میں آؤ

(کتاب اخبار مکه صفحه ۱۰۷) ۔ اور اپنا اسباب بیچ لو هم تم سے محصول بھی نہیں لینے کے ۔ اُس جہاز میں ایک عیسائی رومن کیتھلک انجینئر بھی تھا اور باقوم اُس کا نام تھا اُس سے خواهش کی که وہ خدا کے گھر کو بناوے پس لوگوں نے اُس کام میں مدد کی اور اخراجات جمع کرنے کی تدبیر شروع کی ۔

فنقلوا الحجارة و رسول الله یومئذ غلام لم ینزل علیه الوحی ینقل معهم الحجارة علی رقبته ۔ (کتاب اخبار مکه صفحه ۱۰۷)

سب لوگ مل کر پتھر ڈھوتے تھے اور رسول خدا صلی الله علیه وسلم کی اُس زمانه میں اگرچه تھوڑی عمر تھی مگر آنحضرت بھی پتھر ڈھونے میں شریک تھے ۔

فلما اجتمع لهم ما یریدون من الحجارة و الخشب و ما یحتاجون الیه عدوا الی هدمها ۔ ۔ ۔ فهابت قریش هدمه و قالوا من یبدا فیهدمه فقال الولید بن المغیرة انا ابدء کم فی هدمه انا شیخ کبیر فان اصابنی امر کان قد دنا اجلی و ان کان غیر ذلک لم یرزانی فعلا البیت و فی یده عتلة یهدمه بها ۔ ۔ ۔ فهدمت قریش معه حتی بلغوا

جب که پتھر و لکڑی سب جمع هوگئی تو اُنھوں نے کعبه کے ڈھانے کا اراده کیا مگر سب وهم و وسواس میں گرفتار تھے اور ڈرتے تھے که اگر ڈھاویں گے تو خدا جانے کیا آفت آوے گی ۔ ولید ابن مغیره نے اپنا دل کڑا کیا اور کہا که میں ڈھانا شروع کرتا هوں ۔ میں بڈھا تو هو هی ایا هوں اگر کچھ آفت آوے گی تو مرنے کو تو هو هی رها هوں ۔ چناں چه ولید ابن مغیره کعبه کی دیوار پر چڑھا اور

الا ساس الاول الذی رفع
علیه ابراهیم و اسمعیل
القواعد من البیت (کتاب۔
اخبار مکه صفحه ١٠٨ و ١٠٩)

کدال سے ڈھانا شروع کیا۔
پھر سب ڈھانے لگے اور بنیاد
تک جس پر سے حضرت ابراہیم
نے چنائی شروع کی تھی برابر
کر دیا۔

فلما اجمعوا ما
اخرجوا من النفقة قلت
النفقة ان تبلغ لهم
عمارة البیت کله فتشا
و روافی ذلک فاجمع رایهم
علی ان یقصروا عن القواعد
و یحجروا ما یقدرون
علیه من بناء البیت و
یترکوا بقیته فی الحجر
علیه جدار مدار یطوف
الناس من وراه ففعلوا
ذلک و بنوا فی بطن
الکعبة اساسا یبنون علیه
من شق الحجر و ترکوا
من وراءه من بناء البیت
فی الحجر ستة اذرع و شبرا
فبنوا علی ذلک۔ (کتاب
اخبار مکه صفحه ١٠٩)

جب سب ڈھا چکے تو
معلوم ہوا کہ جو کچھ سامان
انہوں نے جمع کیا ہے وہ اس
سب کے بنانے کو کافی نہیں ہے
قریش نے کعبہ کی عمارت کو
بہ نسبت سابق کے دو چند
مرتفع بنایا تھا اس سے معلوم
ہوتا ہے کہ پتھر و مصالح
وغیرہ کی کچھ کمی نہ تھی۔
غالباً لکڑی اس قدر نہ تھی
جس سے کل کعبہ کی چھت بن
سکے۔ اس لیے انہوں نے اس کو
چھوٹا کر کر بنایا چھ ذرعہ
اور ایک بالشت زمین حجر کی
طرف چھوڑ دی اور اس طرف
عرض میں ایک جدید بنیاد
کھود کر دیوار چن لی جو اب
ہمارے نقشہ میں سیاہ بنی
ہوئی ہے۔

فلما وضعوا ایدیهم

انہوں نے کعبہ کو چار

فی بنناء ھا قالوا ارفعوا بابھا من الارض و اکبسوھا حتی لا تدخلھا السیول و لا ترقا الا بسلم و لا یدخلھا الا من اردتم ان کرھتم احد ادفعتموہ ففعلوا ذلک ۔ (کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۰۹)

ذرعہ اور ایک بالشت کرسی دے دی اور اس قدر کسی پر دروازہ بنایا تاکہ نالے کا پانی پھر اندر نہ گھسے اور کوئی شخص بغیر سیڑھی کے نہ چڑھ سکے اور اس حکمت سے جس کو چاھیں نہ جانے دیں ۔ حال کے زمانہ میں کعبہ کے اندر جانے کو داخلی کہتے ھیں ۔

حتی انتھوا الی موضع الرکن فاختلفوا فی وضعہ و کثر الکلام فیہ و تنافسوا فی ذلک ۔ ۔ ۔ فقال ابو امیۃ بن المغیرۃ یا قوم انما اردنا البر و لم نرد الشر فلا تحاسدوا و لا تنافسوا فانکم اذا اختلفتم تشتت امورکم و طمع فیکم غیرکم لکن حکموا بینکم اول من یطلع علیکم من ھذا الفج قالو ارضینا و سلمنا فطلع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالوا ھذا لامین قدرضینا بہ فحکموہ فبسط رداءہ

جب بناتے بناتے وھاں پہنچے جہاں حجر اسود لگانا تھا تو آپس میں جھگڑا و تکرار ھوئی ۔ ایک قبیلہ کہتا تھا کہ ھم کھڑا کریں گے دوسرا کہتا تھا کہ ھم کھڑا کریں گے ۔ بڑی خیر ھوئی کہ ابو امیہ بن مغیرہ کے سمجھانے سے سب لوگ اس بات پر راضی ھوگئے کہ جو سب سے پہلے اس رستہ سے آوے وھی فیصلہ کے لیے حکم بدا جاوے ۔ آن سب کی خوش قسمتی یہ ھوئی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے تشریف لائے ۔ اگرچہ حضرت کی عمر چھوٹی تھی ۔

ثم وضع فیه الرکن فدعا من کل ربع رجلا فاخذوا باطراب الثوب ۔ ۔ ۔ فرفع القوم الرکن و قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الجدر ثم وضعه بیدہ ۔ (کتاب اخبار مکة صفحه ۱۰۹ و ۱۱۰)

مگر سب امین امین کہہ کر چلا اٹھے ۔ آنحضرت نے به تائید روح القدس وہ فیصلہ فرمایا کہ سب متحیر ہوگئے آپ نے ردائے مبارک بچھائی اور حجر اسود کو اس میں رکھا اور سب قوموں کے سرداروں کو کہا کہ سب مل کر چادر پکڑ کر اٹھاویں اور وہاں تک لے چلیں جہاں لگانا ہے ۔ سب نے اسی طرح مل کر اٹھایا اور جب کونے کے پاس لائے تو آنحضرت نے اس کو وہاں رکھ دیا ۔ متقدمین و متاخرین علماء اس واقعہ کو واقعہ قبل بعثت کہتے ہیں ۔ مگر میں ان لفظوں سے متفق نہیں ہوں کیوں کہ میرا اعتقاد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقت ولادت سے ہی مبعوث تھے ۔ النبی و لوکان فی بطن امه ۔

فبنوا حتی ارفعوا اربعة اذرع و شبرا ثم کبسو ها و وضعوا بابها مرتفعا علی هذا الذرع ۔ ۔ ۔ فقال لهم یا قوم الرومی اتحبون ان تجعلوا سقفها مکبسا او رمسطحا فقالوا بل ابن بیت ربنا مسطحا قال فبنوه مسطحا و جعلوا فیه ست دعائم فی صفین فی کل صف

جب کہ یہ تنازعہ رفع ہوگیا تو تعمیر شروع ہوئی جتنا کہ کعبہ پہلے زمین سے بلند تھا قریش نے اس سے دوگنا بلند کر دیا ۔ یعنی زمین سے اٹھارہ درعہ اور پہلے صرف نو ہی درعہ تھا ۔ جب دیواریں بن چکیں تو باقوم ۔ پوچھا کہ اس کی چھت کیسی بناؤں ۔ بنگلہ نما یا چورس ۔

ثلاث دعائم ... و جعلوا ارتفاعها من خارجها من الارض الی اعلاها ثمانیة عشر ذراعا و كانت قبل ذلک تسعة اذرع فزادت قریش فی ارتفاعها فی السماء تسعة اذرع آخر ... و جعلوا میزابها یسکب فی الحجر و جعلوا درجه من خشب فی بطنها فی الرکن الشامی یصعد منها الی ظهرها ۔ (کتاب اخبار مکه صفحه ۱۱۰)

سب نے کہا کے ہمارے خدا کے گھر کی چھت چورس بناؤ ۔ تب باقوم نے اُس کے عوض میں چھ ستون کھڑے کیے اور چورس چھت بنا دی غالباً اس قدر لمبی لکڑی نہ تھی کہ پورا شہتیر پڑ جاتا اسی سبب سے بیچ میں ستون بنانے کی ضرورت ہوئی اور شاید اسی وجہ سے با قوم نے بنگلہ نما بنانی چاہی ہوگی تاکہ قینچی پڑ جاوے اور بیچ میں ستون بنانے نہ پڑیں ۔ اُس کی چھت کا پرنالہ اُس جگہ میں ڈالا جو چھوڑ دی گئی تھی اور کعبہ کے اندر ایک کاٹ کی سیڑی چھت تک بنائی اور چھت میں ایک روشن دان رکھا جس سے کعبہ کے اندر اُجالا بھی رہے اور اس میں سے جب ضرورت ہو کعبہ کی چھت پر چڑھ جاویں ۔

## (٦) تعمیر عبد اللہ ابن زبیر

معاویہ بن ابی سفیان کے بعد جب یزید نے اپنے تئیں اپنے باپ کا جانشین کیا تو عبد اللہ ابن زبیر نے اُس سے بیعت میں یعنی اُس کو خلیفہ تسلیم کرنے میں تامل کیا اس پر حصین بن نمیر یزید کی طرف سے فوج لے کر مکہ پر چڑھ گیا اور کئی دن تک عبد اللہ ابن زبیر سے لڑائی ہوتی رہی ۔ عبد اللہ ابن زبیر کے سب لوگ کعبہ کے گرد خیموں میں پڑے ہوئے تھے اور حصین بن نمیر ابو قیس پہاڑ پر سے گوپن میں پتھر مارتا تھا اور غلاف کعبہ

اُس کے صدمہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تھا ۔ اتفاق سے ایک خیمہ میں آگ لگ گئی ۔ ہوا تیز چل رہی تھی کعبہ میں بھی جا لگی اور تمام کعبہ جل گیا ۔ اُس کی دیواروں میں کاٹ لگا ہوا تھا اُس کے جلنے سے تمام دیواروں کے پتھر ایسے ہوگئے کہ کبوتر کے بیٹھنے سے بھی گر پڑتے تھے اور کئی جگہ سے دیواریں شق ہوگئیں ۔ یہ واقعہ تیسری ربیع الاول ۶۴ ہجری کو ہوا اُس کے دس گیارہ دن بعد یزید مر گیا ۔ جب یہ خبر مکہ میں پہنچی تو ابن زبیر نے حصین بن نمیر سے کہا کہ دیکھو کعبہ بھی جل گیا امیر بھی مر گیا پھر ہم سے کیوں لڑتے ہو کیا معلوم کہ نیا خلیفہ کیا کرے گا اس پر حصین بن نمیر مع اپنے لشکر کے پانچویں ربیع الثانی ۶۴ ہجری کو مکہ سے شام کو چلا گیا ۔ تب ابن زبیر نے مکہ کے ذی وجاہت اور شریف لوگوں کو بلایا

فلما ادبر جیش حصین بن نمیر و کان خروجه من مكة لخمس ليال خلون من ربيع الاخر سنة اربع و ستين دعا ابن زبير وجوه الناس و اشرافهم و شا و رهم في هدم الكعبة ۔ (کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۳۰)

اور کعبہ کے ڈھانے میں مشورہ کیا ۔ بہت وہمی اور وسواسی باتیں جو ایسے موقع پر ہوتی ہیں ، ہوئیں آخرکار ابن زبیر نے کعبہ کے ڈھانے کا حکم دیا مگر کسی کو ڈھانا شروع کرنے کی بوجہ توہم وسواس و خوف کے جرأت نہ ہوئی تو خود ابن زبیر کدال لے کر اوپر چڑھ گئے اور ڈھانا شروع کر دیا ۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ ابن زبیر پر کچھ آفت نہیں پڑی تو اوروں کو

فامر ابن الزبير بهدمها فما اجتراء احد على ذلك فلمارای ذلك علاها هو بنفسه ياخذ المعول و جعل يهدمها

و یرمی بحجارتها فلما رواه انه لم یصبه شئ اجتراؤا فصعدو ایهدموها ۔ (کتاب اخبار مکه صفحه ۱۴۱)

و کان هدمها یوم السبت نصف من جمادی الاخرسنة اربع و ستین و لم یقرب ابن عباس مکة حین هدمت الکعبة حتی فرغ منها و ارسل الی ابن الزبیر لا تدع الناس بغیر قبلة انصب لهم حول الکعبة الخشب و اجعل علیها الستور حتی یطوف الناس من ورائها و یصلون الیها ففعل ذلک ابن الزبیر ۔ (کتاب اخبار مکه صفحه ۱۴۲)

فلما هدم ابن الزبیر الکعبة و سواها الارض کشف عن اساس ابراهیم فوجده داخلا فی الحجر نحوا من ستة اذرع و شبر (کتاب اخبار مکه صفحه ۱۴۲)

بھی جرأت ہوئی اور سب چڑھ گئے اور ڈھانے لگے جمادی الاول ۶۴ ہجری تک سب کعبہ ڈھا دیا گیا ۔ مگر ابن عباس اپنے خوف یا وہم یا کعبہ کا منہدم کرنا خلاف طبع ہونے کے سبب مکہ میں نہ آئے ۔ ابن زبیر نے بموجب فہمائش ابن عباس کے کعبہ کے چاروں طرف تختہ بطور دیوار کے کھڑا کر دیا اور کپڑے سے منڈھ دیا اور اندر اندر کام ہوا کیا لوگ اس تختہ کی دیوار کی گرد طواف کیا کیے اور نماز پڑھا کیے ۔ جب کہ کعبہ بالکل ڈھ کر زمین کے برابر ہوگیا اور حضرت ابراہیم کے ہاتھ کی بنیاد رکھی ہوئی نکل آئی تو ضرور بالطبع ابن زبیر کو رغبت ہوئی ہوگی کہ کل تعمیر ابراہیم پر تعمیر کی جاوے اور جس قدر کہ قریش نے یہ سبب نہ میسر نہ ہونے سامان کے چھوڑ دیا تھا وہ بھی تعمیر میں شامل کیا جاوے چناں چہ ابن زبیر نے

ثم وضع البناء على
ذلك الاساس و وضع حدات
الباب باب الكعبة على
مد ماك على الشاذروان
اللاصق بالارض و جعل
الباب الاخربازاءه فى ظهر
الكعبة مقابلته (كتاب
اخبار مكة صفحه ۱۴۳)

قالوا و كانت الكعبة
يوم هدمها ابن الزبير
ثمانية عشرذراعاً فى السماء
فلما ان بلغ ابن الزبير
بالبناء ثمانية عشرذراعا
قصرت بحال الزيادة التى
زاده من الحجر فيها و
استسمج ذلك اذصارت
عريضة لا طول لها فقال
قد كانت قبل قريش تسعة
اذرع حتى زادت قريش فيها
تسعة اذرع طولا فى السماء
فانا ازيد تسعة اذرع اخرى
فبناها سبعة و عشرين
ذراعا فى السماء وهى سبعة
و عشرون مدماكا و عرض
جدارها ذراعان و جعل

ایسا ہی کیا اور کل بناء ابراہیم
پر تعمیر کعبہ شروع ہوئی ۔
ایک نہایت عمدہ تجویز جو ابن
زبیر نے کی تھی وہ یہ تھی کہ
کعبہ کے دو دروازے رکھے
جاویں ایک جانب شرق جو
قدیم سے تھا اور دوسرا جانب
غرب تاکہ جو لوگ شرق
دروازہ سے کعبہ میں داخل ہوں
وہ غربی دروازہ سے نکل جاویں ۔
چناں چہ اُنھوں نے ایسا ہی
کیا اور جو کرسی قریش نے
باقوم کی صلاح سے دی تھی
وہ بھی موقوف کر دی اور
زمین پر دروازوں کو قائم کیا
مگر بلندی اُس کی قریش کی
بلندی سے بھی نوذرعہ بڑھا دی
یعنی ستائیس ذرعہ کر دی اور
بلا شبہ جب کہ کعبہ لمبا
ہوگیا تھا تو اس کا اس قدر اُونچا
کرنا بھی نہایت ضرور تھا
قریش نے کعبہ کے اندر چھ
ستون قائم کیے تھے چھت پاٹنے
کو ابن زبیر نے صرف تین
ستون بنائے غالباً ان کو

فيها ثلث دعايم و كانت
قريش فى الجاهلية جعلت
فيهاست دعايم ۔ (كتاب اخبار
مكه صفحه ۱۴۴)

امر ابن الزبير ابنه
عباد بن عبد الله بن الزبير
و جبير بن شيبة بن
عثمان ان يجعلوا الركن
فى ثوب و قال لهم ابن
الزبير اذا دخلت فى
الصلوة صلوة الظهر
فاحملوه و اجعلوه فى
موضعه فانا اطول الصلوة
فاذا فرغتم فكبروا
حتى اخفف صلوتى و كان
ذلك فى حر شديد فلما اقيمت
الصلوة كبر ابن الزبير
و صلى بهم ركعة خرج
عباد بالركن من
دار الندوة وهو يحمله و
معه جبير بن شيبة بن
عثمان و دار الندوة
يومئذ قريبة من الكعبة
فخر قابه الصفوف حتى
ادخلاه فى الستر الذى دون

به نسبت قریش کے لکڑی لمبی
مل گئی تھی ۔

حجر اسود رکھے جانے کا
ایک عجیب حال کتابوں میں
لکھا ھے جس کی کچھ وجه خیال
ھمارے میں نہیں آتی ۔ ابن زبیر
نے لوگوں کو ایک دھوکا میں
رکھا اور اپنے بیٹے عباد اور
جبیر ابن شیبه کو سمجھا دیا
که جب میں نماز پڑھانے کھڑا
ھوں گا ۔ تو بڑی نماز پڑھاؤں گا
اس وقت تم حجر اسود کو جو
دارلندوہ میں قریب کعبه کے
رکھا ھوا ھے ایک کپڑے میں
لپیٹ کر لے آنا اور جو جگه
اس کے کھڑا کرنے کی ھے
وھاں کھڑا کر دینا جب کھڑا
کر چکو تو پکار کر الله اکبر
کہنا پس میں نماز کو ختم
کر دوں گا چناں چه انھوں نے
ایسا ھی کیا که جب ابن زبیر
نماز پڑھانے کو کھڑے ھوئے
اور ایک رکعت پڑھا چکے تو
عباد اور جبیر حجر اسود کو
کپڑے میں لپیٹ کر دارلندوہ

البنـاء و كان الـذی و ضعـه فی
موضعه هـذا عبـاد بن عـبد الله
بـن الـزبـیـر و اعـانـه
علـیـه جـبـیر بـن شیـبـة فـلـما
اقـروه فی مـوضـعـه و طـرق
علـیـه الـحـجـر ان کـبـروا
فخـفـف ابـن الـزبـیـر صلـوتـه
و تـسـامـع الـنـاس بـذلـک ۔
(کتاب اخبار مکه ۱۴۳ و
۱۴۴)

میں سے لے آئے جاعتوں کو
چیر کر تختوں کی دیوار کے
اندر لے گئے اور اُن دونوں نے
حجر اسود کو اُس کی معین جگه
میں کھڑا کر دیا اور پھر
پکار کر الله اکبر کہا تب
ابن زبیر نے اپنی نماز ختم کی ۔
اس بات پر لوگوں نے بہت
کانا پھوسی کی اور بعض لوگ
علانیه ناراض ہوئے ۔ مگر ہم
نہیں سمجھتے که ابن زبیر کو ایسا کرنے سے کیا فائدہ تھا اور
کیوں ایسا دھوکا دینے کی ضرورت ہوئی تھی ۔ حقیقت میں کوئی
اور بات ہوئی ہوگی ، لوگوں نے اپنے قیاسات اس پر لگائے اور
انہیں قیاسات کو بطور واقعه کے جیسا که اکثر ہوتا ہے اپنی
روایتوں میں بیان کیا بہر حال کچھ ہی ہوا خدا کا شکر کرنا
چاہیے که حجر اسود کھڑا ہوگیا ۔

## (٧) تعمیر حجاج بن یوسف

عبد الله ابن زبیر کی حکومت مکه میں بہت جلد ختم ہونے
والی تھی اور تقدیر میں یه لکھا تھا که اس بناء کو بہت زیادہ
قیام نه ہوگا چناں چه عبدالملک ابن مروان جب خلیفه ہوا تو
اُس نے حجاج کو مع فوج کے عبد الله ابن زبیر کے مقابله کے لیے
بھیجا اس لڑائی میں عبد الله ابن زبیر مارے گئے اور حجاج مکه
میں چلا آیا تب اس نے عبد الملک کو لکھا که کعبه میں
ابن زبیر نے ایسی چیزیں بنا دی ہیں جو پہلے نه تھیں اور ایک

حتی قتل ابن الزبیر
رحمة الله و دخل الحجاج
مكة فكتب الى عبد الملك
ابن مروان ان ابن الزبیر
زاد فی البیت مالیس منه
و احدث فیه بابا اخر فكتب
الیه عبد الملك ابن
مروان ان سد بابها الغربی
الذی كان فتح ابن الزبیر
و اهدم ما كان زاد فیه من
الحجر و اكبسها به علی
ما كانت علیه فهدم
الحجاج منها سبعة
اذرع و شبرا مما یلی الحجر
و بناها علی اساس قریش
الذی كانت استقصرت علیه
و كبسها بما هدم منها و
سد الباب الذی فی ظهرها
و ترك سایرها لم
یحرك منه شیئا فكل
شیی فیها الیوم بناء ابن
الزبیر الا الجدر الذی فی
الحجر فانه بناء الحجاج
و سد الباب الذی فی ظهرها
و ماتحت عتبة الباب

نیا دروازہ بھی بنایا ہے
عبد الملک نے لکھا کہ اس
دروازہ کو بند کر دو اور
جس قدر ابن زبیر نے زیادہ بنا
دیا ہے وہ سب توڑ دو چناں چہ
حجاج نے چھ ذرعہ اور ایک
بالشت کعبہ کو توڑ دیا اور
قریش کی بنیاد پر وہاں دیوار
بنا دی اور وہ نیا دروازہ بھی بند
کر دیا اور باقی سب چیز بدستور
بنی رکھی اب کعبہ کی جو عمارت
ہے وہ ابن زبیر کی بنائی ہوئی
ہے صرف وہ دیوار جو حجر کی
جانب ہے اور غربی دروازہ کا
تیغہ اور شرقی دروازہ کی چار
ذرعہ ایک بالشت اونچا اور
کعبہ کے اندر کی سیڑھی اور
اس کے دونوں روشندان حجاج
کے بنائے ہوئے ہیں۔

الشرقی الذی یدخل منه
الیوم الی الارض اربعة اذرع
و شبر و کل هذا بناء
الحجاج و المدرجة التی
فی بطنها الیوم و البابان
الذان علیها الیوم هما
ایضا من عمل الحجاج ۔
( کتاب اخبار مکه صفحه
۱۴۵ و ۱۴۶ ) ۔

فلما فرغ الحجاج من
هذا کله وفد بعد ذلک
الحارث بن عبدالله ابن
ربیعة المخزومی علی
عبد الملک ابن مروان فقال
له عبد الملک ما اظن ابا
خبیب یعنی ابن الزبیر
سمع من عائشة ما کان
یزعم انه سمع منها فی
امر الکعبة فقال الحارث
انا سمعته من عایشة قال
سمعتها تقول ماذا قال
سمعتها تقول قال لی
رسول الله صلی الله علیه وسلم
ان قومک استقصروا فی

مؤرخ بیان کرتے ہیں که عبدالله ابن زبیر نے کعبه کی
تعمیر میں جو کچھ نیا بنایا
تھا وہ رسول خدا صلی الله
علیه وسلم کی ایک حدیث کے
مطابق تھا جس کا ذکر آنحضرت
صلی الله علیه وسلم نے حضرت
عائشه سے کیا تھا چناں چه
حجاج جب کعبه کو توڑ توڑا
کر قریش کی تعمیر کے برابر
کر چکے تو حارث ابن عبدالله
عبد الملک کے پاس گئے ان سے
عبد الملک نے پوچھا که ابن
زبیر نے کوئی بات کعبه کی
نسبت حضرت عایشه سے سنی
تھی۔ حارث بن عبدالله نے کہا
که میں نے خود حضرت عایشه

بناء البيت و لولا حداثة
عهد قومک بالکفرا عدت
فيه ما ترکوا منه ... و
قال رسول الله صلعم جعلت
لها بابا بين موضوعين علی
الارض بابا شرقيا يدخل
الناس منه و بابا غربيا
يخرج الناس منه قال
عبد الملک بن مروان
انت سمعتها تقول هذا
قال نعم يا اميرالمومنين
انا سمعت هذا منها قال
فجعلب ينکت منکسا
بقضيب فی يده ساعة
طويلة ثم قال وددت و الله
انی ترکت ابن الزبير و
ما تحمل من ذلک ۔ (کتاب
اخبار مکه صفحه ۱۳۶)

سے سنا ہے کہ اُن سے رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
تھا کہ تیری قوم نے کعبہ کی
تعمیر میں کمی کر دی اگر
تیری قوم کا زمانہ کفر کے
زمانہ سے نیا بدلا ہوا نہ ہوتا
تو جو کچھ اُنھوں نے چھوڑ
دیا ہے میں پھر کعبہ میں
سلا دیتا ... رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا
کہ اُس میں دو دروازے بنا
دیتا ایک شرقی دروازہ جس
میں سے لوگ اندر جاتے اور
ایک غربی دروازہ جس سے لوگ
باہر نکل جاتے عبد الملک نے
پوچھا کہ تم نے خود یہ بات
سنی ہے ۔ اُنھوں نے کہا کہ
ہاں اے امیر المومنین میں نے
خود یہ بات سنی ہے عبد الملک یہ سن کر ہاتھ کی لکڑی پر
سرٹیک کے بڑی دیر تک سوچ میں گئے اور پھر کہا کہ بہ خدا
میں پسند کرتا ہوں کہ میں نے ابن زبیر کے برخلاف کیا ۔

یہ زمانہ جب کہ اس حدیث کا چرچا ہوا ایسے فتنہ و فساد کا
زمانہ تھا کہ روایت کی صحت پر بہت کم یقین ہوتا تھا خلافت
میں سخت سے سخت واقعات گزر چکے تھے۔ حضرت امام حسینؑ کی
نسبت واقعہ کربلا ہو چکا تھا ، مدینہ منورہ میں قتل ہوچکا تھا ،

مکہ معظمہ میں محاربات ہوچکے تھے اور عبد اللہ ابن زبیر قتل ہو چکے تھے اور ہر ایک کا واقعہ کے ساتھ ایک جدا فرقہ قائم ہوگیا تھا جو ایک کا طرف دار اور دوسرے کا مخالف تھا۔

بے شک ہمارا دل اور غالباً ہر ایک کا دل اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوگا کہ کعبہ بنائے ابراہیم پر بنایا جاتا اور دو دروازے اس میں بنانے بھی نہایت عمدہ اور مفید کام تھا مگر یہ بات کہ آنحضرت نے ایسا فرمایا تھا اُس کی صحت پر یقین نہیں ہو سکتا۔ اول تو اس معاملہ میں حضرت عائشہ کو مخاطب کرنے اور اُس فعل کو جو ایام جاہلیت میں ہوا تھا خاص حضرت عائشہ کی قوم کا فعل قرار دینے کی کوئی وجہ نہ تھی کیوں کہ وہ فعل تمام قریش نے بہ مجبوری کیا تھا جس میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے۔ دوسرے یہ کہ بعد فتح مکہ تمام قریش اسلام لے آئے تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ اشارہ پر جان دینے کو موجود تھے۔ خانہ کعبہ کے تمام بتوں کو جن کی پرستش اُن کے باپ دادا نے صد ہا سال تک کی تھی توڑ ڈالا تھا اور نکال کر پھینک دیا تھا پس کعبہ کو بڑا کر دینے اور حضرت ابراہیم کی نیاد پر پورا بنا دینے میں کون سی مشکل تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ”لولا حداثة عهد قومك بالكفر اعدت فيه ماتركوا منه“ پس یہ حدیث کسی طرح صحیح اور قابل وثوق نہیں ہو سکتی بلکہ اس بات سے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بناء سے جس قدر زمین خانہ کعبہ کی تعمیر سے خارج رہ گئی تھی اُس کی کچھ پروا نہیں فرمائی ثابت ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کی کوئی خاص وضع یا اُس کے لیے کوئی خاص مقصود اور مدار علیہ نہ تھی بلکہ

صرف وہ ایک مسجد تھی جو حضرت ابراہیم نے بنائی تھی جب وہ ڈھ گئی اور دوبارہ بنائی گئی تو جس طرح سے بن گئی، بن گئی یہ کچھ ضرور نہ تھا کہ بعد بن جانے کے خواہ پھر توڑ کر اسی قدر بنائی جاتی جس قدر کہ حضرت ابراہیم نے بنائی تھی جیسے کہ عبد الملک ابن مروان نے اپنی نادانی یا حضرت عبد اللہ ابن زبیر کی عداوت سے اس بنی ہوئی عمارت کو پھر توڑ کر ویسا ہی کر دیا جیسا قریش نے ایام جاہلیت میں بنایا تھا۔

## غلافِ کعبہ

حضرت ابراہیم کے وقت میں اور اس کے بعد کعبہ کی دیواریں ویسی ہی دکھائی دیتی تھیں جیسی کہ بنی تھیں مگر سنہ عیسوی سے چھ سو برس پیش تر اسعد حمیری نے کعبہ کی دیواروں پر غلاف چڑھایا اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ کعبہ کو کپڑا پہنا رہا ہے۔ جب جاگا تو اس نے انطاع کا غلاف چڑھایا مگر پھر اس نے وہی خواب دیکھا تب اس نے یمن کے کپڑے کا جو عمدہ ہوتا تھا غلاف چڑھا دیا تب سے کعبہ پر غلاف چڑھانے کی رسم جاری ہوگئی اور جس کے قبضہ اقتدار میں کعبہ رہتا آیا وہ ہر سال پرانے غلاف پر نیا چڑھاتا گیا اور اس سبب سے مختلف قسم کا بہت سا کپڑا کعبہ کی دیواروں پر چڑھ گیا تھا اور اسی توبرتو کپڑے کے سبب کئی دفعہ آگ لگ گئی تھی اور خانہ کعبہ

و کان ھو (ای اسعد الحمیری و ھو تبع) اول من کسا الکعبة ۔ ۔ ۔ اری فی النوم انہ یکسرھا الا نطاع ثم اری ان یکسوھا فکساھا الوصایل یثاب جبرة من عصب الیمن و جعل لھا بابا یغلق (کتاب اخبار مکہ، صفحہ ۱۷۳ و ۱۷۴)۔

جل گیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن زبیر کے وقت تک
پرانے غلاف پر نیا غلاف چڑھانے کا دستور تھا اور اسی
سبب سے ان کے عہد میں بھی کعبہ میں آگ لگ گئی تھی
اس کے بعد سے پرانے غلاف پر نیا غلاف چڑھانے کی رسم
جاتی رہی بلکہ ہر سال پرانا غلاف اُتار کر نیا غلاف چڑھایا
جاتا ہے اور کعبہ کے خادم پرانے غلاف کے ٹکڑے ٹکڑے
کر کر بطور تبرک تقسیم کرتے ہیں اور حاجی ان ٹکڑوں کو
نہایت شوق سے لاتے ہیں اور اس میں سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا
کاٹ کر اپنے دوستوں کو دیتے ہیں ۔ اکثر مسلمان جن کے پاس
یہ ٹکڑے ہوتے ہیں اپنے ساتھ کفن میں رکھ کر قبر میں
لے جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس کی برکت سے
عذاب سے بچیں گے مگر مسلمانوں کے یہ سب اوہام و خیالات
ہیں ، مذہب اسلام ایسی باتوں سے جو کچے سوت سے بھی زیادہ
بو دی ہیں پاک و صاف ہے ۔ مذہب اسلام سے نہ یہ بات پائی جاتی
ہے کہ غلاف کعبہ کچھ متبرک ہو جاتا ہے ، نہ یہ پایا جاتا ہے
کہ اس کے قبر میں ساتھ لے جانے سے بجز اس کے کہ وہ بھی
مثل جسم و کفن کے خاک ہو جاوے اور کچھ نتیجہ حاصل
ہو سکتا ہے اسلام کی رو سے اگر کچھ نتیجہ حاصل ہو سکتا ہے
تو وہ صرف اعتقاد توحید سے ہو سکتا ہے نہ کسی اور چیز سے ۔

كسا البيت في الجاهلية الانطاع ثم كساه النبي صلعم الثياب اليمانية ثم كساه عمر و عثمان

اس میں کچھ کلام نہیں ہو سکتا کہ زمانۂ اسلام میں کعبہ
پر غلاف چڑھائے گئے ۔ اگرچہ
کتابوں میں روایتیں ہیں کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
اور اُن کے بعد ابوبکر صدیقؓ و
عمرؓ و عثمانؓ نے بھی کعبہ پر

القباطی ثم کساه الحجاج الدیباج ویقال اول من کساه الدیباج یزید من معاویه و یقال ابن الزبیر و یقال عبد الملک بن مروان (کتاب اخبار مکه، صفحه ۱۷۶)۔

غلاف چڑھایا مگر۔ ہم کو جہاں تک شبہ ہے وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی نسبت شبہ ہے کیوں کہ جو روایتیں اس باب میں ہیں وہ درجہ ثبوت کو نہیں پہنچتیں باین ہمہ آن کے تسلیم کر لینے میں کچھ زیادہ بحث نہیں ہے غرض کہ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رض صدیق رض نے یمن کے کپڑے کا، جو نہایت عمدہ ہوتا تھا، کعبہ کو غلاف چڑھایا اور عمر رض و عثمان رض نے قباطی کپڑے کا غلاف چڑھایا، پھر دیباج کے کپڑے کا غلاف چڑھایا گیا بعضوں کا قول ہے کہ کہ دیباج کا غلاف سب سے اول یزید بن معاویہ نے چڑھایا، بعضے کہتے ہیں کہ عبد الملک ابن مروان نے، بعضے کہتے ہیں حجاج بن یوسف نے ۔ غرض کہ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ تمام خلفائے بنی امیہ اور عباسیہ و دیگر خلفاء کے عہد میں خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کا بڑا اہتمام رہا اور سب چڑھاتے رہے زمانہ حال میں سلطان روم کی جانب سے نہایت عظیم و شان سے بہت عمدہ غلاف سیاہ رنگ کا جس میں بعض آیات قرآنی نہایت خوشخط بناوٹ میں بنی ہوئی ہوتی ہیں، چڑھایا جاتا ہے ۔

اسلام کی رو سے جو کچھ بحث اس پر ہو سکتی ہے وہ اس قدر ہو سکتی ہے کہ ”ما ھذا التعبد الکعبه اولتحسینها فالاول کفر علی مذهب الاسلام و الثانی امر لا باس به“ یعنی یہ کام کس ارادہ سے کیا جاتا ہے، کعبہ کی پرستش کے لیے یا اس کی خوب صورتی اور آرایش کے لیے اگر

پہلی نیت سے کیا جاتا ہے تو تو اسلام کی رو سے کفر ہے اور اگر دوسرے ارادہ سے کیا جاتا ہے تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

آرایش کعبہ کی ایسی ہی ہے جیسی کہ ہم اور تمام مسجدوں کی آرایش کرتے ہیں مگر جو کہ کعبہ ایک نہایت قدیم مسجد ہے اور ایسے بانی اسلام کے ہاتھ سے بنی ہے جس نے سب سے اول یہ کہا کہ لا احب الافلین۔ انی وجہت وجہی للذی فطر السموات و الارض حنیفاً و ما انا من المشرکین'' اس لیے اس کی قدر ہم کو بہ نسبت اور مسجدوں کے زیادہ کرنی ضرور ہے کیوں کہ سب سے پہلی خدا کی پرستش کی نشانی ہے۔

## اصنام کعبہ

اساف و نایلہ - بنی جرہم کے زمانہ میں صفا و مروہ کے پہاڑوں پر دو بت رکھے گئے۔ صفا پر جو بت تھا وہ مرد کی شکل تھا اور اساف اس کو کہتے تھے، دوسرا بت جو مروہ پر تھا وہ عورت کی شکل کا تھا اور نایلہ اس کو کہتے تھے جو روایتیں حقارت آمیز ان کی نسبت پائی جاتی ہیں، وہ قدیم نہیں ہیں، غالباً اسلام کے زمانہ کی بنائی ہوئی ہیں۔ ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونو انسان تھے اور بنی جرہم ان کو دیوتا سمجھتے تھے۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے دو بت بنائے گئے اور پرستش ہونے لگی۔ فتح مکہ کے روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور بتوں کے ساتھ توڑ ڈالا۔

نہیک و مطعم۔ یہ بھی دو بت تھے نہیک کو صفا پر نصب کیا گیا تھا اور مطعم کو مروہ پر۔

ھبل - یہ ایک بہت بڑا بت خانہ کعبہ کے اندر دائیں طرف

جو خزانه کا کنواں تین ذرع گہرا حضرت ابراھیم کا کھودا ہوا تھا - اس پر یه بت کھڑا کیا گیا تھا - عمرو بن لحی اس کو ارض جزیرہ سے لایا تھا - آحد کی لڑائی میں ابو سفیان نے فتح ہونے کے لیے اسی بت سے مدد چاہی تھی -

مناۃ - یه بھی بڑا بت تھا اور سمندر کے کنارہ پر قدید کے پاس عمرو بن لحی نے نصب کیا تھا اور یه دونوں بت قبیله ازد و غسان کے کہلاتے تھے اور بعضوں کا قول ھے که اوس و خزاج و غسان کے کہلاتے تھے جو ازدکی شاخیں ھیں بعضوں کا یه قول ھے که وہ صرف قبیله ھذیل کا ایک پتھر تھا اور کچھ عجب نہیں که وہ بن گھڑا ایک لمبا پتھر ہو -

لات و عزیٰ - لات ایک بن گھڑا پتھر تھا جس میں لوگ خیال کرتے تھے که شان باری کے کرشمه نے حلول کیا ھے اور عزیٰ تین درخت تھے جس میں ذات باری کا حلول سمجھ کر پوجتے تھے جیسے که ھمارے زمانه میں بھی بہت سے مسلمان اسی طرح پر درختوں کی جو درگاھوں میں ہوتے ھیں پرستش کرتے ھیں ھمارے شہر دھلی میں کبھی شاہ بولا کے بڑ پر بھی منتوں کے ناڑے باندھے جاتے تھے - لات تہامه میں تھا اور عزیٰ طائف میں -

ذات انواط - یه بھی ایک بہت بڑا سرسبز و شاداب درخت حنین میں تھا جس کو لوگ پوجتے تھے -

ذوالکفین - یه بھی ایک بت تھا - جس کو عمر بن حممه نے بعد فتح مکه جلایا تھا -

سواع - یه ایک مشہور بت قبیله ھذیل کا تھا جس کو عمر بن العاص نے بعد فتح مکه کے آنحضرت صلی اللہ علیه وسلم کے حکم سے توڑا تھا -

ود ۔ ایک بت بنی کلب کا دومۃ الجندل مین تھا ۔
یغوث - پہلے اس کو بنی مراد پوجتے تھے پھر بنی عطیف پوجنے لگے ۔
یعوق ۔ بنی ہمدان مین تھا جس کی وہ پرستش کرتے تھے ۔
نسر ۔ بنی حمیر آل ذی الکلاع کے پوجنے کا بت تھا ۔

علاوہ ان بتوں کے مشہور روایتوں میں ہے کہ خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت بنے ہوئے تھے اور نہایت استحکام کے ساتھ سیسہ سے جڑ کر کھڑے کیے تھے جو فتح مکہ کے دن سب توڑ ڈالے گئے ۔

## تصاویر خانہ کعبہ

ادرک (ای عطا ابن ابی رباح) فیہا (ای فی البیت) تمثال مریم مزوقا فی حجرھا عیسیٰ ابنھا قاعدا مزوقا ۔ (کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۲۰)

خانہ کعبہ میں فرشتوں کی اور حضرت ابراہیم کی اور حضرت مریم کی حضرت عیسیٰ کو گود میں لیے ہوئے تصویریں تھیں غالباً حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کی تصویر باقوم نے بنائی ہوگی جب کہ اس نے قریش کے زمانہ میں کعبہ بنایا تھا ۔ جب رسول خدا صلعم کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ نے حضرت ابراہیم کی تصویر کو دیکھ کر فرمایا کہ خدا ان کو مارے ابراہیم کو تیروں سے شگون لیتا اور فال دیکھتا بنایا ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مریم کی تصویر پر ہاتھ رکھ لیا اور فرمایا کہ سب تصویروں کو مٹا دو مگر مریم کی تصویر کو چھوڑ دو ۔ اگر یہ واقعات صحت کو پہنچے تو اس کی وجہ صاف پائی جاتی ہے ۔ فرشتوں کی کوئی

صورت نہیں ہے - پس ان کی تصویر بنانا محض جھوٹ اور خلاف واقع تھا حضرت ابراہیم کی تصویر ایسے فعل کی حالت کی بنائی تھی جو شرک میں داخل ہے اور بلا شبہ حضرت ابراہیم اُس سے پاک تھے صرف مریم اور حضرت عیسیٰ کی تصویر ایسی تھی جس میں کوئی اشارہ کفر یا شرک یا کذب کا نہ تھا اور نہ وہ پرستش کے لیے بنائی گئی تھی اُس کے چھوڑ دینے میں کچھ هرج نہ تھا -

## زمزم

جب سے کعبہ کا نام ہے اُسی کے ساتھ اس چشمہ کا نام بھی چلا آتا ہے بلکہ یہی چشمہ مکہ کی آبادی اور کعبہ کے اس جگہ بننے کا سبب ہے اگرچہ یہ چشمہ مدت سے خشک ہوگیا ہے مگر اُس کی جگہ ایک کنواں کھود دیا گیا ہے جو چاہ زمزم کے نام سے مشہور ہے -

عرب کی سر زمین نہایت خشک ہے یا پہاڑ ہیں یا ریگستان ہے برسات وہاں بہت کم ہوتی ہے - کوئی دریا اُس میں نہیں بہتا اس سبب سے پانی کی بہت قلت ہے کہیں کہیں جنگلوں میں یا پہاڑوں کی تلیوں میں یا پہاڑ کے اُونچے غاروں میں پانی جمع ہو جاتا ہے اور لوگ پانی کی تلاش میں پھرتے ہیں جہاں پانی مل گیا وہیں تنبو تان دیے اور آباد ہوگئے - جب وہاں کا پانی خشک ہوگیا وہاں سے چل دیے دوسری جگہ جہاں پانی مل گیا ڈیرے ڈال دیے - یہی طریقہ قدیم سے عرب کے صحرا نشین بدوؤں کا تھا -

اُونچے مقاموں میں جو پانی جمع ہو جاتا تھا اور زمین یا پہاڑوں کے نیچے نیچے سوتوں کی راہ سے پانی کو نکلنے کا کوئی

رستہ مل جاتا تھا تو اپنے مخزن سے دور جا کر بطور چشمہ کے نکل آتا تھا مگر ایسی سوتیں ایسی ضعیف ہوتی تھیں کہ سطح زمین سے اگر تھوڑے نیچے بھی ہوں تو معلوم نہیں ہوتی تھیں اور اگر کہیں کھل بھی جاتی تھیں تو تھوڑی سی چیز کے پڑ جانے سے ڈھک جاتی تھیں حال کے زمانہ میں بھی بدو اس طرح کے پانی کی سوتوں کو تھوڑے سے کنکر پتھر کانٹوں کے ڈالنے سے اس طرح پر چھپا دیتے ہیں کہ کسی کو اس کا نشان نہیں ملتا ۔

زمزم کی نسبت ایسی ایسی دور از کار روایتیں مشہور ہیں جن میں سے ایک بھی معتبر اور مذہب اسلام کے بموجب صحیح نہیں ہے جتنا کہ یہ چشمہ پرانا ہے اسی قدر تقدس آمیز اور تعجب خیز مبالغہ سے وہ روایتیں بنائی گئی ہیں ۔ اصلیت اس چشمہ کی صرف اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ جب حضرت ہاجرہ زوجہ حضرت ابراہیم[ع] مع اپنے بیٹے اسماعیل[ع] کے بہ سبب اس نزاع اور حسد کے جو قدرتی ایک شوہر کی دو جوروؤں میں ہوتی ہے سر بصحرا نکال دی گئیں اور یہاں پہنچیں تو پانی جو اُن کے پاس تھا ہو چکا پیاس کی شدت ہوئی بہ سبب نہ ملنے پانی کے مایوسی طاری ہوئی اس گھبراہٹ میں ہر چہار طرف پانی کی تلاش کرتی تھیں اسی جستجو میں اتفاقاً کنکروں اور پتھروں کے نیچے پانی کا نشان معلوم ہوا اور اُن کے ہٹانے سے پانی نکل آیا ۔ اُنھوں نے اس تائید غیبی پر خدا کا شکر ادا کیا اور وہ اور اُن کے بیٹے پانی پی کر سیراب ہوئے ۔

جس طرح کہ عرب کے چشمے چند مدت تک جاری رہتے تھے اور پھر خشک ہو جاتے تھے اسی طرح یہ چشمہ بھی کسی مدت کے بعد خشک ہو گیا اور کسی کو اس کی طرف خیال بھی نہیں رہا اور

سینکڑوں برس اس پر گزر گئے مگر عام الفیل کے بعد عبد المطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ جہاں وہ چشمہ تھا وہاں کنواں کھود کر پانی نکالا جاوے ۔ چناں چہ انہوں نے کھودنا شروع کیا ۔ اس پر بعض لوگ مانع ہوئے اور فساد پر آمادہ ہوئے ۔ مگر کسی نہ کسی طرح وہ فساد رفع ہوا اور عبد المطلب اپنے مقصد پر کام یاب ہوئے ۔ جو قصے کتابوں میں اس کنوئیں کی نسبت اور عبد المطلب کو اس خاص مقام کے دریافت ہونے کی نسبت لکھے ہیں اُن میں سے کسی کی کچھ صحت نہیں ہے کچھ عجیب نہیں ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا ہو کہ کنواں کھودتا ہوں اور اس سبب سے کنواں کھودنے کا خیال پیدا ہوا ہو ۔ یہ کنواں پہاڑ میں کھودا گیا ہے ۔ جس میں سے سوتیں مشکل سے نکلتی ہیں چناں چہ اس میں صرف تین سوتیں نکلی تھیں سنہ ۲۲۳ھ و ۲۲۴ھ میں اس کا پانی خشک ہوگیا تھا اس لیے دو ذرع اور کھودا گیا تھا مگر سنہ ۲۲۵ھ میں کثرت سے بارش ہوئی اور اس سبب سے کنوئیں میں بہت سا پانی ہوگیا ۔

خلافت ہارون رشید میں بھی یہ کنواں بہ سبب کمی پانی کے قریب دو ذرع گہرا کیا گیا تھا اور مہدی اور محمد بن الرشید کی خلافت میں بھی گہرا ہوا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسا کہ تمام کنوؤں کا حال ہے ویسا ہی اس کا بھی حال ہے اور تمام عجائب اور غرائب روایتیں جو اس کے پانی کے قبل قیامت نہ سوکھنے کی ہیں وہ سب موضوع ہیں جن کی کچھ بھی اصلیت اسلام میں نہیں ہے ۔

زمزم کا کنواں اس وجہ سے کہ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کا ہے جس میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پانی پیا ہے بلا شبہ قابل ادب اور عزت کے ہے لیکن

اس کے پانی کے فضائل میں جو روایتیں ہیں وہ سب بے سند اور ضعیف ہیں اور اکثر موضوع۔ حاجی جو زمزم کا پانی چھوٹی چھوٹی زمزمیوں میں بھر کر بطور تبرک کے ہندوؤں کی مانند دور دور لے جاتے ہیں اور سب لوگ بطور تبرک کے اس کو رکھتے ہیں اور اس پانی کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور بغرض اظہار ادب کھڑے ہو کر پیتے ہیں اس کی کچھ اصل مذہب اسلام میں نہیں ہے جیسے اور کنووں کا پانی وہ بھی ویسا ہی کنوئیں کا پانی ہے مزہ میں میٹھا نہیں ہے بلکہ مل ملاتا ہے جس وقت کھینچیں اگر اسی وقت پی لیں تو شاید پینے کے قابل ہو الا رکھا رہنے سے زیادہ مل ملا ہو جاتا ہے۔

## اسماء کعبہ

کعبہ کا اصلی نام بیت اللہ ہے یعنی خانہ خدا یہ ایک نہایت قدیم طریقہ حضرت ابراهیمؑ کے وقت سے جاری تھا کہ جہاں وہ کوئی نشان خدا کی عبادت کے لیے قائم کرتے تھے اس کو ''بیت ایل'' یعنی خانہ خدا کہتے تھے مگر جو کہ وہ عمارت جو حضرت اسماعیلؑ نے بنائی تھی بہ شکل مکعب تعمیر ہوئی تھی اس لیے کعبہ کے نام سے مشہور ہوگئی۔

کعبہ کا نام بیت عتیق اور مکہ و بکہ و ام القریٰ بھی آیا ہے پچھلے تینوں نام تغلیباً کعبہ پر اطلاق ہوتے ہیں ورنہ وہ تمام حرم یا شہر پر صادق آتے ہیں۔

کتابوں میں کعبہ کے اور نام بھی لکھے ہیں ''ام رحم''، ''الباسہ''، ''الحاطمہ'' مگر یہ سب وہ نام ہیں جو لوگوں نے بعض صفات کے خیال سے گھڑ لیے ہیں۔

## عمال کعبہ

جس وقت کعبہ بنایا گیا اس وقت وہ حضرت اسماعیلؑ کے

قبضہ میں بطور تولیت کے رہا اور آن کی وفات کے بعد ان کی اولاد اس مقدس مسجد کی سب سے بڑی محافظ تھی مگر بنی اسماعیل اور بنی جرھم میں نہایت قریب قرابت تھی اور حضرت اسماعیل کی اولاد بجز قیدار کے عرب کے مختلف مقامات میں جا بسی تھی اس وجہ سے خدا کے گھر کی حفاظت اسماعیل کی اولاد سے نکل کر بنی جرھم کے ھاتھ میں چلی گئی تھی ایک مدت دراز کے بعد بنی عمالیق جو حمیر کے خاندان سے تھے اُس پر غالب آگئے تھے اور خانہ خدا کے مالک مطلق ھوگئے تھے - اس موقع پر بنی اسماعیل اور بنی جرھم آپس میں متفق ھوئے اور عمالیق کو خانہ خدا سے بے دخل کر دیا اور پھر دوسری مرتبہ بنی جرھم اس مقدس معبد کے مالک ھوگئے -

پھر بنی بکر اور بنو حزہ بنی جرھم کے مقابلہ کو کھڑے ھوئے اور دونوں نے اپنی اپنی فوجوں کو جمع کر کر دفعۃً بنی جرھم پر حملہ کیا اور بہت بڑی سخت لڑائی کے بعد بنی جرھم بالکل مغلوب ھوگئے اور بھاگ گئے اور حفاظت اس معبد کی بنی حزہ کے پاس آگئی پہلا شخص جس نے کہ مکہ کی حفاظت مکہ کی حکومت اور کعبہ کا انتظام اپنے ذمہ لیا عمر بن اللحی تھا یہ وہ شخص ھے جس نے سب سے اول کعبہ کے اندر ھبل بت کو کھڑا کیا تھا -

چند مدت بعد قصیٰ ابن کنانہ نے جو اجداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ھیں بنو بکر اور بنو حزہ پر چڑھائی کی خوب مقابلہ ھوا مگر ان قوموں کو شکست ھوئی اور قصیٰ نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ پشت اوپر تھا حکومت مکہ اور تولیت کعبہ کی اُن سے چھین لی اور خود حاکم اعلیٰ ھوگیا اور اب قریش کعبہ کی ھر ایک بات کے مالک ھوگئے -

قصی کے بعد عبدالدار اُن کا بیٹا اُن کی جگہ سردار ہو گیا اور جو خاص خاص عہدے خود عبد الدار سے متعلق تھے وہ اُن کے بھائی عبد مناف کو مل گئے ۔

کعبہ کے متعلق پانچ بڑی خدمتیں تھیں :

اول - سقیاء و رفادہ - یعنی حاجیوں کو پانی اور کھانا دینے کا عہدہ ۔

دوم - قیادہ - یعنی لڑائی کے وقت فوج کی سپہ سالاری کرنا ۔

سوم - لوا - یعنی علم بردار ہونے کا عہدہ ۔

چہارم - حجاب - یعنی کُعبہ کی حفاظت کا عہدہ ۔

پنجم - دول الندوہ - یعنی دار الندوہ میں پریسیڈنٹ یا صدر انجمن ہونے کا استحقاق ۔

عبد مناف کی وفات کے بعد اُن کے وارثوں میں ایک خاندانی نزاع پیدا ہوا جس کی وجہ سے ان عہدوں کی تقسیم اس طرح پر ہوگئی ۔

ہاشم کو سقیا و رفادہ کا عہدہ ملا ۔

عبد الدار کے بیٹے شیبہ نے کعبہ کی حفاظت اور دارالندوہ کی صدر انجمنی اور علم بردار ہونے کا عہدہ اپنے قبضہ میں رکھا ۔

ہاشم نے بڑی فیاضی اور سیر چشمی اور دریا دلی کے ساتھ حاجیوں کی خبر گیری کی خدمت ادا کی چناں چہ سر ولیم میور تسلیم کرتے ہیں کہ ہاشم نے جو اس طرح پر حاجیوں کی تواضع کے لیے مامور کیا گیا تھا شاہانہ عظمت کے ساتھ اس کو ادا کیا خود اُن کے پاس بڑی دولت تھی اور قوم قریش کے بہت سے آدمیوں نے تجارت کے ذریعہ سے بہت سی دولت جمع کی تھی ہاشم نے مثل قصی اپنے دادا کے قوم قریش سے التجا کی کہ تم خدا کے ہمسایہ اور اُس کے گھر کے محافظ ہو جو حاجی اس کے

مکان کی تقدس کی تعظیم کرنے کو آتے ہیں وہ اُس کے مہمان ہیں اور یہ مناسب ہے کہ سب سے پہلے ان مہمانوں کی خاطر تواضع کرو تم کو خاص خدا نے منتخب کیا ہے اور اس بڑے رتبہ کے ساتھ تم معزز ہو پس خدا کے مہمانوں کی تعظم کرو اور اُن کو ترو تازہ کر دو ۔ کیوں کہ وہ نہایت دور دراز شہروں سے اپنے لاغر اور خراب و خستہ اونٹوں پر سوار ہو کر تمھارے پاس نہایت تھکے ہوئے اور پریشان آتے ہیں ، اُن کے بال بکھرے ہوئے ہوتے ہیں اُن کا جسم دور دراز کے رستہ سے گرد و غبار میں آلودہ ہوتا ہے پس تم مہمان نوازی کے ساتھ اُن کی دعوت کرو اور ان کو بہت سا پانی دو ۔

ہاشم نے اپنے پاس سے بہت سا روپیہ خرچ کر کر ایک عمدہ نظیر قائم کی اور تمام قوم قریش نے بھی نہایت مستعدی سے مدد کی اور ہر ایک شخص نے اپنے مقدور کے موافق چندہ دیا اور تمام قوم قریش پر ایک معین محصول لگایا اور حاجیوں کے جم غفیر کے لیے حوضوں میں کافی پانی کعبہ کے قریب کنوئیں سے بھروایا اور عرفات کے رستہ میں چمڑے کے عارضی حوض بنائے جب کہ حاجی منا اور عرفات کو روانہ ہوتے تھے اُس روز کھانا تقسیم ہونا شروع ہوتا تھا اور جب تک وہ ہجوم منتشر نہ ہوتا تھا اُس وقت تک برابر کھانا تقسیم ہوتا رہتا تھا غرض کہ پانچ چھ روز تک گوشت اور روٹی اور مکھن اور جو سے جو مختلف طور پر پکائے جاتے تھے اور چھواروں سے جو عرب کا نہایت عمدہ اور پسندیدہ کھانا ہے ان کی تواضع ہوتی رہتی تھی اس طرح پر ہاشم نے مکہ کی نام آوری کو بخوبی قائم رکھا مگر خود ہاشم کا نام ایک بہت اعلیٰ درجہ کی خیرات سے اور بھی زیادہ مشہور ہوگیا اور جس نام آوری سے اہل وطن کی بہت سی ضرورتوں کو

رفع کیا جو مدت دراز کے قحط کے سبب سے نہایت تنگ آ گئے تھے یعنی ہاشم نے ملک شام کا سفر اختیار کیا اور وہاں بہت بڑا ذخیرہ روٹیوں کا خرید کیا اور اُن کو ٹوکروں میں بھر کر اور اُونٹوں پر لاد کر مکہ کو لائے اور وہاں اونٹ ذبح کیے گئے اور بھونے گئے اور تمام لوگوں کو کھانا تقسیم کیا گیا فاقہ زدگی اور گریہ و زاری دفعۃً خوشی اور افراط طعام سے مبدل ہوگئی اور گویا قحط کے بعد اُن کو ایک نئے سرے سے زندگی حاصل ہوگئی۔

ہاشم کے بعد مطلب کو سقیا و رفادہ کی خدمت ملی اور اُن کے بعد عبدالمطلب ابن ہاشم کے پاس وہ خدمت آئی اور انھی کے عہد میں ابرھۃ الاشرم نے جو اصحاب الفیل کہلاتا ہے کعبہ کے ڈھانے کے قصد سے فوج کشی کی تھی عبدالمطلب کے بعد یہ خدمت زبیر بن عبدالمطلب کو پہنچی مگر ان سے بخوبی کام نہ چلا تو اُنھوں نے ابو طالب اپنے بھائی کو وہ خدمت دے دی اُنھوں نے بھی خیال کیا کہ یہ کام نہایت مشکل ہے اور اُس میں بہت خرچ کرنا پڑتا ہے اس لیے اُنھوں نے اپنے بھائی عباس کے سپرد کر دی لیکن حضرت عباس کو اس قدر مقدور نہ تھا کہ وہ عہدہ سقیاہ و رفادہ کا کام خوبی اور شہرت سے انجام دے سکتے اس لیے یہ عہدے ان کے خاندان سے منتقل ہو کر عبد مناف کی دوسری شاخ میں چلے گئے۔

## واقعۂ اصحاب فیل

مکہ کے واقعات میں یہ واقعہ بھی ایک بہت بڑے واقعات میں گنا جاتا ہے۔ اُس کا واقعہ عظیم متصور ہونا نہ اس وجہ سے ہے کہ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے اور نہ اس وجہ سے کہ در حقیقت ایک ایسا عظیم واقعہ ہے کہ مثل اس کے

کبھی نہ ہوا ہو بلکہ اس کی عظمت صرف ہمارے مفسروں اور جھوٹی روایتوں کے بنانے والوں کی بدولت ہے جنھوں نے سیدھے سیدھے واقعہ کو ایک عجیب من گھڑت اور الف لیلہ کے قصوں سے عجیب تر قصہ کر کر بیان کیا ۔

منش کردہ ام رستم داستاں
وگر نہ یلے بود درسیستاں

میں اپنے اس خطبہ میں ان لغو اور بے ہودہ روایتوں پر اور قرآن مجید کے غلط معنی بیان کرنے پر جو مسفرین نے اس قصہ کی بابت بیان کیے ہیں بحث کرنا نہیں چاہتا جس میں ایک لمبا جداگانہ مباحثہ ہے مگر جو واقعہ کہ گزرا اُس کو صاف لفظوں میں بیان کر دیتا ہوں ۔

کتابوں میں مذکور ہے کہ اصحاب فیل سے پہلے تبع نے تین دفعہ کعبہ کے ڈھانے کا ارادہ کیا مگر ظلمت و آفت میں گرفتار ہوئے وہ قصے چنداں مشہور نہیں ہیں مشہور قصہ اصحاب فیل کا ہے ابرھۃ الاشرم جو ایک عیسائی حاکم یمن کا تھا اُس نے صنعاء یمن میں قریب غمدان کے ایک عظیم الشان کنیسہ یعنی گرجا بنایا تھا اور قلیس اس کا نام رکھا تھا اور یہ بات چاہی کہ لوگ کعبہ کا حج چھوڑ دیں اور اس کنیسہ کا حج کیا کریں اور اس لیے اُس نے کعبہ کے ڈھانے کا ارادہ کیا اور مع فوج کے اور چند ہاتھوں کے روانہ ہوا اور مغمس میں اُترا اُس وقت قریش اور کنانہ اور خزاعہ اور ھذیل سب لڑنے کو تیار ہوئے مگر اُنھوں نے ابرھۃ الاشرم سے مقابلہ کرنے کی طاقت اپنے میں نہیں پائی ابرھۃ الاشرم نے کہلا بھیجا کہ مجھے تم سے جدال و قتال منظور نہیں ہے بلکہ صرف کعبہ ڈھانا مقصود ہے اس گفتگو میں چند روز گزرے اور اسی درمیان میں ابرھہ کے

لشکر میں چیچک کی وبا پھیلی جو اس سے پہلے عرب میں نہیں ہوئی تھی تمام لشکر برباد ہوگیا بہت سے مرگئے اور بہت سے اُسی حالت میں پھر گئے خدا تعالیٰ نے ان پر ایسی آفت ڈالی کہ جو بد ارادہ اُنھوں نے کیا تھا اُس پر کام یاب نہیں ہوئے -

مفسرین نے اس قصہ کو عجیب طرح سے رنگا ہے قرآن مجید میں دو لفظ آئے ہیں طیرا اور بحجارة ان دونوں لفظوں کی مناسبت سے جو مفسرین و شاعین نے جو قصہ چاہا ہے بنا لیا ہے جس کی کچھ اصل نہیں ہے -

اسی سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہو چکے تھے جو اُس بے نظیر اصلاح کا ذریعہ ہونے والے تھے جو قیامت تک بے نظیر رہے گی عبدالمطلب اور ابو طالب ان کی پرورش میں مصروف تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سن شریف اس حد کو پہنچا جس میں اُس منصب کے ادا کرنے کا وقت منحصر تھا جس کے لیے آنحضرت پیدا ہوئے تھے تب آپ نے اپنے فطرتی منصب نبوت کو اختیار کیا اور خدائے واحد کی پرستش کا وعظ فرمانا شروع کیا اور بوجہ اُن مصائب کے جو اس کام میں پیش آئے وطن چھوڑنا اور مکہ سے مدینہ کو ہجرت کرنا پڑا مکہ اب اپنے تئیں محفوظ سمجھتا تھا اور خوشی اور اطمینان کے ساتھ اپنے بتوں کی پرستش میں مشغول تھا کہ دفعۃً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا محاصرہ کیا اور بغیر کسی قسم کی مزاحمت کے اس کو فتح کر لیا اُس کے بتوں کو توڑا اور پھر خدائے واحد کی پرستش کو قائم کیا جو قیامت تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کے ساتھ قائم رہے گی -

(۹)

# آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
# کے
# حسب و نسب کی تحقیق

ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحاً و آل ابراھیم و آل
عمران علی العالمین

علم الانساب میں عربوں کی کامل مہارت

عرب کے لوگ زمانہ جاھلیت میں نہایت اکھڑ گنوار جاھل ان لکھے اور ان پڑھے تھے ۔ علم ادب بھی جس کو ٹھیک ٹھیک علم ادب کہتے ھیں اُن میں نہ تھا اور نہ اور کسی فن کو اچھی طرح جانتے تھے ھاں دو باتیں اُن میں بے مثل تھیں : (۱) ایک نہایت مؤثر اور پر مطلب گنواری فصاحت جو بالتخصیص دھقانیوں میں پائی جاتی تھی اور اس سبب سے اس کے مضامین طبعی جوشوں پر مبنی ہوتے تھے اور دلوں پر زیادہ اثر کرتے تھے ۔ (۲) دوسرے بے مثل اور بے نظیر حافظہ ۔ اگرچہ ان لکھے پڑھوں کا حافظہ ھمیشہ قوی ھوتا ہے مگر عرب والوں کا حافظہ بہت قوی تھا ۔ اسی قوت حافظہ کے سبب وہ اپنی قوموں کی تمام نسلوں کو یاد رکھتے تھے اور نسلوں کے یاد رکھنے کو نہایت فخر سمجھتے تھے جو رفتہ رفتہ ایک علم ھوگیا اور ''علم الانساب'' اُس کا نام

پڑ گیا - اہلِ عرب کی عادت تھی کہ اپنے نسب پر بہت فخر
کرتے تھے اور ہر موقع پر اس کا ذکر کرتے اور اس پر شیخی
بگھارنے سے نہ چوکتے تھے اور اس سبب سے اُن کو صرف
اپنا ھی نسب نامہ یاد رکھنا کافی نہ تھا بلکہ اپنے مخالفوں اور
رقیبوں اور ھمسایوں کا نسب نامہ بھی یاد رکھنا ضروری ھوتا
تھا تاکہ اپنی شیخی کے سامنے دوسرے کی شیخی نہ چلنے دیں
لکھنا اُن کو آتا نہ تھا اس لیے اُن کے نسب نامے لکھے ھوئے
نہ تھے - جہاں تک یاد تھی یا جو باتیں یاد رکھنے کے قابل
تھیں وہ سب بر زبان یاد تھیں اُن کا حافظہ ھی اُن کے لیے
لوح محفوظ تھا - حافظہ کیسا ھی قوی ھو مگر تمام پشتوں کا
بہ ترتیب یاد رکھنا ایک غیر ممکن بات تھی اس سبب سے
بڑے بڑے جلیل القدر اور مشہور معروف اشخاص کے نام تو
ضرور یاد رہتے باقی لوگوں کے نام جس قدر یاد رہ سکتے
تھے اُس قدر رہتے تھے اُن مشہور آدمیوں کے نام یاد رہنے کا
یہ بھی بڑا سبب تھا کہ ان کے نام اور اُن کے حالات شعروں
میں ھوتے تھے جو بڑے بڑے معرکوں اور میلوں اور لڑائیوں
میں نہایت فخر کے ساتھ پڑھے جاتے تھے - ان سب رسموں اور
عادتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ ھر شخص اپنے آپ کو اور اپنے
ھمسایہ اور اپنے حریف اور رقیب کو بخوبی جانتا تھا کہ وہ
کس قوم اور کس نسل کا ھے اور کسی کو ایسی جرأت اور
ایسی طاقت نہ تھی کہ اپنی قوم اور نسل کو بدل سکے یا
جھوٹ موٹ اپنے نسب کو کسی ایسی نسل کا جس کا در حقیقت
وہ نہیں ھے کہنے لگے - مگر با ایں ھمہ سلسلہ وار تمام پشتوں کو
بتلا دینا ھر ایک کو نام بنام مورث اعلیٰ تک گن دینا ایک
غیر ممکن امر تھا اس لیے ھر شخص اپنے باپ دادا کے نام وھاں

تک بیان کر سکتا تھا جہاں تک یاد ہوتے تھے - پھر بیچ کی پشتوں کو چھوڑ کر اُن کے نام لے دیتا تھا جن کے نام اشعار میں مذکور ہوتے تھے - پس جس مؤرخ نے ایسے لوگوں کا پورا سلسلہ وار نسب نامہ بیان کرنا چاہا اُس کو یہ سب دقتیں پیش آئیں اور یہ ایسی مشکلیں تھیں جن کا حل ہونا کچھ آسان نہ تھا -

ایک اور مشکل عرب کے نسب ناموں میں یہ تھی کہ ایک ہی نام کے کئی شخص نسب ناموں میں ہوتے تھے اور اس لیے مورخ دھوکے میں پڑ جاتے تھے اور پچھلے شخص کو وہ شخص سمجھ جاتے تھے جو اگلوں میں اُسی نام کا کوئی گزرا ہے اور جو پشتیں ان دونوں شخصوں کے درمیان میں فی الحقیقت گزری ہیں اُن کا ذکر چھوٹ جاتا تھا اور جب کہ ایک شخص کے کئی نام ہوتے تھے تو دوسری قسم کا دھوکا پڑتا تھا - تجنیس خطی کے سبب سے ایک ہی نام کو بعضوں نے کچھ پڑھا اور بعضوں نے کچھ - شام میں اور عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ بجائے باپ کے نام کے اُس شخص کا نام لے دیتے تھے جو نسب نامہ کے اشخاص میں معروف و مشہور ہوتا تھا یا جس سے نسل گنی جاتی تھی - چناں چہ سینٹ متی حواری نے اپنی انجیل میں حضرت عیسیٰ[۱] کے نسب نامہ میں لکھا ہے کہ ” کتاب نسب نامہ عیسیٰ مسیح ابن داؤد ابن ابراہیم “ حالاں کہ مسیح سے داؤد تک اور داؤد سے ابراہیم تک بہت سی پشتیں ہیں ، مگر داؤد جو ایک مشہور نام تھا اُن ہی کا بیٹا حضرت مسیح کو بتا دیا اور ابراہیم کا بیٹا داؤد کو کہہ دیا جس سے نسل چلی تھی اور بیچ کے سب نام چھوڑ دیے -

عرب کے لوگوں کی یہ بھی عادت تھی کہ اپنے باپ داداؤں

کے ناموں کو جہاں تک اُن کو یاد ہوتے تھے بیان کرتے جاتے
اور جب اُن کی یاد کے نام ختم ہو جاتے تھے تو آخیر یاد میں
رہے ہوئے شخص کو اُس کا بیٹا کہہ دیتے تھے جس سے وہ نسل
چلی ہے یا جب وہ ایسے شخص پر پہنچتے تھے جس کو ہر کوئی
یقیناً اُسی کی اولاد میں جانتا ہے جس سے نسل چلی ہے تو اُس
اُس شخص کو اُس کا بیٹا کہہ دیتے تھے اور اس سبب سے مؤرخوں
کو ایسے لوگوں کا سلسلہ وار نسب نامہ لکھنے میں اور بھی
مشکل پڑی ہے -

آنحضرت کا نسب نامہ اور اُس کے متعلق غیر معتبر روایات

جب کہ ہم اپنے پیغمبر خدا محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ سلسلہ وار
لکھنا چاہتے ہیں تو اُس میں بھی یہ سب
مشکلات پیش آتی ہیں - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ
کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور اسی سبب سے کوئی
صحیح حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ کی موجود
نہیں ہے - یہ بات بے شک اُنھوں نے فرمائی کہ ”ابراہیم خلیل اللہ
میرے باپ اور میرے ولی ہیں“ جیسا کہ ترمذی نے عبد اللہ
ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے مگر کرسی نامہ کے
طور پر نہ کبھی اپنا نسب نامہ بیان فرمایا اور نہ اُس کے بیان کی
ضرورت تھی کیوں کہ تمام عرب کے لوگ یقینی بلا کسی
شک و تردد کے جانتے تھے کہ محمد رسول اللہؐ قبیلہ قریش سے ہیں
اور اس بات پر بھی سب کو یقین تھا کہ قبیلہ قریش کا معد ابن
عدنان کی اولاد میں ہے عدنان اولاد ہے قیدار ابن اسماعیل ابن
ابراہیم کی اور اتنی ہی بات اس امر کے ثبوت کے لیے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اولاد اسماعیل ابن ابراہیم کی اولاد میں ہیں
کافی تھی گو ان کے درمیان میں کتنی ہی پشتیں گزری ہوں جن کی

تعداد میں اختلاف ہو ۔

ہاں اس بات میں کچھ شک نہیں ۔ کہ جب لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ بترتیب لکھنا چاہا تو اس میں اختلاف ہوا اسی بناء پر کاتب الواقدی نے ایک قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے لکھا ہے کہ "کذب النسابون" یعنی نسب بیان کرنے والے جھوٹے ہیں اور مسعودی نے اپنی کتاب مروج الذہب میں ایک روایت بیان کی ہے کہ اسی اختلاف کے سبب جو نسب نامہ

و لذالک (ای لتنازع الناس فی النسب) نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن تجاوز معد لعلمہ من تباعد الانساب و کثرت الاراء فی طول ہذہ الاعصار ۔ (مروج الذہب مسعودی)

میں لوگ کرتے تھے آپ نے فرمایا ہے کہ معد ابن عدنان سے آگے مت بڑھو کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نسب نامہ کے بڑے دور تک ہونے سے اور اس کے زمانہ دراز میں متعدد رائیں ہونے سے بخوبی واقف تھے ۔ بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "انا ابن الذبیحین" یعنی میں دو قربانی کیے گئے شخصوں کا بیٹا ہوں اور اس قربانی سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ان دونوں شخصوں سے اسماعیل ابن ابراہیم اور عبد اللہ اب محمد رسول اللہ مراد ہیں ۔

وروی عن ام سلمۃ زوجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عدنان ابن ادد

ابو الفدا نے حضرت ام سلمہ زوجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت لکھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عدنان بیٹا ادد کا

بن زید بن برا بن عراق الشری فقالت ام سلمة زید همیسع و براینت و اسماعیل عراق الشری -

اور وہ بیٹا زید کا اور وہ بیٹا برا کا اور وہ بیٹا عراق الثریٰ کا ہے اور ام سلمہ نے یہ بھی کہا کہ زید اور ہمیسع ایک ہی شخص کا نام ہے اور براینت اور اسماعیل اور عراق الثریٰ ایک ہیں -

یہ تمام روایتیں جو اوپر بیان ہوئیں محض غلط اور بے سند ہیں اور ذرا بھی اعتبار کے لائق نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رو برو کبھی آنحضرت کے نسب نامہ کی نسبت ذکر نہیں ہوا - صرف اُن کے نسب کا یقین کہ قریش ہیں تمام عرب کے دلوں پر جا ہوا تھا اور اُس کی کوئی وجہ نہ تھی کہ اُس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ پر کچھ بحث ہوتی - کئی صدی بعد جب کتابوں کی تحریر کا رواج شروع ہوا اور مورخین کو نسب نامہ کی تحقیق میں مجبوری ہوئی تو اُنھوں نے اپنی کتابوں کے رونق دینے کو جھوٹی روایتیں خود گھڑ لیں یا افواہاً سنی سنائی اپنے مطلب کے موافق سمجھ کر بلا تحقیق مندرج کر دیں - انا ابن الذبیحین کی روایت غلط ہے - اسماعیل کبھی قربانی نہیں ہوئے جیسا کہ ہم نے اپنے اُس خطبہ میں ثابت کیا ہے جو عرب کے تواریخی جغرافیہ پر لکھا ہے اور عبداللہ کی قربانی کا بیان محض غلط ہے ہاں بلا شبہ ترمذی نے جو روایت عبد اللہ ابن مسعود سے بیان کی ہے وہ کسی قدر اعتبار کے لائق ہے -

عن عبد اللہ ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لکل نبی ولاۃ من النبیین و ان ولیی

عبد اللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک نبی کے لیے ایک

ابی و خلیل ربی ثم قرا ''ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ و ھذا النبی و الذین امنوا و اللہ ولی المومنین رواہ الترمذی۔''

مربی نبیوں میں سے ھوتا ھے اور میرا مربی میرا باپ میرے پروردگار کا دوست (یعنی ابراھیم) ھے پھر قرآن کی یہ آیت پڑھی کہ سب سے زیادہ دوست ابراھیم کے وہ ھیں جنھوں نے اس کی پیروی کی ھے اور یہ نبی یعنی محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ھیں اور اللہ سب ایمان والوں کا دوست ھے۔

**آنحضرت کا نسب بیان کرنے والے**

پانچ شخص ھیں جن کے تحقیق کیے ھوئے نسب ناموں میں معد ابن عدنان سے لے کر ابراھیم تک پشتوں کا بیان ھوا ھے۔ ایک بیہقی، دوسرے ابن ھشام، تیسرے ابن الاعرابی، چوتھے برخیا کاتب الوحی ارمیا نبی علیہ السلام، پانچویں الجرا۔

**۱- بیہقی**

ان میں سے پہلے یعنی بیہقی نے عدنان سے ابراھیم تک دس پشتیں اس طرح پر لکھی ھیں ''عدنان ابن عدد ابن المقوم بن یا حور بن یارح بن یعرب بن یشحب بن نابت بن اسماعیل بن ابراھیم۔

**۲- ابن ھشام**

اور دوسرے شخص ابن ھشام نے اپنی کتاب المغازی و سیر میں نو پشتیں اس طرح پر لکھی ھیں ''عدنان ابن عدد ابن ناحور ابن سود ابن یعرب ابن یشحب ابن نابت ابن اسماعیل ابن ابراھیم۔

اور اسی کتاب کے دوسرے نسخہ میں گیارہ پشتیں اس طرح پر لکھی ھیں ''عدنان ابن ادد ابن سام ابن یشحب ابن یعرب ابن الھمیسع ابن ساتو ابن یامد ابن قیدار ابن اسماعیل ابن ابراھیم۔

۳- ابن الاعرابی | اور تیسرے شخص یعنی ابن الاعرابی نے
اس طرح پر نو پشتیں نسب نامہ میں مندرج کی ھیں "عدنان
ابن ادابن ادد ابن الھمیسع ابن نابت ابن سلامان ابن قیدار ابن
اسماعیل ابن ابراھیم -

اول تو ان نسب ناموں کو اسماعیل تک سمجھنا غلطی ھے
کیوں کہ اس کے لکھنے والوں نے جہاں تک اُن کو یاد تھے
وھاں تک لکھ کر اُس کے مشہور اشخاص قیدار و اسماعیل کا نام
لے دیا ھے اور بیچ کے نام جو یاد نہ رھے تھے چھوڑ دیے ھیں -
جن لوگوں نے اُن کو پورا سمجھا ھے بڑی غلطی کی اور خود
اُس زمانہ سے جو عدنان اور ابراھیم کے درمیان میں گزرا ھے
اُن کی غلطی ثابت ھوتی ھے - دوسرے یہ کہ نسب نامے خود بھی
غلط ھیں ابن ھشام کے دونوں نسخے آپس میں مختلف ھیں اور
نابت کے ذریعہ سے اسماعیل تک قریش کا نسب نامہ پہنچانا ایک
ایسی غلطی ھے جو خود عرب جاھلیت کی روایتوں سے جو تاریخی
وقعت کے درجہ کو پہنچ گئی ھیں غلط ثابت ھوتی ھے - ابن
الاعرابی کے نسب نامہ کا بھی کچھ ثبوت روایتاً یا درایتاً نہیں ھے -

۴- برخیا | پس دو نسب نامے باقی رہ گئے ایک باروخ یا
برخیا کاتب الوحی ارمیا نبی کا اور دوسرا الجرا کا -

و اما الذی ذکرہ الجرا ابو الفدا نے بھی لکھا ھے
فی النسابۃ فی شجرۃ النسب کہ جو نسب نامہ الجرا نے
ھو المختار (ابوالفدا) لکھا ھے وھی درست ھے اور
وھی اختیار کرنے کے لائق ھے - کوئی وجہ اس بات کی نہیں ھے
کہ حضرت اسماعیل کی اولاد کا جو سلسلہ برخیا کاتب الوحی
حضرت یرمیا نبی نے اپنے زمانہ تک کا لکھا ھے اُس پر ھم
اعتبار نہ کریں خصوصاً اس وجہ سے کہ معد ابن عدنان حضرت

یرمیا نبی کے وقت میں تھے اور بخت نصر کے ھنگامہ میں حضرت یرمیا نبی نے اُن کو بچایا تھا اور ساتھ لے گئے تھے اور یہ ایک قوی قرینہ اس بات کا ھے کہ برخیا کاتب الوحی یرمیا نبی کو معد کا نسب نامہ لکھنے کی اسماعیل ابن ابراھیم تک ضرورت پڑی ھوگی ۔ یہ شجرہ حضرت اسماعیل کی اولاد کا یا یوں کہو کہ معد ابن عدنان کا ابراھیم تک نسب نامہ جو برخیا کاتب الوحی نے لکھا ھمارے ھاں کی کتابوں میں بھی مندرج ھے چناں چہ مسعودی نے اپنی کتاب مروج الذھب میں اس کو بعینہ نقل کیا ھے ۔ ھشام کلبی کی روایت جو واقدی میں ھے ۔ اُس میں اسی شجرہ کو بیان کیا ھے مگر ناموں کے تلفظ میں بہ سبب مجانست الفاظ کے اور نقل کے فرق ھوگیا ھے ۔ مثلاً ایک نے ایک نام لکھا ھے اقناد کاف اور نون سے دوسرے نے لکھا ھے افتاد فے اور تے سے یا مثلاً ایک نے لکھا ھے عیسیٰ بالیا اور دوسرے نے لکھا عیسر بالراء اور غالباً کاتب نے کشش دار حرف یا کو حرف الرا سمجھ لیا ھے اسی طرح ناموں کے تلفظ و نقل میں اختلاف ھے ورنہ وہ دونوں واحد ھیں اور وھی شجرے ھیں جو برخیا کاتب الوحی نے اپنے زمانہ تک لکھے ھیں ۔

۵- الجرا | الجرا کا نسب نامہ در حقیقت اسماعیل ابن ابراھیم تک نہیں ھے بلکہ حمل ابن معد ابن عدنان اول تک ھے یعنی وھاں تک کہ برخیا کاتب الوحی نے شجرہ لکھا تھا مگر جو کہ الجرا نے بھی اُن ناموں کو جو برخیا کاتب الوحی نے لکھے تھے چھوڑ کر حسب دستور عرب و شام اُس کے آخیر میں قیدار بن اسماعیل اور ابراھیم کا نام لکھ دیا تھا ۔ لوگوں کو شبہ پڑا کہ یہ مستقل جداگانہ نسب نامہ ھے حالاں کہ در حقیقت وہ برخیا کاتب الوحی کے نسب نامہ کا تتمہ ھے ایک اور وجہ غلطی

میں پڑنے کی یہ بھی ہوتی ہے کہ برخیا کاتب الوحی اور الجرا
کے نسب نامہ میں مکرر نام آتے ہیں خصوصاً معد اور عدنان کے
اور اس سبب سے لوگوں نے اُس کو جدا گانہ نسب نامہ خیال
کیا حالاں کہ مکرر ناموں کا آنا کوئی امر قابل اشتباہ کے نہیں
ہے پس اب ہم برخیا کاتب الوحی کے نسب نامہ کے نیچے الجرا کا
نسب نامہ جو اُس کا تتمہ ہے لگا دیتے ہیں جس سے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا نسب نامہ اسماعیل ابن ابراھیم تک پورا ہو جاتا ہے
جن وجوہات سے کہ ہم نے الجرا کے نسب نامہ کو برخیا
کاتب الوحی کے نسب نامہ کا تتمہ بیان کیا اور دونوں کی
صحت کو تسلیم کیا اُس کی وجوہات یہ ہیں ۔

اول یہ کہ اسماعیل ۲۰۹۴ دنیاوی مطابق ۱۹۱۰ قبل مسیح
کے پیدا ہوئے تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۴۵۷۰ دنیاوی
مطابق ۵۷۰ بعد مسیح کے پیدا ہوئے تھے پس دونوں ولادتوں
میں چوبیس سو چھتحر برس کا فاصلہ ہے اور اسماعیل سے آنحضرت
تک اس نسب نامہ کی ستر پشتیں گزرتی ہیں جو از روئے حساب
اُس سلسلہ نسب کے جو علی العموم علوم طبعی کی تحقیقات سے
اختیار کیا جاتا ہے بالکل صحیح ہے یعنی قریب تین پشت کے
ایک صدی میں ۔

دوسرے یہ کہ معد و ارمیا نبی دونوں ایک وقت میں تھے
چناں چہ مروج الذھب مسعودی جلد ۳ صفحہ ۱۹۹ میں لکھا ہے

و قد کان لا رمیا معہ    کہ معد ابن عدنان کے ارمیا نبی
معد ابن عدنان اخبار    کے ساتھ جو حالات گزرے ہیں
بطول ذکرھا ۔ (مسعودی)    وہ بہت طولانی ہیں ۔ وہ حالات
یہ ہیں کہ جب بخت نصر نے عرب پر حملہ کیا اور عدنان اور
بنی جرھم کو شکست دی اور مکہ کو لوٹ لیا اور صد ھا

آدمیوں کو پکڑ کر بابل میں لے گیا اُس وقت اللہ تعالیٰ نے معد ابن عدنان کو اس سے بچایا اور ارمیا نبی اور برخیا خدا کے حکم سے معد کو اپنے ساتھ لے گئے اور حیران میں اُن کو بہ حفاظت رکھا۔ ارمیا نبی کا زمانہ سال دینوی کے حساب سے پینتالیسویں صدی میں یعنی چھٹی صدی قبل مسیح میں تھا اور جو نسب نامہ ہم نے صحیح قائم کیا ہے اس میں بھی نسلوں کا عام سلسلہ بموجب معد بھی اسی زمانہ میں ہوتا ہے جو ایک نہایت قوی دلیل اُس سلسلہ کی صحت کی ہے اور برخیا کاتب الوحی کی تاریخانہ تحریر اور عام عرب کی مشہور روایت سے عجب طرح پر مطابقت پائی جاتی ہے۔

نسب نبوی پر یورپین اعتراضات اور اُن کے جوابات

سر ولیم میور نے اپنی کتاب لائف آف محمد جلد ۱ صفحہ ۱۹۴ میں لکھا ہے کہ یہ روایت معد اور ارمیا نبی کی صحیح معلوم نہیں ہوتی اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و عدنان میں اٹھارہ پشتیں ہیں اور نسلوں کے صحیح حساب سے عدنان کی پیدائش ۱۳۰ قبل مسیح سے پہلے کی نہیں ہو سکتی حالاں کہ بخت نصر کے حملوں کا زمانہ ۵۷۷ قبل مسیح میں پایا جاتا ہے۔

مگر سر ولیم میور کو ناموں کے متحد ہونے سے یہ شبہ پڑا ہے۔ عدنان بھی دو ہیں اور معد بھی دو ہیں ایک وہ ہیں جو برخیا کاتب الوحی کے شجرہ میں ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو الجرا والے نسب نامہ میں ہیں پس وہ روایت نسبت پہلے معد ابن عدنان کے ہے۔ سر ولیم میور نے دوسرے معد ابن عدنان کی نسبت وہ روایت تصور کی ہے۔ عک بلا شبہ معد کا بھائی تھا مگر اس سے پہلے معد کا نہ دوسرے معد کا جیسا کہ سر ولیم میور نے تصور کیا ہے۔ عرب نے ضلع حضرت موت میں جو قلعہ توم عاد کا

ازنام حص الغراب تھا اور جس مین سے ایک کتبہ نکلا جس مین هود پیغمبر کا ذکر ہے اور اس میں عک کا بھی نام ہے یہ عک اسی پہلے معد کا بھائی معلوم ھوتا ہے ۔

ھمارے اس مضمون کے پڑھنے والوں کو یاد رکھنا چاھیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عدنان تک جو ھمارے مرتبہ شجرہ میں پچاسویں نمبر پر ہے پشتوں کا سلسلہ عموماً تسلیم کیا گیا ہے اور کسی مؤرخ کو اس میں اختلاف نہیں ہے مگر عدنان سے آگے بلحاظ اُن وجوھات کے جو اوپر مذکور ھوئیں مؤرخوں میں اختلاف ہے ۔ بیہقی کا قول ہے کہ ''اُس کے اُستاد حافظ ابو عبد اللہ کہتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب عدنان تک صحیح ہے اور اُس سے اوپر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر بھروسا کیا جاوے'' مگر یاد رکھنا چاھیے کہ یہ قول اگر بیہقی کا صحیح ھو تو اُس کے اُستاد کی ایک رائے و سمجھ ہے کوئی مذھبی حدیث نہیں ہے جس پر یہ استدلال ھو سکے کہ مذھبی روایت کے بموجب اُس کی صحت نہیں ہے ۔

قال البیھقی المذکور و کان شیخنا ابو عبد اللہ الحافظ یقول نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحیحة الی عدنان و ماوراء عدنان فلیس فیہ شی نعتمد علیہ (ابو الفدا) ۔

بلا شبہ اھل عرب بنی اسرئیل سے نہایت قرابت قریبہ رکھتے تھے وہ اسماعیل کی اولاد تھے اور یہ اُس کے بھائی اسحاق کی ۔ وہ اَن پڑھ جاھل تھے اور یہ لکھے پڑھے قابل ۔ پس یہ ایک قدرتی و طبعی بات تھی کہ جس بات سے وہ نا واقف ھوں اپنے اسرائیلی بھائیوں سے اُس کو دریافت کریں یا جس بات کی تفصیل محمد رسول اللہ نے نہیں فرمائی تھی اس کا مفصل حال اپنے

اسرائیل بھائیوں سے پوچھیں ۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ حالات و تاریخی واقعات کی نسبت بنی اسرائیل سے روایت کرنے کو منع نہیں فرمایا تھا بلکہ اجازت دی تھی اور جس کسی بات میں کوئی خاص حکم نہ تھا تو یہود کے تتبع کو جو اہل کتاب تھے مناسب سمجھا تھا ۔ پس جب کہ مسلمانوں کو اپنے پیغمبر کے نسب نامہ لکھنے کا خیال ہوا جس کا کبھی مذکور آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی زندگی میں نہ ہوا تھا تو بلا شبہ انھوں نے یہودیوں اپنے اسرائیلی بھائیوں سے جو لکھے پڑھے تھے اور جن کے ہاں تاریخ نویسی اور نسب ناموں کی تحریر کا بھی سلسلہ جاری تھا مدد لی اور ان کی کتابوں کی بھی تحقیق کی اور نسب نامہ مرتب کیا اور یہی وجہ ہوئی کہ بہ سبب مشابہ ہونے حروف تہجی عبری کے پھر اس کی دوسرے خط کوفی میں نقل ہونے پھر خط ثلث میں نقل ہونے اور پھر موجودہ خط عربی میں نقل ہونے سے الفاظ کا الٹ پھیر و تلفظ کا ادل بدل ہوا اور کاتبین کی غلطی سے کوئی نام رہ گیا کوئی بڑھ گیا جو منشاء اختلاف ہے ۔ مگر جب کمال غور و فکر سے اس پر لحاظ کیا جاوے تو اس کی صحت بخوبی ہو سکتی ہے جیسے کہ بقدر اپنے فہم کے ہم نے کی ہے ۔ چناں چہ انھی واقعات کا ذکر و اقدی نے اپنی کتاب میں کیا ہے کہ میں نے اس بات میں کہ معد اولاد قیدار بن اسماعیل میں ہے کسی کا اختلاف نہیں دیکھا اور یہ اختلاف جو آپ کے نسب میں ہے اس بات کی دلیل ہے کہ اہل عرب کو یا مسلمانوں کو نسب نامہ یاد نہیں تھا انھوں نے یہ نسب نامہ اہل کتاب سے لیا ہے انھوں نے

و لم اربینھم اختلافاً ان معد من اولاد قیدار بن اسماعیل و ھذ الاختلاف فی نسبہ یدل علی انہ لم

يحفظ و انما اخذ ذلک من اهل الکتاب و ترجموه لهم فاختلفوا فيه ولوصح ذلک کان رسول الله اعلم الناس به فالامر عندنا على الانتهاء الى معد ابن عدنان ثم الامساک عماوراء ذلک الى اسماعيل بن ابراهيم - (کاتب لواقدی)

اُس کو ترجمه کر دیا اور پهر اُن کو اُس میں اختلاف هوگیا اور اگر یه نسب نامه صحیح هوتا تو رسول خدا صلی الله علیه وسلم سب لوگوں سے زیاده اُس کے جاننے والے تھے - پس همارے نزدیک بهتر یه هے که معد ابن عدنان تک ٹهیر جانا چاهیے اور اس سے آگے اسماعیل تک کچھ نه کهنا چاهیے -

واقدی کے اس فقره کو سر ولیم میور نے بهی اپنی کتاب لائف آف محمد میں نقل کیا هے مگر اس میں کوئی ایسی بات جس میں آنحضرت صلی الله علیه وسلم کے اولاد اسماعیل هونے میں شبه پڑے نهیں هے یه بات سچ هے که هم کو نسب نامه ابراهیم تک یاد نه تها - یه بهی سچ هے که هم نے یهودیوں سے جو همارے اسرائیلی بهائی هیں یا اُن کی کتابوں سے اُس کی تحقیق کرنے پر مدد لی هے - جو وجه اختلاف هم نے بیان کی هے اُسی کی طرف واقدی نے بهی اشاره کیا هے یه بهی سچ هے که رسول خدا صلی الله علیه وسلم اعلم الناس تهے اگر اُن کے سامنے اس کا تذکره هوتا یا اُس کے بیان کرنے کی ضرورت هوتی یا آنحضرت سے پوچها جاتا تو خدا کی هدایت سے بالکل صحیح و درست بتلا دیتے - مگر نه اُس کی ضرورت هوئی نه آنحضرت صلی الله علیه وسلم سے پوچها گیا اور اسی وجه سے هم کو اور ذریعوں سے تحقیق کرنے کی بهی ضرورت پڑی باقی جو کچھ واقدی نے کها هے وه خاص واقدی کی رائے هے - اُس کے نزدیک معد بن عدنان تک

نسب نامہ کی تحقیقات میں کچھ شبہ نہیں رہا اُس سے زیادہ اُس کو تحقیق نہیں ہوا اس لیے وہ کہتا ہے کہ معد بن عدنان سے زیادہ بیان کرنا کچھ ضرور نہیں مگر ہماری تحقیق یہ ہے کہ برخیا کاتب الوحی ارمیا نبی کا لکھا ہوا شجرہ صحیح ہے اور وہ اسماعیل ابن ابراہیم تک پہنچا ہوا ہے ۔

سر ولیم میور صاحب کا یہ کہنا ہم دل سے قبول کرتے ہیں کہ ''یہ بات صاف صاف تسلیم کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ عدنان تک خاص عرب کی ملکی روایتوں سے لیا گیا ہے اور عدنان سے آگے یہودیوں سے'' مگر ہماری تحقیق اور سر ولیم میور کی تحریر میں اتنا فرق ہے کہ وہ اس عدنان تک عرب کی ملکی روایتوں کا نسب نامہ بتلاتے ہیں جو ہمارے مرتبہ کرسی نامہ میں پچاس نمبر پر ہے اور ہم اُس عدنان تک ملکی روایتوں کا نسب نامہ قبول کرتے ہیں جو اکتالیس نمبر پر ہے اور باقی کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہود کی تاریخ سے لیا ہوا ہے ۔

ہم کو اس بات کے دیکھنے سے نہایت تعجب ہوتا ہے کہ عیسائیوں نے اپنی کتابوں اور تحریر میں کیوں اس امر کے ثابت کرنے میں بے فائدہ سعی کی ہے اور اپنا وقت ضائع کیا ہے اور قوائے عقلیہ و دماغیہ کو صرف کیا ہے ۔ جس سے ہم مسلمان کبھی منکر نہیں ہوئے یعنی یہ امر کہ یہودیوں اور مسلمانوں کے مذہب میں ایک تعلق ہے اور پچھلا پہلے پر مبنی ہے اور جب وہ اس امر کو نہایت سعی بے حاصل سے ثابت کر چکتے ہیں تو از راہ طعن ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ ہم نے فلاں فلاں بات یہودیوں کے مذہب سے لی ہے گویا مذہب اسلام میں ایسی بات نہیں ہے جو خود وہ اپنے اصول پر قائم ہو ۔ بلکہ

یہودیوں کے ہاں سے چرایا ہوا ہے اور جیسے کہ مذہب عیسائی
بالکل مذہب یہود کا محتاج ہے ویسا ہی مذہب اسلام بھی مذہب
یہود کا محتاج ہے - اگرچہ یہ امر کہ کون سا مذہب مسلمانی یا
عیسائی زیادہ تر بلکہ بالکل مذہب یہود کا محتاج ہے ہر ایک پر
روشن ہے مگر ہم خوشی سے اس امر مذکور کو تسلیم کریں گے
کیونکہ جو مشابہت ان دونوں ربانی الہامی مذہبوں میں پائی
جاتی ہے اس سے انکار کرنے کے بدلے ہم اس کو اپنا نہایت فخر
سمجھیں گے کہ ہم مسلمان ہی ہیں جو ہر ایک سچے اور خدا کے
بھیجے ہوئے نبی کے سچے پیرو ہیں - ہم ہی یقین کرتے ہیں
کہ آدم و نوح اور ابراہیم و یعقوب و اسحاق و اسماعیل و موسیٰ و
عیسیٰ اور محمد صلواۃ اللہ علیہم اجمعین سب کا ایک ہی دین تھا -
ہمارے پیغمبر کو خدا نے فرمایا کہ " یہودیوں اور عیسائیوں سے
کہہ دے کہ ایک بات کو     قل یا اهل الکتاب تعالوا
مان لو جو تمہارے ہاں بھی     الی کلمة سواء بیننا و بینکم
وہی ہے اور وہ یہ ہے کہ     ان لا نعبد الا الله - (قرآن)
خدا کے سوا اور کسی کو مت پوجو" ہم مسلمانوں کا ذاتی فخر
بھی ہے کہ ہم یہودیوں سے زیادہ موسیٰ کلیم اللہ کے اور
عیسائیوں سے زیادہ عیسیٰ روح اللہ کے پیرو ہیں جنھوں نے
یحییٰ و عیسیٰ اور محمد رسول اللہ کے مبعوث ہونے کی خبر دی تھی
اور ان کی پیروی کی ہدایت کی تھی مگر یہودیوں نے ان تینوں
کو اور عیسائیوں نے اس پچھلے کو جس پر ایمان کا خاتمہ تھا
نہ مانا - مگر سچی پیروی موسیٰ و عیسیٰ کی ہم مسلمانوں ہی
نے کی -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ کی نسبت کیا
بے ہودہ گفتگو عیسائیوں نے کی ہے خدا تعالیٰ کے اس وعدہ کا

پورا ہونا جو اُس نے بنی اسرائیل سے موسیٰ کی زبانی کیا کہ ” میں تمھارے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں سے موسیٰ کی مانند ایک نبی پیدا کروں گا“ کچھ اس بات پر منحصر نہ تھا کہ بنی اسماعیل کی نسلیں محمد سے لے کر اسماعیل تک ہم کو کامل ترتیب اور پوری تعداد سے یاد ہوں اور نہ اس بات پر اس کا انحصار تھا کہ وہ کرسی نامہ ہم عرب کی ملکی روایتوں سے یاد کریں یا یہود کی روایتوں اور برخیا کاتب الوحی ارمیا نبی کی تحریروں سے ۔ وہ تو اسماعیل کی اولاد میں سے ایک کے لیے ہونا تھا سو محمد رسول اللہ کی نسبت پورا ہوا ۔ تمام عرب اور یہود اور عرب کے قرب و جوار کی تمام قومیں اور تمام اگلے اور پچھلے مؤرخ خواہ وہ عرب کے رہنے والے ہوں یا کسی اور ملک کے مسلمان ہوں یا کسی اور مذہب کے اس بات میں ذرا بھی شبہ نہیں رکھتے بلکہ بالکل تسلیم کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ بنی ہاشم قریش اسماعیل ابن ابراہیم کی اولاد میں ہیں ۔ محمد رسول اللہ نے قریش کو پکار کر مخاطب کیا کہ ” ابیکم ابراھیم“ جس کو سب نے تسلیم کیا اور کون ایسا شخص ہے کہ جس میں اس قدر جرأت ہو کہ وہ سچ بات کو تسلیم نہ کرے ۔ چناں چہ ہم اس مقام پر چند رائیں عالم مورخوں کی نقل کرتے ہیں ۔ ابو الفدا لکھتا ہے

| | |
|---|---|
| و نسبه صعلعم الی | کہ ” نسب آنحضرت صلی اللہ |
| عدنان متفق علیه من | علیہ وسلم کا عدنان تک |
| غیر خلاف و عدنان من | متفق علیہ ہے بغیر اختلاف کے |
| ولد اسماعیل بن ابراهیم | اور اس میں بھی کہ عدنان |
| الخلیل علیه السلام من | اولاد اسماعیل ابن ابراہیم میں |
| غیر خلاف لکن الخلاف | ہے ۔ کچھ اختلاف نہیں ہے |
| فی هذه الا باء الذین بین | لیکن اُن پشتوں کی تعداد میں |

عدنان و اسماعیل فعد اختلاف ہے جو عدنان اور
بعضہم منہا نحو اسماعیل کے درمیان میں ہیں ۔
اربعین رجلا وعد بعضہم پس بعضوں نے تو چالیس
سبعۃ ۔ (ابوالفدا) پشتوں کے قریب گنی ہیں اور
بعضوں نے سات'' جن لوگوں نے جس شبہ سے سات گنی تھیں
اس کی تفصیل ہم اوپر بیان کر چکے ہیں پس اصل میں وہ بھی
کچھ اختلاف نہ تھا بلکہ صرف سمجھ کی غلطی تھی ۔

مشہور مؤرخ مسٹر گبن جو تمام عالم میں مشہور ہے لکھتا
ہے کہ '' محمد کو حقیر اور مبتذل نسل سے کہنا عیسائیوں کا ایک
احمقانہ افترا ہے ۔ ایسا افترا کرنے سے بجائے اس کے کہ اپنے
مخالف کی خوبیوں کو گھٹاویں اس کی خوبیوں کو اور زیادہ
بڑھاتے ہیں ۔ اسماعیل سے ان کی نسل کا ہونا ایک قومی تسلیم کی
ہوئی بات اور ملکی روایت سے ثابت شدہ امر ہے ۔ بالفرض اگر
کرسی نامہ کی پہلی نسلیں بخوبی معلوم نہ ہوں اور ابہام میں ہوں
تو اور بہت سی پشتیں ایسی ہیں جو صاف صاف شریف و نجیب
ہیں وہ قریش اور بنی ہاشم ہیں جو اہل عرب میں نہایت نامی
اور مکہ کے فرماں روا اور کعبہ کے موروثی محافظ تھے ۔''

رورنڈ مسٹر فارسٹر صاحب بھی یہی گواہی دیتے ہیں اور
ان کی گواہی ایسی ہے جو غالباً انھوں نے خوشی سے نہ دی
ہوگی وہ لکھتے ہیں کہ '' اب تک ہم نے قیدار کا سراغ قدیمی
جغرافیہ سے لگایا ہے اب اس بات کا دیکھنا باقی ہے کہ قدیمی
روایتوں کو عرب کی روایتوں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے کیا
ثبوت حاصل ہو سکتا ہے ۔ کیوں کہ یورپ کے نکتہ چینوں کی
رائے میں عرب کی ایسی روایت جس کی تائید میں اور کوئی ثبوت
نہ ہو گو کیسے ہی اعتراض کے قابل ہو مگر روایت کی جانچ

اور پڑتال کے جو قوانین مسلمہ ہیں اُن کے مطابق اُن پر غور کرنے سے اس بات کا انکار کرنا نا ممکن ہے کہ وہ روایت مذہبی اور دنیاوی دونوں طرح کی تاریخ کے مطابق ہے خاص عرب کے لوگوں کی یہ خاص قدیمی روایت ہے کہ قیدار اور اُس کی اولاد ابتداء میں حجاز میں آباد ہوئی تھی - چناں چہ قوم قریش اور خصوصاً مکہ کے بادشاہ اور کعبہ کے متولی ہمیشہ اس بزرگ کی نسل میں ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور خاص حضرت محمدؐ نے اسی بنیاد پر کہ اسماعیل کی نسل اور قیدار کی اولاد ہیں اپنی قوم کی دینی اور دنیوی عظمتوں کے استحقاق پر تائید کی ہے -"

صرف سر ولیم میور نے اپنی کتاب لائف آف محمد میں علماء کی متفق رائے سے اختلاف کیا ہے ہم اُس اختلاف کے جانچنے پر مستعد و آمادہ ہیں - اُنھوں نے صرف اپنی قیاسی باتوں سے اُن حقیقتوں پر اعتراض کیا ہے جو آفتاب کی طرح روشن ہیں اور مذہبی اور دنیوی دونوں طرح سے بلا کسی شبہ کے ثابت ہوتی ہیں چناں چہ سر ولیم میور کہتے ہیں کہ "جو کوششیں ہمیشہ مذہب اسلام کی روایتوں اور عرب کے قصوں کو توریت اور یہودیوں کی روایتوں سے مطابق کرنے کے واسطے لی گئی ہیں اُس کو بھی ہم اُسی سبب سے منسوب کر سکتے ہیں - اس کلیہ کو خاص حضرت محمدؐ کے حالات سے بہت کم تعلق ہے لیکن وہ اُن کے بزرگوں اور عرب کی قدیمی روایتوں سے ایک وسیع اور موثر تعلق رکھتا ہے - یہ خواہش کہ مذہب اسلام کے پیغمبر کو اسماعیل کی اولاد میں سے خیال کیا جاوے اور غالباً یہ کوشش کہ وہ اسماعیل کی اولاد میں سے ثابت کیے جاویں اُن کی حین حیات میں پیدا ہوئی تھی اور اس طرح پر محمد کے ابراهیمی نسب نامہ کے ابتدائی سلسلے گھڑے گئے تھے اور اسماعیل اور

بنی اسرائیل کے بے شمار قصے نصف یہودی اور نصف عربی سانچے
میں ڈھالے گئے تھے۔"

مگر سر ولیم میور کے اس خیال کی غلطی کیسی علانیہ
ظاہر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کبھی اس
بات کا خیال بھی نہیں ہوا کہ کوئی نسب نامہ ابراہیم تک درست
کیا جاوے نہ کبھی اس بات کا دھیان ہوا کہ آنحضرت کو
اولاد ابراہیم ثابت کرنے میں کوشش ہو۔ یہ ایک ایسی بات
ثابت شدہ و محقق تھی کہ جس میں کسی کو کسی جدید ثبوت کے
تلاش کی حاجت نہ تھی۔ کیا آفتاب نصف النہار کے اثبات کا دن
دھاڑے کسی کو خیال آ سکتا ہے؟ تمام قرآن مجید میں کہیں اس
بات پر زور نہیں ڈالا گیا۔ تمام معتبر کتابیں حدیثوں کی اس
مباحثہ سے خالی ہیں چند نا معتبر روایتیں جو کئی صدی بعد وفات
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہوئیں اور اُس وقت پیدا ہوئیں
جب کتابوں کی تصنیف کا سلسلہ شروع ہوا اور مصنفوں نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ لکھنا چاہا۔ اُن کا بھی
سلسلہ سند آنحضرت تک نہیں پہنچایا گیا پس یہ قیاس کرنا کیسا
غلط قیاس ہے کہ یہ خواہش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
زندگی میں پیدا ہوئی تھی۔ ہمارے علماء نے جب آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا نسب نامہ لکھنا چاہا تو اُس کی تحقیقات کی اور
اُس کی نسبت جو اُن کی رائے اور تحقیقات ہوئی بلا کسی تامل کے،
بلا کسی خیال کے، بلا کسی تردد کے، بلا کسی دھکڑ پکڑ کے،
نہایت بے پرائی اور سادگی و صفائی سے لکھ دی جس سے خود یہ
بات ثابت ہوئی کہ مسلمانوں کے دل میں نہ کبھی اس امر میں
شبہ تھا نہ اُن کو تردد تھا نہ کبھی اُن کو اس بات کے ثابت
کرنے کی فکر تھی اور نہ کبھی وہ چوری و فریب اُن کے دل

میں تھا اور نہ کبھی اُس کے ثبوت کے درپے تھے جس کا قیاس سر ولیم میور نے اپنی رائے میں کیا ہے پس وہ اُن کا قیاس محض غلط ہے اور مطلق اعتبار کے لائق نہیں ہے ۔

آنحضرت کا نسب نامہ

اب ہم اس مضمون کے خاتمہ میں اپنے پیغمبرؐ کا نسب نامہ جس طرح پر کہ ہم نے تحقیق کیا مندرج کرتے ہیں اور جو کہ مجھ کو بھی اس بات کا فخر حاصل ہے کہ میں بھی اُسی آفتاب عالم تاب کے ذروں میں سے ہوں اس لیے اپنے نسب نامہ کو بھی اُس کے ساتھ شامل کر دیتا ہوں تاکہ جو روحانی ارتباط مجھ کو اس سرور دو جہان سے ہے اور جو خون کا اتحاد مجھ میں اور اس سرور عالم میں ہے اور جس کے سبب ''لحمک لحمی دمک دمی'' کا ہمارا موروثی خطاب ہے اس ظاہری ارتباط سے بھی معزز ہو جاوے ۔

گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ
ذرہ آفتاب تابانیم

## نسب نامۂ محمد رسول اللہ تا حضرت ابراہیمؑ مع نسب نامۂ سرسید تا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱- ابینا ابراہیم ۱۹۹۶ قبل مسیح
|
۲- اسماعیل ۱۹۱۰ قبل مسیح
|
۳- قیدار
|
۴- عوام
|
۵- عوص اول
|
۶- مر
|
۷- سمائے
|
۸- رزاخ
|

۹- ناجب
|
۱۰- معصر
|
۱۱- ابہام
|
۱۲- افتاد
|
۱۳- عیسیٰ
|
۱۴- حسان
|
۱۵- عنقا
|
۱۶- ارعوا
|
۱۷- بلخی
|
۱۸- بجرے
|
۱۹- ہری
|
۲۰- یسن
|
۲۱- حمران
|
۲۲- الرعا
|
۲۳- عبید
|
۲۴- عنف

۲۵- عسقی
|
۲۶- ماحی
|
۲۷- ناحور
|
۲۸- فاجم
|
۲۹- کالح
|
۳۰- بدلان
|
۳۱- بلدارم
|
۳۲- حرا
|
۳۳- ناسل
|
۳۴- ابی العوام
|
۳۵- متساویل
|
۳۶- برو
|
۳۷- عوص دوم
|
۳۸- سلامان اول
|
۳۹- الہمیسع اول

۴۰- ادد اول

۴۱- عدنان اول ۶۰۰ قبل مسیح

۴۲- معد اول ۵۸۸ قبل مسیح همعصر ارمیا نبی

۴۳- حمل

۴۴- نابت

۴۵- سلامان دوم

۴۶- الهمیسع دوم

۴۷- الیمسع

۴۸- ادد دوم

۴۹- اد

۵۰- عدنان دوم

۵۱- معدثانی

۵۲- نزار

۵۳- مضر

۵۴- الیاس

۵۵- مدرکہ

۵۶- خزیمہ

۵۷- کنانہ

۵۸- النضر

۵۹- مالک

۶۰- فہر

۶۱- غالب

۶۲- لوے

۶۳- کعب

۶۴- مرہ

۶۵- کلاب

قصی

۶۶- عبد مناف

۶۷- ہاشم

۶۸- عبد المطلب

۶۹- عبد اللہ

محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم

۲- فاطمہ زہرا
امیر المومنین علی
ابن ابی طالب
ابن عبد المطلب

۳- امام حسین
۴- امام زین العابدین
۵- امام محمد باقر
۶- امام جعفر صادق
۷- امام موسیٰ کاظم
۸- امام علی موسیٰ رضا
۹- امام محمد تقی
۱۰- سید موسیٰ مرفع
۱۱- سید ابی عبد اللہ احمد
۱۲- سید محمد اعرج
۱۳- سید محمد احمد
۱۴- سید احمد

۱۵- سید موسیٰ
۱۶- سید احمد
۱۷- سید محمد
۱۸- سید علی
۱۹- سید جعفر
۲۰- سید محمد
۲۱- سید عیسیٰ
۲۲- سید ابوالفتح
۲۳- سید علی
۲۵- سید بہار حسین
۲۶- سید کاظم الدین حسین
۲۳- سید جعفر
۲۷- سید باقر
۲۸- سید موسیٰ
۲۹- سید شرف الدین حسین
۳۰- سید ابراهیم

٣١- سید حافظ احمد
٣٢- سید عزیز
٣٣- سید محمد دوست
٣٤- سید برہان
٣٥- سید محمد عماد
٣٦- سید محمد ہادی
سید محمد مہدی
٣٧- سید محمد متقی
٣٨- سید محمد
سید احمد
سر سید
ولادت
سید محمد احمد
ولادت ٨ ربیع الاول ١٢٥٩ھ
مطابق ٩ مئی ١٨٤٣ء
٥ ذی الحجه ١٢٣٢ھ
مطابق ١٧ اکتوبر ١٨١٧ء
٣٩- سید حامد
ولادت
٢٤ صفر ١٢٦٥ھ
مطابق
٢٠ جنوری ١٨٤٩ء
سید محمود
ولادت
١١ رجب ١٢٦٦ھ
مطابق
٢٣ مئی ١٨٥٠ء

(۱۰)

# آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات توریت و انجیل میں

یجدونہ مکتوبا عند ھم فی التوراۃ و الانجیل

توریت ز وصف تست معمور
انجیل ز نام تست مشہور

قرآن مجید کے بموجب ہم مسلمان اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ توریت اور انجیل دونوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے کی ایسی صاف صاف بشارتیں مذکور ہیں جن میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا ۔

خدا تعالیٰ سورہ اعراف میں فرماتا ہے کہ "جو لوگ

| | |
|---|---|
| الذین یتبعون | کہنا مانتے ہیں رسول بن پڑھے |
| الرسول النبی الامی | نبی کا جس کا ذکر اپنے پاس |
| الذی یجدونہ مکتوبا | لکھا پاتے ہیں توریت اور انجیل |
| عندھم فی التوراۃ و الا | میں وہ آن کو اچھی باتوں کے |
| نجیل یامرھم بالمعروف | کرنے کو کہتا ہے اور بری |
| و ینھاھم عن المنکر و | باتوں کے کرنے سے منع کرتا |
| یحل لھم الطیبات و | ہے اور ستھری چیزوں کو |
| یحرم علیھم الخبائث | آن کے لیے حلال کرتا ہے اور |

و یضع عنهم اصرهم و الا غلال التی کانت علیهم فالذین امنوبه و عزروه و نصروه و اتبعوا النور الذی انزل معه اولئک هم المفلحون - (سوره اعراف ایت ١٥٦)

نا پاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور ان کا بوجھ ان پر سے اتارتا ہے اور جو مشقتیں ان کے گلے کا طوق ہو رہی تھیں ان کو دور کرتا ہے - پھر جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کا ادب کیا اور اس کی مدد کی اور اس نور کی تابعداری کی جو اس کے ساتھ اترا وہی لوگ ہیں نجات پانے والے -

پھر دوسری جگہ خدا تعالیٰ نے سورہ صف میں فرمایا ہے

و اذ قال عیسیٰ ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول‌الله الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراة و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد فلما جاء هم بالبینات قالوا هذا سحر مبین - (سوره صف آیت ٦)

که ” جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے کہ اے بنی اسرائیل بے شک مجھ کو خدا نے رسول کرکے تمھارے پاس بھیجا ہے تصدیق کرتا ہوا توریت کی جو میرے سامنے ہے اور بشارت دیتا ہوا ایک پیغمبر کی جو میرے بعد ہوگا اور اس کا نام احمد ہے - پھر جب وہ پیغمبر (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے پاس آیا کھلی ہوئی دلیلیں لے کر تو انھوں نے کہا یہ تو علانیہ جادو ہے -“

مسلمان کل عہد عتیق کو جس میں حضرت موسیٰ کی پانچوں کتابیں اور زبور و صحف انبیاء داخل ہیں توریت کہتے تھے کیوں کہ ان سب کے سرے پر جو کتاب تھی اس کا نام توریت تھا اور عہد جدید کی کتابوں کو سوائے اعمال و حواریوں کے

ناموں کے انجیل کہتے تھے۔ کیوں کہ وہ سب کتابیں انجیل کے نام سے موسوم تھیں۔ قرآن و حدیث میں بھی انھی معنوں میں لفظ توریت و انجیل کا وارد ھوا ھے۔ پس قرآن مجید سے یہ تو پایا گیا کہ توریت و انجیل میں ھمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ھے اور لقب بھی مذکور ھے۔ مگر یہ نہیں معلوم ھوا کہ کس جگہ توریت و انجیل میں یہ ذکر ھے۔ اس سبب سے مسلمان عالموں نے توریت و انجیل میں اُس کی تلاش شروع کی۔ مگر اُنھوں نے عہد عتیق و عہد جدید کی کتابوں کو نہایت ابتر و پریشان حالت میں پایا۔ کیوں کہ کوئی اصلی قلمی نسخہ توریت و انجیل کا دنیا میں موجود نہ تھا اور جس قدر نقلیں موجود تھیں وہ آپس میں نہایت مختلف تھیں۔ یہودیوں کے جو بڑے نامی دو مدرسے تھے تو جو کتابیں مشرقی مدرسہ میں مروج تھیں اُن میں اور مغربی مدرسہ کی کتابوں میں نہایت اختلاف تھا اور سامری یونانی زبان میں توریت کے جو ترجمے تھے وہ بھی آپس میں مختلف تھے اور جو ترجمے مشرقی زبانوں میں ھوئے تھے وہ بھی ایسے ھی مختلف تھے اور ھرگز یہ خیال نہیں ھو سکتا تھا کہ یہ سب ایک ھی اصلی کتاب کے ترجمے ھیں۔ علاوہ اس کے مسلمان عالم مذھبی روایتوں اور کلام الٰہی کی تصدیق کے لیے سند مسلسل کے عادی تھے اور ھر مسلمان اپنی مذھبی کتاب اور مذھبی روایت کو اپنے اُستاد اور اپنے اُستاد کے اُستاد (اور علیٰ ھذا القیاس) کی زبانی گواھی یا سند سے اصل تک اُس کا ثبوت رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ قرآن مجید کے بھی مکتوبی نسخوں کے بھروسہ پر نہ تھے بلکہ اُس کے ھر ھر لفظ کی اور زیر و زبر تک کی مسلسل سند اپنے پاس رکھتے تھے۔ مگر توریت و انجیل کی ایسی مسلسل سند بھی کوئی موجود نہ تھی بلکہ اُن موجودہ نقلوں کی صداقت کے لیے بھی

کوئی ایسا سلسله ثبوت کا جس سے کچھ شبه نه رہے موجود نه تھا علاوہ اس کے جب مسلمان عالموں نے توریت میں بعض مقام پر ایسی باتیں لکھی ہوئی پائیں جو نہایت اخلاق کے بر خلاف تھیں اور بعض نا پاک افعال پاک اور مقدس بزرگوں اور نبیوں کی طرف منسوب تھے جن کا واقع ہونا اُن بزرگوں سے مسلمان کسی طرح یقین نہیں کر سکتے تھے ۔ بلکه خود مذہب اسلام نے اُن کو تعلیم کی تھی که تمام انبیاء معصوم تھے اور افعال قبیحه ایسے پاک اور معصوم بزرگوں سے سرزد ہونے غیر ممکن ہیں تو وہ اُن مقاموں کو دیکھ کر نہایت حیران اور متعجب ہوگئے اور ان کے دل میں اس بات کا شبه پیدا ہوا که توریت و انجیل میں تحریف ہوئی ہے ۔

اور جب اُن کو قرآن مجید کی یه آیت یاد آئی که "یہودی یحرفون الکلم عن بدل ڈالتے ہیں لفظوں کو مواضعه ۔ (سوره نساء آیت اُن کی جگه سے" تو اُن کا وہ ۴۸ و سوره مائده آیت ۱۶) شبه درجه یقین کو پہنچ گیا اور اُنھوں نے توریت و انجیل میں زیاده تر تفتیش کرنے کی همت نه کی اور یه خیال کرکے که یہودیوں اور عیسائیوں نے توریت و انجیل میں تحریف کر دی ہے اور خصوصاً وہ مقامات جہاں جہاں ہمارے پیغمبر خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کی بشارتیں تھیں بدل دی ہیں تلاش کرنی چھوڑ دی اور اپنی کم محنتی اور کاہلی اور همت چھوڑ دینے کے الزام سے بچنے کے لیے تحریف کے الزام کو بطور سپر کے بنا لیا ۔

مگر یه خیال انھی لوگوں کا تھا جو علم اور تحقیق کے اعلیٰ درجه پر نہیں پہنچے تھے اور استقلال کے ساتھ تحقیقات بھی نہیں کی تھی بلکه اوپری اوپری باتوں میں پھنس رہے تھے ۔

برخلاف اس کے بڑے بڑے عالم اور فاضل اوز دین دار لوگ جن کا نام دنیا میں بھی مشہور تھا اور آخرت میں بھی مشہور ہوگا نہایت استقلال اور تحمل سے اس کی تحقیقات میں مصروف تھے اور اس کی جڑ تک پہنچ گئے تھے، اُن کا یہ قول تھا، کہ قرآن مجید میں جو تحریف کا الزام یہودیوں و عیسائیوں پر خدا نے لگایا ہے اُس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُنھوں نے جان بوجھ کر قصداً توریت و انجیل کے لفظوں کو بدل دیا ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ لفظوں کے معنی پھیر دیے ہیں۔ چناں چہ امام محمد اسماعیل بخاری رحمتہ اللہ نے بھی "یحرفون الکلم عن مواضعہ" کی تفسیر میں لکھا ہے "ای یاولونہ علی غیر تاویلہ" پس وہ لوگ تحریف لفظی کے قائل نہ تھے البتہ یہ بات تسلیم کے قابل تھی کہ قلمی نسخوں میں کاتبوں کی سہو اور غلطی سے بہت سی غلطیاں پڑ گئی تھیں اس لیے اُن بزرگوں نے پہلی قسم کے عالموں کی مانند ہمت نہیں ہاری اور تلاش و تفتیش سے باز نہیں رہے اور خدا تعالٰی نے اُن کی سعی کو مشکور کیا اور نہایت کام یابی سے اُنھوں نے توریت اور انجیل میں اور یہودیوں کی روایتوں میں وہ مقام ڈھونڈ نکالے جہاں پیغمبر خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی بشارتیں موجود تھیں۔ چناں چہ وہ سب روایتیں ہم مسلمانوں کی مذہبی کتابوں میں اور قرآن مجید کی تفسیر میں اور کتب سیر و تواریخ میں مندرج ہوتی چلی آتی ہیں۔

اگرچہ میں اُن بزرگ عالموں کی کوشش اور محنت کی نہایت قدر کرتا ہوں اور اُن بزرگوں کا مسلمانوں پر نہایت احسان مانتا ہوں اور اُن کو ہر طرح قابل ادب سمجھتا ہوں۔ مگر میں اپنے اس خطبہ میں اُن سب کا ذکر کرنا ضرور نہیں سمجھتا ہوں۔ کیوں کہ جو کچھ اُن عالموں نے اپنی انتھک محنت سے

نکالا ہے گو وہ کیسا ہی مفید ہو الاّ نقص سے خالی نہیں۔

اول ۔ تو یہ نقص ہے کہ وہ بزرگ ایک عام طور پر لکھ دیتے ہیں کہ یہ بشارت توریت میں ہے اور وہ بشارت انجیل میں ہے اور اُس خاص مقام کا جہاں سے وہ مطلب اخذ کیا ہے کچھ پتا و نشان نہیں بتلاتے ۔

دوم ۔ اُن بشارات کے بیان کرنے میں اُس خاص کتاب کا بھی نام نہیں بیان کرتے جہاں سے وہ بشارت نکالی ہے یعنی یہ نہیں بتلاتے کہ وہ بشارت حضرت موسیٰ کی کتابوں میں ہے یا زبور میں یا صحف انبیاء میں اور جو پرانے قدیم نسخے چلے آتے تھے اور جن میں اختلاف عبارت بھی تھا اور اُن کے جدا جدا نام تھے اُن میں سے بھی کسی نسخے کا نام نہیں بتلاتے کہ کون سے نسخہ میں یہ بشارت تھی اور نہ جس کتاب سے وہ بشارت لکھی ہے اس کی اصل عبارت نقل کرتے ہیں بلکہ اس کا مطلب اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں جو مذکورہ بالا نسخوں میں سے کسی کے ساتھ مطابق نہیں ہوتا ۔

سوم ۔ اُن کتابوں کے سوا جو اس وقت مجموعہ عہد عتیق اور عہد جدید میں داخل ہیں اور کتابیں بھی تھیں جو اب دست یاب نہیں ہوتیں یا غیر معتبر اور مشتبہ سمجھی جاتی ہیں اور اس سبب سے نہیں معلوم ہوتا کہ وہ بشارتیں جو اُن بزرگوں نے لکھی ہیں اور موجودہ نسخوں میں نہیں پائی جاتیں وہ کن نسخوں سے لی گئی ہیں ۔ یعنی اُن کتابوں سے جو اب دست یاب نہیں ہوتیں یا اُن سے جو غیر معتبر و مشتبہ سمجھی جاتی ہیں ۔

چہارم ۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ بعض بشارتیں کتابوں میں لکھی ہوئی موجود نہ تھیں ۔ بلکہ سینہ بسینہ بطور روایت کے چلی آتی تھیں جیسے کہ انجیل متی میں حضرت مسیح کے

ناصری کہلانے کی بشارت کا اس طرح پر ذکر ہے کہ ”وہ آیا اور اس شہر میں رہا جس کو ناصرہ کہتے تھے تا کہ وہ بشارت پوری ہو جو انبیاء کہتے آتے تھے کہ وہ ناصری کہلاوے گا“ (متی باب ۲-۲۳) - حالاں کہ یہ بشارت کسی نبی کی کتاب میں مندرج نہیں ہے پس وہ بشارتیں جن کو مسلمان عالموں نے زبانی روایتوں سے لیا ہے اُن کی بھی کوئی معتبر سند نہیں بتائی گئی تو وہ بھی نقص سے خالی نہیں اور اس لیے اُن کا بھی اس خطبہ میں ذکر کرنا کچھ مناسب نہیں -

پنجم - بعض بشارتیں اب بھی اُن کتابوں میں موجود ہیں جن کو عیسائی نا معتبر سمجھتے ہیں اور گو ہمارے پاس کافی ثبوت اس بات کا ہو کہ وہ صحیح ہیں لکن ہم اپنے اس خطبہ میں اُن کا بھی ذکر نہیں کرنے کے بلکہ صرف اُن ہی بشارتوں کا ذکر کریں گے جو موجودہ مجموعہ عہد عتیق اور عہد جدید میں موجود ہیں جس کو تمام یہودی اور عیسائی مانتے ہیں تا کہ کسی کو اُس میں دم مارنے کا مقام نہ رہے -

ششم - علاوہ اس کے موجودہ مجموعہ عہد عتیق اور عہد جدید میں دو قسم کی بشارتیں موجود ہیں - ایک ایسی ہیں کہ اگر بغیر تعصب و طرف داری و ضد کے اُن پر غور ہو اور اُن کے معنوں میں تحریف نہ کی جاوے تو وہ صاف صاف ہمارے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہیں اور دوسری قسم کی ایسی ہیں کہ اُن سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی پیغمبر کے ہونے کی بشارت ہے مگر یہ بات صاف نہیں معلوم ہوتی کہ کس پیغمبر کی بشارت ہے اور اس لیے ہر ایک قوم یہ دعویٰ کر سکتی ہے کہ وہ بشارت ہمارے پیغمبر سے متعلق ہے - اس قسم کی بشارتیں بھی جھگڑے سے خالی نہیں اس لیے میں اُن کا بھی

اس خطبہ میں ذکر نہیں کرنے کا - پس ہمارے اس خطبہ کے پڑھنے والے خیال کریں گے کہ بوجوہات مذکورہ بالا جس قدر بشارتوں کو میں نے چھوڑ دیا ہے اُن کی تعداد بمقابل اُن بشارتوں کے جن کا اس خطبہ میں ذکر کیا بہت زیادہ ہے -

توریت و انجیل میں آنے والے پیغمبر کی بشارتیں ایسی مہمل اور مجمل طور سے بیان ہوئی ہیں کہ پہیلی اور معمے کی مانند ہوگئی ہیں اور جب تک اُن کی تشریح نہ کی جاوے اور اُن کا حل نہ بتایا جاوے تو اُن کا مطلب ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آ سکتا - پس اگر ہم یکایک جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں کو بیان کرنا شروع کر دیں تو ضرور بعض لوگوں کے دل میں خیال جاوے گا کہ یہ کیسی مجمل اور مشکل بشارت ہے - اس لیے ہم اُن بشارتوں کا ذکر کرتے ہیں جو حواریوں کے کہنے کے مطابق عہد عتیق میں حضرت عیسیٰؑ کی نسبت آئی ہیں اور اُس کے بعد اُن بشارتوں کو لکھیں گے جو توریت اور انجیل میں جناب پیغبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آئی ہیں - اس سے دو فائدے حاصل ہوں گے - ایک تو یہ کہ ہمارے اس خطبہ کے پڑھنے والے اب اس بات سے واقف ہو جاویں گے کہ بشارتوں کے بیان کرنے کا کیا طریقہ ہے اور کس طرح کنایہ اور اشارہ سے بطور پہیلی یا چیستاں کے بیان ہوتی ہیں دوسرے یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت جو بشارتیں ہیں اور جو بشارتیں کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہیں اُن کے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہمارے پیغمبر صاحب کی بشارتیں حضرت عیسیٰؑ کی بشارتوں کی بہ نسبت بہت زیادہ روشن اور نہایت صاف صاف ہیں جن کی صحت کو مخالف کا دل بھی قبول کر لیتا ہے -

# حضرت عیسیٰ علیه السلام کی نسبت یه بشارتیں هیں جو ذیل میں لکھی جاتی هیں

۱۔ جب احاز یہود کے بادشاہ پر رصین بادشاہ ارم اور پقح بادشاہ رملیہ بادشاہ اسرائیل ۔ چڑھائی کی تو احاز بادشاہ یہودا بہت گھبرایا ۔ اُس زمانہ میں حضرت اشعیاہ پیغمبر تھے اُن سے التجا کی انھوں نے احاز کو تسلی دی اور فرمایا کہ تو خوف نہ کر تیرے دشمن تجھ پر غالب نہ هوں گے اور اُس خوف کے رفع هونے کی مدت اور اپنے قول کی صداقت کا یہ نشان بتایا ''ایک کواری کو حمل رهے گا اور وہ بیٹا جنے گی اور اُس کا نام عمانوئیل رکھا جاوے گا اور جب وہ ذرا هوشیار هوگا تو جو خوف تجھ کو دشمنوں سے هے جاتا رهے گا اور تیرے لیے بہت اچھے دن آویں گے'' (یہ مضمون اشعیاہ نبی کی کتاب کے ساتویں باب میں مندرج هے) پھر اُسی کتاب کے آٹھویں اور نویں باب میں مذکور هے کہ وہ لڑکا پیدا هوا جس کا نام ماهیر شالال هاشبز ، رکھا گیا اور جب وہ هوشیار هوا تو احاز کو دشمنوں کا جو خوف تھا جاتا رها۔

باایں همه انجیل متی میں لکھا هے کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰ[۱] کی هے جو کواری مریم سے پیدا هوئے هیں چناں چہ سینٹ متی فرماتے هیں کہ ''جب حضرت مسیح کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ هوئی تو اس سے پہلے کہ وہ هم بستر هوں روح قدس سے حاملہ پائی گئی تب اُس کے شوهر یوسف نے جو راستباز تھا نہ چاها کہ اس کی تشہیر کرے۔ ارادہ کیا کہ اُسے چپکے سے چھوڑ دے ۔ وہ ان باتوں کے سوچ میں تھا کہ خداوند کے فرشتہ نے اس پر خواب میں ظاهر هو کے کہا ، اے یوسف داؤد کے بیٹے اپنی جورو مریم کو اپنے هاں لانے سے

مت ڈر کیوں کہ جو اُس کے پیٹ میں ہے سو روح قدس سے ہے اور وہ بیٹا جنے گی تو اُس کا نام یسوع رکھنا کیوں کہ وہ اپنے لوگوں کو اُن کے گناہوں سے بچاوے گا یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا پورا ہوا ۔ کہ دیکھو ایک کواری پیٹ سے ہوگی اور بیٹا جنے گی ، اور اس کا نام عما نوئیل رکھیں گے ، جس کا ترجمہ یہ ہے ، خدا "ہمارے ساتھ" (انجیل متی باب ۱—۱۸ ، لغایت ۲۲) ۔

پس اب غور کرنا چاہیے کہ یہ کیسی مجمل اور مشتبہ پیشین گوئی ہے اور کس وقت اور کس مطلب کے لیے کی گئی تھی ۔ مگر حضرت متی نے اس کو اشارۃً و کنایۃً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت قرار دی ہے ۔

۲۔ حضرت میکا نبی نے بہت سی باتیں آئندہ کی اشارات و کنایات میں کہی ہیں کہ یہ ہوگا اور وہ ہوگا اس میں انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ "اے بیت لحم افراتاہ اگرچہ تو یہودا کے ہزاروں مین چھوٹا ہے لیکن میرے لیے ایک شخص جو بنی اسرائیل میں سلطنت کرے گا اور اُس کا ہونا بہت قدیم زمانہ سے مقرر ہو چکا ہے تجھ میں سے نکلے گا" (کتاب میکاہ ، باب ۵—۲) ۔

حضرت متی فرماتے ہیں کہ یہ پیشین گوئی بھی حضرت مسیح کی ہے کیوں کہ جب ہیردو بادشاہ نے سردار کاھنوں اور یہودیوں کے فقیہوں کو جمع کرکے پوچھا کہ مسیح کہاں پیدا ہوگا تو اُنھوں نے میکاہ نبی کی کتاب کی اس آیت پر استدلال کرکے کہا کہ بیت لحم مین پیدا ہوگا (انجیل متی باب ۲—۳ ، لغایت ٦) اور جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت لحم میں پیدا ہوئے اور گو دنیاوی سلطنت اُن کو بنی اسرائیل پر نہیں ہوئی

مگر سینٹ متی نے سلطنت کو روحانی سلطنت قرار دیا اور اس پیشین گوئی کو حضرت عیسیٰ کے ہونے کی پیشین‌گوئی ٹھیرایا ۔

حضرت ہوشیع نبی نے لغز[1] و کنایہ میں کچھ فرماتے فرماتے یہ فرمایا کہ ”جب اسرائیل بچہ تھا اُس کو میں پیار کرتا تھا اور اپنے بیٹے کو میں نے مصر سے بلایا“ (کتاب ہوشیع ، باب ۱۱—۱) ۔

۳۔ حضرت متی فرماتے ہیں کہ یہ بھی حضرت عیسیٰ کے متعلق بشارت ہے کیوں‌کہ جب ہیرذو نے حضرت عیسیٰ کے پیدا ہونے کے بعد اُن کے مار ڈالنے کے لیے اُن کی تلاش کی تو خداوند کے فرشتے نے خواب میں یوسف سے کہا کہ ”اُٹھ اس لڑکے کو اور اُس کی ماں کو لے کر مصر کو بھاگ جا“ (متی باب ۲—۱۳ ، لغایت ۱۵) اور جو کہ ہیردو بادشاہ کے مرنے کے بعد حضرت عیسیٰ مصر سے واپس آئے تھے تو صرف اتنے ہی لگاؤ پر سینٹ متی نے اس بشارت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق کر دیا (متی باب ۲—۱۹ ، لغایت ۲۱) ۔

۴۔ حضرت یرمیا نبی نے بنی اسرائیل کی مصیبتوں کو بیان کرتے کرتے یہ فرمایا کہ ”خداوند فرماتا ہے کہ راماہ میں دھاڑیں مار کر رونے اور نالہ کرنے کی آواز سنائی دیتی ہے کہ راحیل اپنے بیٹوں کے لیے روتی ہے اور تسلی نہیں پاتی کیوں کہ وہ نہیں ہیں (کتاب یرمیا باب ۲۱—۱۵) ۔

حضرت متی فرماتے ہیں کہ یہ بھی ایک بشارت حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے کیوں کہ جب ”حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تو ہیرود بادشاہ نے اس شبہ میں کہ کون سا بچہ ہے جو عیسیٰ

---

۱۔ لغز ۔ بہ‌ضم اول و سکون غین معجمہ و بعدہ زائے معجمہ ۔ کلام مبہم ۔ چیستان ۔

ھوگا بیت لحم اور اس کی سرحدوں کے سب لڑکوں کو جو دو برس کے اور اس سے چھوٹے تھے قتل کروایا'' (انجیل متی، باب ۲—۱۶)۔

اب سینٹ متی نے صرف اس قدر لگاؤ سے کہ ان بچوں کے مارے جانے سے راماہ میں رونا اور پیٹنا ھوا فرمایا کہ یہ پیشین گوئی حضرت عیسیٰ کے متعلق ھے (انجیل متی، باب ۲—۱۷—۱۸)۔

۵۔ حضرت اشعیاہ پیغمبر نے یہ بیان کرتے کرتے کہ ''اب بیت المقدس (اورشلیم) میں تکلیف باقی نہ رھے گی'' یہ بھی فرمایا کہ '' تنگی کی ظلمت جس میں زمین مبتلا ھوتی ھے باقی نہ رھے گی جس طرح کہ اگلے زمانہ میں زبولوں کی زمین اور نفتالی کی زمین کو حقیر کرکے آخرکار اسی طرح دریائے اردن (فرات) کے کنارے جلیل میں بڑے قبیلے ھوں گے جو قوم کہ اندھیرے میں چلتی ھے نور عظیم دیکھے گی اور موت کے سایہ کی زمین کے رھنے والوں پر ایکہ نور چمکے گا'' (کتاب اشعیاہ، باب ۹—۱ و ۲)۔

حضرت متی فرماتے ھیں کہ یہ بشارت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ھے کیوں کہ جب حضرت عیسیٰ نے سنا کہ یحییٰ پیغمبر گرفتار ھو گئے تو وہ جلیل کو چلے گئے اور ناصرہ کو چھوڑ کر کفرناحوم میں جو دریا کے کنارے زبولوں اور نفتالی کی سرحدوں میں ھے جا رھے (متی باب ۴—۱۲ و ۱۳)۔

سینٹ متی نے صرف اتنی بات پر کہ حضرت عیسیٰ دریا کے کنارے جا رھے تھے حضرت اشعیاہ نبی کے اس قول کو حضرت عیسیٰ کی بشارت قرار دیا (انجیل متی، باب ۴—۱۴، لغایت ۱۶)۔

۶۔ حضرت ملاکی نبی نے اسرائیل کو خدا کی عدول حکمی

پھر ملامت کرتے کرتے یہ فرمایا - کہ ''اب میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میری برابر راہ کو تیار کرے گا اور جس خداوند کی تفحص میں یعنی رسول کے عہد اور اس سے خوش ہو یکایک اپنی ھیکل میں آ جاوے گا - لشکروں کا خداوند فرماتا ھے کہ وہ اب آتا ھے'' (کتاب ملاکی باب ٣-١) -

اور جس وقت اشعیاہ نبی نے بنی اسرائیل اور بیت المقدس کو تسلی دی تو اس وقت یہ فرمایا کہ '' پکارنے والا پکارتا ھے کہ بیابان میں خداوند کے لیے ایک راہ تیار کرو اور جنگل میں ایک شاہ راہ میرے خدا کے لیے درست کرو (کتاب اشعیاہ، باب ٤٠-٣) -

حضرت متی اور مارک اور لوک تینوں حواری اس بات پر متفق ھیں کہ یہ دونوں بشارتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ھیں اس لیے کہ حضرت یحییٰ پیغمبر نے جب لوگوں کو اصطباغ دیا تو انھوں نے گویا حضرت عیسیٰ کے لیے راہ بنائی اور حضرت یحییٰ یہ کہا کرتے تھے کہ ''میرے بعد ایک اور آتا ھے جو مجھ سے بھی زیادہ قوی ھے'' پس حضرت یحییٰ کا اصطباغ دینا تو راہ بنانا ھوگیا اور حضرت یحییٰ کا یہ کہنا کہ ''میرے بعد ایک اور آتا ھے'' پکارنے والی کی آواز ھوگی اور وہ دونوں بشارتیں حضرت عیسیٰ پر صادق آ گئیں (متی باب ٣-١ و ٢ و ٣ و ١١) انجیل مارک، باب ١-٢ و ٣ و ٤ و ٧ و ٨ (انجیل لوک، باب ٣-٢، لغایت ٤) -

ھم مسلمان حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو پیغمبر برحق جانتے ھیں - مگر یہودی اُن کو پیغمبر نہیں مانتے اور عہد عتیق میں اُن کا کچھ ذکر نہیں ھے اور نہ کوئی صحیفہ حضرت یحییٰ کا موجود ھے - پس جو اقوال حضرت یحییٰ کے انجیلوں میں مذکور ھیں وہ زبانی روایتوں سے لکھے گئے ھیں اور

جن لوگوں سے انجیلوں کے لکھنے والوں نے وہ اقوال سنے اُن کا نام نہیں بتایا - عیسائی یقین کرتے ہیں کہ وہ سب روح القدس کی تائید سے لکھا گیا ہے - جس کی صحت یقینی ہے - مگر ہم مسلمان جس طرح کہ اپنے پیغمبر کے حواریین یعنی صحابہ و تابعین کے کلام کی سند چاہتے ہیں اُسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے کلام کو سند کا محتاج سمجھتے ہیں " لا نفرق بین احد من رسلہ " -

ان چند بشارتوں کے ذکر کرنے سے جن کو حواریوں نے حضرت عیسیٰ کی بشارتیں قرار دیا ہے ہمارے اس خطبہ کے پڑھنے والے سمجھ جاویں گے - کہ انبیاء سابق نبی لاحق کی بشارت کیسے دھندلے لفظوں میں اور کیسے کنایہ اور اشارہ سے مکھم مکھم میں دیتے تھے جس کا سمجھنا پہیلی اور معما اور چیستان سے بھی زیادہ مشکل ہوتا تھا اور اب ہم اپنے پیغمبر خدا رسول اللہؐ کی بشارتیں بیان کرتے ہیں جن کو لوگ دیکھیں گے کہ وہ ان کی بہ نسبت کیسی صاف اور روشن ہیں -

## بشارات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توریت میں سے

### بشارت اول

حضرت موسیٰ کی پہلی کتاب میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے حضرت اسماعیل کی نسبت یہ وعدہ کیا ہے -

(اس عبرانی عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے) :

ول یشمعیل شمعتیخا ھنہ بیرختی آوتو و ھفربتی آوتو و ھربیتی آوتو بمدود مئود شنیم عاسار نسیئیم یولید و لتتیو لغوی گا دول -

و یومر الوھیم الا براھام ال برع بعینیخا عل ھنعرو عل اماتخا کل اشر تومر الیخا سارہ شمع

مقولیه کی بیصحق یقار الیخا زارع وعم اثبن ها
آمه لغوی آسیمنوکی زرعخا هو ۔

## عربی ترجمه

قد سمعت دعاک لا اسماعیل و هانا بارکته
و فضلته کثیرا کثیرا یولد اثنی عشر خلیفة
و اجعله جیلا کبیرا ۔

و قال الله لا براهیم لا یضیق صدرک علی الولد
و علی امتک کلما تقول لک ساره فاسمع بقولها
فانه باسحاق یدعی نسلک واجعل ابن الامة ایضاً
امه لانه نسلک ۔

## آردو ترجمه

میں نے تیری دعا اسماعیل کے حق میں قبول کی هاں میں نے
آسے برکت دی اور آسے بار آور کیا اور آسے بہت کچھ فضیلت
دی آس سے بارہ امام پیدا هوں گے اور آس کو بڑی قوم کروں گا ۔
(توریت کتاب اول ، باب ۱۷—۲۰) ۔

کہا الله نے ابراهیم سے تیری نظروں میں برا نہ معلوم هو
اس لڑکے اور اپنی لونڈی کی وجه سے جو کچھ تجھ سے ساره کہے
آس کی بات مان لے کیوں که اسحاق سے تیری نسل کہلائے گی
اور اس لونڈی کے لڑکے کو بھی ایک قوم کروں گا کیوں که
وه تیری نسل هے (توریت کتاب اول ، باب ۲۱—۱۲ و ۱۳) ۔

ان آیتوں میں محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم کی صریح
بشارت هے کیوں که خدا تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کو برکت
دینے کا جو وعدہ کیا تھا وہ آس طرح پر پورا هوا که
محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم کو جو اسماعیل کی اولاد سے تھے

تمام دنیا کے لیے دنیا کے ختم ہونے تک نبی مقبول مقرر کیا ۔

جو ہمارے مخالف ہیں وہ یہ کہتے ہیں ۔ کہ خدا نے اسماعیل سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اس کی اولاد میں بارہ سردار ہوں گے ۔ چناں چہ حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹے جو بمنزلہ بارہ بادشاہوں یا بارہ سرداروں کے تھے پیدا ہوئے اور جس برکت دینے کا اسماعیل سے وعدہ ہوا تھا وہ دنیاوی برکت تھی نہ روحانی ۔

مگر یہ تاویل کسی طرح صحیح نہیں ہوتی ۔ ہر ایک منصف مزاج ان آیتوں کو پڑھ کر معلوم کرے گا کہ ان آیتوں میں جدا جدا تین لفظ استعمال ہوئے ہیں : اول یہ کہ "میں نے اس کو برکت دی" دوم یہ کہ "اسے بار آور کیا اور اسے بہت کچھ فضیلت دی"۔ سوم یہ کہ "اس کو بڑی قوم کروں گا" پس اب ہم پوچھتے ہیں کہ کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ ان تینوں جدا جدا لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں ؟ یعنی اولاد کا زیادہ ہونا ۔

جب کہ حضرت اسحاق بیرشبع میں پہنچے تو خدا تعالیٰ نے خواب میں اُن سے یہ وعدہ کیا تھا ۔ کہ "تیرے باپ ابراہیم کا خدا ہوں تو ڈر مت ، میں تیرے ساتھ ہوں مجھ کو برکت دوں گا اور اپنے بندہ ابراہیم کے سبب تیری نسل کو بہت کروں گا" (توریت کتاب اول ، باب ۲۷-۲۴) ۔

جس مضمون کا وعدہ کہ حضرت اسماعیل سے کیا گیا اور جو لفظ برکت کا اسماعیل کے وعدہ میں استعمال ہوا اُسی مضمون کا وعدہ اسحاق سے کیا گیا اور وہی لفظ برکت کا اسحاق کے وعدہ میں بھی بولا گیا ۔ پس یہ کہنا کسی قدر تعجب کی بات ہے کہ اسماعیل سے جو وعدہ تھا وہ تو دنیاوی تھا اور اسحاق کا جو

وعدہ تھا ، وہ روحانی تھا ۔

ہم کو اس بات پر بھی غور کرنی چاہیے کہ خدا نے حضرت ابراہیم سے کیا وعدہ تھا ۔ توریت میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم کنعان میں پہنچے تو خدا نے اُن سے کہا کہ یہ زمین تیری اولاد کو دوں گا ۔ (توریت کتاب اول ، باب ۱۲—۷) ۔

اور جب کہ حضرت لوط اور حضرت ابراہیم سے جدا ہوگئے تو پھر خدا نے ابراہیم سے کہا کہ آنکھیں کھول اور چاروں طرف دیکھ کہ یہ تمام زمین جو تو دیکھتا ہے تیری اولاد کو دوں گا اور تیری اولاد کو زمین کی ریت کی مانند کروں گا ۔ جو کوئی ریت کے ذروں کو گن سکے تو تیری اولاد کو بھی گن سکے گا (توریت کتاب اول ، باب ۱۳-۱۴ و ۱۵ و ۱۶) ۔

پھر ایک دفعہ خدا نے ابراہیم سے وعدہ کیا کہ تیری اولاد اتنی ہوگی جتنے آسمان کے ستارے جن کو گن نہیں سکتا (توریت کتاب اول ، باب ۱۵—۵) ۔

پھر خدا نے ابراہم سے ایک اور پختہ وعدہ کیا کہ یہ زمین مصر کے دریا سے فرات کے دریا تک تیری اولاد کو دوں گا توریت باب ۱۵—۱۸) ۔

اور جب کہ حضرت ابراہیم ضعیف ننانوے برس کے ہوگئے تھے تب پھر خدا نے ابراہیم سے وعدہ کیا کہ تجھ میں اور مجھ میں یہ وعدہ ہوتا ہے کہ تجھ کو زیادہ سے زیادہ کروں ۔ تو بہت سی قوموں کا باپ ہوگا ۔ تجھ سے قومیں پیدا ہوں گی ۔ تجھ سے بادشاہ نکلیں گے اور تیری اولاد سے بھی یہ ہمیشہ کا عہد ہوگا اور کنعان کی زمین بوراثت دائمی تجھ کو دوں گا (توریت کتاب اول ، باب ۱۷—۳ و ۴ و ۵ و ۷ و ۸) ۔

یہ تھے وعدے تھے جو خدا نے حضرت ابراہیم سے کیے تھے ۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ خدا نے اسحاق و یعقوب سے کیا وعدہ کیا تھا۔

توریت میں لکھا ہے کہ جب یعقوب بیرشبع سے حاران کی جانب روانہ ہوئے۔ تو ایک مقام پر پتھر سرہانے رکھ کر سو رہے۔ خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سیڑھی آسمان تک لگی ہوئی ہے اور خدا کے فرشتے اس پر اترتے چڑھتے ہیں اس پر خدا نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں تیرے باپ ابراہیم اور اسحاق کا خدا ہوں۔ یہ زمین جس پر تو سوتا ہے تجھ کو اور تیری اولاد کو دیتا ہوں۔ تیری اولاد زمین کے ریت کی برابر ہوگی اور چاروں طرف پھیل جاوے گی (توریت کتاب اول، باب ۲۸—۱۲ و ۱۳ و ۱۴)۔

یہ بات بھی زبور سے ثابت ہے کہ خدا نے جو ابراہیم[ع] سے عہد کیا تھا وہی بعد کو بھی قائم رہا اور وہ صرف کنعان کی زمین دینے کا عہد تھا۔ چناں چہ زبور داؤد میں خدا کا کلام اس طرح لکھا ہے کہ ”وہ عہد جو میں نے ابراہیم سے کیا اور اسحاق سے اس کی قسم کھائی اور یعقوب کے ساتھ بمنزلہ قانون کے مقرر کیا اور اسرائیل سے عہد دائمی کیا اور کہا کہ زمین کنعان تجھ کو دیتا ہوں تاکہ تیری میراث کا حصہ ہو“ (زبور ۱۰۵ - ۹ و ۱۰ و ۱۱)۔

اب دیکھو کہ اسی وعدہ کا پورا کرنا خدا نے بتلایا۔ چناں چہ توریت میں لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ مواب کے جنگل میں پشو پہاڑ پر چڑھے جو ریحو کے سامنے ہے تو خدا نے موسیٰ سے کہا کہ ”یہ وہ زمین ہے جس کی نسبت میں نے بقسمیہ ابراہیم و اسحاق و یعقوب سے وعدہ کیا تھا کہ تمھاری اولاد کو دوں گا پس یہ زمین میں تجھ کو آنکھوں سے دکھلا دیتا ہوں مگر

تو وهاں نہیں جانے کا" (توریت کتاب پنجم ، باب ۳۴ - ۴)۔

اب یہ تمام وعدے جو خدا نے ابراهیم اور اسحاق اور یعقوب کے ساتھ کیے تھے هم نے منتخب کرکے هر منصف مزاج پڑھنے والے کے سامنے رکھ دے هیں اور اُس کے بعد هم دو سوال کرتے هیں : اول یه کہ جو وعدے خدا نے ابراهیم کی اولاد کے لیے کیے هیں وہ وعدے اسماعیل اور اسحاق دونوں کے حق میں کیوں نہیں سمجھے جاتے ؟ حالاں کہ خود خدا نے بھی کہا ھے کہ اسماعیل بھی ابراهیم کی اولاد ھے جیسا کہ باب ۲۱ آیت ۱۲ میں مذکور ھے ۔

دوسرا سوال همارا یه ھے کہ جو وعدہ خدا نے اسحاق و یعقوب کی نسبت کیا تھا یعنی ملک کنعان دینے اور اولاد زیادہ کرنے کا اُس میں کیا ایسی چیز ھے جس سے وہ روحانی قسم کا سمجھا جاتا ھے اور جو وعدہ اسماعیل کی نسبت کیا تھا اُس میں کس چیز کی کمی ھے جس سے وہ دنیاوی سمجھا جاتا ھے ؟

جو لوگ کہ انصاف سے اِن باتوں پر نظر کرتے هیں وہ به یقین جانتے هیں کہ خدا نے اسحاق سے بھی برکت کا وعدہ کیا ۔ اُن کی اولاد میں انبیاء پیدا هوئے ۔ ملک فتح کیے ۔ کنعان بھی فتح کیا ۔ اسماعیل سے بھی خدا نے برکت کا وعدہ کیا ۔ اُس کی اولاد میں سب سے آخر ایک پیغمبر آخرالزمان پیدا کیا ۔ تمام دنیا کو اس سے برکت دی ۔ اسماعیل کی اولاد نے بھی ملک فتح کیے ۔ کنعان کو جو غیر خدا پرستوں کے هاتھ چلا گیا تھا پھر فتح کیا اور ابراهیم هی کی نسل میں پھر اُس ورثه کو لے آئے اور جب تک خدا کی مرضی ھے وہ ابراهیم کا ورثه اُن کے حصہ میں رھے گا اگرچہ بقائے اصلی صرف خدا کی ذات کو ھے ۔ الا کل شئی ماخلا الله زائل

## بشارت دوم

خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو بہت سے احکام بتلائے اس میں یہ بھی فرمایا :-

اس عبرانی عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے ۔

نابی مقریبخا ماحیخا کاموني یأتیم لخا یہواہ الوھخا الاؤ تشماعون : نابی اقیم لا ھم مقرب احیہم کاموخا د نشنی د یبا رای بفیو و د برالیہم اث کل اشراصونو ۔

## عربی ترجمه

الهک الموجود یقیم لک نبیا من بینک من اخوتنک مثلی له تسلمون : نبی من بین اخوتهم ۔ اقیم لهم مثلک و القی کلامی بفیه و کل ما آمره یقول لهم ۔

## اُردو ترجمه

قائم کرے گا تیرا معبود موجود تیرے لیے نبی تجھ میں سے تیرے بھائیوں میں سے مجھ سا ۔ اُس کو مانیو ۔ اُن کے بھائیوں میں سے نبی تیرا سا قائم کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں دوں گا اور جو کچھ میں اُس سے کہوں گا وہ اُن سے کہہ دے گا (توریت کتاب پنجم ، باب ۱۸–۱۵ و ۱۸) ۔

ان آیتوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی ایسی صاف اور ایسی مستحکم بشارت ہے جس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا خدا نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ایک نبی مثل موسیٰ کے مبعوث

کرے گا اور کچھ شبہ نہیں ہوسکتا کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل ہیں - بنی اسماعیل میں بجز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نبی نہیں ہوا اور اُس سے صاف ثابت ہوگیا کہ یہ بشارت ہمارے ہی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی -

علاوہ اس کے ان آیتوں میں دو لفظ ہیں جن پر غور کرنا چاہیے - اول یہ کہ "اپنا کلام اُس کے منہ میں دوں گا" دوم یہ کہ "مثل تیرے" یعنی موسٰی کے ان دونوں لفظوں کا مصداق سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نہیں ہے -

یہودی اور عیسائی دونوں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاے بنی اسرائیل پر سوائے احکام عشرہ موسٰی کے جو وحی آتی تھی اُس کے لفظ وہی نہیں ہیں جو توریت زبور و صحف انبیاء میں لکھے ہوئے ہیں - بلکہ انبیاء کو صرف مطلب القاء ہوتا تھا اور پھر وہ اس کو اپنی زبان و محاورہ میں لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے - اناجیل اربعہ جواب معتمد اور قابل سند عیسائیوں میں تسلیم ہوتی ہیں اُن کے الفاظ تو وہ ہیں ہی نہیں جو حضرت عیسٰی کی زبان مبارک سے نکلے تھے کیوں کہ حضرت عیسٰی کی عبرانی زبان تھی اور وہ انجیلیں یونانی میں تحریر ہوئی ہیں - ہاں البتہ قرآن مجید ایسا ہے کہ اس کے لفظ پیغمبر کے منہ میں رکھے گئے اور وہی لفظ پیغمبر نے لوگوں کو پڑھ کر سنائے - پس یہ الفاظ اس بشارت کے کہ "اپنا کلام اُس کے منہ میں دوں گا" سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی پر صادق ہی نہیں آتے -

اب دوسری بات پر غور کرو کہ حضرت موسٰی کی مانند کون سا پیغمبر ہوا ہے - بنی اسرائیل میں تو کوئی پیغمبر مثل

حضرت موسیٰ کے نہیں ہوا ۔ کیوں کہ حضرت عزیز پیغمبر نے جب توریت کو بعد قید بابل کے تحریر فرمایا تو اُس میں یہ لکھا ہے کہ :

(اس عبرانی عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے) :

و لو قام نابی عود بیسرائیل کموشہ اسرسد اعویھوا پا نیم آل با نیم ۔

## عربی ترجمہ

و ما قام نبی و ما بعد باسرائیل کموسی الذی عرف اللہ بالمشا فھۃ ۔

## اُردو ترجمہ

اور پھر قائم نہ ہوا کوئی نبی بنی اسرائیل میں موسیٰ کی مانند جس نے پہچانا اللہ کو دو بدو ۔ (توریت کتاب پنجم ، باب ۳۴—۱۰) ۔

پس اب بنی اسرائیل کے بھائیوں میں دیکھنا چاہیے کہ کون پیغمبر ہوا وہ بجز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نہیں ہے ۔ ہاں اب یہ دیکھنا باقی رہا کہ وہ مثل حضرت موسیٰ کے ہیں یا نہیں سو مفصلہ ذیل باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمدؐ ہی ایسے پیغمبر ہیں جو مثل موسیٰ کے ہوئے ہیں ۔

۱۔ حضرت موسیٰ نے اپنے کافر دشمنوں کے خوف سے اپنے وطن سے ہجرت کی ۔ اسی طرح حضرت محمدؐ کو بھی اپنے کافر دشمنوں کے خوف سے اپنے وطن سے ہجرت کرنی پڑی ۔

۲۔ حضرت موسیٰ نے بھی ہجرت کرکے شہر یثرب میں جس کو اب مدینہ کہتے ہیں اور جو یثرون بانی شہر کے نام پر

کہلاتا تھا پناہ لی - اسی طرح حضرت محمدؐ نے بھی اپنے وطن مکہ سے ہجرت کرکے اُسی شہر مدینہ میں پناہ لی -

۳- حضرت موسیٰ پر کلام خدا کا بہ لفظہ نازل ہوا جو دس احکام ہیں - حضرت محمدؐ پر بھی کلام خدا کا بہ لفظہ نازل ہوا جو موجود ہے اور کلام اللہ کہلاتا ہے -

۴- حضرت موسیٰ کو بھی کافروں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم ہوا - حضرت محمدؐ کو بھی وحدانیت خدا کے وعظ کرنے سے جو کافر مانع ہوں اُن سے جہاد کرنے کا حکم ہوا - البتہ جہاد حضرت موسیٰ کا نہایت سخت قاتل خونریز تھا اور حضرت محمد کا جہاد نہایت ملائم اور امن چاہنے والا اور امن دینے والا اور جانوں کا بچانے والا تھا -

۵- حضرت موسیٰ نے اپنی متفرق اور پا مال قوم کو مصر سے نکال کر یکجا جمع کیا - حضرت محمدؐ نے بھی تمام متفرق اور مختلف عرب کی قوموں کو جو آپس میں نہایت دشمن اور کینہ ور تھیں جن کے باہم ہر سال خون کے نالے بہتے تھے اکٹھا کر دیا بلکہ یک دل و یک جان کر دیا اور اس پر عمدہ بات یہ کہ سب کو ایک خدائے واحد ذوالجلال کی پرستش کرنے والا کر دیا اور ایسا قوی کر دیا کہ کوئی اُس کے مقابل نہ تھا -

۶- حضرت موسیٰ نے ملک فتح کیے اور بنی اسرائیل میں دنیاوی بادشاہت بھی قائم کی - حضرت محمدؐ نے بھی ملک فتح کیے اور بنی اسماعیل میں دنیاوی بادشاہت بھی قائم کر دی - اگرچہ اتنا فرق ہے - کہ شاید حضرت موسیٰ کا اصلی مقصد بادشاہت قائم کرنی اور ملک کنعان پر قبضہ کرنے کا تھا اور حضرت محمدؐ کا مقصد دنیاوی بادشاہت کا نہ تھا اصلی مقصد کے ساتھ وہ بھی

اتفاق سے قائم ہوگئی تاکہ توریت کی بشارت مثل موسیٰ کے پوری ہو جاوے۔

۷- حضرت موسیٰ کو خدا تعالیٰ کی جانب سے شریعت عطا ہوئی اور ایک کتاب دی گئی (یعنی توریت) جس میں تمام احکام شریعت کے ہیں۔ حضرت محمدؐ کو بھی شریعت عطا ہوئی اور کتاب دی گئی (یعنی قرآن) جس میں تمام احکام شریعت کے ہیں اور غالباً کوئی اور پیغمبر سوائے حضرت موسیٰ اور حضرت محمدؐ کے ایسا نہیں ہوا۔ جس کو ایسا قانون شریعت عطا ہوا ہو کیوں کہ تمام انبیاے بنی اسرائیل اور خود حضرت عیسیٰ سب کے سب موسیٰ کی شریعت کے تابع تھے۔ کسی کو خاص شریعت عطا نہیں ہوئی تھی۔

۸- عیسائی مصنفوں نے بھی یہ بات تسلیم کی ہے کہ حضرت محمدؐ مثل حضرت موسیٰ کے تھے۔ مسٹر رینان نے حضرت عیسیٰ کے حالات زندگی کے بیان میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت محمدؐ صرف غور ہی کرنے والے اور سوچنے والے نہ تھے بلکہ وہ دونوں کام کرنے والے بھی تھے اور اپنے ہم وطنوں اور ہم عصروں کے لیے کام تجویز کرتے تھے اور اسی کے ذریعہ سے ان دونوں نے انسانوں پر حکومت کی۔

۹- کوارٹرلی ریویو نمبر ۲۵۴ میں جو آرٹیکل اسلام پر چھپا اس آرٹیکل کا لکھنے والا لکھتا ہے۔ کہ حضرت محمدؐ کو اپنے وطن میں رہنا مشکل معلوم ہوا اور اس لیے انھوں نے ہجرت کی تاکہ کسی دوسرے مقام پر جا کر وعظ کریں جیسے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور اور نبیوں نے ہجرت کی تھی۔

۱۰- آنحضرت کے پیروؤں نے اطاعت اور وفاداری کا وعدہ کیا اور جب یہ ہوچکا تو انھوں نے اُن میں سے بارہ آدمی منتخب کیے - حضرت عیسیٰ نے بھی بارہ حواری چنے - حضرت موسیٰ نے بھی بنی اسرائیل کی قوم میں سے اپنی بہ نسبت زیادہ عمر کے لوگ منتخب کیے تھے -

۱۱- ۱۰ سنہ ہجری میں آخیر مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چالیس[1] ہزار مسلمانوں کے ساتھ مکہ میں آئے اور کوہ عرفات پر مثل حضرت موسیٰ کے اُن کو برکت دی اور اپنی اخیر نصیحتیں کیں اور خصوصاً یہ نصیحت فرمائی کہ کمزوروں اور مفلسوں اور عورتوں کو پناہ دو اور سود خوری سے پرہیز کرو -

۱۲- آنحضرت نے بھی مثل حضرت موسیٰ کے آخیر مرتبہ مسلمانوں سے پوچھا کہ میں نے کسی کا کچھ نقصان تو نہیں کیا اور کسی کا کچھ قرض تو مجھ پر نہیں ہے ؟ انتہیٰ -

یہ سب تمثیلیں وہ تھیں جو کوارٹرلی ریویو میں لکھی ہیں - پس اب سوائے اُس کے جو براہ تعصب اس صاف اور روشن بشارت سے آنکھ بند کر لے کون کہہ سکتا ہے کہ یہ بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے -

جو آیتیں توریت کی ہم نے اوپر بیان کی ہیں اُن میں سے ایک کے یہ الفاظ ہیں کہ ”قائم کرے گا تیرا معبود موجود

---

۱- یہاں سرسید کو غلطی لگی ہے - اصل تعداد دس ہزار تھی نہ کہ چالیس ہزار - (صحیح بخاری - کتاب المغازی)
توریت میں بھی جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح مکہ کی پیشگوئی ہے ، صاف لکھا ہے ”وہ دس ہزار قدسیوں (نیک لوگوں) کے ساتھ آیا“ (کتاب استشناء باب ۳۳ - آیت ۲) توریت کے قدیم نسخوں میں دس ہزار ہی کا لفظ ہے - مگر اب عیسائیوں نے اعتراض سے بچنے کے لیے دس ہزار کی بجائے ”لاکھوں“ بنا دیا ہے - (محمد اسماعیل)

تیرے لیے نبی تجھ میں سے تیرے بھائیوں میں سے'' اس لفظ
''تجھ میں سے'' پر ہم نے خطبات احمدیہ میں جو انگریزی زبان
میں چھپی ہے کچھ بحث نہیں کی تھی - سبب اس کا یہ تھا کہ
دوسری آیت میں یہ لفظ نہیں تھا اور اس میں نہایت صفائی سے
بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے یعنی بنی اسماعیل میں سے
نبی مبعوث ہونا ظاہر تھا اور جب کہ حضرت موسیٰ کی پانچویں
کتاب کے چونتیسویں باب کی دسویں آیت سے جو اوپر لکھی گئی
صاف ثابت تھا کہ بنی اسرائیل میں سے کوئی نبی مثل موسیٰ کے
نہیں ہوا تو صاف متیقین ہوگیا تھا کہ بنی اسماعیل میں سے جو
بنی اسرائیل کے بھائی ہیں نبی موعود ہونے والا تھا - مگر مولوی
چراغ علی صاحب نے اپنے رسالہ ''بشارت مثل موسیٰ'' میں اُس پر
بحث کی ہے وہ ارقام فرماتے ہیں - کہ لفظ ''تجھ میں سے'' اصل
صحیح نسخہ توریت میں نہ تھا بلکہ کاتبوں کی غلطی سے یہ لفظ
بڑھ گیا ہے اور اُس کے ثبوت پر نہایت مضبوط تین دلیلیں
پیش کی ہیں :

اول - یہ کہ اسی آیت کو پطرس حواری نے اعمال حواریین
میں نقل کیا ہے اور اُس میں یہ فقرہ ''تجھ میں سے'' نہیں ہے -

دوسرے - یہ کہ استیفان حواری نے بھی اس آیت کو نقل
کیا ہے اور اُس میں بھی وہ فقرہ نہیں ہے -

تیسرے - یہ کہ توریت کے یونانی ترجمہ میں جو سپٹو
ایجنٹ کہلاتا ہے اور نہایت قدیم اور بہت معتبر ترجمہ ہے اُس میں
بھی یہ فقرہ نہیں ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قدیم صحیح
نسخوں میں یہ الفاظ نہ تھے -

وہ یہ بھی ارقام فرماتے ہیں کہ پہلی آیت میں جو ضمیر
واحد کی ہے وہاں اصل میں جمع کی تھی جیسے کہ اُن حواریوں کی
تحریروں اور یونانی ترجمہ سے پایا جاتا ہے -

میں نے اس بحث کو جناب مولانا و بالفضل اولانا جناب مولوی عنایت رسول صاحب چڑیا کوٹی کے سامنے پیش کیا جو عبرانی زبان اور توریت مقدس کے بہت بڑے عالم ہیں اور غالباً ہم مسلمانوں میں آج تک عبرانی اور کالڈی زبان اور توریت و زبور و صحف انبیاء کا ایسا کوئی عالم نہیں گزرا - جناب ممدوح نے فرمایا کہ ترجموں کی طرف ہم کو التجا لے جانے کی کچھ ضرورت نہیں ہے اور جب کہ یونانی ترجمہ توریت کا حضرت عیسیٰ سے پیش تر ہوچکا تھا تو حواریوں نے بھی غالباً اسی ترجمہ سے نقل کیا ہوگا - تو پس گویا دلیل صرف ایک یونانی ترجمہ پر عود کرتی ہے اور ہم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ترجمہ کے استدلال سے اصل متن پر کچھ الزام لگاویں مگر جن لفظوں پر بحث ہے وہ ہمارے مطلب کے بہت زیادہ مفید و موید ہیں -

آیت جس کے لفظوں پر بحث ہے یہ ہے کہ " قائم کرے گا تیرا معبود موجود تیرے لیے نبی تجھ میں سے تیرے بھائیوں میں مجھ سا اس کو مانیو - " یہ قول حضرت موسیٰ کا ہے اور مخاطب اس کا کوئی شخص خاص نہیں ہے - بلکہ کل قوم بنی اسرائیل ہے اور تمام قوم جو جنس واحد ہے اسی کی طرف ضمیر خطاب واحد کا استعمال کیا ہے -

اب اس مقام پر حضرت موسیٰ کو یہ بتانا تھا کہ وہ نبی بنی اسرائیل میں سے نہیں ہونے کا بلکہ برادران بنی اسرائیل میں سے ہوگا - پس اگر اس مقام پر صرف یہی کہا جاتا کہ تیرے بھائیوں میں سے ہوگا تو یہ بات بخوبی روشن نہ ہوتی کہ بنی اسرائیل میں سے نہ ہوگا - کیوں کہ اگر قوم کو صرف یہ کہا جاوے کہ تمھارے بھائیوں میں سے ہوگا تو اس وقت یہ احتمال کہ اسی قوم میں سے کوئی ہو زائل نہیں ہوتا - اس لیے

اولاً حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ ''تجھ میں سے'' اور پھر اُس کا بدل واقع ہوا '' تو اس سے صاف متیقن ہوگیا ۔کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا نہ بنی اسرائیل میں سے ۔ پس اسی طرز کلام سے بنی اسرائیل میں سے اُس نبی موعود کے مبعوث ہونے کا احتمال بالکل زائل ہو جاتا ہے اور الفاظ کہ ''تیرے بھائیوں میں سے'' الفاظ ''تجھ میں سے'' کا بیان تصور نہیں ہو سکتے ۔ کیوں کہ اگر مقصود یہ ہوتا کہ وہ نبی موعود بنی اسرائیل میں سے ہوگا تو خود الفاظ ''تجھ میں سے'' ہی زیادہ تر اس مطلب کا بیان کرتے تھے بہ نسبت الفاظ '' تیرے بھائیوں میں سے'' کے پس کسی طرح یہ پچھلے الفاظ پہلے الفاظ کی تفسیر اور بیان نہیں ہو سکتی ۔ بلکہ وہ پہلے الفاظ کے بدل واقع ہوئے ہیں جن سے اُس نبی موعود کا بنی اسماعیل سے ہونا معین ہو جاتا ہے۔

انقلس نے جو نہایت قدیم ترجمہ کالڈی زبان کا ہے اس مقام پر ترجمہ بصیغہ واحد کیا ہے یعنی بجائے اس کے کہ '' تیرے بھائیوں میں سے'' اُس نے ترجمہ کیا ہے '' تیرے بھائی میں سے'' اس کا سبب یہ ہے کہ عبرانی میں جو لفظ '' مـا حـیـخـا'' ہے اُس کے حرف یاء کو اگر علامت اضافت سمجھیں تو ترجمہ بصیغہ واحد ہونا چاہیے اور اگر علامت جمع سمجھیں تو ترجمہ بصیغہ جمع ہونا چاہیے ۔ بہر حال ایک بڑے یہودی عالم کی یہ رائے ہے کہ وہ حرف یا علت اضافت ہے اور جب ترجمہ بصیغہ واحد ہو تو صرف قوم بنی اسرائیل کے بھائی کوئی دوسری قوم ہونی چاہیے اور اس صورت میں بنی اسماعیل میں سے نبی موعود کا ہونا متعین ہو جاتا ہے اور '' مـاحـیـخـا'' کا بجز بدل ہونے کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا ۔

مولوی چراغ علی صاحب نے اپنے رسالہ "بشارت مثل موسیٰ" میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ کہنا کہ بموجب محاورہ توریت کے بھائیوں کے لفظ سے ہمیشہ بنی اسرائیل ہی مراد ہوتے ہیں محض غلط ہے - بلکہ کتاب استثنا باب ۲۳—۸ میں بنی قطورہ پر اور کتاب استثناء باب ۴—۴ و باب ۲—۸ و باب ۲۳—۸ و صحیفہ اشعیاہ باب ۲۰—۱۲ و صحیفہ عبد یا آیت ۱۰ میں بنی عیشاؤ پر اور کتاب پیدائش باب ۱۶—۱۲ و باب ۲۵—۱۸ میں بنی اسماعیل پر لفظ بھائیوں کا بولا گیا ہے اور جو کہ ان اس سے بجز اسماعیل کے اور کسی کو برکت نہیں دی، گئی تھی اس لیے بنی اسماعیل ہی میں سے نبی موعود کا مبعوث ہونا متعین اور منحصر ہو گیا تھا -

## بشارت سوم

حضرت موسیٰ پیغمبر اور حضرت حبقوق نبی نے نبی عربی حجازی محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مبعوث ہونے کی اس طرح بشارت دی ہے -

(اس عبرانی عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے) :

و یوس یھوا مسینائی بادز ارح مسّعیر لا موھو فیع سھر پاران و انا س بیوث فودش میمیفوایش داث لا سو -

الووة متیمان یابو و قادوش سیر پاران سلہ کسہ سما مایم ھود و نھلا نو مالئا ھا ارص -

## عربی ترجمہ

و قال ان اللہ طلع من سینا - و اشرق لھم من السعیرو من جبل فاران تجلی - بیمینہ شریعة بیضاء

بجند الملائکة آتی ۔ یاتی اللہ من جنوب و القدوس من جبل فاران ۔ زین السموات الارض بحمده ملئان ۔

## اردو ترجمه

اور کہا خدا سینا سے نکلا اور سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا ۔ اُس کے ہاتھ میں شریعت روشن ساتھ لشکر ملائکہ کے آیا (توریت کتاب ، پنجم باب ۳۳—۲) ۔

آئے گا اللہ جنوب سے اور قدوس فاران کے پہاڑ سے آسمانوں کو جلال سے چھپا دیا اُس کی ستائش سے زمین بھر گئی (کتاب حبقوق ، باب ۳-۳) ۔

ان آیتوں میں جو کوہ فاران سے خدا کا ظاہر ہونا اور شریعت کا اُس کے ہاتھ میں ہونا بیان ہوا وہ علانیہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مبعوث ہونے اور قرآن مجید کے نازل ہونے کی کہ وہی شریعت ہے بشارت ہے ۔

یہ بات عرب کے قدیم جغرافیہ سے اور بڑے بڑے عالموں کی تحقیق اور تسلیم سے اور توریت کے محاورات سے بخوبی ثابت ہوگئی ہے کہ مکہ معظمہ کے پہاڑوں کا نام فاران ہے ۔ چناں چہ امر مذکورہ کے ثبوت کی کافی دلیلیں بیان کرتے ہیں ۔

اکتوبر ۱۸٦۹ء کے کوارٹرلی ریویو میں اسلام پر ایک آرٹیکل چھپا ہے جو ایک بہت بڑے عالم یہودی زبان جاننے والے کا لکھا ہوا ہے ۔ اُس کے صفحہ ۲۹۹ میں لکھا ہے کہ سئیفر نے اُن خاص آیتوں کی جن میں سینا اور سعیر اور فاران کی بشارت مذکور ہے اس طرح پر تشریح کی ہے کہ ”خدا سینا سے نکلا“ یعنی عبرانی زبان میں شرع دی گئی (جس سے مراد توریت ہے) اور ”سعیر سے چمکا“ یعنی یونانی زبان میں بھی شریعت دی گئی

جس سے مراد انجیل ہے اور مسلمان کل عیسائیوں کو رومی کہتے تھے) اور " فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا اور اُس کے ہاتھ میں شریعت روشن" یعنی عربی زبان میں شریعت دی گئی (جس سے مراد قرآن مجید ہے) پس اس عالم کے قول سے ثابت ہے کہ فاران وہی جگہ ہے جہاں سے مذہب اسلام ظاہر ہوا یعنی حجاز یا مکہ معظمہ۔

چند سطروں کے بعد اسی آرٹیکل کا لکھنے والا پھر لکھتا ہے کہ " اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ سینا اور سعیر اکثر بجائے اسرائیل اور عیسیٰ کے مستعمل ہوتے ہیں اور ادوم بجائے روم کے اور فاران تو صاف عرب کے لیے مستعمل ہے۔ صرف اس میں شبہ ہے کہ مکہ کے گرد کے پہاڑوں کا یہ نام ہے یا نہیں" مگر ہم اس شبہ کو بھی مٹا دیں گے اور قدیم جغرافیہ کی تحقیقات سے ثابت کر دیں گے کہ مکہ کے گرد پہاڑ ہی فاران ہیں۔

توریت کتاب اول باب ۲۱ آیت ۲۰ میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو اپنے پاس سے نکال دیا تو وہ دونوں بیرشبع کے بیابان میں پھرا کیے اور اُسی باب کی اکتیسویں آیت میں لکھا ہے کہ بیابان فاران میں ساکن ہوئے۔

قرآن مجید سے بھی حضرت اسماعیل کی سکونت بیابان میں معلوم ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں حضرت اسماعیل کے اُس زمانہ کی سکونت کا ذکر ہے۔ جب کہ حضرت ابراہیم اُن کے پاس آئے تھے اور خانہ کعبہ کی تعمیر کرکے اُسی کے پاس حضرت اسماعیل کی سکونت مستقل طور پر کر دی تھی اور یہ بات توریت سے بھی پائی جاتی ہے کہ پہلے حضرت اسماعیل بیابان میں خانہ بدوش تھے پھر بیابان فاران میں سکونت اختیار کی۔

قرآن مجید میں حضرت ابراهیم کی دعا اس طرح پر مذکور ہے
الہم انی اسکنت کہ ''اے خدا میں نے اپنی
ذریتی بواد غیر ذی زرع اولاد میں سے تیرے بزرگ
عند بیتک المحرم ۔ گھر کے پاس بن کھیتی کے
(قرآن) میدان میں آباد کیا ہے''
لفظ ''مدبر'' جو توریت میں عبرانی زبان کا آیا ہے اور لفظ
''واد غیر ذی زرع'' جو قرآن مجید میں آیا ہے اُن دونوں کے
ایک ھی معنی ھین ۔ پس توریت مقدس اور قرآن مجید میں یہ بات
تو متفق ہے کہ حضرت اسماعیل وادی میں آباد ہوئے ۔ مگر اُس
وادی کے نام اور مقام میں بحث باقی رھی ۔ توریت مقدس سے تو
اس کا نام فاران معلوم ھوا اور قرآن مجید سے اُس کا مقام وہ معلوم
ھوا جہاں کہ اب کعبہ ہے اوز اگر یہ ثابت ھو جاوے کہ
مکہ معظمہ جہاں کعبہ بنا ھوا ہے وادی فاران میں واقع ہے تو یہ
امر بھی متفق علیہ ھو جاوے گا ۔

اب ھم اس بات سے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے یعنی کعبہ
کے پاس حضرت اسماعیل کا آباد ھونا اُس سے قطع نظر کرتے ھین
اور جو بات توریت میں ہے اور جس کو یہودی اور عیسائی دونوں
تسلیم کرتے ھیں اُسی کو مدار اپنے استدلال کا قرار دیتے ھین اور
وہ یہ ہے کہ حضرت اسماعیل وادی فاران میں ساکن ہوئے ۔

اب ھم کو قدیم جغرافیہ سے اس بات کی تلاش باقی رھی
کہ حضرت اسماعیل کس جگہ آباد ھوئے تھے کیوں کہ جو مقام
اُن کی سکونت کا ثابت ھو جاوے گا وھی وادی فاران ھوگا ۔

اس مطلب کے حل کرنے کے لیے تین سوال قابل غور
ھین :

اول ۔ یہ کہ حضرت ابراهیم نے حضرت اسماعیل اور اُن کی ماں کو گھر سے نکال کر کس مقام پر چھوڑا ؟

دوم ۔ یہ کہ حضرت اسماعیل اور اُن کی ماں بیابان میں پھرنے کے بعد کس مقام پر آباد ہوئیں ۔

سوم ۔ یہ کہ وہ اسی جگہ رہتی رہیں جہاں انھوں نے پہلی دفعہ سکونت اختیار کی تھی یا کسی اور مقام پر جا رہی تھیں ۔

قرآن مجید میں ان باتوں کا کچھ تذکرہ نہیں ہے ۔ لیکن چند روایتیں اور کچھ حدیثیں اس کے متعلق ھیں ۔ حدیثوں کا جو اس معاملہ سے متعلق ھیں یہ حال ہے کہ وہ کافی اعتبار کے لائق نہیں اور نہ وہ مرفوع ھیں یعنی اُن کی سند پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) تک نہیں ہے ۔ پس وہ بھی مثل روایتوں کے نا معتبر ھیں اور روایتیں تو کسی طرح قابل اعتبار کے ھیں ھی نہیں کیوں کہ اُن میں نہایت اختلاف ہے اور مختلف اوقات کے واقعات سب ایک جگہ گڈمڈ کر دیے ھیں پس پہلے سوال کی نسبت جو کچھ توریت مقدس میں لکھا ہے اُس سے زیادہ لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں اور وہ یہ ہے کہ ” حضرت ابراهیم نے حضرت هاجرہ اور اُن کے بیٹے حضرت اسماعیل کو دو روٹیاں اور پانی کی ایک چھاگل دے کر نکال دیا اور وہ بیرشبع کے بیابان میں پھرا کیں“ (توریت کتاب اول ، باب ۲۱ آیت ۱۶) ۔

دوسرے سوال کا جواب اُس مقام کی تحقیق کرنے پر منحصر ہے جہاں حضرت اسماعیل آباد ہوئے اور اُس مقام کی تحقیقات کا اس سے زیادہ عمدہ اور قابل اطمینان کے کوئی طریقہ نہیں ہے کہ هم پرانے جغرافیہ پر متوجہ هوں اور حضرت اسماعیل کی اولاد کے رہنے کے مکانات کے کھنڈروں کی تحقیقات کریں جہاں وہ ملیں

وھی مقام سکونت حضرت اسماعیل کا ھوگا اور وھی مقام وادی فاران بھی ضرور ھوگا - اس لیے کہ، یہ بات مسلمہ ھے کہ وادی فاران میں آباد ھوئے تھے -

حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹے تھے :- ۱- نبا یوث - ۲- قیدار - ۳- ادبیل - ۴- مبسام - ۵- مشماع - ۶- دوما - ۷- مسا - ۸- حدر - ۹- تیما - ۱۰- یطور - ۱۱- نافیش - ۱۲- قید ماہ -

پہلا - بیٹا حضرت اسماعیل کا نبایوث عرب کے شمال مغربی حصہ میں آباد ھوا - ریورنڈ کارٹری پی کاری - ایم - اے - نے اپنے نقشہ میں اس کا نشان ۲۸ و ۳۰ درجہ عرض شمالی اور ۳٦ و ۳۸ درجہ طول شرقی کے درمیان لگایا ھے -

ریورنڈ مسٹر فارسٹر لکھتے ھیں کہ نبایوث کی اولاد عریبیا پیٹرا سے مشرق کی طرف عریبیا ڈزر ٹاتک اور جنوب کی طرف خلیج الامتک و حجاز تک پھیل گئی تھی -

اسٹریبو کے بیان سے پایا جاتا ھے کہ نبایوث کی اولاد نے اس سے بھی زیادہ ملک گھیر لیا تھا اور مدینہ تک اور بندر حور اور بندر ینبوع تک جو بحر قلزم کے کنارے پر ھے اور مدینہ سے جنوب مغرب میں واقع ھے ان کی عملداری ھوگئی تھی -

ریورنڈ مسٹر فارسٹر لکھتے ھیں کہ اس مختصر بیان سے ظاھر ھوتا ھے کہ نبایوث کی اولاد صرف پتھریلے میدانوں میں نہیں پڑی رھی بلکہ حجاز اور نجد کے بڑے بڑے ضلعوں میں پھیل گئی -

ممکن ھے کہ رفتہ رفتہ نبایوث کی اولاد عرب کے بہت بڑے حصہ میں پھیل گئی ھو - الاّ یہ بات کہ نبایوث کی سکونت اور اس کی اولاد کی سکونت عرب میں تھی بخوبی ثابت ھے -

دوسرا بیٹا حضرت اسماعیل کا قیدار نبایوث کے پاس جنوب کی

طرف حجاز میں آباد ہوا ۔ ریورنڈ مسٹر فاوسٹر کہتے ہیں کہ
شعیاہ نبی کے بیان سے بھی صاف صاف قیدار کا مسکن حجاز ثابت
ہوتا ہے جس میں مکہ و مدینہ بھی شامل ہیں اور زیادہ ثبوت
اس کا حال کے جغرافیہ میں شہر الحدر اور نبت سے پایا جاتا ہے
جو اصل میں القیدار اور نبایوث ہیں ۔ اہل عرب کی یہ روایت
کہ قیدار اور اس کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی اس کی تائید اس
بات سے ہوتی ہے کہ عہد عتیق میں قیدار کا مسکن عرب کے اسی
حصہ میں یعنی حجاز میں بیان ہوا ہے ۔ دوسرے یہ کہ یہ بات
بخوبی ثابت ہے کہ یوریپیس اور بطلیموس اور پلینی اعظم کے
زمانوں میں یہ قومیں حجاز کی باشندہ تھیں ۔ کیڈری یعنی قیدری دری
یعنی مختلف قیدری اور کڈور نائٹی یعنی قیداری کریتی یعنی قیدری
چنان چہ اس کا ذکر ہسٹری جغرافیہ جلد اول صفحہ ۲۴۸ میں
مندرج ہے ۔ پس بخوبی ثابت ہے کہ قیدار حجاز میں آباد تھا ۔

ریورنڈ کارٹری پی کاری نے اپنے نقشہ میں قیدار کی آبادی کا
نشان ۲۶ و ۲۸ درجہ عرض شمالی و ۳۷ و ۳۸ درجہ طول شرقی
کے درمیان میں لگایا ہے ۔

تیسرا بیٹا حضرت اسماعیل کا ادبیل ہے ۔ بموجب سند
جوزیفس کے ادبیل بھی اپنے ان دونوں بھائیوں کے ہمسایہ میں
آباد ہوا تھا ۔

چوتھا بیٹا حضرت اسماعیل کا مبسام ہے مگر اس کی سکونت
کے مقام کا پتہ نہیں ملتا ۔

پانچواں بیٹا حضرت اسماعیل کا مشماع ہے ۔ ریورنڈ مسٹر
فارسٹر کا یہ قیاس صحیح ہے کہ عبرانی میں جس کو مشماع لکھا
ہے اسی کو یونانی ترجمہ سبٹو ایجنٹ میں مسما اور جوزیفس نے
مسماس و بطلیموس نے مسمیز لکھا ہے اور عرب میں اسی کی اولاد

بنی سبا کہلاتی ہے ۔ پس کچھ شبہ نہیں کہ یہ بیٹا قریب نجد
کے اولاً آباد ہوا تھا ۔

چھٹا بیٹا حضرت اسماعیل کا دوماہ تھا ۔ مشرقی اور مغربی

دومة الجندل ۔ ۔ ۔ ۔
قد جاء فی حدیث الواقدی
دوماہ الجندل وعدھا ابن
السقفیة من اعمال المدینة
سمیت بدوم ابن اسماعیل
بن ابراھیم و قال الزجاجی
دومان ابن اسماعیل و قیل
کان لاسماعیل ولد اسمه
دما و لعله مغیر منه و
قال ابن الکلبی دوماہ ابن
اسماعیل قال ولما کثرولد
اسماعیل عم بالتهامة
خرج دوماہ بن اسماعیل
حتی نزل موضع دومه و
بنی له حصناً فقیل دوماہ
و نصب الحصن الیه ۔ ۔ ۔
قال ابو عبید السکونی
دومة جندل حصن و قری
بین الشام و المدینة
قرب جبل طے ۔ ۔ ۔ دومة
من القریات من وادی
القری ۔ (معجم البلدان)

جغرافیہ دان قبول کرتے ہیں کہ
یہ بیٹا تہامہ میں آباد ہوا تھا ۔
معجم البلدان میں لکھا ہے کہ
دومة الجندل کا نام واقدی کی
حدیث میں دوماہ الجندل آیا
ہے اور ابن سقفیہ نے اس کو
اعمال مدینہ میں گنا ہے اُس کا
نام دوم ابن اسماعیل ابن ابراہم
کے نام پر موسوم ہوا ہے
اور زجاجی کا قول ہے کہ
اسماعیل کے بیٹے کا نام دومان
ہے اور بعضوں نے کہا ہے
کہ اسماعیل کا ایک بیٹا تھا
اس کا نام دما تھا اور شاید
اس کے اصلی نام کو بگاڑ دیا
ہے اور ابن کلبی کا قول ہے کہ
دوماہ اسماعیل کا بیٹا تھا اور
اسی کا قول ہے ۔ کہ جب تہامہ
میں حضرت اسماعیل کی بہت سی
اولاد ہوگئی تو دوماہ وہاں سے
نکلا اور بمقام دومہ قیام کیا
اور وہاں قلعہ بنایا اور اُس کا

نام دوماہ اپنے نام پر رکھا اور ابوعبید سکونی کا قول ہے کہ دوماہ جندل قلعہ اور گانوں شام اور مدینہ کے درمیان میں ہیں قریب جبل طے کے اور دوماہ وادی قری کے گانوں میں سے ہے - ریورنڈ مسٹر فارسٹر بھی اسی کو تسلیم کرتے ہیں اور اب تک یہ ایک مشہور جگہ عرب میں موجود ہے -

ساتواں بیٹا حضرت اسماعیل کا مسا تھا - ریورنڈ مسٹر فارسٹر بیان کرتے ہیں - کہ یہ بیٹا مسو پوٹیا میں آباد ہوا مگر یہ صحیح نہیں ہے - کچھ شبہ نہیں کہ یہ بیٹا جب حجاز سے نکلا تو یمن میں آباد ہوا اور یمن کے کھنڈرات میں اب تک مسا کا نام قائم ہے - ریورنڈ کارٹری پی کاری نے اپنے نقشہ میں اس مقام کا نشان ۳۰ درجہ اور ۳۰ دقیقہ عرض شمالی اور ۴۳ درجہ اور ۳۰ دقیقہ طول شرقی میں قائم کیا ہے -

اسماعیل اور ان کی تمام اولاد اولاً حجاز میں تھی - بلاشبہ جب اولاد جوان ہوئی اور کثرت ہوگئی تب مختلف مقاموں میں جا کر سکونت اختیار کی - مگر عمدہ بات قابل غور یہ ہے کہ سب کا پتہ عرب ہی میں یا حجاز کے آس پاس پایا جاتا ہے -

آٹھواں بیٹا حضرت اسماعیل کا حدد تھا اور عہد عتیق میں حداذ بھی اس کا نام ہے - یمن میں شہر حدیدہ اب تک اسی کا مقام بتلا رہا ہے اور قوم حدیدہ جو یمن کی ایک قوم ہے اسی کے نام کو یاد دلاتی ہے - زہیری مؤرخ کا بھی یہی قول ہے اور ریورنڈ مسٹر فارسٹر بھی اسی کو تسلیم کرتے ہیں -

نواں بیٹا حضرت اسماعیل کا تیما تھا - اُن کی سکونت کا مقام نجد ہے اور بعد کو رفتہ رفتہ خلیج فارس تک پہنچ گئے -

دسواں بیٹا حضرت اسماعیل کا یطور ہے - ریورنڈ مسٹر فارسٹر بیان کرتے ہیں - کہ اس کا مسکن جدور میں تھا جو جبل کسیرنی

کے جنوب اور جبل الشخ کے مشرق میں واقع ہے ۔

گیارھواں بیٹا حضرت اسماعیل کا نافیش تھا ۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر توریت اور اور جوزیفس کی سند سے لکھتے ہیں کہ عریبیا ڈزرٹا میں ان کی نسل اسی نام سے آباد تھی ۔

بارھواں بیٹا حضرت اسماعیل کا قید ماہ تھا ۔ انھوں نے بھی یمن میں سکونت اختیار کی تھی ۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے خیال کیا ہے کہ قید ماہ کاظمہ میں آباد ہوا تھا جو خلیج فارس پر ہے اور جس کا تذکرہ ابوالفدا نے کیا ہے ۔ مگر یہ خیال ان کا غلط ہے ۔

مسعودی نے صاف لکھا ہے کہ اصحاب الرس اسماعیل کی

| | |
|---|---|
| اصحاب الرس کانوا من ولد اسماعیل و هم قبیلتان یقال لا حد هما قدمان و الاخرىٰ یامین و قبل رعویل و ذلک بالیمن۔ | اولاد میں سے تھے اور وہ دو قبیلے تھے ۔ ایک کو قدمان کہتے تھے اور دوسرے کو یامین اور بعضوں کے نزدیک رعویل اور یہ یمن میں تھے ۔ |

(مروج الذهب مسعودی)

اب اس تحقیقات سے جو جغرافیہ کی رو سے نہایت قابل اطمینان کے ہے دو باتیں ثابت ہوگئیں ۔ ایک یہ کہ حضرت اسماعیل اور ان کی تمام اولاد عرب میں آباد ہوئی ۔ دوسرے یہ کہ مرکز اس خاندان کی آبادی کا حجاز تھا جہاں اسماعیل کی مقدم اولاد کا مسکن ہوا تھا اور پھر اس مرکز سے اور طرف عرب میں پھیلی ۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت اسماعیل نے حجاز میں سکونت اختیار کی تھی اور اسی کا قدیم نام فاران ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت حبقوق نے اپنی اپنی بشارتوں میں بتایا ہے ۔

توریت سامری کا عربی ترجمہ جس کو آرکیونن نے ١٨٥١ء

میں بمقام گلدونی نیاورم چھاپا فاران کو حجاز بتلایا ہے۔ چناں چہ اُس ترجمہ کی بعینہ یہ عبارت ہے :

"وسکن بریہ فران (الحجاز) و اخذت لہ امہ امرۃ من ارض مصر" (عربی ترجمہ توریت سامری) لفظ حجاز جو دو ہلالی خطوں میں ہے مترجم نے اسی طرح لکھا ہے۔

اگرچہ یہ بات نہایت صفائی سے ظاہر ہے کہ وادی حجاز اور وادی فاران دونوں ایک ہیں اور اسماعیل کے خاندان کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈر اُس کی گواہی دے رہے ہیں۔ مگر با این ہمہ عیسائی اس کو تسلیم نہیں کرتے اور موقع فاران کی نسبت مفصلہ ذیل تین رائیں قرار دیتے ہیں :

اول ۔ یہ کہ اُس وسیع میدان کو جو بیرشبع کی شمال حد سے کوہ سینا تک پھیلا ہوا ہے فاران کہتے ہیں اور اُس کی حد عموماً اس طرح پر قرار دیتے ہیں ۔

حد شمالی ۔ کنعان حد جنوبی ۔ کوہ سینا

حد غربی ۔ ملک مصر حد شرقی ۔ کوہ سعیر

اور کہتے ہیں کہ اس حد میں اور بہت سی چھوٹی چھوٹی وادی علیحدہ علیحدہ نام سے شامل ہیں مثلاً شور ، بیرشبع ، اتھان ، سینا ، سن ، زن و ایدم وغیرہ ۔

دوسرے ۔ یہ کہ قادیش جہاں حضرت ابراہیم نے کنواں کھدوایا جس کا نام بیرشبع تھا اور فاران دونوں ایک ہیں۔

تیسرے ۔ یہ کہ فاران اُس وادی کو کہتے ہیں جو کوہ سینا کے مغربی نشیب پر واقع ہے اور جہاں بہت سی ٹوٹی پھوٹی عمارتیں اور پرانی قبریں اور میناریں وغیرہ اب تک موجود ہیں مسٹر روپر کا بیان ہے کہ اس مقام پر ایک ٹوٹا ہوا گرجا ملا جو حضرت عیسیٰؑ کے بعد پانچویں صدی کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے

اور یہ بھی اُن کا قول ہے کہ چوتھی صدی میں اُس مقام پر عیسائی رہتے تھے اور ایک بشپ بھی وہاں رہتا تھا ۔

ہماری رائے میں یہ تینوں توجیہیں محض غلط ہیں اور کسی طرح توریت مقدس کے بیان کے مطابق نہیں ہیں ۔ چناں چہ ہم ان تینوں توجیہیں کی تردید کرتے ہیں ۔

اگرچہ یہ تینوں توجیہیں نہایت مختصر تقریر سے رفع ہو سکتی ہیں کہ جب ان مقاموں میں حضرت اسماعیل یا اُن کی اولاد کے رہنے کا کوئی نشان تک نہیں ہے تو پھر کیوں کر وہ مقام فاران تصور ہو سکتے ہیں ۔ مگر ہم اس سے قطع نظر کرکے ہر ایک توجیہ کی جدا جدا تردید بیان کریں گے ۔

## توجیہ اول کی تردید

پہلی توجیہ کا منشا یہ ہے کہ فاران ایک بہت بڑی وادی ہے اور اُس میں شور و سینا وغیرہ سب داخل ہیں اس توجیہ کی تردید کے لیے توریت مقدس کی چند آیتیں نقل کر دینی کافی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فاران ایک مستقل اور جداگانہ وادی ہے اور اور وادیوں سے مل کر نہیں بنی ہے ۔

۱۔ توریت کتاب چہارم باب ۱۰ آیت ۱۲ میں لکھا ہے ”بنی اسرائیل نے بیان بیابان سینی سے کوچ کیا اور بادل بیابان پاران میں ٹھہر گیا“ پس اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بیابان سینی ایک جدا بیابان اور پاران جدا بیابان ہے ۔

۲۔ توریت کتاب اول باب ۱۴ آیت ۶ میں لکھا ہے کہ ”کدرالاعومر نے حوریوں کو پہاڑ سعیر میں ایل فاران تک جو صحارا کے نزدیک ہے مارا“ پس اس آیت سے ثابت ہے ۔ کہ سعیر جدا ہے اور وادی پاران علیحدہ ہے ۔

۳۔ توریت کتاب چہارم باب ۱۲ آیت ۱۶ باب ۱۳ آیت ۳

مین لکھا ہے ۔ کہ ”بنی اسرائیل حصیروت سے چلے اور بیابان فاران میں ٹھیرے اور وہاں سے زمین کنعان کی تلاش کو سرداران قوم روانہ کیے“ اس سے صاف ثابت ہے کہ حصیروت سے آگے فاران اور ان سب وادیوں سے علیحدہ وادی ہے ۔

۴۔ پھر اسی کتاب کے باب ۱۳ آیت ۲۵ و ۲۶ میں لکھا ہے کہ ”وہ سرداران کنعان کو دیکھ کر پھرے تو بیابان فاران میں سے قادیش مین پہنچے ۔“ پس کنعان سے مراجعت کرتے وقت پہلے بیابان فاران پڑتا ہے اور پھر قادیش اور یہ بالکل ٹھیک ہے ۔ کیوں کہ قادیش جہاں ابراھیم نے بیرشبع بنایا اور بیابان فاران باھم پیوستہ ھیں ۔ قادیش شمالی سرحد فاران پر واقع ہے ۔

یہ بھی یاد رکھنا چاھیے کہ بیرشبع ابراہم والا اور قادیش ایک ھیں ۔ اس لیے کہ وہ قادیش میں بنایا گیا تھا اور اسحاق نے جو بیرشبع بنایا وہ علیحدہ اور قریب فلسطین کے واقع ہے ۔ ان دونوں کو علحدہ علحدہ خیال مین رکھنا ضرور ہے ۔

یہ دونوں آیتیں توریت اور کتاب حبقوق نبی کی جن مین ھمارے پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بشارتیں مندرج ھیں اور جن پر ھم بحث کر رہے ھیں ۔ ان سے بھی ظاھر ہے کہ فاران و سعیر سب علیحدہ علیحدہ مقام ھیں ۔

۵۔ کتاب اول سلاطین باب ۱۱ آیت ۱۸ میں حدد اور اس کے ھمراھیوں کے مصر میں جانے کے حال میں لکھا ہے کہ ”وہ مدیان سے نکلے اور فاران میں آئے اور وہاں سے آدمی ساتھ لے کر مصر کو گئے“ مدیان وہ شہر ہے جس کو عرب میں مدین کہتے تھے اور ساحل بحر قلزم پر جو حجاز کی جانب ہے تبوک سے تخمیناً چھ منزل جانب جنوب واقع ہے اور یہ شہر عین وادئ فاران میں واقع تھا جو ٹھیک حجاز ہے ۔ اس سے دو مطلب ایک

حجاز اور وادی فاران کا متحد ہونا دوسرے وادی فاران کا ایک مستقل جدا وادی ہونا ثابت ہوتے ہیں ۔

## توجیہ دوم کی تردید

دوسری توجیہ یہ تھی کہ فاران اور وادی قادیش دونوں ایک ہیں ۔ اس توجیہ کی تردید میں توریت کی چند آیتیں لکھی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ وہ دونوں الگ الگ مقام ہیں ۔

۱۔ توریت کتاب اول باب ۱۴ آیت ٦ و ۷ میں لکھا ہے کہ ''کدرلاعومر نے حوریوں کو پہاڑ سعیر میں ایل فاران تک جو صحرا کے نزدیک ہے مارا اور وہاں سے پھر کر عین مشپاط میں جو قادیش ہے آئے ۔'' اس سے بخوبی ثابت ہے کہ پاران اور قادیش دونوں علیحدہ ہیں متحد نہیں ۔

۲۔ توریت کتاب چہارم باب ۱۳ آیت ۲٦ میں لکھا کہ ''وہ سردار جو حضرت موسیٰ نے بھیجے تھے از طرف فاران قادیش میں پہنچے'' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قادیش و فاران جدا جدا دو مقام ہیں ۔

آیت جس کا ہم نے ذکر کیا اس کے ترجمے میں لوگوں نے کسی قدر غلطی کی ہے ۔ اس لیے ہم اس آیت کو معہ ترجمہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں ۔

(اس عبرانی عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے) :

و بیلخو و یبا یشوال موشه و ال اهارون و ال کل عدث بنی اسرائیل آل مدبر پاران قادیشه ۔

### عربی ترجمہ

و رحلوا و جاوا الی موسیٰ و الی هارون و الی کل جماعة بنی اسرائیل الی برية فاران بالقادس ۔

## آردو ترجمه

اور کوچ کیا اور آئے موسیٰ اور هارون اور تمام جاعت بنی اسرائیل کے پاس ظرف میدان فاران کے قادیش میں ۔

انقلس نے اس مقام پر قادیش کو مقام نہیں خیال کیا بلکہ آس کے معنی نائل کے لیے هیں ۔ یعنی فاران میں واپس آئے به نیل مرام پس اگر یه معنی لیے جاویں تو اس آیت سے قادیش اور فاران کے ایک هونے پر کسی طرح استدلال نہیں هو سکتا ۔

## توجیه سوم کی تردید

تیسری توجیه یه که پاران کوه سینا کے مغربی نشیب میں واقع هے جہاں کھنڈرات بھی پائے گئے هیں ۔ یه استدلال بھی صحیح نہیں هے ۔ هم آس بیاپان کے وجود سے جو کوه سینا کے نشیب میں واقع هے انکار نہیں کر سکتے ۔ مشرق جغرافیه دانوں کی تحریروں سے ثابت هے که تین مقام فاران کے نام سے مشہور هیں ۔ ایک کوهستان حجاز یعنی مکه معظمه اور ابو نصر بن قاسم بن قضاعة القضاعی الفار الا سکندری جو حجاز کا رهنے والا تھا وه حجاز هی کے رهنے کے سبب فارانی کہلاتا تھا ۔ دوسرا فاران کوه طور یا سینا کے پاس تھا اور تیسرا فاران نواح سمرقند میں واقع تھا چناں چه به تفصیل کتاب مشترک یا قوت حموی میں لکھی هے ۔

جو فاراں که نواح سمرقند میں تھا وه تو بحث سے خارج هے صرف آس فاران سے بحث هے جو کوه سینا کے مغربی نشیب میں واقع هے ۔ مگر آس کی نسبت اس قدر اور تحقیقات کرنی باقی هے که آیا اس مقام پر فاران حضرت ابراهیم کے بلکه حضرت موسیٰ کے وقت میں تھا یا نہیں اور یه وهی وادی هے جس کا ذکر توریت میں هے اور جہاں بیرشبع کے بیابان میں پھرنے کے بعد

حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ نے قیام کیا تھا اور یہ وہی مقام ہے جہاں اسماعیل کی اولاد آباد ہوئی ۔ ان باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں بلکہ اس کے برخلاف ثابت ہے جیسا کہ اگلی بحثوں میں بیان ہوچکا ۔ مگر با ایں ہمہ جو دلیلیں عیسائیوں نے اس فاران کی نسبت لکھی ہیں اور جس کو ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے ایک نہایت عمدگی اور غور سے جمع کر دیا ہے اُن سب کی ہم تردید بیان کرتے ہیں تاکہ بحث بخوبی پوری ہو جاوے ۔

ریورنڈ مسٹر فارسٹر کہتے ہیں کہ " توریت کتاب اول باب ۲۵ و آیت ۱۸ میں لکھا ہے" کہ اسماعیل کی اولاد حویلاہ سے شور تک جو اشور کو جاتے ہوئے مصر کے برابر پڑتا ہے آباد ہوئی ، اس آیت کو لکھ کر وہ کہتے ہیں کہ " اقرار خدا کا پورا ہوگیا کہ بنی اسماعیل شور سے حویلاہ تک یعنی عرب میں مصر کے کنارہ سے دریائے فرات کے موہانہ تک پھیل گئی ۔"

پہلی غلطی اس مصنف کی یہ ہے کہ حویلاہ کو دریائے فرات کے موہانہ پر قرار دیتے ہیں ۔ حالاں کہ وہ مقام جس کا بانی حویلاہ ہے اور جس کا نام توریت کتاب اول باب ۱۰ آیت ۲۹ میں آیا ہے یمن کے قریب واقع ہے ۔ چناں چہ ریورنڈ کارٹری پی کاری ایم ۔ اے کے نقشہ میں اُس کا نشان ۱۷ درجہ ۳۰ دقیقہ عرض شمالی اور ۴۳ درجہ ۳۰ دقیقہ طول شرقی پر لگایا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے ۔

دوسری غلطی اس مصنف کی یہ ہے کہ وہ شور کو عربیا پیٹریا کے مغرب میں بتاتے ہیں اور یہ صریح غلطی ہے ۔ کیوں کہ شور کے بیابان سے وہ وسیع میدان بتایا جاتا ہے جو سریا کے جنوب سے مصر تک پھیلا ہوا ہے ۔

توریت کی جس آیت کا ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے ذکر کیا

یعنی کتاب اول باب ۲۵ آیت ۱۸ اس میں دو لفظ ہیں اشورہ اور کسی نام کے ساتھ لفظ بیابان کا نہیں ہے شور کا نام حال میں سریا ہے اور کچھ شک کا مقام نہیں ہو سکتا کہ حال کا نام اشورہ کا سریا ہے - پس صاف ظاہر ہے کہ اسماعیل کی اولاد اس قطعہ زمین میں آباد ہوئی جو یمن کی شمالی سرحد سے سریا کی جنوبی سرحد تک ہے اور یہی امر مطابق واقع کے بھی ہے اور توریت مقدس کے بیان کے بھی مطابق ہے اور اسی مقام میں اسماعیل کی اولاد کی آبادیوں کے نشان ملتے ہیں اور یہی ٹکڑہ زمین کا حجاز کہلاتا ہے اور اسی کا قدیم نام فاران تھا اور یہ ہمارا بیان اس بات سے اور زیادہ صحیح ہو جاتا ہے کہ جو مسافر وہاں سے اس سریا کو جاتا ہے تو ٹھیک مصر سامنے ہوتا ہے جیسا کہ توریت مقدس میں لکھا ہے -

ریورنڈ مسٹر فارسٹر سینٹ پال کے خط سے جو گلیشین کے نام لکھا تھا ایک نیا نتیجہ نکالتے ہیں - کہ کوہ سینا اور ہاجر متحد ہیں - مگر یہ بھی سر تا سر غلطی ہے - ہم سینٹ پال کے خط کی وہ عبارت لکھتے ہیں اور پھر اس کا مطلب بیان کر کے ریورنڈ مسٹر فارسٹر کی غلطی بتاتے ہیں -

سینٹ پال کے خط کی یہ عبارت ہے "تم جو شریعت کے تابع ہوا چاہتے ہو کیا تم نہیں سنتے کہ شریعت کیا کہتی ہے - یہ لکھا ہے کہ ابراہیم کے دو بیٹے تھے ایک لونڈی سے دوسرا بیوی سے جو لونڈی سے ہوا تھا جسمانی طور پر پیدا ہوا اور جو بیوی سے تھا سو وعدہ کے طور پیدا ہوا - یہ باتیں تمثیلیں ہیں اس لیے کہ یہ دو عہد ہیں - ایک تو سینا پہاڑ سے جس نے نرے غلام پیدا ہوتے ہیں اور یہ ہاجرہ ہے - کیوں کہ ہاجرہ عرب کا کوہ سینا اور یہاں کے یروشلم کا جواب ہے جو اپنے

لڑکوں کے ساتھ غلامی میں ہے - پر اوپر کی یروشلم آزاد ہے سو یہی ہم سب کی ماں ہے" (نامہ سینٹ پال بنام گلیشین باب ۴ آیت ۲ لغایت ۲٦) -

اس مقام پر جو یہ لفظ آیا ہے کہ " یہ ہاجرہ ہے" اس سے اس بات پر کہ کوہ سینا اور ہاجر ایک ہے استدلال نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس مقام پر امر مذکور بیان نہیں ہوا بلکہ سارا بیان بطور تمثیل کے ہے -

سینٹ پال اُن لوگوں کو جنھوں نے صرف ظاہری احکام شریعت کی پابندی اختیار کی تھی اور اُس کے نتیجہ یعنی روحانی نیکی کو بالکل چھوڑ دیا تھا اُن کو نصیحت کرتے ہیں - یہ بات یہودیوں میں مشہور تھی کہ حضرت ابراہیم کے دو بیٹے تھے - ایک حضرت اسمٰعیل لونڈی سے (گو کہ یہ امر غلط ہے - مگر یہ مقام اس کی بحث کا نہیں ہے) دوسرے حضرت اسحاق بیوی سے اور یہ بھی مشہور تھا کہ حضرت اسمٰعیل تو جسمانی ہیں اور حضرت اسحاق روحانی جو بموجب وعدہ کے پیدا ہوئے ہیں - اب سینٹ پال حضرت اسحاق کی اولاد یعنی بنی اسرائیل کا بھی جسمانی ہونا اور صرف عیسائیوں کا روحانی بیٹا ہونا بیان کرنا چاہتے ہیں اور اس لیے کہتے ہیں کہ جسمانی اور روحانی ہونا یہ تو تمثیلیں ہیں - حقیقت میں یہ دو عہد ہیں - اب وہ کہتے ہیں کہ ایک تو کوہ سینا سے ہے جس سے بنی اسرائیل اسحاق کی اولاد مراد ہیں - مگر اس عہد سے بھی غلام ہی پیدا ہوتے ہیں - یعنی صرف ظاہری شریعت میں پڑے ہوئے - اب وہ یہ کہتے ہیں کہ "یہی ہاجرہ ہے" یعنی یہی معنی لونڈی کی اولاد ہونا ہے اور اس کی دلیل میں بیان کرتے ہیں کہ ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے اور یروشلم کا جواب ہے جو یعنی یروشلم اپنے لڑکوں یعنی

بنی اسرائیل کے ساتھ غلامی میں ہے - آگے وہ کہتے ہیں کہ روحانی یروشلم کا ہم کو بیٹا ہونا چاہیے اور مثل لونڈی کی اولاد کے غلامی کی حالت کو چھوڑ دینا چاہیے - پس اس مقام سے ہاجرہ اور کوہ سینا کا ایک ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ صاف پایا جاتا ہے کہ حضرت ہاجرہ کوہ سینا سے علیحدہ عرب میں (حجاز) میں تھیں جن کو تمثیلاً عرب کا سینا بیان کیا ہے اور یروشلم کا مقابل -

ریورنڈ مسٹر فارسٹر کتاب اول تواریخ ایام کی آیت ۹ و ۱۰ کی سند پر بیان کرتے ہیں کہ ھگری یعنی بنی ہاجرہ کنارہ دریائے فرات زمین گلعاد میں ساکن تھے اور وہاں چند آبادیوں کے ایسے نام بھی تلاش کیے ہیں جو بنی اسماعیل کے ناموں کے مشابہ یا مطابق ہیں -

مگر اس کہنے سے کیا فائدہ ہے - بلاشبہ زمانہ کے دور میں بنی اسماعیل حجاز میں سے نکلے اور تمام عرب میں خلیج فارس تک پھیل گئے - فاران کی تحقیقات میں اس مقام کو تلاش کرنا چاہیے جہاں حضرت اسماعیل آباد ہوئے سو وہ ثابت ہوگیا کہ حجاز میں اور گرد مکہ کے آباد ہوئے - پس وہی مقام فاران ہے - بعد کو وہ کتنی دور تک ملکوں میں پھیل گئے ہوں اس سے کچھ بحث نہیں ہے -

جو فاران کوہ سینا کے مغربی نشیب میں ہے اور جس کے کھنڈرات ملے ہیں وہ توریت کا فاران نہیں ہے اور حضرت موسیٰ کے زمانہ تک اس کا وجود نہ تھا حضرت موسیٰ جب مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر نکلے اور انھوں نے بحر احمر کی غربی شاخ کی نوک کو پار کیا جس کے پانی کو بہ سبب سمندر کے جذر کے خدا نے ہٹا دیا تھا شور کے جنگل میں پہنچے اور جب

سن کے جنگل کو طے کیا اور افیدم میں مقام ہوا تو وہاں عمالیق آئے اور موسیٰ سے لڑے ۔ چناں چہ یہ سب حال توریت کتاب دوم ، باب ۱۷ آیت ۱ لغایت ۸ میں مندرج ہے ۔ ان آیتوں میں جو یہ لفظ مندرج ہیں کہ "عمالیق آن کر لڑے" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عمالیق افیدیم کے باشندے نہ تھے اور کیوں کر ہو سکتے تھے ۔ کیوں کہ وہ مقام محض بے آب تھا ۔ مگر اس مقام پر اتنی بات یاد رکھنی چاہیے کہ افیدیم کوہ سینا کے مغرب میں یعنی شرق مصر میں واقع ہے ۔

اب یہاں سے حضرت موسیٰ مشرق کی طرف یعنی کوہ سینا کی طرف چلے اور بیابان کوہ سینا میں پہنچ گئے اور اس سفر میں وہ مقام فاران جس کا غربی کوہ سینا میں واقع ہونا بیان کیا جاتا ہے گزر گیا اور حضرت موسیٰ نے اس کا کچھ ذکر نہیں کیا ۔

اب اسرائیل کوہ سینا سے آگے بڑھے اور شمال مشرق کو چلے اس راہ میں حضرت موسیٰ فرماتے ہیں کہ "بنی اسرائیل بیابان سے نکلے اور بادل بیابان فاران میں ٹھیر گیا (توریت کتاب چہارم ، باب ۱۰ آیت ۱۲) ۔

پس اب بخوبی ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ کے وقت میں بیابان فاران جانب شمال و شرق کوہ سینا کے تھا جو قریب قادیش کے واقع ہے اور وہی بیابان حجاز کا ہے نہ غربی نشیب کوہ سینا کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب العاربہ کی ایک قوم جو اولاد میں فاران بن عوف بن حمیر کے تھی اور جو بنی فاران کے نام سے کہلاتی تھی کسی زمانہ میں وہاں جا کر بسی ہوگی اور اس سبب سے وہ مقام فاران مشہور ہو گیا ہوگا ۔ مگر وہ فاران ہرگز وہ فاران نہیں ہے جس کا ذکر توریت میں ہے ۔

تمام مشرق مؤرخ اور جغرافیه داں اس بات پر متفق هین که جو کوهستان حجاز میں واقع هیں - وهی فاران هین - آن کے اس قول کی تصدیق اس بات سے هوتی ہے که حمیر جو عرب کا بادشاه تھا اُس کا بیٹا عوف تھا جو نجد مین تھا اور جس کے نام سے کوهستان نجد معروف هیں جیسا که کتاب مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنته و البقاع میں لکھا ہے اور تاریخ ابوالفدا سے ثابت ہے که فاران عوف کا بیٹا تھا اور نہایت قیاس غالب ہے که متصل نجد کے جو زمین و کوهستان حجاز کے واقع هیں وه اس فاران کے نام سے موسوم هوئے - مگر جو که اُس مقام پر ایک اور نامی اور متبرک چیز یعنی کعبه معظمه قائم هوگیا اس سبب سے بجائے پہلے نام فاران کے مکه یا کعبه کا نام مشهور هوگیا - فاران سنه ١٩٤٨ دنیوی میں تھا یعنی حضرت موسیٰ سے ۴۵۳ برس پیش تر - پس اسی فاران کا نام حضرت موسیٰ کی کتاب مین آیا ہے - جہاں سے شریعت کے ظاهر هونے اور خدا کے چمکنے کی بشارت دی گئی تھی جو خاتم الانبیاء محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم کے مبعوث هونے اور قرآن مجید کے نازل هونے سے پوری هوئی -

عوف بفتح اوله و سکون ثانیه و آخره فاء جبل بنجد ... و عوق بالفتح ارض فی دیار غطفان بین نجد و خیبر - (مراصد الاطلاع) -

اب باقی ره گیا تیسرا سوال اور وه یه تھا که حضرت اسماعیل جہاں رهتے تھے وهاں سے کسی دوسری جگه تو نہین جا رہے - اس بات کو کوئی بھی مؤرخ کیا عیسائی اور کیا یہودی اور کیا مسلمان نہیں بیان کرتا که حضرت اسماعیل نے مقام سکونت کو

تبدیل کیا تھا - پس کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہی ملک حجاز جہاں حضرت اسماعیل نے اول سے آخیر تک سکونت اختیار کی تھی فاران ہے جس کا ذکر حضرت موسٰی کی کتاب میں آیا ہے -

## بشارت چہارم

حضرت سلیمان اپنے محبوب سے ملنا چاہتے ہیں اور جب نہیں مل سکتے تو خدا تعالٰی کی مناجات اور اپنے محبوب کی تعریف اس طرح پر کرتے ہیں -

(اس عبرانی عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے) :

دودی صح و ادوم و غول مربابه روشو کشم پاز قصوثاؤ تلتلیم شحوروث کعود یب عناؤ کیونیم عل افیقی مایم رحصوث بحالاب یوشبوث عل ملیث : لحا یاؤ کعروغث هبموسم معدلوث مرقاخیم سفثوثاؤ شوشنیم نطفا فوث مورعو بیر یاداو کلیلی زاهاب ممـلاثیم بتر سیش معاؤ عشث شین معلفث سپیریم شوقاؤ عمودی شیش میسادیم عل ادنی پاز مرئیهو کلبا نون باحور کارازیم : حکو ممتقیم و خنو محمدیم زه دودی و زه رعی بوت یروشلایم -

## عربی ترجمه

حبیبی ضع ادمان سید بین الالاف قصته متلتله حالک کالغراب رأسه لامعة الالماس عیونه کحمامة علی عین الماء مغسوله بالحلیب قائمة الخیتام عذاه صلایة الطیب کمعرج البشام شفتاه ورد تقطر مرابطنه صحیفة العاج مرصص بالدور ویداه مصوغتان

من الذهب مملوتان بالجوهر سيقانه اعمدة الرخام موسسة على قواعد اللئالی صورته تمراء شاب کا الصنوبر حنكة حلو و کله محمديم هذا خيلی و ذاحبيبی بنات اورشليم -

## آردو ترجمه

میرا دوست نورانی گندم گون هزاروں میں سردار ھے - اس کا سرا هیرے کا سا چمک دار ھے اس کی زلفیں مسلسل مثل کوے کے کالی ھیں اس کی آنکھیں ھیں جیسے پانی کے کنڈل پر کبوتر دودھ میں دھلی ھوئی نگینہ کی مانند جڑی ھیں اس کے رخسارے ایسے ھیں جیسے ٹٹی پر خوشبو دار بیل چھائی ھوئی اور چکلے پر خوشبو رگڑی ھوئی اس کے ھونٹ پھول کی پنکھڑیاں جن سے خوشبو ٹپکتی ھے - اس کے ھاتھ میں سونے کے ڈھلے ھوئے اور جواھر سے جڑے ھوئے ، اس کا پیٹ جیسے ھاتھی دانت کی تختی جواھر سے لپی ھوئی ، اس کی پنڈلیاں ھیں جیسے سنگ مرمر کے ستون سونے کی بیٹھکی پر جڑے ھوئے اس کا چہرہ مانند مہتاب کے جوان مانند صنوبر کے ، اس کا گلا نہایت شیریں اور وہ بالکل محمدؐ یعنی تعریف کیا گیا ھے یہ ھے میرا پیارا اور میرا محبوب اے بیٹیوں یروشلیم کی (کتاب تشبیحات سلیمان[1] باب ۵ آیت ۱۰ لغایت ۱۶) -

اگرچہ اس مقام پر حضرت سلیمان نے خدا کی تسبیح میں گیت گایا ھے اور اس کی مناجات کی ھے مگر ضرور وہ ایک کسی

---

۱- تشبیحات سلیمان سے سرسید کی مراد توریت کی کتاب غزل الغزلات سے ھے موجودہ توریت میں جو آج کل شائع ھو رھی ھے عبارت کچھ مختلف ھے مگر مطلب وھی ھے جو سرسید نے لکھا ھے - (محمد اسماعیل)

بڑے شخص قابل تعظیم و ادب کے آنے کے متوقع ھیں اور اس کی بشارت دیتے ھیں اور اسی کو اپنا محبوب بتاتے ھیں اور اپنے محبوب کی شاعرانہ تعریف کرتے ھیں اور پھر صاف بتاتے ھیں کہ وہ میرا محبوب (محمدؐ) ھے صلی اللہ علیہ وسلم -

محمدؐ کے معنی تعریف کیے گئے کے ھیں پس حضرت سلیمان نے اپنی مناجات میں اپنے محبوب کی تعریف کرتے کرتے اس کا نام ھی لے دیا کہ اگر اس کے معنی لو تو وہ بھی ایک لفظ تعریف ھے - ورنہ وہ صاف صاف نام تو ھے ھی -

یہ مقام ایسا ھے جس میں صاف نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بتا دیا گیا ھے مگر ھمارے خطبہ کے پڑھنے والوں کے دل میں شبہ جائے گا کہ اگر یہ نام بتانا تھا تو محمدؐ کہا ھوتا محمدیم کیوں کہا - مگر یہ بات یاد رکھنی چاھیے کہ عبرانی زبان میں 'لیے' اور 'میم' علامت جمع کی ھے اور جب کوئی بڑی قدر کا شخص اور عظیم الشان ھوتا ھے تو اس کے اسم کو بھی جمع بنا لیتے ھیں جیسا کہ خدا کا نام الوہ ھے اس کی جمع الوھیم بنا لی ھے اور اسی طرح بعل جو ایک بت کا نام تھا جس کو نہایت عظیم الشان سمجھتے تھے اس کی جمع بعلیم بنا لی تھی اور یہی قاعدہ اسم استروث میں لگایا گیا ھے جو دوسرے بت کا نام ھے پس اسی طرح اس مقام پر بھی حضرت سلیمان نے بہ سبب ذی قدر اور عظیم الشان ھونے کے اپنے محبوب کے اس کے نام کو بھی صیغہ جمع کی صورت میں بیان کیا ھے اور سچ ھے محمدؐ سے زیادہ کون شخص محمدیم کہلانے کا مستحق ھے پس یہ ایسی بشارت ھے جس میں صاف صاف نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا گیا ھے -

## بشارت پنجم

حجی نبی ہمارے پیغبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی اس طرح بشارت دیتے ہیں ۔

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے :

و ھر عشتی اث کل ھکویم وباؤ حمدت کل ھکوئیم و ملنی ان ھبا یث ھزہ کا بود امریھو اصباؤث ۔

## عربی ترجمہ

و از لزل الامم کلھا وحمد جمیع الامم تجئی و املا ھذا البیت مجد اقال رب الخلایق ۔

## آردو ترجمہ

سب قوموں کو ہلا دوں گا اور حمد سب قوموں کا آوے گا اور اس گھر کو بزرگی سے بھروں گا کہا خداوند خلائق نے (کتاب حجی نبی باب ۱ آیت ۷) ۔

اس آیت میں لفظ (حمدث) جو آیا ہے اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بشارت نکلتی ہے ریورنڈ مسٹر پارک ھرسٹ حمد کے مادہ کی نسبت کہتے ہیں کہ " ہر قسم کی پاک چیزوں کے لیے بولا جاتا ہے " اسی مادہ سے محمد اور احمد اور حامد اور محمود ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک نکلے ہیں اور اس بشارت میں لفظ حمدث کے کہنے سے صاف اشارہ ہے کہ جس شخص کے مبعوث ہونے کی اس میں بشارت ہے وہ ایسا شخص ہے کہ اس کا نام حمد کے مادہ سے مشتق ہے اور وہ کوئی نہیں سوائے محمد مصطفٰی احمد مجتبٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے ۔

عیسائی مذہب کے پادری خیال کرتے ہیں کہ یہ بشارت

حضرت عیسٰی کے مبعوث ہونے کی ہے مگر یہ خیال دو وجہ سے صحیح نہیں : اول اس لیے کہ حضرت متی نے جس قدر بشارتیں عہد عتیق میں حضرت عیسٰی کی کی ہیں اُن سب کو بالتفصیل اپنی انجیل میں لکھا ہے کیوں کہ وہ انجیل عبرانی زبان میں یہودیوں کی ہدایت کے لیے لکھی گئی تھی اور اسی سبب سے تمام بشارتیں جو توریت و زبور و صحف انبیاء میں حضرت عیسٰی کی نسبت تھیں اُن سب کو حضرت متی نے لکھا تھا مگر اس بشارت کا ذکر حضرت متی نے نہیں کیا ۔ اگر یہ بشارت حضرت عیسٰی سے متعلق ہوتی تو ضرور حضرت متی اُس کا ذکر کرتے ۔

دوسرے یہ کہ حمد کے مادہ سے حضرت عیسٰی کے نام پر کسی طرح اشارہ نہیں ہو سکتا بلکہ یہ اشارہ خاص اُسی شخص کے نام کا ہے جس کا نام اُسی مادہ سے مشتق ہوتا ہے اور اس لیے بشارت حضرت عیسٰی کی نہیں ہے بلکہ اُس کی بشارت ہے جس کی نسبت حضرت عیسٰی نے بشارت دی تھی کہ " یاتی من بعدی اسمہ احمد ۔"

گاڈ فری ہیگنس نے بھی اپنی کتاب میں باستدلال قول ریورنڈ پارک ہرسٹ صاحب کے لکھا ہے کہ یہ بشارت حضرت عیسٰی کی نہیں ہو سکتی بلکہ اُس شخص کی ہے جس کے آنے کی بشارت خود حضرت عیسٰی نے دی تھی ۔

## بشارت ششم

حضرت اشعیاہ نبی وحی کے رو سے اُن لوگوں کا ذکر جو خدا کی سچی پرستش از سر نو قائم کریں گے اس طرح پر کرتے ہیں ۔

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

و رائا رخب صمد بارتسبم رخب حمور رخب گا مال و هقشیب قشب رب قاشب۔

## عربی ترجمہ

و رائی مرکب الفارسین راکب حمار راکب جمل و التفت التفا تاجیدا۔

## اردو ترجمہ

اور ایک جوڑی سواروں کی دیکھی ایک سوار گدھے کا اور اونٹ کا اور خوب متوجہ ہوا (کتاب اشعیاہ نبی باب ۲۱ و آیت ۷)۔

اس آیت میں حضرت اشعیاہ نبی نے دو شخصوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو خدا کی سچی پرستش از سر نو قائم کریں گے ان میں سے ایک کو گدھے کی سواری کے نشان سے بتلایا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ اس سے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ ہے کیوں کہ جناب ممدوح گدھے پر سوار ہو کر یروشلیم (بیت المقدس) میں داخل ہوئے تھے اور بلاشبہ حضرت عیسیٰ نے خدا کی سچی پرستش قائم کی اور یہودیوں نے جو مکاری اور دغا بازی سے شریعت کے صرف ظاہری احکام کی ریا کاری سے پابندی اختیار کی تھی اور دلی نیکی اور روحانی پاکیزگی کو بالکل چھوڑ دیا تھا اس کو بتایا اور سچی پرستش خدا کی قائم کی۔

دوسرے شخص کو اونٹ کی سواری کے نشان سے بتلایا اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اس سے حضرت محمد رسول اللہ کی طرف اشارہ ہے جو عرب کی خاص سواری ہے بچے سے بوڑھے تک

اور عالم سے جاہل تک جس سے چاہو پوچھو اونٹ کا نام لیتے ہی عرب کا اشارہ سمجھ جاوے گا ۔ اور جب رسول خدا صلعم مکہ میں داخل ہوئے تو اونٹ پر سوار تھے اور بلا شبہ محمد رسول اللہ نے خدائے واحد کی پرستش قائم کی ۔ حضرت عیسیٰ کے بعد جو لوگوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانا اور تین خدا قائم کر کر پھر تین سے ایک خدا بنایا تھا اور خدائے واحد کی پرستش میں خلل آ گیا تھا اس کو مٹایا اور پھر سے خدا کی سچی پرستش قائم کی ۔ اور یوں فرمایا ”یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان الانعبد لا اللہ ۔“

## بشارات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انجیل میں سے

### بشارت اول

عید فسح سے تھوڑی مدت پہلے جب حضرت عیسیٰ کو معلوم ہوا کہ اب ان کا وقت بہت قریب آ گیا ہے اور اب وہ گرفتار ہونے والے ہیں تو انھوں نے اپنے حواریوں کو بہت سی نصیحتیں کیں انھی نصیحتوں میں یہ بھی فرمایا کہ ” یہ امور میں نے تم سے کہے ، جب میں تمہارے ساتھ ہوں ، لیکن پیریکلیطاس پاک روح جس کو باپ بھیجے گا میرے نام سے ہر بات تم کو سکھاوے گا اور یاد دلاوے گا تم کو تمام وہ باتیں جو نہ میں نے تم سے کہی ہیں (انجیل یوحنا ، باب ١٤ - ٢٥ ، ٢٦) ۔

تاهم میں تم سے سچ کہتا ہوں یہ بھلا ہے تمہارے لیے کہ یہاں سے میں چلا جاؤں کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں تو پیریکلیطاس تمہارے پاس نہ آوے گا (انجیل یوحنا ، باب ١٦ - ٧) ۔

بالفعل جو انجیل کے نسخے موجود ھیں اُن میں لفظ پیریکلیطاس اسی املا سے لکھا ھوا ھے جس طرح کہ ھم نے لکھا ھے مگر ھم مسلمان یہ یقین نہیں کرتے کہ حضرت عیسیٰ نے یہ یونانی لفظ بولا تھا کیوں کہ اُن کی زبان عبرانی تھی جس میں کالڈی یعنی خالدیہ کے زبان کے لفظ بھی ملے ھوئے تھے عبرانی و خالدی دونوں زبانیں ایک ھیں۔ پس ھم مسلمانوں کا یہ یقین ھے کہ حضرت عیسیٰ نے اس مقام پر فار قلیط کا لفظ فرمایا تھا۔ جیسا کہ بشپ مارش صاحب کی بھی رائے ھے مگر جب انجیلیں یونانی زبان میں لکھی گئیں تب اُس کی جگہ یونانی لفظ لکھا بایں ھمہ ابتدا میں اس لفظ کا ترجمہ پیریکلیطاس نہیں کیا گیا جس کے معنی تسلی دینے والے بیان کیے جاتے ھیں بلکہ اس کا ترحمہ پریکلیوطاس کیا گیا تھا جو ٹھیک فارقلیط کے لفظ کا ترجمہ ھے اور جس کا ترجمہ عربی زبان میں ٹھیک ٹھیک لفظ احمد ھے بلاشبہ اس بات کا ثبوت کہ یہ لفظ پریکلیوطاس ترجمہ ھوا تھا اور پیریکلیطاس نہیں تھا ھمارے ذمہ ھے چناں‌چہ ھم اس کو بتائید روح القدس بخوبی ثابت کریں گے۔ اس لفظ پر بہت بڑے بڑے عالموں نے بحث کی ھے اور ھم سمجھتے ھیں کہ اُنھیں کے اقوال کا ذکر کرنا شاید کافی ھوگا۔

سر ولیم میور صاحب لائف آف محمد جلد اول صفحہ ١٧ میں ارقام فرماتے ھیں کہ " یوحنا کی انجیل کا ترجمہ جو ابتدا میں عربی زبان میں ھوا اُس میں اس لفظ کا ترجمہ غلطی سے احمد کر دیا ھوگا یا کسی خود غرض جاھل راھب نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں جعل سازی سے اُس کا استعمال کیا ھوگا۔ جس کو مسلمان اپنے پیغمبر کی بشارت قرار دیتے ھیں۔

اول تو ھم مسلمانوں کو یوحنا کی انجیل کے کسی ایسے

عربی ترجمه کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے پہلے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود ہو مطلق اطلاع نہیں دیتے نہ ہمارے اگلے بزرگوں نے اس کا کچھ ذکر کیا ہے اور نہ ایسے ترجمہ کے موجود ہونے کا کچھ ثبوت پیش کیا گیا ہے - عرب میں حضرت متی کی اصلی انجیل جو عبرانی زبان میں تھی اور اب معدوم ہے البتہ پائی جاتی تھی اور اس کا ذکر ہمارے ہاں کی قدیم کتابوں میں پایا جاتا ہے مگر یوحنا کی انجیل کا کچھ ذکر نہیں ہے باقی رہی یہ بات کہ کسی خود غرض راہب نے یہ جعل سازی کی ہو اس پر ہم یقین نہیں کر سکتے کیوں کہ اگر کسی خود غرض راہب کے اس لفظ میں جعل کرنے کا ہم یقین کریں گے جیسا کہ سر ولیم میور صاحب نے فرمایا ہے تو ہم کو بمجبوری اس بات کا یقین کرنا پڑے گا کہ بعض دین دار راہبوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں چھپانے کو بھی انجیل مقدس میں تحریفیں کی ہیں جیسا کہ عموماً مسلمان یقین کرتے ہیں مگر ہم کو ایسی بدگمانیوں پر تحقیق سے باز رہنا نہیں چاہیے بلکہ استقلال سے تفتیش کرنی چاہیے - کہ اگلے عالموں نے اس پر کیا بحث کی ہے اور فیلالجی یعنی علم مطابقت لسان جو اس زمانہ میں نہایت ترقی پر ہے اس سے کیا ثابت ہوتا ہے -

گاڈ فری ہینگس (رحمۃ اللہ علیہ) جو ایک بہت بڑے عالم حال کے زمانہ میں گذرے ہیں اور انگریز تو تھے ہی اور انگریزی زبان تو ان کی زبان ہی تھی مگر یونانی اور عبرانی و کالڈی زبان بھی خوب جانتے تھے اور علم مطابقت السنہ سے بھی واقف تھے انھوں نے اس کی کیا تحقیق کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ

''مسلمان بیان کرتے آئے ہیں اور اب بھی بیان کرتے ہیں کہ یہ بشارت حضرت عیسٰی نے محمد رسول اللہ کی دی ہے جس طرح حضرت اشعیاہ نے کیخسرو کی پیشین گوئی تھی اور دونوں پیشین گوئیوں میں دونوں کا نام بتا دیا گیا تھا -''

گاڈ فری ہیگنس صاحب تو اس مقام پر مسلمانوں کی طرف سے ایک مجادلانہ تقریر کرتے ہیں - اور اس کے بعد محققانہ - ان کی مجادلانہ تقریر مسلمانوں کی طرف سے یہ ہے کہ ''مسلمان کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا تھا وہ اس لفظ سے نہیں لیا جو لفظ کہ اب انجیلوں میں موجود ہے بلکہ وہ لفظ پیریکلیوطاس تھا جس کے معنی بزبان عربی احمد کے ہیں اور ابتداءً انجیل میں یہی لفظ تھا مگر سچ بات کے چھپانے کے لیے اس کو تحریف کر دیا ہے اور عیسائی اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ ان کی کتب موجودہ میں بہت سی تحریفیں یا اختلاف قرأت ہیں اور مسلمان یہ بھی کہتے ہیں کہ اس عبارت کے چھپانے کے لیے تمام قلمی نسخے غارت کر دیے گئے - قلمی نسخوں کے غارت ہو جانے کا انکار نہیں ہو سکتا اور یہ وہ بات ہے جس کی نسبت جواب باصواب دینا مشکل ہے اور قدیمی نسخوں کی نسبت تو یہ ہے کہ چھٹی صدی کے قبل کا کوئی بھی قلمی نسخہ موجود نہیں ہے -

اگر اس کا جواب یہ دیا جاوے کہ ترترلین اور قدیمی مصنفوں کی عبارت سے ثابت ہو سکتا ہے کہ انجیلوں کی صحیح قرأت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پیش تر ایسی ہی تھی جیسے کہ اب ہے اور اس لیے ان میں تحریف نہیں ہوئی تو اس صورت میں ان قدیمی نسخوں میں بھی تحریف کا ہونا ثابت کرنا چاہیے گا اور کیا عجب ہے کہ ان میں بھی ہوئی ہو جن

لوگوں نے انجیل مقدس کے قدیمی قلمی نسخوں کو غارت کر دیا
انھوں نے ایک وصلی کو جس پر قدیمی مصنف کی تصنیف لکھی
گئی ہو از سر نو لکھنے میں کیا دریغ کیا ہوگا - اس بات کو
اول درجہ کے دین دار عالموں نے تسلیم کیا ہے کہ انجیل میں
اور اور مقصدوں کے لیے تحریف ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ جو
لوگ ایک مطلب کے لیے تحریف کریں گے وہ دوسرے مطلب
کے لیے کیوں نہ کریں گے اور جو کہ تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ
لفظ عبرانی ہے پس اگر غلط لکھا گیا ہو تو گمان غالب یہ ہے کہ
ابتدا کے عیسائی مؤرخوں نے جو دنیا میں سب سے بڑھ کر جھوٹ
بولنے والے ہیں اپنے خاص مطلب کے لیے جھوٹ بولا ہو اور یہ
گمان نہایت ضعیف ہے کہ یوحنا حواری نے جو عبرانی شخص تھا
کوئی غلطی کی ہو کیوں کہ وہ عبرانی اور یونانی دونوں زبانوں
کو سمجھتے تھے اور اگر بالفرض وہ عبرانی زبان کے بڑے عالم نہ
ہوں اور اسی وجہ سے انھوں نے لفظ کایطاس کو بجائے کلیوطاس
غلطی سے لکھ دیا ہو تو اس سے یہ نتیجہ نکلے گا - کہ یوحنا کی
انجیل کے اصل متن میں تحریف ہوئی ہے -

اس کے بعد گاڈ فری ہیگنس صاحب مسلمانوں کی طرف سے
ایک اور مجادلانہ تقریر لکھتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ
مسلمانوں کا بیان ہے کہ یہ بخوبی ظاہر ہے کہ عیسائی اگر مناسب
سمجھتے تو نہایت عمدہ قلمی نسخوں کو محفوظ رکھ سکتے تھے
جس طرح کہ انھوں نے بہت سے ولیوں کی لاشوں کو نہایت
آسانی سے محفوظ رکھا ہے چناں چہ یوحنا اور مریم اور بطرس اور
پولس وغیرہ کی لاشیں ہر روز اٹلی میں نظر آتی ہیں -

پس مسلمان ضرور باصرار عیسائیوں سے کہیں گے کہ اس
غلط ترجمہ کے چھپانے کے لیے کل قلمی نسخے غارت کر دیے یا

اُن میں جھوٹ ملا دیا گیا اور اگر ایسا نہ تھا تو وہ غارت کیوں کر دیے گئے اور عیسائیوں کو اُن کا جواب باصواب دینے میں بہت کچھ دقت ہوگی کیوں کہ قلمی نسخوں کے غارت ہونے سے انکار نہیں ہو سکتا اس لیے کہ وہ موجود نہیں ہیں ۔

اس لیے گاڈ فری ہیگنس صاحب نے محققانہ طور پر گفتگو شروع کی ہے اول وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ جو بشارتیں ان آیتوں میں مندرج ہیں اُن سے بہت سے قدیم عیسائی کسی شخص کے مبعوث ہونے کی پیشین گوئی سمجھتے تھے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رومی پادریوں اور پروٹسٹنٹ نے جو اُس لفظ کے معنوں میں تحریف کی ہے اور اس سے صرف روح القدس کا حواریوں پر آنا مراد لیا ہے ابتدا میں یہ رائے عام نہ تھی ۔ چناں چہ دوسری صدی میں ترترلین کے زمانہ سے پہلے مانٹینی اُس ایک شخص پیدا ہوا تھا جس کو بہت لوگ سمجھتے تھے کہ وہی پیریکلیو طاس جس کے بھیجنے کا حضرت عیسیٰ نے وعدہ کیا تھا اُس کے دشمنوں نے اُس کی نسبت بے اصل بات مشہور کی تھی کہ وہ روح القدس ہونے کا دعویٰ کرتا ہے ایسے ہی لوگوں نے مانٹینی اُس کے سبب انجیلوں میں تحریف کی اور یہ ماجرہ آنحضرت صلعم کے زمانہ سے بہت پہلے ہو چکا تھا ۔ مانٹینی اُس کے زمانہ کے بعد اور آنحضرت صلعم کے زمانہ سے بہت پیش تر مینس کو بھی اُس کے پیروؤں نے جو بڑے عالم اور طاقت ور تھے وہی شخص سمجھا تھا جس کے مبعوث ہونے کی حضرت عیسیٰ نے بشارت دی تھی ۔ لیکن اُس کے انجام سے ثابت ہوتا ہے کہ مینس شخص موعود نہ تھا اور اس کے پیرو غلطی پر تھے ۔

بعد اس کے گاڈ فری ہیگنس صاحب مسلمانوں کی طرف سے لکھتے ہیں ۔ کہ "مسلمان کہتے ہیں کہ اس لفظ سے جو عیسائی

روح القدس کا حواریوں پر اترنا مراد لیتے ھیں وہ کسی طرح درست نہیں ہوسکتا اگر اس کے معنی تشفی دھندہ کے ھوں تو وعدہ تو ایک تشفی دھندہ کے آنے کا تھا پھر یہ کہنا کہ ظہور بارہ زبانہ آتشین کا وھی شخص موعود ہے محض فضول ہے علاوہ اس کے حواریوں کے قوانین اور خود عیسائیوں کی کتاب سے کسی طرح پایا نہیں جاتا کہ روح القدس کا حواریوں میں آ جانا تشفی دھندہ موعود کا آنا ھوا اور صرف زبان سے کہہ دینے سے ایسے دعویٰ کی تصدیق نہیں ھو سکتی ہے ۔

علاوہ اس کے پینٹی کاسٹ کی ضیافت میں حواریوں پر روح القدس نازل ھوچکی تھی ۔ کیوں کہ بموجب قول عیسائیوں کے ایک بریدہ زبان آتش نے ھر ایک حواری پر طاری ھو کر اسی لمحہ ان کو سب زبانیں بولنے کی طاقت بخشی تھی اور یوحنا کے بیسویں باب کی بائیسویں آیت سے معلوم ھوتا ہے کہ خود حضرت عیسیٰ نے اپنے جانے سے تھوڑے عرصہ پیش تر یہ فیض ان کو عطا کر دیا تھا ۔ یعنی پینٹی کاسٹ کی ضیافت کو جس کا ھم ذکر کر رہے ھیں دو مہینے بھی نہ گزرے تھے کہ فیض مذکور عنایت کیا گیا تھا عیسائی مذھب کی تمام مذھبی کتابوں میں کہیں نہیں پایا جاتا ۔ کہ یہ زمانہ ھائے آتسین جن سے کہ سب زبانیں بولنے کی طاقت عطا ھوئی تھی تشفی دھندہ موعود تھیں جو ایسا ھوتا تو ضرور کتاب مذکور میں ھوتا ۔

اگر اس کے جواب میں یہ کہا جاوے کہ وہ عطا یا جن کا بیان متی کی انجیل میں ہے اور فیض روح القدس جس کا بیان یوحنا کی انجیل کے بیسویں باب کی بائیسویں آیت میں ہے صرف چند روز کے لیے تھا اور پھر لے لیا گیا تھا اور بعد کو ھمیشہ کے لیے آیا ۔ تو مسلمان کہیں گے کہ یہ صرف ایک حیلہ ہے جس کی تصدیق

انجیل کے کسی لفظ سے نہیں ہوتی -

اسی بحث میں گاڈ فری ھیگنس صاحب نے ایک نہایت عمدہ قول فیصل لکھا ہے کہ یعنی اگر تسلیم کیا جاوے کہ یہ لفظ وھی ہے جو اس زمانہ کے عیسائی کہتے ھیں اور اس کے معنی بھی روح القدس ھی کے ھوں تو مسلمان عیسائیوں سے کہیں گے - کہ تم کہتے ھو کہ انجیل میں بشارت ہے کہ روح القدس آوے گی یہ درست ہے کہ روح القدس آئی - مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آئی جن کو روح القدس سے الہام ہوتا تھا - پس تمہاری پیچیدہ عبارت کے یہی صحیح معنی ھیں اور یہی معنی درستی کے ساتھ ھو سکتے ھیں -

یہ لفظ تو گاڈ فری ھیگنس صاحب کے تھے اور میں اس پر اتنا اور زیادہ کرتا ھوں کہ جو عام ھدایت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ھوئی اور تمام جزیرہ عرب بتوں کو چھوڑ کر ایک خدا کی پرستش کرنے لگا - اور تمام دنیا میں وحدانیت کا ڈنکا بج گیا اور حضرت عیسیٰ پر جو اتہام خدا کے بیٹے ھونے کا کیا تھا - وہ مٹ گیا اس بات کا بڑا ثبوت ہے کہ ضرور وہ روح القدس اور روح الصدق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ھوئی -

اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمداً رسول اللہ
و اشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ،

اس کے بعد گاڈ فری ھیگنس صاحب اس بات کو ثابت کرتے ھیں کہ یہ لفظ پیرکلیطاس نہیں ہے جس کے معنی تسلی یا تشفی دھندہ کے بیان کیے جاتے ھیں بلکہ یہ لفظ پیرکلیوطاس ہے جس کے معنی احمد کے ھیں چناں چہ وہ لکھتے ھیں کہ مسلمانوں

کی دلیل کو بابت ترجمہ لفظ پیریکلیوطاس کے بجائے پیریکلیطاس
کے اس طرز تحریر سے بہت مدد ملتی ہے جو سینٹ جیروم نے انجیل
کے لیٹن ترجمہ میں اختیار کی ہے یعنی اُس ترجمہ میں لیٹن زبان
مین پیریکلیطاس لکھا تھا پیریکلیوطاس کی جگہ ۔ اس سے صاف ثابت
ہوتا ہے کہ جس کتاب سے سینٹ جیروم نے لیٹن میں ترجمہ کیا
تھا اُس میں لفظ پیریکلیوطاس تھا نہ پیریکلیطاس ۔

لفظ پیریکلیطاس کے معنی پر پادریوں میں بہت اختلاف ہے
چناں چہ مشہور عالم مائی کیلس کہتا ہے کہ ارنسٹائی نے بہت
مناسب کہا ہے کہ اس کے معنی نہ حامی کے ہیں نہ تشفی دہندہ
کے اور یہ بھی کہتا ہے کہ میں تحقیق خیال کرتا ہوں کہ
پیریکلیطاس یا تو روح القدس کو کہتے ہیں یا معلم یا مالک کو
یعنی بتانے والا خدا تعالیٰ کی سچائی کا اور میں اُس کی رائے سے
در باب صحیح نہ ہونے ترجمہ کے مطابقت کرتا ہوں گو میں اُس
کو ڈاکٹر یعنی عالم متبحر کا لقب نہیں دیتا بلکہ مانیٹر یعنی معلم
کا لقب دیتا ہوں اس لیے کہ جو معنی اُس نے لفظ مذکور کے
لکھے ہیں بہتیروں نے اختیار کیے ہیں البتہ اُس کے اثبات کا جو
طرز اُس نے اختیار کیا ہے وہ عجیب ہے اُس کو چاہیے تھا کہ
لفظ مذکور کو کسی محقق کی تصنیف میں تلاش کرتا اور اُس
کے معنوں کی تشریح اُس لفظ کے استعمال سے ثابت کرتا اُس نے ان
سب باتوں کو چھوڑ کر جس زبان کے لفظ سے یہ نکلا ہے (یعنی
کالڈی زبان سے) اُس کے محاورہ اور استعمال سے اپنا بیان ثابت کرنے
پر استدلال رکھا ہے ۔

بہت بڑے عالم اور معزز بشپ مارش نے کہا ہے کہ لفظ
پیریکلیطاس کے تین ترجمے ہیں اور ہم کو اختیار ہے کہ اُن
میں سے جون سا چاہیں پسند کر لیں اول معنی حامی کے ہیں جو
معتبر ہیں اور یونانی اکابر کے نزدیک مسلم ہیں دوسرے معنی

مبین کے هین اور یه وه معنی هین که ارنستائی نے بحو له لفظ فارقلیط کے جو کالڈی زبان کا لفظ هے کہے هین - تیسرے معنی واعظ کے هین جس کو خود بشپ مارش نے بحواله ایک عبارت مصنفه فائلو کے تسلیم کیا هے پس یه صاف ظاهر هے که اس مشہور لفظ کے معنون مین اور اس پیغمبر کی قسم مین جس کے بهیجنے کا حضرت عیسیٰ نے وعده کیا تها بہت اشتباه و شک تها -

یه لفظ گاڈ فری هیگنس صاحب کے هین مگر مین اس پر اتنا اور زیاده کرتا هون که اگر بشپ مارش هی کے معنی تسلیم کیے جاوین اور اس لفظ کو پیریکلیطاس هی مانا جاوے اور اس کے معنی واعظ هی کے قرار دیے جاوین تو بهی بجز محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم کے اور کسی کے حق مین یه بشارت نہین هو سکتی اس لیے که حوارین جنهون* نے انجیل کا وعظ کیا وه اس سے پہلے روح القدس سے معمور هو چکے تهے - اور وه سب اس

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الهکم اله واحد - (سوره مریم آیت ۱۱۰)

وقت موجود تهے آن کی نسبت تو یه کہا هی نہین جا سکتا تها که مین بهیجون گا کیون که وه موجود تهے محمد رسول الله جب آئے تو آنهون نے صاف صاف بتایا که مین بهی تم سا ایک آدمی هون صرف مجهه پر وحی بهیجی گئی هے که بیشک تمهارا خدا وهی ایک خدا هے پهر اس سے بهی زیاده صاف

قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء الله ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یومنون -

فرمایا که مین اپنی جان کے لیے بهی کچهه فائده یا نقصان پهنچانے پر قادر نہین هون بجز اس کے جو خدا چاهے اور اگر مین غیب کی بات جانتا هوتا تو بہت کچهه بهلائیان جمع کر

(سوره اعراف آیت ۱۸۸) لیتا اور مجھ کو کوئی برائی چھوتی بھی نہیں میں تو اُن قوموں کو جو ایمان لائی هیں ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا هوں ـ

اور پھر اور بھی صاف فرمایا که "میں تو تم کو صرف

قل انما اعظکم بواحدة ان تقوموا لله مثنی و فرادی ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنة ان هو الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید ـ (سوره سبا آیت ۴۵)

ایک بات کا یعنی لا اله الا الله کا وعظ کرتا هوں پھر تم خالصاً لله دو دو ایک ایک کھڑے هو اور سوچو که جو شخص تمهارے ساتھ هے اُس کو کچھ جنون نہیں وه تم کو صرف عذاب میں پڑنے سے پہلے ڈرانیوالا هے" اس کے سوا اور بہت سی جگه رسول خدا[ؐ] نے خدا کی طرف سے فرمایا که "خدا تم کو اس بات کا وعظ کرتا هے اور خدا کا وعظ کرنا اور پیغمبر کا وعظ کرنا برابر هے ـ" پس سوائے محمد رسول الله کے کسی پیغمبر نے ایسا صاف صاف نہیں فرمایا که میں تو صرف وعظ کہنے والا هوں ـ پس اگر اس لفظ کے معنی واعظ هی کے هوں جیسا که بشپ مارش نے کہا هے تو بھی وه سچا واعظ بجز محمد رسول الله کے اور کوئی نہیں هو سکتا ـ

بعد اس کے گاڈ فری هیگنس صاحب کہتے هیں که "یه تسلیم کرنا ضرور هے که لفظ مذکور (یعنی فارقلیط) جیسا که بشپ مارش نے کہا هے که یقیناً عیسیٰ مسیح نے استعمال کیا تھا مسلمانوں کے دعویٰ کو بہت کچھ سہارا دیتا هے وه کہتے هیں که میری رائے میں اهل اسلام لفظ فارقلیط کو یونانی میں پیریکلیوطاس بنا لینے کا اُسی قدر اختیار رکھتے هیں جس قدر که عیسائی پیریکلیطاس کر لینے کا بلکه اُن کی رائے میں غلبه کا پله مسلمانوں کی طرف هے

کیوں کہ عیسائی مجاز نہیں کہ پچھلے جزو میں لفظ زبان خالدی کے حرف ید یعنی یائے تحتانی کو جو مثل حرکت کسرہ کے ہے یا حرف ایتا کو جو یائے تحتانی ممدودہ معروف کے برابر ہے حرف ایونا کے عوض میں بدلیں۔

حرف ید حروف تہجی زبان خالدیہ کا دسواں حرف ہے اور شمار میں اس کے عدد بھی دس ہیں پس اگر لفظ مذکور ایک زبان سے دوسری زبان میں بدلا جائے تو اُس یونانی حرف سے بدلنا چاہیے۔ جو دس کے معنی میں آیا ہے اور جو ابتدا میں حروف تہجی میں دسواں تھا قبل اس کے کہ یونانیوں کا حرف ڈگامہ جاتا رہے کثرت سے اپنے اُس جواب مضمون میں ثابت کیا ہے جو درباب جیسا کہ میں نے اُس کو جنوب مغربی فرنگستان کے قدیمی پادریوں کے لکھا ہے۔

مگر میں علاوہ اس کے یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر حضرت عیسیٰ کا استعمال کیا ہوا لفظ فارقلیط تھا اور یہ کہ اس لفظ کے معنی متودہ کے ہیں جیسا کہ سیل صاحب کا بھی قول ہے تو اس کا ترجمہ اس لفظ یونانی پیریکایطاس میں غلط ہے یعنی اختلاف قرأت کی جہت سے اور یہ کہ بشپ مارش اور انسڈانی دونوں کے کل ترجمے غلط ہیں اور لفظ مذکور اُس لفظ سے مبدل کرنا چاہیے جو متودہ کے معنٰی رکھتا ہو اور واقع میں یہ لفظ پیریکلیوطس ہونا چاہیے۔

مگر اس کا ترجمہ فاقلیط علم کے معنی لے کر نہ کرنا چاہیے بلکہ اسم صفت کے طور پر کرنا چاہیے۔ چناں چہ اہل اسلام بمعنی احمد کے لیتے ہیں اگر یہ لفظ حضرت عیسیٰ کا استعمال کیا ہوا زبان خالدیہ یا عبرانی یا عربی کا ہو تو اس سے وہی مراد پائی جانی چاہیے جو اُس کے معنی اُن زبانوں میں تھے اگر وہ خالدیہ کا لفظ عربی مصدر سے مشتق ہو تو اُس کے وہی معنی چاہئیں جو

عربی مصدر کے هیں اور تب اُس کے معنی ستوده یا شخص ممتاز کے هوں گے -

اگر ناظرین خوض کریں گے تو معلوم کر لیں گے کہ لفظ کلیوطاس کو هومر اور هسیڈ دونوں نے بجائے ستوده آدمی کے استعمال کیا هے اس طرح سے میری دانست میں اهل اسلام کی دلیل اس سلیقه کے ساتھ هے کو اگر اُن کی غلطی پر معقول کیا جائے تو عجب نہیں که بہت مشکل پڑے یه ادنیٰ بات هے مگر اُن کی دلیل کی تردید میری نظر سے نہیں گزری -

مگر مجھ کو اس مشہور لفظ فارقلیط کی نسبت کچھ اور بھی کہنا هے اس کو بشپ مارش نے جس کے قول کو عیسائی صادق جانتے هیں ایک مسلمان کی منتخب کی هوئی دلیل میں تسلیم کر لیا هے که وه سریانی یا خالدیه یا عربی هے مگر یونانی نہیں ان زبانوں میں سے ایک کو یا دو کو حضرت محمد صلی الله علیه وسلم ضرور بولتے هوں گے یا ادنیٰ درجه یه که سمجھتے هوں گے اور یه یقین کرنے کی کوئی وجه نہیں که لفظ مذکور کے یونانی ترحمه کی نسبت آپ کو کچھ بحث هوئی هو کیوں که حضرت عیسیٰ کے یونانی ترجموں سے عرب کے لوگوں کو کیا غرض تھی - عرب میں اُن ترجموں کا کیا کام تھا ان لوگوں کو وه کیا فائده پہنچا سکتے تھے جو اُن کا ایک لفظ بھی نه سمجھ سکتے تھے بجز ایسے لوگوں کے جو اُس اصل زبان کو سمجھتے تھے جس کو حضرت عیسیٰ بولتے تھے آپ نے لفظ مذکور اسی طرح پر لیا هوگا جیسے که منقول چلا آتا تھا یا جیسا که سیل صاحب نے اُس کو لکھا هے جس کے معنی ستوده کے هیں اور اس سے زیاده غالباً آپ نے کبھی دریافت نہیں کیا - یه خیال کرنا کیسا بے هوده هے که اپنی خاص زبان کے ایک لفظ کے معنی کی تشریح غیر زبان میں ڈھونڈھتے -

آپ نے لفظ مذکور کو مثل اس زمانہ کے دوسرے فرقوں کے شخص انسانی پر محمول کیا اور یہ اجازت نہیں دی کہ اس کو ثالث ثلثہ کہیں جیسا کہ اس زمانہ کے موحد بھی کہتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے اس کو احمد کے معنی میں لیا ہو اور اس کی نسبت کبھی جھگڑا یا شک نہ کیا ہو -

یہ تمام تقریر گاڈ فری ہیگنس صاحب کی ہے جو انھوں نے مسلمانوں کی طرف سے کی ہے مختصر یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کی بحث لفظ پیریکلیطاس پر جو اب یونانی انجیل میں ہے یا لفظ پیریکلیوطاس پر جو اصلی نسخوں میں تھا منحصر نہیں ہے کیوں کہ یہ انجیلیں یونانی زبان میں لکھی گئی ہیں جو حضرت عیسیٰ کی زبان نہیں تھی پس انھوں نے جو لفظ فرمایا تھا وہ عبرانی یا خالدی زبان کا تھا جو دونوں ایک ہیں - پس ہم مسلمان کہتے ہیں - کہ وہ لفظ فارقلیط تھا - یونانی انجیلوں میں اس کے بجائے جو لفظ ہے ، فارقلیط کا ترجمہ ہے ہم مسلمان کہتے ہیں کہ اس کا ترجمہ یونانی میں پیریکلیوطاس کیا گیا تھا جو در حقیقت صحیح ترجمہ ہے اور اس کا ثبوت بھی جہاں تک ہو سکا دیا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ نہیں پیریکلیطاس ہی اس کا ہمیشہ سے ترجمہ چلا آتا ہے تو ہم مسلمان یہ کہیں گے کہ یہ ترجمہ غلط ہے کیوں کہ فارقلیط کا ترجمہ پیریکلیطاس نہیں ہے بلکہ پیریکلیوطاس ہے اور اس کا فیصلہ عبری و خالدی زبان کے لغت کی تحقیق پر ہر وقت ہو سکتا ہے اور جو کہ مشہور ہے کہ انجیل یوحنا در حقیقت حضرت یوحنا حواری کی لکھی ہوئی ہے - اس لیے ہم یقین نہیں کر سکتے کہ حضرت یوحنا نے فارقلیط کے ترجمہ میں غلطی کی ہو اور جو دلیلیں مذکور ہوئیں ان سے بھی پایا جاتا ہے کہ انھوں نے غلطی نہیں کی - اس لیے اصل میں وہ لفظ پیریکلیوطاس ہے بمعنی

احمد ۔ نه پیریکلیطاس بمعنی تسلی دهنده ۔

اکثر عیسائی خیال کرتے هیں که مسلمانوں نے اس بشارت کو انجیل برنباس سے اخذ کیا ہے اور جارج سیل صاحب نے بھی ترجمه قرآن کے دیباچه میں یہی خیال ظاهر کیا ہے بلکه اُنھوں نے لکھا ہے که یه آیت قرآن مجید کی " یاتی من بعدی اسمه احمد" اُسی انجیل میں سے اخذ کی گئی ہے اور شاید آخیر زمانه کے ایک آده کچے مسلمان اور جاهل مولوی نے کہیں سے سنا کر که برنباس کی انجیل میں بھی یه مطلب آیا ہے شاید اُس کا حواله دے دیا هو مگر قدیم عالموں اور بڑے بڑے محققوں نے اس بشارت کی بابت برنباس کی انجیل کا خواه وه صحیح هو یا غلط نام تک نہیں لیا جارج سیل صاحب کی غلطی ہے جو وه ایسا کہتے هیں ۔

## بشارت دوم

جب بعد مصلوب هونے اور قبر میں دفن کیے جانے کے حضرت عیسیٰ زنده هوا کر اُٹھے اور حواریوں سے ملے اور اُن کے سامنے مچھلی کا ٹکڑا اور شهد کھایا تو بیت عنیا میں جانے اور آسمان پر چلے جانے سے تھوڑی دیر پہلے اُنھوں نے اپنے حواریوں سے یه فرمایا " اور دیکھو میں بھیجتا هوں وعده اپنے باپ کا تم پر لیکن تم ٹھیرو شهر یروشلیم میں جب تک که تم پر عطا هو قوت اوپر سے (انجیل لوقا ، باب ۲۴ آیت ۴۹) ۔"

چند سطروں کے بعد لوقا اپنی انجیل ختم کرتے هیں اور کچھ ذکر اُس وعده کے پورا هونے کا نہیں کرتے بلکه لکھتے هیں که حضرت عیسیٰ یه کہه کر آسمان پر چلے گئے تو تمام حواری اُن کو سجده کر کر بڑی خوشی سے یروشلیم کو پھرے اور همیشه هیکل میں خدا کی تعریف اور شکر کرتے رہے اور

انھی لفظوں پر لوقا کی انجیل ختم ھوتی ھے اور اُس وعدہ کے وفا ھونے کا کچھ ذکر نہیں ھوتا پس ثابت ھوتا ھے کہ لوقا کی زندگی تک یا کم سے کم اس انجیل کے لکھے جانے کے وقت تک وہ وعدہ جس کو لوقا سمجھے تھے پورا نہیں ھوا تھا ۔

لوقا کے نزدیک روح القدس کا زبانہ ھائے آتشین میں حواریوں پر نازل ھونا (اگر وہ اُس کے بعد نازل بھی ھوئے ھوں) اس وعدہ کا پورا ھونا نہیں تھا کیوں کہ اگر ھوتا تو وہ اُس وعدہ کے پورا ھونے کا ذکر ضرور لکھتے پس ضرور ھے کہ یہ وعدہ کسی اور شخص کے مبعوث ھونے کا تھا ۔

اب ھم کو اُس شخص کی تلاش کرنی مناسب ھے جس کے آنے کی حضرت عیسٰی نے بشارت دی جب ھم اس آیت کو دیکھتے ھیں کہ حضرت عیسٰی نے حواریوں سے فرمایا کہ ” اُس وعدہ کے آنے تک تم شہر یروشلیم میں ٹھیرے رھو “ تو ھم کو تعجب ھوتا ھے کہ اُس وعدہ کے آنے اور شہر یروشلیم میں ٹھیرے رھنے سے کیا تعلق ھے اگر بالفرض اُس وعدہ سے حواریوں پر روح القدس کا نازل ھونا ھی مراد تھا تو بھی یروشلیم میں رھنے اور روح القدس کے آنے سے کوئی ضروری مناسبت نہیں پائی جاتی کیوں کہ اگر حوارین شہر کے باھر چلے جاتے تو بھی اُن کے پاس روح القدس اُسی طرح آ سکتی تھی جیسے کہ شہر میں رھنے کی حالت میں آ سکتی تھی پس شہر یروشلیم میں ٹھیرے رھنے سے یہ مطلب نہیں ھے جو اُس کے لفظی معنوں سے نکلتا ھے ۔ بلکہ یہ مطلب ھے کہ جب تک وہ وعدہ پورا ھو تم شہر یروشلیم سے وابستہ رھو اور اُسی کی عزت و تعظیم جیسی کہ پیش تر سے کرتے آئے ھو کرتے رھو اُسی کی طرف اپنا سرجھکاؤ اپنا منہ اُسی کی طرف رکھو جب تک وہ وعدہ پورا ھو چناں چہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور وہ وعدہ پورا ہوا اور یروشلیم میں رہنے کا زمانہ منقطع ہوگیا اور بیت اللہ میں رہنے کا زمانہ آیا باپ کا وعدہ پورا ہوا اور اوپر سے عطا ہوگئی بیت المقدس کی طرف جو مدت دراز سے قبلہ تھا موقوف ہوا اور مکہ میں ابراہیم کے بنائے ہوئے خانہ خدا اور کعبہ معظم کی طرف قبلہ اہل ایمان قرار پایا پس یہ بشارت صاف ہمارے پیغمبر کے مبعوث ہونے اور بیت المقدس کے قبلہ رہنے کے زمانہ کے اختتام اور بیت اللہ الحرام کے قبلہ ہونے کی بشارت ہے ۔

قال اللہ تبارک و تعالیٰ قد نری تقلب وجھک فی السماء فلنولینک قبلۃ ترضھا فول وجھک شطر المسجد الحرام ۔

## بشارت سوم

جب کہ حضرت یحییٰ پیغمبر ہوئے تو یروشلیم سے یہودیوں نے کاہنوں اور لیویوں کو اُن کے پاس بھیجا تاکہ اُن سے پوچھیں کہ وہ کون ہیں ؟ چناں چہ وہ لوگ گئے اور اُن سے یہ گفتگو ہوئی کہ اُس نے یعنی حضرت یحییٰ نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا اور اقرار کیا کہ میں کرستاس یعنی عیسیٰ مسیح نہیں ہوں اور انہوں نے پوچھا اُس سے پھر کون کیا تو الیاس ہے ؟ اور اُس نے کہا میں نہیں ہوں ۔ پھر اُنھوں نے پوچھا کیا تو وہ نبی ہے ؟ اور اُس نے جواب دیا نہیں ۔ تب اُنھوں نے اُس سے کہا کہ کون تو ہے ؟ تاکہ ہم جواب دے سکیں اُن کو جنھوں نے کہ ہم کو بھیجا ہے اپنے تئیں تو کیا کہتا ہے اُس نے کہا میں ہوں آواز اُس کی جو کہ جنگل میں چلاتا ہے سیدھا کرو رستہ خداوند کا جیسا کہ نبی اشعیا نے کہا اور وہ جو بھیجے گئے تھے فروسی تھے اور

اُنھوں نے اس سے پوچھا اور اُس سے کہا کہ تو کیوں اصطباغ کرتا ہے جب کہ تو نہ کرسٹاس یعنی عیسٰی مسیح ہے اور نہ الیاس اور نہ وہ نبی (یوحنا، باب ۱ آیت ۰ لغایت ۲۵) -

ان اوپر کی آیتوں میں تین پیغمبروں کا ذکر ہے -

(۱) ایک حضرت الیاس کا -

(۲) دوسرے حضرت عیسٰی کا -

(۳) تیسرے اُس پیغمبر کا جو علاوہ حضرت عیسٰی کے ہونے والا تھا -

یہودی یقین کرتے تھے کہ پیغمبر الیاس جن کو مسلمان خضر کہتے ہیں مرے نہیں بلکہ صرف انسانوں کی نظروں سے غائب ہوگئے ہیں اور یہودیوں کو حضرت عیسٰی مسیح کی نسبت یہ یقین تھا اور اب بھی ہے کہ وہ کسی نہ کسی دن آویں گے - لیکن ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ حضرت مسیح کے ایک اور پیغمبر کے آنے کی بھی وہ اُمید رکھتے تھے اور وہ پیغمبر ایسا مشہور تھا کہ بجائے نام کے صرف اشارہ ہی اُس کے بتانے کو کافی تھا - جیسے کہ ہم مسلمان بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی جگہ صرف ”آنحضرت“ اشارہ میں لکھتے اور بولتے ہیں اور یہ مشہور پیغمبر کون ہو سکتا ہے بجز اُس کے جس کے سبب خدا تعالٰی نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کو برکت دی اور جس کی نسبت خدا تعالٰی نے حضرت موسٰی سے کہا کہ ”تیرے بھائیوں میں تجھ سا پیغمبر پیدا کروں گا“ اور جس کی نسبت حضرت سلیمان نے کہا کہ ”میرا محبوب سرخ و سفید سب میں تعریف کیا گیا محمد ہے - یہی میرا محبوب ہے اور یہی میرا مطلوب“ اور جس کی نسبت حجی نبی نے فرمایا کہ ”حمد تمام

قوموں کا آوے گا" اور جس کی نسبت حضرت عیسیٰ نے فرمایا
کہ "میرا جانا ضرور ہے تاکہ فارقلیط آوے۔"

اب میں نہایت مضبوطی سے کہتا ہوں کہ یہ نامی اور مشہور پیغمبر حضرت محمد صلعم ہیں۔ و اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و سلم ہیں۔

---

(۱۱)

# شقِ صدر کی حقیقت

اور

# واقعۂ معراج کی ماہیت

وما جعلنا الرویا التی اریناک الا فتنۃ للناس

اس مضمون میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کے شق کرنے کی حقیقت اور معراج کی اصلیت کا بیان ھے۔

جو واقعات کہ ھم اس خطبہ میں بیان کرتے ھیں اُن کی اصلیت کی نسبت اور جن الفاظ میں وہ بیان ھوئے ھیں اُن کے صحیح معنوں کی نسبت اکثر علمائے دین نے بحث کی ھے اور اُس کی تحقیقات کو انتہا درجہ تک پہنچایا ھے۔ مگر افسوس ھے کہ ھمارے مفسرین اور شارحین نے اپنی پیچ در پیچ تاویلات اور لا طائل براھین سے بجائے اس کے کہ شکوک کو رفع کریں یا غلطی کی تصحیح کریں اُن الفاظ کے معنی کو اور بھی تاریکی میں ڈال دیا ھے۔

## ۱۔ شق صدر

قرآن مجید کی رو سے ھم کو شرح صدر پر جس کو آخر کار

لوگ شق صدر کہنے لگے اور نفس معراج کی صحت و صداقت پر بغیر کسی شبہ کے ایمان لانا چاہیے - پس جو امر کہ بحث طلب ہے اور جس پر ایک مدت تک علمائے اسلام کی توجہ مبذول رہی ہے اس بات سے علاقہ رکھتا ہے کہ شرح صدر یا شق صدر کی اصل حقیقت اور معراج کی ماہیت کیا تھی - اُن دونوں کی حقیقت بیان کرنے کے لیے اولاً ہم قرآن مجید کی اُن آیتوں کو نقل کرتے ہیں جو اُن سے متعلق ہیں -

آیتِ اول - الم نشرح لک صدرک - کیا ہم نے تیرے لیے سینہ کو نہیں کھول دیا ہے -

آیتِ دوم - سبحن الذی اسوی بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنزیہ من ایتنا انہ ھوالسمیع البصیر - پاک ہے وہ جو اپنے بندہ کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا - جس کے دور کو ہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم اُس کو اپنی نشانیوں میں سے دکھلاویں بیشک وہ سننے والا ہے دیکھنے والا -

آیتِ سوم - وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس - اور نہیں کیا ہم نے اُس رویا کو جو تجھ کو دکھلایا مگر آزمائش واسطے لوگوں کے -

جو آیتیں کہ اوپر لکھی گئیں اُن میں سے صرف پہلی آیت شق صدر سے علاقہ رکھتی ہے اور باقی آیتیں معراج کے متعلق تصور کی گئی ہیں - ظاہر ہے کہ پہلی آیت میں سینہ کے چیر پھاڑ کا کہیں ذکر نہیں ہے اور اُس کے اصلی اور اصطلاحی معنی جیسے کہ اکثر مفسرین نے بھی تسلیم کیا ہے اُس کشادگی کے ہیں جو دل اور سینہ میں عقلی اور روحانی وسعت سے عرفان الٰہی اور

وحی کے منبع ہونے کے لیے کی گئی تھی ۔

باقی رہیں وہ حدیثیں اور روایتیں جو شق صدر اور معراج سے لاتعلق رکھتی ہیں ، لیکن وہ باہم اس قدر مختلف اور متعارض اور متناقض ہیں کہ کوئی بھی قابل اعتبار کے نہیں ہے اور اُن کی صحت کی کافی سندیں بھی نہیں ہیں ۔ ہشامی ذیل کا قصہ حلیمہ سے نقل کرتا ہے کہ اُس نے بیان کیا کہ " ایک روز محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بھائی اور بہن کے ساتھ گھر کے قریب مویشی میں کھیل رہے تھے وہ دونوں دفعۃً میرے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور رو کر کہنے لگے کہ دو سفید پوش آدمی ہمارے قریشی بھائی کو پکڑ لے گئے اور اُن کا سینہ چاک کر ڈالا ۔ میں اور میرا خاوند اُس مقام پر گئے دیکھا کہ آں حضرت کا مارے خوف کے رنگ فق تھا ۔ ہم نے اُن کو چھاتی سے لگایا اور اُن کے اضطرار کا باعث پوچھا اُنھوں نے جواب دیا کہ دو آدمی سفید پوش میرے قریب آئے اور مجھ کو چت لٹا کر میرا دل چیرا اور اُس میں سے کوئی چیز نکال لی ۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ وہ کیا چیز تھی ۔"

اسی طرح کی ایک اور کہانی ہشامی نے بغیر کسی سند کے صرف یہ بیان کرکے کہ بعض علماء نے بیان کیا ہے ، اپنی کتاب میں لکھی ہے کہ بعض لوگوں نے آں حضرت سے کہا کہ آپ کچھ اپنی تعریف بیان فرمائیے اُس پر پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ " میں اُن برکتوں کا مشتاق ہوں جن کے عطا کرنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے کیا تھا اور میں وہ شخص ہوں جس کے آنے کی بشارت حضرت عیسیٰ نے دی تھی ۔ جب کہ میں اپنی ماں کے پیٹ میں تھا میری ماں کو معلوم ہوا کہ آں سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محل منور ہو گئے ایک [illegible]

اپنے دودھ بھائیوں کے ساتھ مویشی چرا رہا تھا کہ دفعۃً دو آدمی جو سفید لباس پہنے ہوئے تھے اور اپنے ہاتھ میں ایک سونے کا طشت برف اور پانی سے بھرا ہوا لیے ہوئے تھے میرے پاس آئے اور مجھ کو زمین پر لٹا کر میرے سینہ کو چاک کیا اور میرے دل کو نکال کر چیرا اور اس میں سے ایک سیاہ قطرہ دبا کر نکال ڈالا - اس کے بعد انہوں نے دل کو اور سینہ کو برف سے دھو دھلا کر پاک صاف کر دیا - ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس کو ایک طرف رکھ کر اور دس آدمیوں کو دوسری طرف رکھ کر تولو مگر میں وزن میں زیادہ ہوا - تب اس نے سو آدمیوں سے مجھے تولا اس پر بھی میں وزن میں بڑھتی رہا - اس پر ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس کو چھوڑ دو کیوں کہ اگر تم اس کو تمام جہان کے مقابلہ میں تولو گے تب بھی یہ کم نہ نکلے گا -

واقدی نے بھی ان دونوں روایتوں کو نقل کیا ہے اور کتاب شرح السنۃ میں عرباض ابن ساریہ سے آں حضرت کے مذکورہ بالا فضایل کا بیان ہوا ہے اور دارمی میں ابوذر غفاری سے آں حضرت کے تولے جانے کی روایت بھی بیان ہوئی ہے - مگر ان روایتوں میں جو اختلاف ہے - وہ غور کے قابل ہے - حلیمہ سے جو روایت ہے اس میں برف کے پانی اور طشت کا اور دل کے دھونے کا کچھ ذکر نہیں ہے اور ہشامی کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت کا تولا جانا شق صدر کے بعد حلیمہ کے گھر پر ہوا تھا - مگر دارمی میں جو ابو ذر غفاری سے روایت ہے اس میں شق صدر کا کچھ ذکر نہیں ہے اور اس سے پایا جاتا ہے کہ آں حضرت کا تولا جانا بطحائے مکہ میں ہوا تھا - بایںہمہ یہ تمام روایتیں نہایت نا معتبر ہیں اور قصہ اور کہانی ہونے سے

زیادہ کچھ رتبہ نہیں رکھتیں ۔

عیسائی مصنف ایک بڑی غلطی میں پڑے ہیں ۔ وہ اپنے ہاں کی مقدس کتابوں کو جن میں کتب تواریخ اور ملوک اور قضاۃ وغیرہ داخل ہیں اور توریت و انجیل کے اُن تمام مقاموں کو جن میں تاریخی واقعات بیان ہوئے ہیں بمنزلہ وحی یعنی کلام الٰہی کے سمجھتے ہیں اور اُن سب کو ہر طرح کی غلطی اور خطا سے پاک جانتے ہیں حالاں کہ اُن میں بہت سی غلطیاں پائی جاتی ہیں ۔ اسی طرح اُنھوں نے خیال کر لیا ہے کہ مسلمان بھی اپنی حدیثوں اور روایتوں کو ایسا ہی بے نقص سمجھتے ہوں گے اور اس خیال خام سے انھوں نے مسلمانوں کی تمام حدیثوں اور روایتوں کو نا قابل خطا تصور کر کے اسلام پر نہایت سخت طعن و تشنیع کی ہے ۔ لیکن وہ خود بڑی غلطی میں پڑے ہیں کیوں کہ مسلمان اپنے ہاں کی روایات و احادیث کو اُسی نظر سے دیکھتے ہیں جیسے کہ اور تواریخ کے واقعات کو دیکھتے ہیں اور اُن کو ویسا ہی ممکن الخطا خیال کرتے ہیں ۔ مسلمان اپنے ہاں کی حدیثوں اور روایتوں کو اس وقت صحیح سمجھتے ہیں جب کہ اُن کے لیے کافی ثبوت اور معتمد سند پاتے ہیں ورنہ اُن کی کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتے ۔ یہ روایتیں جو ہشامی اور واقدی میں بیان ہوئی ہیں یا وہ روایتیں جو شرح السنہ اور دارمی میں مذکور ہیں صحت سے بہت دور ہیں ۔ محققین علمائے اسلام اُن محض ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں اور بے ہودہ افسانے جو محض جہلا کے خوش کرنے کے قابل ہیں ، خیال کرتے ہیں ۔ پس عیسائی مؤرخوں نے اس بات میں بڑی غلطی کی ہے کہ اُن نامعتبر روایتوں کی بنیاد پر اسلام پر اعتراض کیا ہے ۔

البتہ شق صدر کے معاملہ میں ایک روایت ہے جو ایک

معتبر کتاب میں لکھی ہے یعنی مسلم میں۔ اور اس لیے وہ اس لائق ہے کہ علمائے اسلام اس پر توجہ کریں اور اس بات کی تحقیق و تدقیق کریں کہ وہ روایت صحیح ہے یا بے اصل - کیوں کہ مسلم میں اس روایت کے مندرج ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اس کی صحت میں کچھ شبہ نہیں بلکہ صرف علماء کی توجہ کا استحقاق رکھتی ہے اور اگر بعد تحقیق کے معلوم ہو کہ وہ صحیح نہیں ہے تو گو کہ وہ مسلم نے بیان کی ہو ویسی ہی نا معتبر تصور ہوگی جیسے کہ اور کسی نے بیان کی ہوتی -

مسلم میں ہے کہ انس ابن مالک نے کہا کہ ''ایک روز جب کہ پیغمبر صاحب مکہ میں اور لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے حضرت جبرائیل اُن کے پاس آئے اور اُن کا دل چیرا اور اس میں سے ایک قطرہ نکال کر کہا کہ تجھ میں یہ شیطان کا حصہ تھا تب اس کو ایک سونے کی طشت میں آب زمزم سے دھویا اور اس کو بجنسہ جہاں رکھا ہوا تھا وہیں رکھ دیا - اور لڑکے بھاگ کر زھیرہ آنحضرت کی دودھ پلائی کے پاس گئے اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مار ڈالا - وہ فوراً محمدؐ کے پاس دوڑی آئی اور اُن کا رنگ فق پایا - (انس کا بیان ہے کہ) سیون کا نشان جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر محسوس ہوتا تھا میں نے خود دیکھا تھا۔''

قطع نظر اس کے اس روایت سے وہ تمام روایتیں جن میں حلیمہ کے گھر شق صدر ہونے کا بیان ہوا ہے غلط اور باطل قرار پاتی ہیں یہ روایت بھی چار مستحکم دلیلوں سے قابل اعتبار کے نہیں : اول یہ کہ انہی انس نے ایک دوسری روایت میں اس واقعہ کا ہونا شب معراج میں بیان کیا ہے اور وہ زمانہ اس زمانہ سے جو اس روایت میں مذکور ہے بالکل مختلف ہے۔ ظاہرا معلوم

ھوتا ھے کہ انس کے بعد کے راوی ۔ انس کی اُس لمبی روایت میں سے جو معراج سے متعلق ھے اور جس کا بیان آگے ھوگا ایک ٹکڑا توڑ کر اور اس میں بھی کمی بیشی کرکے بیان کیا ھے جس سے اس روایت کی بے اعتباری اور اس مضمون کا کہ سیون کے نشان انس نے دیکھے تھے لغو اور بے اصل ھونا ثابت ھوتا ھے۔ دوسرا یہ کہ اس روایت میں انس کا یہ قول کہ میں نے آنحضرت کے سینہ پر سیون کے نشان بچشم خود دیکھے تھے ، بیان کیا گیا ھے حالاں کہ یہ بات غیر ممکن ھے کیوں کہ اگر مانا جاوے کہ آنحضرت کا سینہ در اصل چیرا گیا تھا جیسا کہ اس روایت میں مذکور ھے تو اُس کی سیون کے نشان کا محسوس ھونا ناممکن تھا کیوں کہ یہ سیون جراح کی سیون اور ٹانکوں کی مانند نہ تھی کسی روایت کی اصلیت کے امتحان کرنے کا یہ بھی طریقہ ھے کہ اگر وہ کسی ایسے امر کو بیان کرے جو خود اس معجزہ کے جو اُس روایت میں بیان ھوا ھے برخلاف ھو تو ایسی روایت محض بے اصل ھوگی ۔ پس اس دلیل سے بخوبی ثابت ھوتا ھے کہ یہ روایت محض بے اصل و نا معتبر ھے اور انس کے بعد راوی نے اُس میں بالکل غلطی کی ھے ۔ تیسرے یہ کہ آنحضرت صلعم کے صحابہ نے آنحضرت صلعم کے حلیہ کا مفصل بیان کیا ھے ۔ مگر کسی نے اس سیون کے نشانوں کا جس کا بیان اس روایت میں ھے ذکر نہیں کیا ۔ اگر ایسا ھوتا تو بہت سے صحابہ اس کا ذکر کرتے ۔ چوتھے یہ کہ انس بر وقت وقوع اس واقع کے موجود نہ تھے اور نہ انھوں نے اُن اشخاص کے نام بیان کیے ھیں جن کی وساطت سے اُن کو یہ روایت پہنچی ۔ روایت کے نا معتبر قرار دینے کو ایک مستحکم اصول یہ قرار پایا ھے کہ اگر راوی کسی ایسے واقعہ کو بیان کرے جس میں وہ خود موجود نہیں

تھا تو وہ روایت قابل اعتبار کے نہیں ہے گو کہ وہ راوی صحابہ میں سے کیوں نہ ہو ۔

شق صدر کے متعلق روایتیں ایسی مختلف ہیں کہ آن کی باھمی تطبیق نہیں ہو سکتی اور اس لیے وہ سب کی سب نا معتبر ہیں ۔ مصنف مواھب لدنیہ نے سب سے زیادہ نادانی کی ہے کہ ان مختلف روایتوں کو دیکھ کر بعوض اس کے کہ آن کو نا معتبر ٹھہراتا یہ تسلیم کیا ہے کہ واقع شق صدر پانچ مرتبہ واقع ہوا تھا : اول اُس وقت جب کہ پیغمبر صاحب اپنی دائی حلیمہ کے پاس رہتے تھے ۔ دوم مکہ میں جب کہ آنحضرت کی عمر دس برس کی تھی ۔ سوم غار حرا میں ۔ چہارم شب معراج میں ۔ پنجم ایک دفعہ اور جس کے وقت کی تعیین خود مصنف نہ کر سکا یہ تمام روایتیں ایسی ہیں جن پر تمام ذی علم اور تعلیم یافتہ مسلمان ذرا بھی اعتبار نہیں کرتے اور یہ روایتیں محققین علمائے اسلام کے نزدیک طفلانہ افسانوں سے زیادہ کچھ رتبہ نہیں رکھتیں ۔

شق صدر کی نسبت صرف ایک روایت جس میں شب معراج میں شق صدر کا ہونا بیان کیا گیا ہے اعتبار کے لائق ہو سکتی ہے اور اُس واقعہ کو ہم معراج کے ساتھ بیان کریں گے ۔ مگر معراج کے تمام واقعات جو کچھ کہ ہوں بطور رویا کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف ہوئے تھے پس جو بیان شق صدر کا اس روایت میں ہے وہ بھی رویا سے متعلق ہے ۔

## ۲۔ واقعہ معراج

اب ہم معراج کے حالات بیان کرنے پر متوجہ ہوتے ہیں ۔ معراج کے مقدم واقعات جن پر توجہ کی جا سکتی ہے یہ ہیں ۔ آنحضرت کے سینہ مبارک کا شق کیا جانا ۔ آپ کا براق پر سوار

هو کر مکہ سے بیت المقدس کو جانا اور وہاں سے آسمان پر تشریف لے جانا ۔ وہ واقعات اور مکالمات جو آسمانوں پر پیش آئے ۔ مگر مطلق ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ان باتوں کے در حقیقت واقع ہونے کا کبھی دعویٰ کیا ہو ۔ قرآن مجید سے اور نیز اُن روایتوں سے جو راویوں نے معراج کی نسبت بیان کی ہیں ، معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ مکہ سے بیت المقدس گئے ہیں اور اگر اُس روایت کو جس میں شق صدر کا بھی ذکر ہے صحیح مانا جاوے تو یہ بھی آنحضرت نے خواب میں دیکھا تھا کہ اُن کا سینہ چاک کرکے اُن کا دل پانی سے دھویا گیا ہے اور اُسی خواب میں آنحضرت نے اور بھی کچھ خدا کی نشانیاں دیکھیں جس کی تفصیل قرآن مجید میں مذکور نہیں ۔

اول ہم اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ معراج صرف ایک رویا تھا ۔ بخاری میں لکھا ہے ۔ کہ ''ابن عباس نے قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر میں وما جعلنا الرویا التی اریناک الا فتنة للناس'' کہا کہ یہ آنکھ کا رویا ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس رات دکھایا گیا تھا ۔ جب وہ بیت المقدس کو لے جائے گئے تھے ۔

عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ وما جعلنا الرویا التی اریناک الا فتنة قال ھی رویا عین اریھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلة اسری بہ الی بیت المقدس (بخاری)

قتادہ کی روایت میں ہے ۔ کہ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چت لیٹے ہوئے تھے ۔

حسن کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی رات کو میں مقام حجر میں سوتا تھا ۔

انس کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں سوتے تھے اور جب تمام قصہ معراج کا انس بیان کر چکے ہیں ۔ تو اس کے آخیر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ لفظ بیان کیے ہیں کہ " پھر میں جاگ اٹھا اور میں مسجد حرام میں تھا ۔"

ام ہانی کی روایت میں ہے کہ معراج کی رات کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عشا کی نماز پڑھ کر ہم میں سو رہے اور فجر کے پہلے ہم نے اُن کو جگایا ۔

عبد ابن حمید کی روایت میں ہے کہ معراج کا حال بیان کرنے میں آنحضرت نے فرمایا " کہ میں سوتا تھا " یا یہ کہا کہ " چت لیٹا ہوا تھا " یا یہ کہا کہ " سونے اور جاگنے کے بیچ میں تھا ۔"

یہ روایتیں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا آئندہ لکھی جاویں گی ۔ یہ سب روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ معراج کے جو واقعات کہ بیان ہوئے ہیں وہ خواب کے واقعات ہیں اور اگر اُن روایتوں کی معتبری پر شبہ کیا جاوے تو اتنی بات تو ضرور اس سے ثابت ہوتی ہے کہ اُس زمانہ کے لوگ جب کہ یہ روایتیں لکھی گئیں معراج کے واقعات کو رویا کے واقعات سمجھتے تھے علاوہ اس کے بہت سے علمائے محققین نے جن میں امیہ اور حذیفہ بھی داخل ہیں جو معتبر اصحاب میں سے ہیں بالاتفاق معراج کو ایک رویا قرار دیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل سندوں سے ثابت ہوتا ہے ۔

شفائے قاضی عیاض میں لکھا ہے کہ "ایک گروہ عالموں کا اس طرف گیا ہے کہ معراج

نذهب طایفة الی انه اسری بالروح و انه رویا متام مع اتفا قهم ان رویا

الانبیاء حق و وحی و الی هذا ذهب معاویة وحکی عن الحسن والمشهور عنه خلافه والیه انشار محمد بن اسحاق ۔ (شفاء)

روحانی تھی اور وہ سوتے میں ایک رویا تھا ۔ اسی کے ساتھ آن سب نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ انبیاء کا رویا حق اور وحی ہے اور اسی بات کی طرف معاویہ بھی گئے ہیں اور حسن سے بھی یہی روایت کی گئی ہے لیکن آن کی مشہور روایت اس کے برخلاف ہے ۔ اور آس کی طرف محمد ابن اسحاق نے اشارہ کیا ہے ۔"

وحکی عن محمد بن جریر الطبری فی تفسیره عن حذیفة انه قال ذلک رویا و انه ماقفد جسد رسول الله صلعم وانما اسرے بروحه وحکی هذا القول ایضاً عن عائشه رض و عن معاویه رض ۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ محمد بن جریر طبری سے آس کی تفسیر میں نقل کی ہے ۔ کہ حذیفہ نے کہا کہ "یہ (یعنی واقعہ معراج) رویا تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و سلم کا جسم نہیں گیا تھا اور معراج صرف روحانی تھی اور یہی قول عائشہ رض اور معاویہ رض سے بیان کیا گیا ہے ۔

مگر علمائے متاخرین نے مذہبی گرم جوشی سے یہ بات قرار دی کہ معراج جسمانی تھی اور تمام واقعات جو واقع ہوئے ہیں فی الحقیقت واقع ہوئے تھے ۔ لیکن اس ادعا کی نسبت آن کے پاس کوئی سند قرآن مجید کی موجود نہیں ہے بلکہ بعض الفاظ کے معنوں پر جوش و خروش کے ساتھ بحث کرکے اس امر کو قائم کرتے ہیں ۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ لفظ "اسریٰ" کا اطلاق رویا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے پر نہیں ہو سکتا ۔ کیوں کہ آس کے معنی رات کے سفر کے ہیں اور اسی وجہ سے وہ اس لفظ سے واقعی رات کا سفر مراد لیتے ہیں اسی طرح وہ یہ

دلیل کرتے ھیں کہ لفظ " بعبدہ " کا اطلاق جس کے معنی اپنے بندہ کے ھیں ۔ روح اور جسم دونوں پر ھوتا ھے کیوں کہ انسان دونوں چیزوں سے مرکب ھے ۔ اس لیے ضرور ھے کہ وہ سفر یعنی معراج جسانی ہُوئی ھو ۔ وہ بیان کرتے ھیں کہ لفظ رویا کے معنی دیکھنے کے ھیں اگرچہ اُس سے بالعموم خواب میں دیکھنے کے معنی لیے جاتے ھیں لیکن اس کا اطلاق فی‌الواقع آنکھ کے دیکھنے پر بھی ھو سکتا ھے اور اس لیے ممکن ھے کہ " رویا " کا لفظ جو قرآن مجید میں آیا ھے اُس سے پچھلے معنی مراد ھوں ۔ اس پر وہ یہ دلیل اور اضافہ کرتے ھیں کہ ابن عباس کی روایت میں جو لفظ "رویا عین" استعمال ھوا ھے ۔ تو " عین" کی قید لگانے سے ظاھر ھوتا ھے کہ رویا کے لفظ سے فی‌الواقع آنکھ کا دیکھنا مراد ھو ۔

باقی حدیثوں کا جن میں آنحضرت کا سوتا ھوا ھونا مذکور ھے ۔ یوں فیصلہ کرتے ھیں کہ یا تو آنحضرت معراج کے شروع ھونے کے وقت اس طرح پر لیٹے ھوئے ھوں گے جیسے کہ عموماً لوگ سونے کے واسطے لیٹتے ھیں یا معراج سوتے میں شروع ھوئی ھوگی اور پھر جاگ گئے ھوں گے اور جاگنے کی حالت میں ختم ھوئی ھوگی ۔

مگر ھر شخص پر جس میں ذرا بھی سمجھ ھے اور ذرا بھی استدلال کا مادہ رکھتا ھے واضح ھوگا کہ مذکورہ بالا دلیلیں کیسی پوچ اور ضعیف ھیں ۔ ان دلیلوں کے پیش کرنے والے صرف وھی لوگ ھیں جو جوش مذھبی میں اندھے ھو کر یہ عقیدہ رکھتے ھیں کہ اُن تمام روایتوں پر جو ذرا بھی مذھب سے علاقہ رکھتی ھیں گو وہ کیسے ھی بے ھودہ اور محال اور قابل تضحیک ھی کیوں نہ ھوں آمنا وصدقنا کہنا چاھیے ۔ بلاشبہ اُن

مسلمانوں کا یہ جاہلانہ اعتقاد اُن کی نا معقولیت پر دلالت کرتا ہے۔
لیکن عیسائیوں کا یہ بیان کہ ہر مسلمان کو ان سب بے ہودہ
باتوں کو امور دینی سمجھ کر بلا وسواس اُن پر اعتقاد رکھنا
واجب ہے اور بھی زیادہ بے ہودہ پن ہے۔ دیدہ دانستہ نا انصافی
اور خامیانہ جہالت کے کس قدر گہرے اور تاریک گڑھے میں پڑا ہو
دھنسا ہوا ہوگا جس وقت کہ اُس نے یہ کہا کہ جملہ مسلمان
اس کو ایک اصل امر دینی سمجھتے ہیں اور اس مذہب کے
تمام لوگوں کا اس قصے پر ایسا مستحکم اعتقاد ہے۔ جیسے کہ
عیسائی انجیل کے کسی امر پر عقیدہ رکھتے ہیں۔

عیسائیوں کی عادت ہے کہ جب وہ کوئی کتاب مذہب اسلام
یا اُس کے بانی کے حالات میں لکھتے ہیں تو اُن کا ارادہ انصاف
یا تحقیق حق کا نہیں ہوتا بلکہ قلم اٹھانے سے پہلے وہ قصد کر لیتے
ہیں کہ جہاں تک ہو سکے اُس کو لغو اور بیہودہ ظاہر کیا جائے۔
پس وہ اُن تمام لغو اور محمل روایتوں کو جن کو خود مسلمان
تسلیم نہیں کرتے ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر مسلمانوں کے
خاص امور دینی بغیر کسی دلیل کے قرار دیتے ہیں اور اس پر
زبان طعن و تشنیع دراز کرتے ہیں۔ عیسائیوں نے باستثنائے
معدودے چند کے اُس مقدس شخص کے احکام و طریقہ کو جس کے
پیرو وہ اپنے تئیں بتاتے ہیں اور جس کے حلم اور نیک خصلت سے وہ
محض بے بہرہ ہیں بالائے طاق رکھ کر اُن لوگوں پر جو
خدائے واحد بر حق پر ایمان رکھتے ہیں ایسے الفاظ سے
طعن و تشنیع کی ہے۔ جن کا ملحد اور لا مذہب لوگوں پر بھی
استعمال کرنا نا زیبا ہے اُسی قسم کی نا انصافانہ سخت کلامیاں ہیں
جو عیسایوں نے معراج اور شق صدر کے باب میں لغو اور
نا معتبر روایتوں کی بنیاد پر مسلمانوں پر کی ہیں۔

مگر ہم اُن عیسائی مصنفوں کا شکر کیے بغیر نہیں رہ سکتے جنھوں نے انصافانہ تسلیم کیا ہے ۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس واقع کو خواب کا واقعہ بیان کرتے تھے اور اُنھوں نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ راویوں نے جو زیادتیاں اس میں کر دی ہیں اُن سے بانی مذہب اسلام پر کوئی الزام عاید نہیں ہو سکتا ۔ چناں چہ اکتوبر کے کوارٹر لے ریویو نمبر ۲۵۴ میں ایک عیسائی مصنف نے یہ رائے لکھی ہے کہ ''جو کچھ ہم کو اس مقام پر بیان کرنا ہے وہ یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے بعض سرگرم پیروؤں کا ذمہ دار قرار نہیں دینا چاہیے جب کہ انھوں نے اس خواب کو (جس کے ہم پلہ تمام ڈواین کامڈی میں شاید ہی کوئی خواب ہو اور جس نے البتہ کسی قدر رنگ اس سے نا دانستہ اڑایا ہے لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو ہمیشہ خواب کہتے کہتے تھک گئے) ایک محمل اور لا یعنی چیز کے ساتھ بدل دیا ۔''

اگرچہ ہم نے اُن روایتوں کی جو معراج سے متعلق ہیں بخوبی قدر و منزلت جیسی کہ اُن کی ہے بیان کر دی ہے لیکن اب ہم اُن تمام نا معتبر روایتوں کو اور ان تمام بے بنیاد قصوں کو جو اُن میں مذکور ہیں ۔ بغرض اتمام حجت واقعی تسلیم کر لیتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کر لیتے ہیں ۔ کہ ان تمام قصوں پر اعتقاد رکھنا مسلمانوں کے ہاں ایک خاص امر دینی ہے اور پھر ہم اُن متعصب عیسائیوں سے جو ان روایات کی بنا پر مذہب اسلام پر طعن و تشنیع کرتے ہیں پوچھتے ہیں کہ وہ کیوں اس قدر دند مچاتے ہیں جب کہ وہ خود اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں پر یقین رکھتے ہیں ۔ کیا اُن کا یہ اعتقاد نہیں ہے اور وہ اس بات کو دینی امر خیال نہیں کرتے کہ حضرت الیاس

آسمان پر انسانی جسم و شکل کے ساتھ بدون چکھنے ذائقہ موت کے ایک آتشیں گاڑی میں بذریعہ ایک آندھی کے اٹھا لیے گئے ہیں ؟ اور کیا عیسائی اس بات پر عقیدہ نہیں رکھتے کہ حضرت عیسیٰ مسیح مرنے کے بعد اٹھے اور آسمان پر چلے گئے اور خدا تعالیٰ کے دست راست کی طرف بیٹھے یعنی خود اپنی ہی دست راست کی طرف کیوں کہ وہ خود خدا تھے ؟ (متی باب ۲۸ ورس ۷ مرقس باب ۱۶ ورس ۱۹)۔

اس واسطے ہم تمام عیسائیوں کو جو ایسی خراب اور ایذا رساں نظیر کی تقلید کی جانب مائل ہیں ۔ ان کے احکام مرقومۃ الزیل کی پیروی کرنے کی صلاح دیتے ہیں کہ " تو اُس ذرہ کو جو تیرے بھائی کی آنکھ میں ہے دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ میں جو شہتیر ہے اُس کو نہیں دیکھتا ۔ تو اپنے بھائی سے کس طرح کہہ سکتا ہے کہ بھائی تو مجھ سے اپنی آنکھ کا ذرہ نکلوا لے جب کہ تجھ کو خود اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا ۔ اے مکار پہلے تو اپنی آنکھ میں کا شہتیر تو نکال لے تب تجھ کو اپنے بھائی کی آنکھ میں کا ذرہ نکالنے کے لیے صاف نظر آنے لگے گا ۔" (لوقا ، باب ۶ ورس ۴۱ و ۴۲) ۔

گرم جوش پیرو ہمیشہ اس قسم کے واقعات کو جب نظم یا نثر میں بیان کرتے ہیں ۔ تو اُس میں شاعرانہ خیالات ملا دیتے ہیں ۔ اسی طرح معراج کے حالات نظم و نثر میں لوگ بیان کرتے ہیں تو اُس میں بھی شاعرانہ خیالات ملا دیے ہیں ۔ یہ امر مسلمان گرم جوش پیرووں پر موقوف نہیں ہے بلکہ عیسائی گرم جوش پیرووں کا بھی یہی حال ہے ۔ ایک مقدس عیسائی نے حضرت عیسیٰ کے آسمان پر چلے جانے کے قصہ کو نہایت شاعرانہ رنگینی سے نظم کیا ہے جس کا ترجمہ ہم لکھتے ہیں ۔

اُس نے آسمان کی طرف مراجعت کی اور اُس کے پیچھے صدائے مرحبا اور دس ہزار چنگوں کی سریلی آوازیں تھیں جو زمزمہائے ملکوتی کا سماں باندھ رہی تھیں - زمین اور ہوا اُن کی آواز سے گونج رہی تھی تمام افلاک و بروج سے صدائے بازگشت آ رہی تھی - سیارے اپنے اپنے مقامات پر سننے کے لیے ٹھیر گئے تھے جب کہ یہ نورانی جلوس طنطنہائے شادکامی کے ساتھ عالم بالا کا عازم ہوا - اُنھوں نے یہ نغمہ گایا اے لازوال دروازہ کھل جاؤ - اے آسمانوں اپنے دروازوں کو وا کرو اور اس بڑے نجات دہندہ کو جو اپنے کام کو اختتام پر پہنچا کر شان و شوکت کے ساتھ آتا ہے اندر لے لو اور اب خدا تعالیٰ نظر عاطفت سے نیک لوگوں کے مکانوں میں قدم رنجہ کرے گا اور اپنی خوشی سے اپنے قاصدان اولی الاجنحہ کو رحمت آسمانی کے پیغام دے کر متواتر وہاں بھیجا کرے گا -

پس کیا کسی مسلمان کو زیبا ہے کہ ان شاعرانہ خیالات کو مذہب عیسوی میں داخل قرار دے کر اُن پر بیہودہ طعن و تشنیع شروع کرے -

اب ہم اس طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ اُس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی کیا نشانیاں دیکھیں یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں بجز اُس کے کہ آنحضرت نے خدا کی کچھ نشانیاں دیکھیں اور کچھ مذکور نہیں ہے - مگر قرآن مجید کے طرز کلام پر اگر ہم غور کریں اور اُس سے اُن نشانیوں کا استنباط کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں آیت اور آیات کا لفظ احکام پر اطلاق ہوا ہے اور دکھلانے کا لفظ کسی بات پر کامل یقین کرا دینے کی نسبت بولا جاتا ہے - پس آیت معراج کے ان الفاظ کے ”لنریہ من ایاتنا“ کے یہ معنی

ہوئے '' تاکہ یقین کرا دیں ہم اس کو اپنے بعض حکموں سے۔''
پس وہ نشانیاں وہی احکام تھے جو عالم رویا میں ان کو وحی کیے گئے - اب ہم کو تلاش کرنی چاہیے کہ وہ احکام کیا تھے - جب ہم اس مقدس سورت کو بغور پڑھتے ہیں اور بخوبی چھان بین کرتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ احکام جو آنحضرت پر منکشف ہوئے اور جو اسی سورت میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں :

لا تجعل مع اللہ الہا اخر فتقعد مذموما مخذولا (آیت ۲۳)

مت مقرر کر ساتھ اللہ کے معبود اور پس بیٹھ رہے گا - تو مذمت کیا گیا ہلاکت میں سونپا ہوا -

و قضی ربک الا تعبد و الا ایاہ و بالوالدین احسانا اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اف ولا تنھر ھما و قل لھما قولا کریما - (آیت ۲۴)

اور حکم کیا تیرے پروردگار نے کہ نہ پوجو مگر اسی کو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا - اگر پہنچیں تیرے نزدیک بڑھاپے کو دونوں میں سے ایک یا دونوں - پس مت کہو ان کو اف اور مت ڈانٹ ان کو اور کہہ ان کو معزز کہنا -

و اخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ و قل رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا - (آیت ۲۵)

اور نیچا کر ان دونوں کے لیے ذات کا بازو مہربانی سے اور کہہ اے پروردگار رحم کر ان پر جس طرح پالا انھوں نے مجھ کو چھٹپن میں -

و ات ذا القربیٰ حقه
و المسکین و ابن ا لسبیل
و لا تبذر تبذ یر ا ۔
(آیت ۲۸)

اور دے رشتہ دار کو
اُس کا حق اور مسکین کو اور
مسافروں کو اور فضول خرچی
مت کر ۔

و لا تجعل یدک
مغلولة الیٰ عنقک و لا
تبسطها کل البسط فتقعد
ملوما محسورا ۔ (آیت ۳۱)

اور مت کر اپنے ہاتھ کو
بندھا ہوا اپنی گردن کی طرف
اور مت کھول دے اُس کو
بالکل کھول دینا ۔ کہ بیٹھ
رہے تو ملامت کیا ہوا درماندہ ۔

و لا تقتلوا اولادکم
خشیة املاق نحن نرزقهم
و ایاکم ان قتلهم کان
خطاء کبیرا ۔ (آیت ۳۳) ۔

اور مت مار ڈالو اپنی
اولاد کو افلاس کے ڈر سے ہم
اُن کو اور تم کو روزی دیتے
ہیں ۔ بے شک اُن کا مار ڈالنا
بڑا گناہ ہے ۔

و لا تقربوا الزنا
انه کان فاحشة وساء سبیلا ۔
(آیت ۳۴)

اور زنا کے پاس مت جاؤ ۔
بے شک وہ بے حیائی اور بری
راہ ہے ۔

و لا تقتلوا النفس
التی حرم الله الا بالحق ۔
(آیت ۳۵)

اور مت مار ڈال اُس جان
کو جس کو خدا نے حرام کیا ہے
مگر حق کے ساتھ ۔

و لا تقربوا مال
الیتیم الا بالتی هی
احسن حتی یبلغ اشده و
او فوا بالعهد ان العهد
کان مسئولا ۔ (آیت ۳۶)

اور مت چھوؤ یتیم کے
مال کو مگر پسندیدہ طریقہ سے
یہاں تک کہ وہ پہنچے اپنی
جوانی کو اور پورا کرو عہد
کو بے شک عہد پوچھا
جاوے گا ۔

و اوفوا الکیل اذا کلتم و زنوا بالقسطاس المستقیم ۔ (آیت ۳۷)

اور پورا کرو پیمانہ کو جب ناپو اور وزن کرو سدہ ترازو سے ۔

و لا تقف مالیس لک به علم ان السمع و البصر و الفواد کل اولئک کان عنه مسٔولا ۔ (آیت ۳۸)

اور اس بات کے پیچھے مت پڑ جس کا تجھ کو علم نہین ہے ۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہوگا ۔

و لا تمش فی الارض مرحاً انک لن تخرق الارض و لن تبلغ الجبال طولا (آیت ۳۹)

اور زمین مین اکڑتا ہوا مت چل ۔ یقیناً تو زمین کو پھاڑ نہ ڈالے گا اور لمبان مین پہاڑون کو نہ پہنچے گا ۔

کل ذلک کان سیئه عند ربک مکروھا ۔ (آیت ۴۰)

ان سب باتون کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک نا پسندیدہ ہے ۔

ذلک مما اوحی الیک ربک من الحکمة و لا تجعل مع الله الٰھا آخرفتلقی فی جھنم ملوما مدحورا ۔ (آیت ۴۱)

یہ اُن چیزون مین سے ہے کہ تیرے پروردگار نے وحی بھیجی تیری طرف حکمت سے اور مت قرار دے خدا کے ساتھ دوسرا خدا کہ ڈالا جاے تو دوزخ میں ملامت کیا ہوا ، راندہ ہوا ۔

پچھلی آیت سے صاف پایا جاتا ہے کہ ان احکام کی وحی خدا تعالٰی نے دی تھی اور جوکہ یہ تمام احکام اسی سورہ معراج مین یہ لفظ وحی بیان ہوئے ہین اُس سے یقین ہوتا ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج مین احکام کا انکشاف ہوا تھا ۔

بعض روایتیں اس خواب میں اور بہت سی چیزوں کے ظاہر ہونے کا بیان کرتی ہین مگر آن کی صحت کے واسطے کوئی بھی معتبر سند نہین ہے اور ایسی بہت کم روایتیں ہین جن کے راویوں کا سلسلہ پیغمبر خدا تک پہنچتا ہو ۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان راویوں نے کوئی بات قرآن مجید سے اور کوئی بات حدیثوں سے بلا تنقیح آن کی صحت کے اور کوئی بات کسی راوی کی زبانی روایت سے اور کوئی دوسری بات کسی دوسرے راوی کی زبانی روایت سے چن کر اور آن سب پر اپنے دلیل اور وہمی خیالات کا اضافہ کرکے ایک قصہ گھڑ لیا ہے ۔ علاوہ اس کے یہ سب روایتیں کچھ عقل ہی کے برخلاف نہیں ہین بلکہ خود دین اسلام کے عقائد اصولی کے اس قدر خلاف ہیں کہ آن پر ذرہ برابر بھی اعتقاد رکھنا محال ہے ۔

علاوہ اس کے یہ روایتیں ایک دوسری سے ایسی مخالف اور متناقض ہین کہ ہم کو کوئی شخص ایسا نہین معلوم ہوتا کہ ایک کی دوسری سے تطبیق کر سکے ۔ اس مقصد سے کہ جو کچھ ہم نے اوپر کیا ہے ہماری اس کتاب کے پڑھنے والوں کے ذہن میں بخوبی آجاوے ۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آن سب روایتوں کو اس مقام پر نقل کریں اور آن کے اختلافات دکھانے کو آن کو علیحدہ علیحدہ اٹھارہ حصوں میں تقسیم کریں ۔

## اول ۔ آن اختلافات کو دکھلایا جاتا ہے جو مقام وقوع معراج سے متعلق ہیں

| | |
|---|---|
| عن قتادة عن انس | مالک بن صعصعہ سے |
| ابن مالک عن مالک بن | روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ |

| | |
|---|---|
| صعصعة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدثھم عن لیلة اسری بہ بینما انا فی الحطیم و ربما قال فی الحجر ۔ (قتادہ) | علیہ وسلم نے اُن لوگوں سے شب معراج کا قصہ بیان کیا تو فرمایا کہ اس درمیان میں کہ ”میں حطیم میں تھا“ اور کبھی فرمایا کہ حجر میں ۔ |
| عن ابن شہاب عن انس قال کان ابو ذر یحدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فرج عنی سقف بیتی و انا بمکة ۔ (ابن شہاب) | انس سے روایت ہے کہ ابو ذر حدیث بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر کی چھت شق کی گئی اور میں مکہ میں تھا ۔ |
| عن ام ھانی انھا قالت ما اسری برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا ھو فی بیتی تلک اللیلة ۔ (ام ھانی) | ام ھانی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج نہیں ہوئی ۔ مگر یہ کہ وہ اُس رات کو میرے گھر میں تھے ۔ |
| و قدروی عمر بن الخطاب فی حدیث الاسراء عنہ علیہ السلام انہ قال ثم رجعت الی خدیجة وما تحولت عن جانبھا ۔ (شفاء) | حضرت عمر بن خطاب نے معراج کی حدیث میں آنحضرت سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا پھر واپس آیا میں خدیجہ کی طرف اور انھوں نے کروٹ نہیں بدلی تھی ۔ |

## دوم - ان اختلافات کو دکھلایا جاتا ہے جو بر وقت شروع معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سے متعلق ہیں

| | |
|---|---|
| مضطجعا (قتادہ) | لیٹے ہوئے (قتادہ)۔ |
| و عن الحسن بینما انا نائم فی الحجر جاءنی جبرئیل فھمزنی بعقبه لقمت فجلست فلم اراحد افعلات الی مضجعی ذکر ذلک ثلثا فقال فی الثالثة فاخذ بعضدی فجرنی الی باب المسجد (حسن) - | اس درمیان میں کہ میں حجر میں سویا ہوا تھا جبرئیل میرے پاس آئے پور ٹھوکا دیا ایڑی سے پس میں اٹھ بیٹھا سو مجھ کو کوئی شخص نظر نہ آیا پھر میں اپنی خواب گاہ کی طرف پھرا - آپ نے (رسول اللہ نے) اس کو تین بار ذکر کیا اور تیسری بار فرمایا کہ میرے بازو کو پکڑا اور مسجد کے دروازہ تک کھینچ لائے -(حسن) |
| عن انس وھو نائم فی المسجد الحرام و ذکر القصة ثم قال فی آخرھا فاستیقظت و انا با المسجد الحرام - (شفاء قاضی عیاض) | انس سے روایت ہے کہ وہ " سوئے ہوئے تھے مسجد حرام میں" قصہ کو بیان کیا - پھر اخیر میں کہا کہ جاگا میں اور میں مسجد حرام میں تھا " |
| صلی العشاء الآخرة و نام بیننا فلما کان قبل الفجر اھبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما | آنحضرت نے اخیر عشاء پڑھی اور ہم لوگوں میں سوئے فجر سے پہلے آنحضرت نے ہم لوگوں کو جگایا - پھر جب |

صلی الصبح و صلینا قال
یا ام هانی لقد صلیت
معکم العشاء الا خرة
کما رایت بهذ الوادی ثم
جئت بیت المقدس فصلیت
فیه ثم صلیت الغداة معکم
الان کماترون (ام هانی) -

آپ نے صبح کی نماز پڑھ لی
اور هم لوگوں نے بھی پڑھ لی
آپ نے فرمایا اے ام هانی مین
نے تم لوگوں کے ساتھ اخیر
عشاء پڑھی جیسا کہ تو نے
اس میدان مین دیکھا - پھر مین
بیت القدس پہنچا اور وهاں نماز
پڑھی - پھر صبح کی نماز اس
وقت تم لوگوں کے ساتھ پڑھی
جیسا کہ تم دیکھ رهے هو -

فی روایة عبد بن حمید
عن همام بینما انا نائم و
ربما قال مضطجع و فی
الروایة الاخری بین النایم
والیقطان - (شفاء عیاض)

همام سے روایت هے کہ
اس درمیان مین کہ مین سویا
هوا تھا اور کبھی فرمایا کہ
لیٹا هوا تھا اور دوسری روایت
مین هے کہ سونے اور جاگنے
کے درمیان مین -

و حکوا عن عایشة
انها قالت ما فقدت جسد
رسول الله صلی الله علیه
وسلم - (شفاء)

عایشہ رض سے بیان کرتے
هیں - کہ انهوں نے کہا -
مین نے رسول الله صلی الله
علیه وسلم کا جسم گم نہیں کیا -

## سوم - متعلق شق صدر

اذا تانی آت فشق ما بین
هذه الی هذه یعنی من ثغرة
نحره الی شعرته - (قتاده)

کہ میرے پاس ایک
آنے والا آیا اور یہاں سے
یہاں تک چاک کر دیا یعنی
سینه کی هڈی سے بالوں تک -

فنزل جبرئیل ففرج صدری ۔ (ابن شہاب)

پس آترے جبرئیل اور چاک کیا میرا سینہ ۔

## چہارم ۔ واقعات بعد شق صدر

فاستخرج قلبی ثم آتیت بطست من ذھب مملو ایمانا فغسل قلبی ثم حشی ثما اعید ۔ (قتادہ)

پس میرا دل نکالا پھر ایک طشت سونے کا لائے جو ایمان سے بھرا ھوا تھا پھر میرے دل کو دھویا گیا پھر بھر دیا گیا اور ویسا ھی کر دیا گیا ۔

و فی روایة ثم غسل البطن بماء زمزم ملا ایمانا و حکمة ۔ (قتادہ)

ایک روایت میں ہے کہ پھر پیٹ کو زمزم کے پانی سے دھویا جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا ۔

ثم غسله بماء زمزم ثم جاء بطست من ذھب ممتلیٔ حکمة و ایمانا فا فرغه فی صدری ثم اطبقه ۔ (ابن شہاب)

پھر اس کو دھویا زمزم کے پانی سے پھر ایک طشت سونے کا لایا گیا جو حکمت و ایمان سے بھرا ھوا تھا ۔ پس اس کو میرے سینہ میں اونڈیلا اور پھر برابر کر دیا ۔

## پنجم ۔ متعلق براق

ثم اتیت بدا بة دون البغل و فوق الحمار ابیض یقال له البراق یضع خطوہ عند اقصی طرفه ۔

پھر ایک چوپایہ میرے پاس لایا گیا خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا ۔ سفید رنگ کا جس کا نام براق تھا ۔ جس حد

(قتادہ) ۔

تک اُس کی نظر جاتی تھی اس کا قدم وهین پڑتا تھا ۔

عن ثابت البسنانی عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتیت بالبراق و ھودابۃ ابیض طویل فوق الحمار و دون البغل یقع حافرہ عنہ منتھی طرفہ ۔ (ثابت)

انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس براق لایا گیا جو ایک سفید لانبا چارپایہ ہے گدھے سے اونچا اور خچر سے چھوٹا ۔ اس کا سم وھاں پڑتا تھا جھاں تک اُس کی نگاہ جاتی تھی ۔

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی بالبراق لیلۃ اُسری بہ ملجما مسرجا ۔ (انس)

انس سے روایت ہے کہ جس رات رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو معراج ھوئی ۔ براق لایا گیا ۔ زین کسا ھوا اور لگام چڑھایا ھوا ۔

ثم اخذ بیدی فعرج بی الی السماء ۔ (ابن شھاب)

پھر میرا ھاتھ پکڑا اور مجھ کو آسمان تک چڑھا لے گیا ۔

## ششم ۔ متعلق سواری براق

فحملت علیہ ۔ (قتادہ)

پس مین اس پر سوار کرایا گیا ۔

فرکبتہ ۔ (ثابت)

پس مین اُس پر سوار ھوا ۔

فاستصعب علیہ فقال لہ جبرئیل ایمحمد تفعل ھذا فما رکبک

پس اُس کو دشوار گذرا ۔ جبرئیل نے اُس سے کہا ارے تو محمد کے ساتھ ایسا کرتا ہے ۔

احد اکرم الله منه فارفض عرقا و قال الترمذی هذا حدیث غریب ۔ (انس)

کوئی شخص اُن سے زیادہ بزرگ تجھ پر سوار نہیں ہوا ہے ۔ پس وہ پسینے سے تر ہو گیا ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے ۔

## ہفتم ۔ واقعات بیت المقدس پہنچنے کے

حتّی اتیت بیت المقدس فربطته با لحلقه التّی یر بط بها الا نبیاء ۔ (ثابت)

یہاں تک کہ میں بیت المقدس آیا ۔ پس میں نے اُس کو اُسی حلقه میں باندھ دیا جس میں اور انبیاء باندھا کرتے ہیں ۔

عن بریدة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لما انتهینا الی بیت المقدس قال جبر ئیل با صبعه فخرق بها الحجر فشد به البراق ۔ (رواه الترمذی)

بریدہ سے روایت ہے کہ رسول الله صلی الله علیه وسلم نے فرمایا ۔ جب ہم بیت المقدس پہنچے جبرئیل نے اپنی اُنگلی سے اشارہ کیا ۔ پس پتھر پھٹ گیا اور اس سے براق کو اٹکا دیا ۔

قتادہ اور اس کے سوا اور راویوں نے جناب پیغمبر خدا کے بیت القدس میں جانے اور وہاں چند رسوم کے ادا کرنے کا جن کو اب ہم بیان کریں گے کچھ ذکر نہیں کیا ہے ۔

## ہشتم ۔ رسوم جو بیت المقدس میں ادا کی گئیں

قال ثم دخلت المسجد فصلیت فیه رکعتین ۔ (ثابت)

فرمایا آنحضرت نے پھر داخل ہوا میں مسجد میں اور دو رکعت نماز اُس میں پڑھی ۔

عن ابی هریره قال قال
رسول الله صلی الله علیه وسلم
لقد رایتنی فی الحجر و
قریش تسالنی عن مسرای
فسالتنی عن اشیاء من
بیت المقدس لم اثبتها
فکربت کربا ما کربت
مثله فرفعه لی انظر الیه
ما یسالونی عن شیے الا
ابناتهم وقد رایتنی فی
جماعة من الانبیاء فاذا
موسیٰ قایم یصلی فاذا رجل
ضرب جعد کانه من رجال
شنئوة و اذا عیسیٰ قایم
یصلی اقرب الناس به شبها
عروة بن مسعوده الثقفی
فاذا ابراهیم قایم یصلی
اشبه الناس به صاحبکم
یعنی نفسه فحانت الصلوة
(صلوة العصر) فاممتهم
فلما فرغت من الصلوة
قال لی قایل یا محمد هذا مالک
خازن النار فسلم علیه
فالتفت الیه فبدانی

فرمایا رسول الله صلی الله
علیه وسلم نے میں حجر میں تھا
قریش میری معراج کا حال پوچھ
رہے تھے - پس آنھوں نے مجھ
سے بیت المقدس کے متعلق چند
باتیں پوچھیں جو مجھے یاد نہیں
رھی تھیں - اس پر مجھ کو ایسا
صدمه هوا - که کبھی نہیں
هوا تھا پس خدا نے بیت القدس
کو میرے سامنے کر دیا که
میں اس کو دیکھنے لگا - پھر
جو بات آنھوں نے پوچھی میں
نے سب بتائی اور میں نے اپنے
کو جماعت انبیاء میں دیکھا -
یکایک موسیٰ نظر آئے که
کھڑے نماز پڑھ رہے تھے -
وہ ایک پیچیدہ مو آدمی تھے گویا
شنوة کے لوگوں میں سے هیں -
پھر عیسیٰ نظر آئے کھڑے نماز
پڑھ رہے تھے - عروة بن مسعود
ثقفی آن سے صورت میں بہت
ملتے هیں - پھر ابراهیم نظر آئے
کھڑے نماز پڑھ رہے تھے آن
سے بہت ملتا هوا تمھارا ساتھی

بالسلام ۔ (رواہ مسلم)

ہے (حضرت نے اس سے اپنے کو مراد لیا) پھر نماز عصر کا وقت ہوا ۔ میں اُن سب کا امام بنا ۔ پھر جب نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے مجھ سے کہا اے محمد یہ مالک ہے دوزخ کا داروغہ سو اس کو سلام کرو ۔ میں اُن کی طرف متوجہ ہوا تو اُنھوں نے خود سلام میں پیش دستی کی ۔
(اُس کو مسلم نے روایت ہے)

عن جابر انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لما کذبنی قریش قمت فی الحجر فجلی اللہ لی بیت المقدس نطفقت اخبرھم عن ایاتہ و انا انظر الیہ ۔ (متفق علیہ) ۔

جابر سے روایت ہے کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا جب قریش نے مجھ کو جھٹلایا تو میں حجر میں کھڑا ہوا تھا ۔ پس خدا نے بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا ۔ میں اُس کی طرف دیکھ رہا تھا اور بیت المقدس کی علامتیں بتاتا جاتا تھا ۔

و فی حدیث ابی ھریرۃ ثم سارحتی اتی بیت القدس فنزل فربط فرسہ الی صخرۃ فصلی مع الملئکۃ قالوا

ابو ھریرہ کی حدیث میں ہے پھر چلے آنحضرت یہاں تک کہ بیت القدس میں آئے پھر اتر کر اپنے گھوڑے کو ایک

يا جبرئيل من هذا معك قال هذا محمد رسول الله خاتم النبيّين قالوا او قد ارسل اليه قال نعم قالوا حياه الله من اخ و خليفة فنعم الاخ و نعم الخليفة ثم لقوا ارواح الانبياء فاثنوا على ربهم و ذكر كلام كل واحد منهم وهم ابراهيم و موسٰى و عيسٰى و داؤد و سليمان ثم ذكر كلام النبي صلى الله عليه وسلم فقال وان محمدا صلى عليه وسلم اثنى على ربه فقال كلكم اثنى على ربه و انا اثنى على ربي الحمد الله الذى اوسلنى رحمة اللعالمين كافة للناس اجمعين بشيرا و نذيرا و انزل علٰى القران فيه تبيان كل شئى وجعل امتى خير امة وجعل امتى وسط وجعل امتى هم الاولون وهم الآخرون و شرح لى صدرى و وضع عنى وزرى و رفع لى ذكرى و جعلنى

پتھر سے باندھ دیا - پھر فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی - جب نماز ہوئی تو لوگوں نے پوچھا اے جبرئیل تمھارے ساتھ یہ کون ہیں - جبرئیل نے کہا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء لوگوں نے کہا کیا آن کے پاس پیغام بھیجا گیا - انھوں نے کہا ہاں سب نے کہا - خدا آن کو زندہ رکھے - بڑے اچھے بھائی اور خلیفہ ہیں پھر انبیاء کی روحوں سے ملاقات ہوئی سب نے اپنے خدا کی تعریف بیان کی اور ہر ایک کا کلام بیان کیا (ابو ہریرہ نے) اور وہ ابراهیمؑ و موسٰی و عیسٰی و داؤد و سلیمان تھے - پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بیان کیا (ابو ہریرہ نے) پس کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خدا کی تعریف بیان کی - تو کہا کہ تم سب لوگوں نے اپنے خدا کی تعریف کی - اور اب میں اپنے خدا کی تعریف بیان کرتا ہوں - حمد

| | |
|---|---|
| فاتحا و خاتما فقال ابراهیم بهذا فضلکم یا محمد۔ (شفاء قاضی عیاض) | ہے اُس خدا کو جس نے مجھ کو تمام عالم کے لیے رحمت کرکے بھیجا اور تمام لوگوں کے لیے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بھیجا ۔ اور مجھ پر قرآن اتارا جس میں ہر ایک شے کی توضیح ہے اور میری امت کو اور امتوں سے افضل کیا اور میری امت کو وسط کیا اور میری امت کو قرار دیا ۔ کہ وہی پہلے ہیں اور وہی پچھلے ہوں گے اور میرا سینہ کھول دیا اور بوجھ مجھ سے اتار دیا اور میرا چرچا بلند کیا ۔ اور مجھ کو فاتح کیا اور خاتم کیا ۔ پس ابراھیم نے کہا اسی سے محمد تم سب سے بڑھ گئے ۔ |
| و انکر ذلک (ای الصلواۃ فی البیت المقدس) حذیفۃ بن الیمان و قال و اللہ ما زال عن ظھر البراق حتی رجع ۔ (شفاء) | اور انکار کیا اُس کا (یعنی بیت‌المقدس میں نماز کا) حذیفہ بن یمان نے اور کہا بخدا رسول اللہ براق کی پیٹھ سے الگ نہیں ہوئے واپس آنے تک ۔ |

## نہم ۔ واقعات بروقت خروج از بیت‌المقدس

| | |
|---|---|
| ثم خرجت فجاء نی جبرئیل بانا‌ء من خمروانا‌ء من | پھر میں نکلا پس جبرئیل میرے پاس شراب کا ایک |

لبن فاخترت اللبن فقال جبرئیل اخترت الفطرة ۔ (ثابت)

ظرف اور دودھ کا ایک ظرف لائے پس میں نے دودھ کو اختیار کیا ۔ جبرئیل نے کہا تم نے فطرت کو اختیار کیا ۔

## دھم ۔ واقعات فلک اول

فانطلق جبرئیل حتی اتی السماء لدنیا فاستفتح قیل من ھذا قال جبرئیل قیل و من معک قال محمد قیل وقد ارسل الیه قال نعم قیل مرحبا فنعم المجی جاء ففتح فلما خلصت فاذا فیھا آدم فقال ھذا ابوک آدم فسلم علیه فسلمت علیه فرد السلام ثم قال مرحبا بالابن الصالح و النبی الصالح ۔ (قتادة)

پس چلے جبرئیل یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچے اور کھلوایا ۔ لوگوں نے کہا یہ کون ہیں ۔ کہا جبرئیل ۔ پھر لوگوں نے کہا اور تمھارے ساتھ کون ہے کہا محمد ۔ لوگوں نے کہا کیا وہ بلائے گئے ہیں کہا ھاں ۔ لوگوں نے کہا مرحبا خوب آئے پھر کھل گیا (آسمان) پھر میں جب پہنچا تو آدم نظر پڑے ۔ جبرئیل نے کہا ۔ تمھارے باپ آدم ھیں ۔ اُن کو سلام کرو ۔ میں نے سلام کیا ۔ اُنھوں نے سلام کا جواب دیا پھر کہا اچھے بیٹے کو مرحبا ۔ اچھے نبی کو مرحبا ۔

ثم عرج بنا الی السماء (و ساق مثل معناه) قال اذا انا بآدم فرحب بی ودعالی بخیر ۔ (ثابت)

پھر مجھ کو آسمان پر لے کر چڑھے (اور اسی طرح بیان کیا) فرمایا یکایک آدم نظر پڑے پس مجھ کو مرحبا کہا اور دعائے خیر دی ۔

فلما جئت الی السماء الدنیا (و ساق مثل معناه) اذا رجل قاعد علی یمینه اسورة وعلیٰ یساره اسورة اذا نظر قبل یمینه ضحک و اذا نظر قبل شماله یبکی فقال مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح قلت لجبرئیل من هذا قال آدم و هذه الاسورة عن یمینه و عن شماله لسم بنیه فاهل الیمین منهم اهل الجنة و الاسورة التی عن شماله اهل النار فاذا النظر عن عیینه ضحک و اذا نظر قبل شماله بکی۔ (ابن شهاب)

پس جب میں آسمان دنیا تک پہنچا (اور اُس کے مثل بیان کیا) یکایک ایک شخص نظر پڑے جن کے دائیں بائیں سیاہ شکلیں ھیں ۔ جب دھنی جانب دیکھتے ھیں تو ھنس پڑتے ھیں اور بائیں جانب نگاہ کرتے ھیں تو رو دیتے ھیں ۔ انھوں نے کہا اچھے نبی کو مرحبا ، اچھے بیٹے کو مرحبا ۔ میں نے جبرئیل سے کہا یہ کون ھیں کہا یہ آدم ھیں ۔ اور اُن کے دائیں اور بائیں جانب کی سیاہ صورتیں اُن کی اولاد کی روحیں ھیں ۔ سو دھنی جانب والے اھل جنت ھیں اور بائیں طرف والے اھل دوزخ ھیں پس جب وہ دھنی طرف دیکھتے ھیں تو ھنس پڑتے ھیں اور بائیں جانب دیکھتے ھیں ۔ تو رو دیتے ھیں ۔

عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بینا انا قاعد ذات یوم اذ دخل جبرئیل علیه السلام

انس سے روایت ھے کہ فرمایا آنحضرت نے میں بیٹھا ھوا تھا ایک دن یکایک جبرئیل آئے اور میرے دونوں شانوں

فركز بين كتفي فقمت الى
شجرة فيها مثل وكرى
الطائر فقعد فى واحدة
وقعدت فى الاخرى فنمت
حتى سلت الخافقين ولو ششت
لمست السماء وانا اقلب
ونظرت جبرئيل كانه
حلس لا طئى فعرفت فضل
علمه بالله على وفتح لى باب
السماء ورايت النور الاعظم
واذا دونى الحجاب وفرجة
الدر والياقوت ثم اوحى
الله الى ما شاء ان يوحى -
(شفاء قاضی عیاض)

کے درمیان ذرا دبایا پس میں
ایک درخت کی طرف گیا جس
میں پرند کے گھونسلے بھی تھے -
پس ایک میں جبرئیل بیٹھے
اور ایک میں میں پھر میں سو
گیا یہاں تک کہ خافقین سے آگے
بڑھ گئے - اور اگر میں چاہتا
تو آسمان کو چھو لیتا - اور
میں پلٹے کھاتا تھا مگر جبرئیل
کو دیکھا تو وہ گویا عرق گیر
تھے (یعنی اپنی جگہ جمے رہے)
پس میں نے ان کا افضل ہونا
علم الٰہی میں اپنے سے جان لیا
اور میرے لیے آسمان کے دروازے
کھولے گئے اور میں نے
نور اعظم دیکھا - اور یکایک
میرے سامنے حجاب تھا اور
موتی و یاقوت کے دریچے -
پھر خدا نے میری طرف وحی
کی جو وحی چاہی -

وذكر البزار عن على
ابن ابيطالب رض لما اراد
الله تعالىٰ ان يعلم رسوله
الاذان جاءه جبرئيل
بدابة يقال لها البراق

حضرت علی رضی اللہ عنہ
سے روایت ہے - کہ جب خدا نے
چاہا کہ اپنے رسول کو اذان
سکھائے - تو جبرئیل ان کے
پاس ایک چارپایہ لائے جس کو

فذهب یرکبها فاستصعب
علیه فقال لها جبرئیل
علیه السلام اسکنی ذو
الله مارکبک غیر اکرم علی
الله من محمد صلی الله علیه
وسلم فرکبتها حتیٰ
اتی بها الیٰ حجاب الذی
یلی الرحمن تعالیٰ فبینا
هو کذالک اذ خرج ملک
من الحجاب فقال رسول الله
صلی الله علیه وسلم یا
جبرئیل من هذا قال
والذی بعثک بالحق نبیا
انی لا قرب الخلق مکانا و
ان هذ الملک ما رائیته
منذخلقت قبل ساعتی
هذه فقال الملک الله اکبر
الله اکبر فقیل له من
وراء الحجاب صدق عبدی انا
اکبر انا اکبر ثم قال الملک
اشهد ان لا اله الله فقیل
من وراء الحجاب صدق
عبدی انا الله لا اله انا
وذکر مثل هذا فی بقیة
الاذان الا انه لم یذکر

براق کہتے ہیں ۔ پس آپ اُس پر
چڑھتے گئے ۔ سو اُس کو دشوار
لگا ۔ جبرئیل نے اُس سے کہا
ٹھیر ۔ بخدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم
سے کوئی اچھا شخص خدا کے
نزدیک تجھ پر نہیں سوار ہوا
ہے ۔ پس میں اُس پر سوار
ہوا ۔ یہاں تک کہ اُس پردہ
کے پاس آیا جو خدا کے قریب
ہے ۔ اسی درمیان میں پردہ سے
ایک فرشتہ نکلا ۔ پس آنحضرت
نے کہا اے جبرئیل یہ کون
ہے ۔ جبرئیل نے کہا اس کی
قسم جس نے تجھے نبی برحق
مبعوث کیا میں خلق اللہ میں
سب سے زیادہ مقرب بارگاہ
ہوں ۔ مگر اس فرشتہ کو اس
وقت سے پہلے کبھی نہیں دیکھا
تھا ۔ جب سے میں پیدا ہوا ۔
پس فرشتہ نے کہا اللہ اکبر
اللہ اکبر ۔ پس پردہ کی اوٹ
سے آواز آئی سچ کہا میرے
بندہ نے ۔ میں بڑا ہوں ۔ میں
بڑا ہوں ۔ پھر فرشتہ نے کہا
میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی

جوابا من قوله حی علی الصلوة حی علی الفلاح و قال ثم اخذ الملک ید محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقدمہ فلم اھل السماء فیھم آدم و نوح قال ابو جعفر محمد بن علی الحسین روایہ اکمل اللہ لمحمد صلی اللہ علیہ و سلم الشرف علی اھل السموات و الارض ۔ (شفاء)

معبود نہین ہے مگر اللہ ۔ پردہ سے آواز آئی کہ سچ کہا میرے بندہ نے مین خدا ہون اور میرے سوا کوئی خدا نہین ہے اور اسی طرح ذکر کیا اذان کے بقیہ مین ۔ مگر حی علی الصلواة ۔ حی علی الفلاح کا جواب نہین ذکر کیا اور کہا پھر فرشتہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ھاتھ پکڑا اور آگے بڑھایا ۔ پس آنحضرت نے آسمان والون کی امامت کی جس مین آدم و نوح تھے ۔ ابو جعفر محمد بن علی الحسین جو راوی ہین انھون نے کہا کہ خدا نے آنحضرت کو اھل زمین اور آسمان دونون پر بزرگی بخشی ۔

## یاز دھم ۔ واقعاتِ فلک دوم

ثم صعد بی حتی اتی السماء الثانیہ (و ساق مثل معناہ) اذا یحییٰ و عیسیٰ و ھما ابنا خالۃ (و ساق مثلہ) قالا مرحبا بالاخ الصالح

پھر مجھ کو لے کر چڑھے یہان تک کہ دوسرے آسمان پر آئے (اور اسی کے ہم مضمون بیان کیا) ناگاہ وھان یحییٰ و عیسیٰ تھے اور وہ دونون بھائی ہین (اور اسی طرح بیان کیا)

و النبی الصالح ۔ (قتادہ)

آں دونوں نے کہا نیک بھائی اور نیک نبی کو مرحبا ۔

ثم عرج بنا الی السماء الثانیہ (وساق مثلہ) فاذا انا بابنی الخالۃ عیسٰی بن مریم و یحیٰی بن ذکریا صلعم فرحبالی و دعوالی بخیر ۔ (ثابت)

پھر مجھ کو دوسرے آسمان پر لے کر چڑھے (اور اسی طرح بیان کیا) پس ناگاہ میں دو بھائیوں عیسٰی بن مریم و یحیٰی بن ذکریا کے پاس تھا ۔ انہوں نے مجھ کو مرحبا کہا اور دعائے خیر دی ۔

حتی عرج بی الی السماء الثانیۃ (وساق مثلہ) قال الانس فذکرانہ وجد فی السموات آدم و ادریس و موسٰی و عیسٰی و ابراھیم و لم یثبت کیف منازلھم غیر انہ ذکرانہ وجد آدم فی السماء الدنیا و ابراھیم فی السماء السادسۃ ۔ (ابن شہاب)

یہاں تک کہ مجھ کو درسرے آسمان تک چڑھا لے گئے (اور اسی طرح بیان کیا) انس نے کہا کہ پس ذکر کیا ۔ آنحضرت نے کہ پایا آسمانوں میں آدم و ادریس و موسٰی و عیسٰی و ابراھیم کو اور آں کے مقامات نہیں متعین کیے ۔ ہاں اس قدر ذکر کیا کہ آدم کو آسمان دنیا میں پایا اور ابراھیم کو چھٹے آسمان میں ۔

و فی روایۃ رای یوسف فی الثانیۃ و یحیٰی و عیسٰی فی الثالثۃ ۔ (لمعات)

ایک روایت میں ہے کہ یوسف کو دوسرے آسمان میں دیکھا اور یحیٰی و عیسٰی کو تیسرے آسمان میں ۔

## دواز دہم ۔ واقعات فلک سوم

ثم صعد بی الی السماء الثالثة (و ساق مثله) اذا یوسف (و ساق مثله) قال مرحبا بالاخ الصالح و النبی الصالح ۔ (قتادہ)

پھر مجھ کو لے کر تیسرے آسمان پر چڑھے (اور اسی طرح ذکر کیا) ناگاہ یوسف تھے (اور اسی طرح ذکر کیا) انھوں نے کہا نیک بھائی و نیک نبی کو مرحبا ۔

ثم عرج بنا الی السماء الثالثة (وساق مثله) فاذا هو یوسف صلعم و اذ هو قد عطی شطر الحسن و رحب لی و دعا لی بخیر ۔ (ثابت)

پھر مجھ کو لے کر تیسرے آسمان پر چڑھا اور اسی طرح ذکر کیا ، پس ناگاہ وہ یوسف صلعم تھے اور اُن کو حسن کا ایک حصہ ملا ہے ۔ مجھ کو مرحبا کہا اور دعائے خیر دی ۔

و فی روایة رای ادریس فی الثالثة ۔ (لمعات)

اور ایک روایت میں ہے ادریس کو تیسرے آسمان میں دیکھا ۔

و فی روایة رای یحیٰی و عیسٰی فی الثالثة ۔ (لمعات)

اور ایک روایت میں ہے یحیٰی و عیسٰی کو تیسرے آسمان میں دیکھا ۔

## سیزدہم ۔ واقعات فلک چہارم

ثم صعد بی حتی اتی السماء الرابعة (و ساق مثلة) فاذا ادریس (و ساق مثله) ۔ (قتادہ)

پھر مجھ کو لے کر چڑھے یہاں تک کہ چوتھے آسمان پر آئے (اور اسی طرح بیان کیا)

ناگاہ ادریس نظر پڑے (اور اسی طرح بیان کیا) ۔

ثم عرج بنا الی السماء الرابعة و ذکر مثله فاذا انا بادریس فرحب لی ودعا لی بخیر قال اللہ و رفعناہ مکانا علیا ۔ (ثابت)

پھر چوتھے آسمان پر لے کر چڑھے (اور اسی طرح ذکر کیا) ناگاہ وہاں ادریس نظر پڑے سو مجھ کو مرحبا کہا اور دعائے خیر دی خدا نے کہا ہے ہم نے اُن کا درجہ اونچا کیا ۔

و فی روایة رای ادریس فی الثالثة و ہارون فی الرابعة ۔ (لمعات)

ایک روایت میں ہے ادریس کو تیسرے آسمان میں دیکھا اور ہارون کو چوتھے میں ۔

## چہاردہم ۔ واقعاتِ فلکِ پنجم

ثم صعد بی حتی اتے السماء الخامسة (تذکر مثله) فاذ اہارون (فذکر مثله) ۔ (قتادہ)

پھر مجھ کو لے کر چڑھے یہاں تک کہ پانچویں آسمان پر آئے (پس اسی طرح ذکر کیا) یکایک وہاں ہارون تھے ۔ (پس اسی طرح ذکر کیا) ۔

ثم عرج السماء الخامسة (فذکر) فاذا بھارون فرحب لی دعا لی بخیر ۔ (ثابت)

پھر پانچویں آسمان کی طرف چڑھے (پس اسی طرح ذکر کیا) یکایک وہاں ہارون تھے ۔ انہوں نے مجھ کو مرحبا کہا ۔ اور دعاے خیر دی ۔

و فی روایة اخریٰ رای

دوسری روایت میں ہے کہ

ادریس فی الخامسة ۔ (لمعات)

ادریس کو پانچویں آسمان میں دیکھا ۔

## پانزدھم ۔ واقعات فلک ششم

ثم صعد بی الی السماء السادسة (فذکر مثله) فاذا موسیٰ (فذکر مثله) (قتادہ) ۔

پھر مجھ کو چھٹے آسمان تک لے کر چڑھے (پس اسی طرح بیان کیا) وھاں موسیٰ تھے (پس اسی طرح بیان کیا) ۔

ثم عرج بنا الی السماء السادسة (فذکر مثله) فاذا انا بموسیٰ فرحب لی و دعا لی ۔ (ثابت)

پھر مجھ کو چھٹے آسمان کی طرف لے کر چڑھے (پس اسی طرح بیان کیا) وھاں موسیٰ تھے سو مرحبا کہا ۔ اور دعا دی ۔

فلما جاوزت بکی قیل له ما یبکیک قال ابکی لان غلاما بعث بعدی یدخل من امته الجنة اکثر ممن یدخلها من امتی ۔ (قتادہ)

پس جب میں آگے بڑھ گیا تو وہ روئے ۔ اُن سے پوچھا گیا کیوں روئے ۔ کہا میں اس لیے روتا ھوں کہ ایک نو عمر میرے بعد مبعوث ھوا اور اُس کی اُمت کے لوگ میری اُمت سے زیادہ جنت میں جائیں گے ۔

انه وجد ۔۔۔۔ ابراھیم فی السماء السادسة ۔ (ابن شہاب)

اُنھوں نے پایا ۔ ۔ ۔ ۔ ابراھیم کو چھٹے آسمان میں ۔

و فی حدیث شریک انه رای موسیٰ فی السابعة

اور شریک کی حدیث میں ھے کہ موسیٰ کو ساتویں

(شفاء قاضی عیاض) - آسمان میں دیکھا -

## شانزدهم - واقعات فلک هفتم

ثم صعد بی الی السماء السابعة (فذکر مثله) فاذا ابراهیم قال هذا ابوک ابراهیم (فذکر مثله) قال مرحبا بالابن الصالح و النبی الصالح - (قتاده)

پھر مجھ کو ساتویں آسمان پر لے کر چڑھے (پس اسی طرح ذکر کیا) ناگاہ وھاں ابراھیم تھے - جبرئیل نے کہا کہ یہ تمھارے باپ ابراھیم ھیں (پس اسی طرح ذکر کیا) آنھوں نے کہا کہ اچھے بیٹے اور اچھے نبی کو مرحبا -

ثم صعد بی الی السماء السابعة (فذکر مثله) فاذا بابراهیم مسندا لظهره الی البیت المعمور و اذا هو یدخله کل یوم سبعون الف ملک لا یعردون الیه - (ثابت)

پھر مجھ کو ساتویں آسمان پر لے کر چڑھے (پس اسی طرح ذکر کیا) وھاں ابراھیم تھے - بیت معمور کی طرف اپنی پیٹھ ٹیکے تھے اور وھاں ھر روز ستر هزار فرشتے داخل هوتے ھیں اور دوھرا کر نہیں آتے -

و فی حدیث شریک انه رای موسٰی فی السابعة - (شفاء قاضی عیاض)

شریک کی حدیث میں ھے کہ موسٰی کو ساتویں آسمان میں دیکھا -

## هفتدهم - واقعات سدرة المنتهٰی

ثم رفعت بی الی سدرة المنتهٰی فاذا نبقها مثل قلال هجر و اذا ورقها مثل اذان الفیلة و قال

پھر میں سدرة المنتهٰی پہنچا - سو اس کے پھل هجر (ایک گانوں کا نام ھے) کی پکھال کے برابر تھے اور اس کے پتے

هذا سدرة المنتهیٰ ۔ (قتادہ)

ہاتھی کے کان کے سے تھے ۔ جبرئیل ۔ کہا کہ یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے ۔

ثم ذهب بی الی سدرة المنتهیٰ و اذا ورقها کا ذان الفیلة و اذا ثمرها کالقلال ۔ (ثابت)

پھر مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے سو اس کے پتے ہاتھی کے کان کے سے تھے اور پھل پکھال کے برابر ۔

و اذا اربعة انهار نهران باطنان و نهران ظاهران قلت ما هذان یا جبریل قال اما الباطنان فنهران فی الجنة و اما الظاهران فالنیل و الفرات ۔ (قتادہ)

وہاں چار نہریں تھیں، دو باطن میں دو ظاہر میں۔ میں نے کہا اے جبرئیل یہ دونوں کیا ہیں ۔ کہا دونوں باطن کی تو جنت کی دو نہریں ہیں اور جو ظاہر ہیں وہ نیل و فرات ہیں ۔

و فی روایة ابی هریرة من طریق الربیع بن انس فقیل لی هذه السدرة المنتهیٰ ینتهی الیها کل واحد من امتک خلی احد علیٰ سبیلک و هی السدرة المنتهیٰ یخرج من اصلها انهار من ماء غیر اسن و انهار من لبن لم یتغیر طعمه و انهار من خمر لذة للشاربین و انهار من عسل مصفیٰ و هی شجرة

اور ابو ہریرہ کی ایک روایت میں ہے پس مجھ سے کہا گیا یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے ۔ تیری اُمت میں سے ہر ایک کی پہنچ یہیں تک ہے سوائے ایک کے جو تیرے رستہ پر ہے اور یہی سدرۃ المنتہیٰ ہے جس کی جڑ سے پانی کی نہریں نکلی ہیں جو بگڑتا نہیں اور دودھ کی نہریں جس کا مزہ بدلا نہیں اور شراب کی نہریں جو پینے والوں کے لیے

يسير الراكب في ظلها
سبعين عاما و ان ورقه
منها مظلة الخلق فغشيها
نور و غشيها الملائكة قال
فهو قوله تعالىٰ اذ يغشىٰ
السدرة ما يغشىٰ فقال الله
تبارک و تعالىٰ له سل
فقال صلى الله عليه وسلم
يا رب انک اتخذت ابراهيم
خليلا و اعطيته ملكا عظيما
و كلمت موسىٰ تكليما و
اعطيت داؤد ملكا عظيما
و النت له الحديد و
سخرت له و اعطيت سليمان
ملكا عظيما و سخرت له
الجن و الانس و الرياح
و الشياطين و اعطية
ملكا لا ينبغي لاحد من
بعده و علمت موسىٰ
التوراة و عيسىٰ الانجيل
و جعلته يبرى الاكمه
و الابرص و اعذته من
الشيطان الرجيم فلم يكن
عليهما سبيل فقال له
ربه تعالىٰ اتخذتک

لذت بخش ہیں اور صاف شہد کی
نہریں اور وہ ایک درخت ہے
کہ سوار اُس کے سایہ میں
ستر برس چلا جاتا ہے اور اُس کا
ایک پتہ تمام خلق پر سایہ کرتا
ہے پس اوپر نور چھا رہا ہے
اور فرشتے چھا رہے ہیں ۔ خدا
کے اس قول سے اذ یغشی
السدرة ما یغشی (یعنی جب
سدرة المنتہٰی کو چھا لیا اُس
چیز نے جس نے چھا لیا) یہی
مراد ہے ۔ پس کہا خدا نے
برتر و پاک نے محمد صلی اللہ
علیہ وسلم سے مانگ پس کہا
صلی اللہ علیہ وسلم نے اے
پروردگار تو نے ابراہیم کو
خلیل بنایا اور اس کو ایک بڑا
ملک عنایت کیا اور موسیٰ سے
کلام کیا اور داؤد کو ایک
بڑی سلطنت عطا کی اور اُن
کے لیے لوہے کو نرم کر دیا
اور مسخر کر دیا اور سلیمان
کو ایک بڑا ملک عطا کیا اور
اُن کے لیے جن اور آدمی اور
ہوائیں اور شیاطین مسخر

حبیباً فھو مکتوب فی التوراۃ محمد حبیب الرحمن و ارسلتک الی الناس کافۃ و جعلت امتک لا تجوزلھم خطئیۃ حتی یشھدوا انک عبدے و رسولی و جعلتک اول النبیین خلقا و اخرھم بعثاً و اعطیتک سبعا من المثانی و لم اعطیھا نبیا قبلک و جعلتک فاتحاً و خاتماً ۔ (شفاء قاضی عیاض)

کر دیے اور ایسا ملک دیا کہ آن کے بعد پھر کسی کو نہیں مل سکتا اور موسیٰ کو توریت سکھائی اور عیسیٰ کو انجیل اور آن کو ایسا کر دیا کہ وہ کوڑھی اور مبر و ص کو اچھا کر دیتے اور ان کو مردود شیطان سے محفوظ رکھا سو شیطان آن دونوں پر قابو نہیں پا سکتا پس کہا خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے تجھ کو حبیب بنایا سو تورات میں لکھا ہے کہ محمد حبیب الرحمن ھیں اور میں نے تجھ کو تمام خلق اللہ پر بھیجا اور میں نے تیری اُمت کو ایسا کیا کہ وہ اگلے بھی ھیں اور پچھلے بھی اور تیری امت کی خطا محسوب نہیں ھوتی جب تک وہ یہ گواھی دیتے رھیں کہ تو میرا بندہ اور پیغمبر ھے اور میں نے تجھ کو سب نبیوں سے پہلے پیدا کیا اور سب کے آخیر میں بھیجا اور میں نے تجھ کو دوھرے لفظوں

سات آیتوں والی دی اور تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی اور میں نے تجھ کو فاتح اور خاتم کیا ۔

قال فلما غشیہا من امر اللہ ماغشی تغیرت فما احد من خلق اللہ یستطیع ان ینعتہا من حسنہا ۔ (ثابت)

فرمایا کہ جب چھا گیا اس پر خدا کے حکم سے جو چھا گیا تو وہ متغیر ہوگیا اور خلق اللہ میں سے کوئی شخص اس کی خوب صورتی کی تعریف نہیں کر سکتا ۔

و قال ابن شہاب حتی اتیت سدرۃ المنتہیٰ فغیشاہ الوان لا دری ماھی و قال ثم ادخلت الجنۃ فباذا فیہا جنابذ اللولو و اذا ترابہا المسک ۔ (کما سیجیی)

اور ابن شہاب نے کہا یہاں تک کہ میں سدرۃ المنتہیٰ پہنچا سو اس کو ایسے رنگوں نے ڈھک لیا کہ میں نہیں جانتا تھا وہ کیا ہیں اور کہا پھر داخل کیا گیا میں بہشت میں سو وہاں موتی کے گنبد تھے اور اس کی مٹی مشک ہے (جیسا کہ آگے آتا ہے) ۔

و عن عبد اللہ قال لما اسری برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہی بہ الی سدرۃ المنتہیٰ و ھی فی السماء السادسۃ الیہا ینتہی ما یہبط بہ من

اور عبداللہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی ۔ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچائے گئے ۔ اور وہ چھٹے آسمان پر ہے ۔ اسی تک ختم ہوتا ہے جو

فوقها فیقبض منها قال اذ یغشی السدرة ما یغشی قال فراش من ذهب . (عبد الله ابن مسعود)

اُس پر اوپر سے اُترتا ہے ۔ سو وہ اُس کو پکڑ لیتا ہے کہا اذ یغشی السدرۃ ما یغشٰی سے مراد سونے کا بچھونا ہے ۔

و فی حدیث شریک انه رای موسیٰ فی السابعة قال بتفصیل کلام الله تعالیٰ له قال ثم علی به فرق ذلک بما لا یعلمه الا الله تعالیٰ فقال موسیٰ لم اظن ان یرفع علی احد ۔ (شفاء قاضی عیاض)

اور شریک کی حدیث میں ہے کہ موسیٰ کو ساتویں آسمان میں دیکھا ۔ خدا کی باتوں کی تفصیل اُن سے بیان کی کہا کہ پھر اتنے اوپر گئے کہ سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا پس کہا موسیٰ نے مجھ کو گمان نہیں تھا کہ مجھ سے اوپر بھی کوئی جائے گا ۔

ثم رفع لی البیت المعمور ۔ (قتادہ)

پھر میرے سامنے بیت المعمور لایا گیا ۔

ثم اتیت باناء من خمر و اناء من لبن و اناء من عسل فاخذت اللبن فقال ھی الفطرۃ انت علیها و امتک ۔ (قتادہ)

پھر میرے سامنے شراب اور دودھ اور شہد کے ظروف لائے گئے پس میں نے دودھ کو لے لیا ۔ پس کہا کہ یہی فطرت ہے تو اور تیری اُمت اُس پر ہے ۔

قال ابن شهاب فاخبرنی ابن حزم عن ابن عباس و اباحیة الا نصاری کانا یقولان قال النبی صلی الله

ابن شہاب نے کہا کہ مجھ کو ابن حزم نے خبر دی کہ ابن عباس اور ابوحیہ انصاری دونوں کہتے ہیں کہ فرمایا

علیہ وسلم ثم عرج بی حتی ظهرت المستوی اسمع فیہ صریف الاّ قلام ۔ (ابن شهاب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مجھ کو اوپر لے گئے یہاں تک کہ میں ایسی جگہ پر پہنچا جہاں قلم کے لکھنے میں چلنے کی آواز مجھ کو سنائی دیتی تھی ۔

## ہشتدهم ۔ احکام جو عنایت ہوئے

فاوحی اللہ الیّ ما اوحی ۔ (ثابت)

پس وحی کی خدا نے میری طرف جو کی ۔

ثم فرضت علی الصلواۃ خمسین صلواۃ کل یوم ۔ (قتادۃ)

پھر مجھ پر ہر روز پچاس نمازیں فرض ہوئیں ۔

ففرض علی خمسین صلواۃ فی کل یوم و لیلۃ ۔ (ثابت)

پھر مجھ پر ہر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کیں ۔

قال ابن حزم و انس قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ففرض اللہ علی اُمتی خمسین صلواۃ ۔ (ابن شهاب)

ابن حزم و انس نے کہا ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پس فرض کیں خدا نے میری امت پر پچاس نمازیں ۔

فرجعت فمررت علی موسیٰ فقال بما امرت قلت امرت بخمسین صلواۃ کل یوم قال ان امتک لا تسطیع خمسین صلواۃ کل یوم و انی و اللہ قد جربت الناس

پھر میں لوٹا اور موسیٰ پر گذرا اُنھوں نے کہا تم پر کیا فرض ہوا ۔ میں نے کہا ہر روز پچاس نمازیں ۔ موسیٰ نے کہا ۔ تمھاری امت ہر روز پچاس نمازیں نہیں ادا کر سکے گی ۔ اور میں

قبلك و عالجت بني اسرائيل
اشد المعالجة فارجع الى
ربك فسئله التخفيف
لا متك فرجعت فوضع عني
عشرا فرجعت الى موسیٰ
فقال مثله فرجعت فوضع
عشرا فرجعت الى موسیٰ
فقال مثله فرجعت فوضع
عشرا عني فامرت بعشر صلواة
كل يوم فرجعت الى موسیٰ
فقال مثله فرجعت فامرت
بخمس صلواة كل يوم -
(قتادة)

بخدا تم سے پہلے لوگوں کا تجربہ
کر چکا ہوں اور بنو اسرائیل
کو خوب اچھی طرح آزما
چکا ہوں - تم خدا کی طرف واپس
جاؤ اور کم کراؤ اپنی اُمت
کے لیے - پس میں واپس گیا
سو خدا نے دس نمازیں گھٹا
دیں - پھر میں واپس آیا -
موسیٰ کی طرف - موسیٰ نے پھر
وہی کہا میں پھر لوٹا - خدا نے
دس اور بھی کم کر دیں - پھر
میں موسیٰ کے پاس آیا -
موسیٰ نے پھر وہی کہا -
میں پھر لوٹا - خدا نے دس
اور بھی کم کر دیں - پس
مجھ کو ہر روز دس نمازوں کا
حکم ہوا - پس پھر میں موسیٰ
کے پاس آیا - موسیٰ نے پھر
وہی کہا - میں پھر لوٹا - پس
مجھ کو ہر روز پانچ نمازوں کا
حکم ہوا -

فنزلت موسیٰ فقال
ما فرض ربك على امتك
فقلت خمسين صلواة في كل
يوم و ليلة قال ارجع الى

پس میں اترا موسیٰ کی
طرف - انھوں نے کہا خدا نے
تیری اُمت پر کیا فرض کیا -
میں نے کہا ہر رات دن میں

ربک فاسئلہ التخفیف فان امتک لا تطیق ذالک فانی قد بلوت بنی اسرائیل و خبرتہم قال فرجعت الی ربی فقلت یا رب خفف عن امتی فحط عنی خمساً فرجعت الی موسیٰ فقلت حط عنی خمساً قال ان امتک لا تطیق ذالک فارجع الی ربک فاسئلہ التخفیف قال فلم ازل ارجع بین یدی ربی تعالیٰ و بین موسیٰ حتیٰ قال یا محمد انہن خمس صلواۃ کل یوم و لیلۃ ۔ (ثابت)

پچاس نمازیں ۔ موسیٰ نے کہا ۔ پھر خدا کے پاس جاؤ ۔ کہو ۔ کہ کم کر دے ۔ کیوں کہ تمھاری اُمت اس کی طاقت نہیں رکھتی ۔ میں نے بنی اسرائیل کو آزما لیا ھے ۔ اور دیکھ لیا ھے ۔ فرمایا آنحضرت نے پس میں واپس گیا خدا کی طرف اور کہا کہ اے خدا میری اُمت پر تخفیف کر ۔ پس پانچ نمازیں گھٹا دیں پھر میں موسیٰ کے پاس آیا اور کہا کہ پانچ کم ھوئیں ۔ موسیٰ نے کہا تمھاری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی ۔ تم پھر خدا کے پاس جاؤ ۔ اور کمی کی درخواست کرو ۔ فرمایا کہ میں برابر خدا اور موسیٰ کے درمیان آیا اور گیا یہاں تک کہ خدا نے کہا اے محمد وہ پانچ نمازیں ھیں ھر دن رات میں ۔

فرجعت بذلک حتی مررت علی موسیٰ فقال ما فرض اللہ لک علیٰ امتک قلت فرض خمسین صلواۃ

میں اس کے ساتھ لوٹا ۔ یہاں تک کہ موسیٰ پر گزرا ۔ موسیٰ نے کہا خدا نے تمھاری اُمت پر کیا فرض کیا ۔ میں نے

قال فارجع الی ربک فان استک لا تطیق فراجعتی فوضع شطرھا فرجعت الی موسیٰ فقلت وضع شطرھا فقال راجع الی ربک فان استک لا تطبیق ذلک فراجعت شطرھا فرجعت الیہ فقال ارجع الی ربک فان اُستک لا تطبیق ذلک فرجعتہ فقال ھی خمس و ھی خمسون لا یبدل القول لدی فرجعت الیٰ موسیٰ فقال راجع ربک فقلت استحییت من ربی۔ (ابن شہاب)

کہا پچاس نمازیں۔ موسیٰ نے کہا تم لوٹ جاؤ اپنے خدا کی طرف۔ کیوں کہ تمھاری اُمت سےیہ نہ ھوسکے گا۔ میں واپس گیا تو ایک حصہ معاف ھوا۔ میں موسیٰ کے پاس پھر آیا اور کہا کہ ایک حصہ معاف ھوا موسیٰ نے کہا پھر خدا سے گفتگو کرو۔ تمھاری اُمت سے اتنا نہ ھو سکے گا۔ میں واپس گیا اور دوبارہ سوال کیا۔ ایک حصہ اور معاف ھوا۔ میں پھر موسیٰ کی طرف آیا۔ اُنھوں نے کہا پھر جاؤ۔ تمھاری اُمت سے اتنا نہ ھو سکے گا۔ میں نے دوبارہ سوال کیا۔ خدا نے کہا کہ یہ پانچ ھیں اور وہ (در اصل) پچاس ھیں۔ میری بات دوسری نہیں ھوتی پھر موسیٰ کے پاس آیا۔ انھوں نے کہا تم پھر خدا کے پاس جاؤ میں نے کہا اب تو میں خدا سے شرما گیا۔

لکل صلواۃ عشرۃ فتلک خمسون صلواۃ۔ (ثابت)

ھر نماز کے لیے دس ھیں۔ پس وہ پچاس نمازیں ھوئیں۔

قال فاعطی رسول الله صلی الله علیه وسلم ثلثا اعطی الصلواة الخمس واعطی خواتیم سورة البقرة و غفر لمن لا یشرک بالله من اُمته شیئاً المقحمات۔ (عبد الله ابن مسعود)

کہا پس حضرت کو تین چیزیں عطا ہوئیں پانچ نمازیں اور سورۃ بقر کے خاتمہ کی آیتیں اور بخش دیا گیا اس کو حضرت کی اُمت میں سے جو خدا کا کسی کو ساجھی نہیں کرتا۔

و من هم بحسنة فلم یعملها کتب له حسنة فان عملها کتبت له عشرا و من هم بیئة فلم یعملها لم تکتب علیه شیئاً فان عملها کتبت له سیئة واحدة۔ (ثابت)

اور جس شخص نے ایک نیکی کا قصد کیا اور کیا نہیں اُس کے لیے ایک نیکی لکھی جاوے گی اور اگر کر لے تو دس لکھی جاویں گی اور جو شخص کسی برائی کا قصد کرے اور کرے نہیں تو کچھ نہ لکھا جاوے گا اور اگر کرے تو ایک برائی لکھی جاوے گی۔

فرجعت الی موسیٰ فقال بما امرت قلت بخمس صلواة کل یوم قال امتک لا تستطیع خمس صلواة کل یوم و انی قد جربت الناس قبلک و عالجت بنی اسرائیل اشد المعالجة فارجع الی ربک فسئله التخفیف لامتک قال

پس میں موسیٰ کی طرف واپس آیا۔ اُنھوں نے کہا تم کو کیا حکم ہوا۔ میں نے کہا ہر روز پانچ نمازوں کا۔ موسیٰ نے کہا تمھاری اُمت ہر روز پانچ نمازیں نہ پڑھ سکیں گی اور میں تم سے پہلے لوگوں کو آزما چکا ہوں اور بنی اسرائیل کو خوب اچھی طرح

سالت ربی حتی استحییت و لکنی ارضی و اسلم ۔ (قتادة)

آزما لیا ہے ۔ تم خدا کی طرف لوٹ جاؤ اور اپنی اُمت کے لیے تخفیف کی درخواست کرو ۔ فرمایا میں خدا سے سوال کرتے کرتے شرما گیا ۔ اب میں اسی پر راضی ہو جاؤں گا اور تسلیم کر لوں گا ۔

قال فنزلت حتی الھبت الی موسٰی فاخبرتہ فقال ارجع الی ربک فاسئلہ التخفیف فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت قد رجعت الی ربی حتی استحییت منہ ۔ (ثابت)

کہا ۔ پس میں اترا یہاں تک کہ موسٰی کے پاس پہنچا اور اُن کو خبر دی ۔ موسٰی نے کہا اپنے خدا کی طرف واپس جاؤ اور تخفیف کی درخواست کرو ۔ پس فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں نے کہا کہ میں خدا کی طرف پھر پھر کے گیا یہاں تک کہ اب میں اُس سے شرما گیا ۔

قال فلما جاوزت نادی مناد امضیت فریضتی وخففت عن عبادی ۔ (قتادہ)

کہا پس جب میں آگے بڑھا ایک پکارنے والے نے آواز دی ۔ میں نے اپنا فرض نافذ کیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کی ۔

ثم انطلق بی حتی انتھٰی بی الی سدرۃ لمنتھٰی وغشیھا الوان لا ادری

پھر مجھ کو لے کے چلے (جبرئیل) یہاں تک کہ سدرۃ المنتہٰی پہنچے اور اُس کو

| | |
|---|---|
| ماھی ثم ادخلت الجنة فانا فیھا جنا بذا للولو و اذا ترابھا المسک ۔ (ابن شھاب) | رنگوں نے ڈھک لیا کہ میں ان کو نہیں جانتا تھا ۔ پھر میں جنت میں داخل کیا گیا ۔ ناگاہ وھاں موتی کے گنبد تھے اور اس کی مٹی مشک تھی ۔ |

یہ سب روایتیں ایک دوسری سے اس قدر مختلف و متناقض ھیں کہ اُن کے قواعد کے پیش کرنے کی جن سے ان کا باطل اور موضوع ھونا ثابت ھو سکتا ھے غیر ضروری ھے ۔ کیوں کہ یہ خود روایتیں صراحۃً ایک دوسری کی تردید کرتی ھیں اور اپنی صحت اور اعتبار کو خود کھو دیتی ھیں ۔

مصنف لمعات کا بیان ھے کہ یہ روایتیں ایک دوسری سے اس قدر اختلاف رکھتی ھیں کہ اُن کا تطبیق کرنا بالکل غیر ممکن ھے تاوقتیکہ تعدد معراج کو تسلیم نہ کر لیا جاوے ۔ یا ایک کو دوسری پر ترجیح نہ دی جاوے یعنی ان میں سے کسی کو مانا جاوے اور باقیوں کو غلط اور بے اصل قرار دیا جاوے ۔

وعلی تقدیر صحة الروایات یتعذر الجمع الا ان یقال یتعدد المعراج یرجح بعض الروایات علی بعض ۔ (لمعات)

وہ عیسائی مصنف جنھوں نے پیغبر خدا کی سوانحعمری لکھی ھے ایک درجہ اور بھی بڑھ گئے ھیں اور ان تعریفوں اور منظوم نعتوں کو جو مسلمان شاعروں نے اپنی شاعرانہ طرز سے مختلف امور متعلق بہ معراج مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زینت اور شان ۔ اراق کی شکل ۔ فرشتوں کے جلوس وغیرہ پر لکھی ھیں روایات مستند شمار کر لیا ھے ۔ مگر انھوں نے اسلام

کے حق میں یہ بہت بڑی عمدہ بات کی ہے اور اسلام کو ہمیشہ ان کی محنتوں اور جان فشانیوں کا مشکور ہونا چاہیے ۔ کیوں کہ جب کوئی منصف مزاج اور ذی فہم شخص ایسی تصنیفات آگے مجموعہ پر نظر ڈالے گا تو ہم کو اُمید ہے کہ وہ اس نتیجہ کے استنباط سے باز نہ رہ سکے گا کہ یہ تصنیفات امر حق کی تحقیق اور تدقیق کے سوا اور کسی غرض کے لیے کی گئی ہیں اور بے ہودگی اور یاوہ گوئی میں کروشیس کے کبوتر کے قصہ کے ساتھ ہمسری کرتی ہیں ۔

شق صدر اور معراج اگر مذہب اسلام سے تعلق رکھتے ہیں تو بہت سیدھا سادھا تعلق رکھتے ہیں اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں یا اُس واقعہ آکے خواب میں ہونے سے انکار کرے اور یہ کہے کہ اس قسم کی کوئی چیز ظہور پزیر نہیں ہوئی تھی اور یہ تمام روایتیں جو اس واقعہ کے حقیقی یا خیالی وقوع کو بیان کرتی ہیں بلا استثنا بالکل غلط اور سراسر بے اصل موضوع اور جعلی ہیں تو بھی اُس کے ایمان میں ذرا برابر بھی خلل واقع نہ ہوگا بلکہ وہ پورا پکا اور سچا مسلمان رہے گا ۔

معراج کا خواب اُس قبیل سے ہے جیسا کہ حضرت یعقوب نے دیکھا تھا اور جو معراج یعقوب کہا جاتا ہے چناں چہ توریت میں لکھا ہے کہ ”پس بہ خواب دید کہ اینک نروبانے بہ زمین بر پا گشتہ سرش بآسمان می خورد و اینک فرشتگان خدا ازاں بہ بالا وزیر می رفتند و اینک خداوند براں ایستادہ می گفت من خداوند خدائے پدرت ابراہیم و ہم خدائے اسحاق ام ۔ ایں زمینے کہ براں می خوابی بتو و بذریعہ تو می دہم و ذریعہ تو مانند خاک زمین گرویدہ بہ مغرب و مشرق و شمال و جنوب

منتشر خواهند شد و اینک من با توام و هرجائے که میروی ترا نگاه داشته بایں زمین باز پس خواهم آورد ۔ تا بوقتیکه آنچه بتوگفته ام بجا آورم ترا وانخواهم گذاشت و یعقوب از خواب خود بیدار شده گفت بدرستی که خداوند دریں مکان است ومن ندانستم ۔ پس ترسیده گفت که ایں مکان چه ترسناک است ایں نیست مگر خانه خدا و این است دروازۂ آسمان (سفر تکوین باب ۲۸ ورس ۱۲—۱۷) ۔

معراج کی نسبت جس چیز پر که مسلمانوں کو ایمان لانا فرض ہے وہ اس قدر ہے که پیغمبر خدا نے اپنا مکه سے بیت‌المقدس پہنچنا ایک خواب میں دیکھا اور اسی خواب میں انھوں نے درحقیقت اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں مشاهده کیں ۔ خواہ وہ شخص ان نشانیوں کو لامعلوم نشانیاں کہے خواہ ان نشانیوں کے دیکھنے سے عمده ترین احکام وحی کا ہونا مراد لے ۔ مگر اس بات پر یقین رکھنا چاہیے که آنحضرت صلی‌الله علیه وسلم نے جو کچھ خواب میں دیکھا یا جو وحی ہوئی یا انکشاف ہوا وہ بالکل سچ اور برحق ہے ۔

اگر کوئی مسلمان مذکورہ بالا عقیدہ پر ایمان رکھ کر ان سب روایتوں کو جو معراج کے قصه میں آئی ہیں نه مانے اور سب کو موضوع اور نہایت قابل الزام خیال کر کے چھوڑ دے تو اس کے دین و ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا ۔ اور وہ اس شخص کے همپایه ہوگا ۔ جو کسی چیز پر بلا تحقیق و تفتیش کے ایمان نہیں لاتا ۔

روایات معراج میں اگر کوئی مسلمان کسی حکم کا تلاش کرنا چاہے تو اس کو بعد از تلاش بسیار بجز دو حکموں کے اور کوئی حکم نه ملے گا ۔ ایک نماز پنج گانه کا اور دوسرا یه که

جو کوئی خدا تعالیٰ کا مثل اور ھمتا گردانے وہ مشرک خیال کیا جاوے گا ۔ مگر یہ احکام نہ اُن روایتوں پر منحصر ھیں اور نہ اُن کے ذریعے سے ھم تک پہنچے ھیں ۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے متعدد آیاتِ قرآنی میں اُن کی نسبت صاف صاف اور بالتصریح حکم صادر فرمایا ھے پس اُن روایات کے نہ ماننے سے کسی حکم شرعی کا انکار لازم نہیں آتا ۔

اگر اُن روایتوں کی نسبت یہ خیال کیا جاوے کہ اُن سے ایک شان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پائی جاتی ھے تو اُس کی نسبت ھماری یہ رائے ھے کہ اگر یہ سب باتیں جو ان روایتوں میں مندرج ھیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی جاویں تو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کچھ بڑھ نہیں جاوے گی اور نہ اُس بے انتہا اعلیٰ درجہ کی شان میں کچھ زیادتی ھوگی اور اگر اُن کا عشر عشیر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ منسوب کیا جاوے تو بھی اُس جناب کی عظمت و شان میں کچھ فرق نہیں آوے گا ۔

ھم مسلمان اپنے نبی کو ''ابن اللہ'' بنانا نہیں چاھتے اور نہ ان کو ''اللہ تعالیٰ کے دست راست'' پر بٹھانے کے مشتاق ھیں ۔ ھم ان کی سب سے بڑی عزت اس میں خیال کرتے ھیں جو خود انھوں نے اپنی نسبت فرمایا ھے کہ ''انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد ۔ آمنا باللہ و ما جاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔

---

(۱۲)

# آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
# کی
# ولادت اور طفولیت

## (بارہ برس تک کی عمر کا حال)

## وانک لعلیٰ خلق عظیم

حضرت عبد اللہ | عبد اللہ ابن عبد المطلب والد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی چوبیس برس کی عمر تھی جب کہ آنھوں نے آمنہ بنت وھب سے شادی کی ۔ آمنہ بنت وھب قریش کے قبیلے سے تھیں جو عرب کے قبیلوں میں نہایت معزز اور شریف قبیلہ تھا ۔ حضرت آمنہ حمل ھی سے تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ نے بغرض تجارت یثرب یعنی مدینہ کی طرف سفر کیا اور قبل پیدا ھونے آنحضرت کے آنھوں نے وفات پائی اور بنی نجار کے دار نبیغہ میں مدفون ھوئے ۔

آنحضورؐ کی پیدائش | اُن کی وفات کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ھوئے ۔ جمہور مؤرخین کی یہ رائے ھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بارھویں ربیع الاول کو عام الفیل کے پہلے برس یعنی ابرہہ کی چڑھائی سے پچپن روز بعد پیدا ھوئے ، مگر اس بات میں کہ عام الفیل سنہ عیسوی کے کس سال میں واقع ھوا تھا ۔ مؤرخوں

کی رائے میں اختلاف ہے ۔ منقح امر جو قرار پایا ہے وہ یہ ہے کہ عام الفیل ۵۷۰ء کے مطابق تھا ۔ کیوں کہ سب مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ٦۲۲ء میں مکہ مدینہ سے منورہ کو ہجرت کی تھی ، یعنی نزول وحی سے تیرھویں برس اور وحی چالیس برس کی عمر میں نازل ہوئی تھی ۔ ان برسوں کو اگر جمع کیا جاوے تو ترپن قمری سال ہوتے ہیں اور جب کہ ان میں سے ایک برس قمری سال ۔ شمسی سال سے مطابقت کرنے کے لیے سنہا کیا جاوے تو باون برس باقی رہتے ہیں اور جب ان باون برس کو چھ سو بائیس میں سے نکال ڈالا جائے تو پانسو ستر باقی رہتے ہیں اور اس حساب سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۵۷۰ء میں ہوئی تھی ۔

آنحضرت کی پیدائش کے متعلق روایات عجیبہ

آنحضرت کی ولادت کی نسبت بہت سی عجیب روایتیں مشہور ہیں کہ ولادت کی رات کو کسریٰ کے محل میں زلزلہ آیا اور اس کے چودہ کنگورے گر پڑے ۔ فارس کا مقدس آتش کدہ جس میں سالہا سال سے برابر آگ جلتی چلی آتی تھی دفعۃً بجھ گیا ۔ وہاں کے موبدوں نے عجیب عجیب خوابیں دیکھیں اور چشمہ ساوہ دفعۃً خشک ہو گیا ، مگر ان روایتوں کی معتبری کی قابل اعتماد سندیں نہیں ہیں اور نہ ہی مذہبی روایتیں سمجھی جا سکتی ہیں ۔ آنحضرت کی ذات با برکات کے سبب اسلام نے رونق پائی اور مسلمانوں کو فتوحات نمایاں حاصل ہوتی گئیں اور تمام مملکت فارس مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہوئی اور وہاں کے تمام آتش کدے برباد ہوئے اور کسریٰ کے محلوں میں زلزلہ ڈال دیا ۔ ان واقعات کو جو بعد کو وقوع میں آئے شاعرانہ خیالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے منسوب کیا کہ گویا اُن کا پیدا ہونا ہی فارس کے آتش کدوں

کا بجھنا اور کسریٰ کے محل میں زلزلہ پڑنا تھا ۔ رفتہ رفتہ یہ شاعرانہ خیال بطور روایت کے مروج ہونے لگے اور عین روز ولادت ہی سے منسوب کر دیے گئے ۔ پس ان روایتوں کو مذہبی روایتیں تصور کرنا اُن لوگوں کی غلط فہمی ہے جو مسلمانوں کی مذہبی روایتوں کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں ۔

حضرت عبداللہ کا ہونے کے لیے دعا مانگنا

علاوہ ان کے اور بھی روایتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی نسبت کتب سیر میں مذکور ہیں ۔ اگرچہ اُن کی صحت کے لیے بھی کافی ثبوت موجود نہیں ہے ، مگر اُن کے غلط ہونے کے لیے بھی کوئی دلیل نہیں ہے ۔ اُن روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ۔ تو حضرت آمنہ نے کسی کو عبد المطلب کے پاس بھیجا اور آپ کے پیدا ہونے کی اطلاع کی ۔ عبد المطلب فی الفور وہاں آئے اور آنحضرت کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر کعبہ میں لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی ۔

اس دعا پر سر ولیم میور کا اعتراض

سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ عبدالمطلب کی دعا کا جو مضمون بیان کیا گیا ہے وہ صریح مسلمانی طرز کا ہے اور اس سے خیال کیا جاتا ہے کہ کعبہ میں عبد المطلب کا دعا مانگنا صرف مسلمانوں کی بنائی ہوئی بات ہے ، مگر ہم اس بات سے کہ عبد المطلب نے جو دعا مانگی تھی وہ مسلمانی طرز کی دعا تھی کچھ تعجب نہیں ہوتا ۔ کیوں کہ ہم کو اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں میں سے خدا پرستی بالکل معدوم نہیں ہوئی تھی اور اس بات کا بڑا قوی ثبوت یہ ہے کہ عبد المطلب نے اپنے بیٹے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا نام عبد اللہ رکھا تھا جو خاص خدا پرستوں کا طریقہ تھے ۔

ثویبہ | چند روز تک ثویبہ نے جو آنحضرت کے چچا ابو لہب کی آزاد کی ہوئی لونڈی تھیں آنحضرت کو دودھ پلایا - ثویبہ نے آنحضرت کے چچا حمزہ کو بھی دودھ پلایا تھا اور اس سبب سے حمزہ اور مسروق ابن ثویبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ بھائی تھے -

عبد المطلب کا آنحضرت کا نام رکھنا | عبد المطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد رکھا مگر حضرت آمنہ نے خواب میں ایک فرشتہ کو دیکھا تھا جس نے کہا تھا کہ آپ کا نام احمد رکھنا - اس لیے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد رکھا اور اس طرح توریت اور انجیل دونوں کی بشارتوں کی تصدیق ہو گئی - جن کا بیان ہم نے خطبہ بشارات میں کیا ھے - ولادت کے ساتویں روز عبد المطلب نے قربانی کی اور تمام اراکین قبیلہ قریش کو دعوت میں بلایا -

حلیمہ | شرفاء مکہ کا دستور تھا کہ آب و ہوا کے لحاظ سے اور اس غرض سے کہ بچوں کے لہجہ اور زبان میں غیر زبان کا اثر نہ ہونے پائے اپنے بچوں کو جب کہ وہ آٹھ دن کے ہو جاتے تھے دودھ پلانے والیوں کے سپرد کر کے باہر بھیج دیا کرتے تھے - اسی رسم کے موافق آنحضرت کو بھی حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیا گیا اور وہ اپنے گھر لے گئیں اور ہر چھٹے مہینے لا کر اُن کی والدہ اور دیگر اقربا کو دکھلا جاتی تھیں - دو برس بعد آپ کا دودھ چھٹایا گیا اور حضرت حلیمہ آپ کو لے کر حضرت آمنہ کے پاس آئیں مگر حضرت آمنہ نے اس خیال سے کہ مکہ کی آب و ہوا آپ کو موافق نہ ہوگی پھر حضرت حلیمہ کے سپرد کر دیا اور وہ ان کو اپنے ھاں لے گئیں اور ہر چھٹے مہینے لا کر ملا جاتی تھیں - جب آنحضرت کی عمر چار برس کی ہوئی تو

حضرت آمنه نے آپ کو اپنے پاس رکھ لیا ۔ پس حضرت حلیمه آنحضرت صلی اللہ علیه وسلم کی دودھ پلائی ماں اور اُن کے خاوند حارث ابن عبد العزیٰ دودھ کے رشتے کے باپ اور اُن کی اولاد عبد اللہ اور انیسه اور خذیمه عرف شیماں دودھ بھائی اور دودھ بہن ھیں ۔

آنحضرت کی محبت حلیمه کے ساتھ

آنحضرت صلی اللہ علیه وسلم دودھ کے رشته کو خون کے رشته کے برابر سمجھتے تھے اور حضرت حلیمه سے نہایت محبت رکھتے تھے اور اُن کا ادب اور اُن کی تعظیم ماں کے برابر کرتے تھے ۔ ایک دفعه آنحضرت صلی اللہ علیه وسلم نے اپنی ردائے مبارک جس کو مسلمان سر پر رکھنے اور آنکھوں سے لگانے کے لائق سمجھتے ھیں حضرت حلیمه کے لیے بچھا دی تا که وہ اُس پر بیٹھیں ۔ دودھ کے رشته کا ایسا بڑا پاس و لحاظ جو آنحضرت صلی اللہ علیه وسلم کرتے تھے اور جو محبت اور اُلفت که حضرت حلیمه اور اُس کی اولاد کے ساتھ برتتے تھے اور جس احسان مندی کا اظہار دودھ کے رشته داروں کے ساتھ کیا کرتے تھے نہایت اعلیٰ اور عمدہ مثالیں آنحضرت کے اخلاق حمیدہ، نیک خوئی اور نرم دلی کی ھیں جس کی نظیر اس سے پہلے کبھی نہیں پائی گئی ۔

قبیله بنی سعد جس میں حضور نے پرورش پائی

بنی قریش اور بالتخصیص اُس کی وہ شاخ جو بنی سعد کہلاتی تھی ۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیه وسلم نے اپنے زمانه طفولیت میں پرورش پائی تھی تمام ملک عرب میں زبان کی شائستگی اور فصاحت کے لیے مشہور تھی اور اسی سبب سے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیه وسلم بھی نہایت زبردست اور پُر اثر فصاحت و بلاغت رکھتے تھے ۔ اهل عرب درحقیقت فصاحت و بلاغت کی نہایت قدر کرتے تھے اور جو شخص

فصیح و بلیغ نہ ہوتا تھا اس کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے اور ذلیل سمجھتے تھے گو وہ کیسے ہی نامور اور شریف خاندان کا کیوں نہ ہو ۔

سر ولیم میور صاحب اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ اس سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفت گو جزیرہ نما عرب کی خوش نما زبان کے خالص ترین نمونہ پر بن گئی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب کہ آن کی فصاحت و بلاغت آن کی کام یابی میں بڑا کام دینے لگی تو ایک خالص زبان اور ایک دل فریب گفت گو سے فائدۂ عظیم مرتب ہوا ، مگر ایک بات سر ولیم میور صاحب کی نگاہ سے رہ گئی کہ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی متواتر یا مشہور حدیث کو پڑھتے ہیں ۔ جس میں یقین کیا جاتا ہے کہ خاص لفظ آنحضرت کے محفوظ ہیں جیسے دعائیں وغیرہ تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ آن کا طرز کلام اور فصحائے عرب کے طرز کلام سے کچھ غیر مشابہ نہیں ہے ، لیکن جب ہم قرآن مجید کے مقدس صفحوں کو پڑھتے ہیں تو ہم کو حیرت ہوتی ہے اور ہمارا تعجب بے انتہا بڑھ جاتا ہے کہ وہ دونوں کلام ایک ہی شخص کے نہیں معلوم ہوتے اور دونوں میں بہت بڑا فرق پاتے ہیں اور اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتی کہ اول کلام انسانی ہے اور دوسرا کلام ربانی ۔

**والدہ محترمہ حضرت آمنہ کی وفات**

جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چھ برس کی ہوئی تو حضرت آمنہ آپ کو اپنے عزیز و اقربا سے ملانے کے لیے مدینہ منورہ لے گئیں ۔ کچھ عرصہ تک وہاں ٹھہریں اور پھر مکہ معظمہ کو مراجعت کی اور رستہ میں بمقام آھواز[1] وفات پائی ۔ جب کہ آنحضرت مکہ میں پہنچے

---

۱۔ تمام مؤرخوں نے اس مقام کا نام ابواء لکھا ہے ۔ (محمد اسماعیل)

تو آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش اور نگرانی اپنے ذمہ لی اور ھمیشہ آپ کے ساتھ شفقت پدری سے پیش آتے رہے ۔

حضور کی طفولیت پر سر ولیم میور کا اعتراض

سر ولیم میور نے اپنی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے زمانہ طفولیت یعنی بارہ برس کی عمر تک کے بعض واقعات تعریضاً بیان کیے ھیں مثلاً مدینہ کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے ساتھ اُن کا کھیل کود میں مصروف رھنا اپنے مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے پرندوں کو اڑا دینا اور رضاعی بہن کی پیٹھ میں کاٹ کھانا اور مدینہ سے حدیبیہ کو جاتے وقت اپنی ماں کی قبر پر رونا ۔ اگرچہ ان باتوں کی اور اسی قسم کی اور باتوں کی تصدیق کی جو اُنھوں نے بیان کی ھیں کوئی معتبر سند نہیں ھے لیکن اگر یہ سب باتیں تسلیم بھی کر لی جاویں تب بھی یہ ایسی باتیں ھیں جیسی کہ ایام طفولیت میں انسانی فطرت کے موافق ھوتی ھیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے ۔ اُنھوں نے اپنے آپ کو صرف یہ کہا ھے ”انا بشر مثلکم یوحی الی“ پس ایسی باتیں اگر ھوئی بھی ھوں تو انسانی فطرت سے زیادہ اور کچھ نہیں ھو سکتیں ۔

حضرت عبدالمطلب کی وفات

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آٹھواں برس شروع ھوا تو آپ کے دادا عبد المطلب نے بیاسی برس کی عمر میں وفات پائی ۔ سر ولیم میور صاحب لکھتے ھیں کہ ”جب آنحضرت جنازہ کے ھم راہ قبرستان حجر کو گئے تو لوگوں نے اُن کو روتے دیکھا ۔“ یہ ایک ایسی بات ھے جس سے برخلاف منشاء سر ولیم میور صاحب کے کچھ تعجب نہیں ھوتا ۔ بلکہ اگر نہ روتے تو نہایت تعجب ھوتا آنحضرت اُس وقت کم عمر تھے اور ایسے موقعوں پر آنسوؤں

کا نکلنا اور دل کا جوش مارنا خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا ہے ۔ رنج کے وقت دل کا ملائم ہونا اور محبت آمیز جوش کا اٹھنا اور آنکھوں کی راہ سے آنسوؤں کا بہنا خدائے رحیم نے انسان کے دل کی تسلی اور اس کے رنج کی تسکین کا ذریعہ بنایا ہے ۔ پس آنحضرت نے بھی اسی فطرت کی پیروی کی تھی جو خدا تعالیٰ نے انسان میں بنائی ہے ۔

حضرت ابو طالب کی کفالت

عبد المطلب کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش ابو طالب آپ کے چچا نے جو آپ کے والد عبد اللہ کے حقیقی بھائی تھے اپنے ذمہ لی ۔ یہ بھی آنحضرت کے ساتھ محبت سے پیش آتے رہے اور مثل پدر مہربان کے ہر طرح سے خبرگیری کی ۔

حضرت ابوطالب کے ساتھ سفر شام کی تردید

جب آپ کی عمر بارہ برس کی ہوئی تو ابو طالب کو تجارت کے سبب سے شام کا سفر پیش آیا اور اس کے سرانجام کے بعد پھر مکہ کو واپس آئے ۔ سر ولیم میور صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابو طالب کے ہم راہ شام کو گئے تھے اور ابو طالب نے اول تو اپنے ہم راہ لے جانے سے انکار کیا تھا مگر آنحضرت روانگی کے دن اتنی لمبی مفارقت کے خیال سے افسردہ دل ہو کر اپنے مربی سے لپٹ گئے اور ابو طالب کو بھی جوش الفت آ گیا اور اپنے ہم راہ لے گئے اس روایت کی کوئی معتبر سند نہیں ہے آنحضرت کا ابو طالب کے ساتھ شام کے سفر میں جانا کسی طرح ثابت نہیں ۔

زمانہ طفولیت میں حضور کے خصائل

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بارہ برس کی عمر کو پہنچے تو زمانہ طفولیت کا منقضی ہو گیا تھا اور نوجوانی کا آغاز تھا اور جمیع اوصاف حمیدہ سے

جن سے انسان ہردل عزیز ہو جاتا ہے آراستہ تھے۔ نہایت اعلیٰ درجہ کا اخلاق اور صبر اور مردانگی جن کو اوضاع و اطوار کی خوبی اور فصاحت و خوش بیانی سے دوبالا جلا ہو گئی تھی آپ کی ذات با برکات میں اس طرح پر مجتمع ہوئے تھے کہ عالم شباب ہی میں آپ نے امین عرب کا لقب حاصل کیا تھا ۔

آنحضرت کے زمانہ طفولیت پر سر ولیم میور کے بیانات اور اُن کی تردید

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ طفولیت کے صحیح حالات صرف اسی قدر ہیں جو ہم نے بیان کیے اور اس کے سوا جو باتیں اس زمانہ کی مشہور ہیں وہ سب بے سند اور نا معتبر ہیں ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارہ برس کی عمر تک کے تاریخی واقعات جو ہم نے اوپر بیان کیے اُن کے علاوہ سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب مسمیٰ لائف آف محمد میں اور بھی کچھ واقعات بیان کیے ہیں جو نہایت ضعیف اور نا معتبر روایتوں پر مبنی ہیں ۔ تعجب یہ ہے کہ سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے ”کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے متعلق معجزات حال کے مسلمانوں کے نزدیک بہت دل پسند مضامین ہیں ۔“ مگر اس امر کی کچھ تحقیقات نہیں کی کہ کن معجزات کو حال کے زمانے کے مسلمان بھی معتبر سمجھتے ہیں اور کون سے معجزات کو نا معتبر بطور قصہ اور کہانی کے ۔ اور یہ بھی نہیں بتایا کہ حال کے مسلمانوں کی جو اُنھوں نے قید لگائی ہے اُس سے اُن کا کیا مطلب ہے ۔ غالباً یہ مطلب ہوگا کہ متقدمین مسلمان اُن کو قابل التفاقات نہیں سمجھتے تھے اگر یہی مطلب ہو تو صاف اس بات کا اقرار ہے کہ وہ روایتیں جن کو سر ولیم میور صاحب نے بیان کیا ہے نا معتبر اور غیر صحیح ہیں ۔ جس قدر کتب سوانح عمری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علمائے اسلام نے لکھی

هیں اور جو روایتیں اُن میں بیان کی ہیں تمام مسلمان اُن روایتوں کو ایسی راوایتیں خیال کرتے ہیں کہ قبل اس کے کہ وہ صحیح مانی جاویں روایتاً اور درایتاً کامل تحقیق و تدقیق کی محتاج ہیں ۔ اس قسم کی روایتوں کو تاوقتیکہ اُن کی تصدیق کی کوئی کافی دلیل نہ ہو مسلمان مطلقاً قابل اعتبار تصور نہیں کرتے بلکہ خود علمائے محققین نے اُن روایتوں کو نا معتبر قرار دیا ہے ۔ علمائے محققین اسلام اور ذی علم مسلمانوں نے ان روایات پر ذرا بھی اطمینان نہیں کیا ہے ۔ بلکہ ہمیشہ اُن کی کوششیں اس بات کی تحقیق میں کہ کون سی اُن میں سے صحیح اور کون سی غیر صحیح ہیں مصروف رہی ہیں ۔

سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں جہاں روایتوں کے درجہ اعتبار کو بیان کیا ہے اُن تمام روایات کی نسبت جن میں صحیح روایتیں اور موضوع اور نا معتبر روایتیں بلا تمیز شامل ہیں صرف اتنی بات کہہ کہ فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ سب بے اصل اور راویوں کی محض اختراعات ہیں ، مگر ہم باوجود اس کے کہ سر ولیم میور صاحب کے علم اور مرتبہ کا بہت ادب کرتے ہیں اس کہنے پر مجبور ہیں کہ دعویٰ بلا دلیل قابل پذیرائی نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اگر وہ بالعموم مان لیا جاوے تو اس سے لازم آتا ہے کہ استدلال محض بے کار چیز ہے اور اس کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے کہ یونان کے مشہور کاشت کار مسمی گارڈین کی گاڑی کے جوئے کی گرہ کو ایران کی بادشاہت کی طمع میں ہاتھ سے کھولنے کے عوض تلوار سے کاٹ دیا جائے جیسے کہ سکندر نے کیا تھا ۔

فرض کرو کہ اگر کوئی یہ کہے[1] (جیسے کہ لوگوں نے

---

[1] ۔ دیکھو کتاب موسوم بہ ''اے وایس فرام دی گنجز ۔''

کہا ہے) کہ حضرت یحیٰی محض عوام الناس میں سے اور یہود کے فرقہ ایسینین میں سے تھے اور حضرت عیسیٰ اُن کے ایک مرید تھے اُن کے مصلوب ہونے کے بعد اُن کے مریدوں نے شان الوہیت اور قدرت اعجاز کو اُن پر لگا دیا ورنہ وہ محض ایک عام یہودی تھے ۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس کہنے میں اور مسلمانوں کی تمام روایتوں کی نسبت اس بات کے کہہ دینے میں کہ وہ سب بے اصل اور راویوں کی اختراعات ہیں کیا فرق ہے ؟

زندگی کے عام معاملات میں بھی کسی شخص پر واجب نہیں ہے کہ کسی شخص کے محض زبانی بیان پر گو وہ کیسا ہی معزز اور ذی فہم کیوں نہ ہو یقین لے آوے ۔ تو ایسے بڑے معاملات میں کسی مصنف کے بیان یا رائے کو کیوں کر قطعی مان لیا جا سکتا ہے ۔ اس لیے ہم قابل معاف ہیں ۔ اگر ہم سر ولیم میور صاحب کی اس رائے کو کہ ”اُن روایات ہی کو غیر معتبر سمجھ کر خارج کر دینا چاہیے“ قابل تسلیم نہ خیال کریں جب تک کہ دلیل اور واقعات سے اس رائے کی صحت کا ثبوت نہ ملے ۔

جاننا چاہیے کہ مسلمانوں کے نزدیک روایتیں تین قسم کی ہیں :
اول تو وہ روایتیں ہیں کہ اُن کی صحت و اعتبار کی معقول دلیلیں موجود ہیں اور علی العموم مسلّم ہیں ۔ دوسری قسم میں وہ مشہور روایتیں شامل ہیں جن کا وقوع قوانین فطرت کے برخلاف نہیں ہے اور جن کی بے اصل اور غیر معتبری کی نسبت کوئی دلیل موجود نہیں ہے ۔ یہ روایتیں نہ تو بلا تحقیق نا معتبر کرنے کے قابل ہیں اور نہ اس قابل ہیں کہ آنکھ بند کر کے اُن پر اعتماد کر لیا جائے ۔ تیسری قسم مین وہ روایتیں ہیں جو بظاہر بالکل محال معلوم ہوتی ہیں اور اُن کے ثبوت کی کوئی معتبر دلیل نہیں

ملی ہے اور اس لیے غلط اور نا معتبر قرار دی گئی ہیں - پس اس سے زیادہ غلطی کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اہل اسلام کی نسبت یہ کہا جاوے کہ وہ اُن سب قسم کی روایتوں کو برحق سمجھتے ہیں اور اُن سب پر بلا امتیاز ایمان رکھتے ہیں - جیسے کہ ہم نے اپنے خطبہ ''الروایات المرویات فی الاسلام'' میں بیان کیا ہے -

اب ہم اُن روایات کی نسبت بحث کرتے ہیں جن کو سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں لغویت مذہب اسلام ثابت کرنے کی منشاء سے بیان کیا ہے اور بتلاتے ہیں کہ وہ روایتیں اقسام روایات متذکرہ بالا میں سے کون سی قسم کی روایتوں میں داخل ہیں - سر ولیم میور صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ولادت میں جو حضرت آمنہ کا ایک خوفناک اور نا معلوم آواز سن کر ڈر جانا یا ایک سفید مرغ کا دفعۃً نمودار ہونا اور حضرت آمنہ کے سینہ پر اپنے بازو کا پھیرنا اور اس سے حضرت آمنہ کے اضطراب کو تسکین کا ہونا یا حضرت آمنہ کے لیے ایک خوش‌گوار شربت کے پیالہ کا ایک نا معلوم ہاتھ سے ظاہر ہونا یا ملائکہ کی آوازیں آنی یا بغیر اس کے کہ کوئی شخص دکھائی دیتا ہو پاؤں سے پھرنے کی آہٹ کا محسوس ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آدمیوں کی نظر سے چھپا لینے کے لیے آسمان سے ایک نور کی چادر کا اُترنا - بہشت کے پرندوں کا چہچہانا - بہشت کی خوشبوؤں کا مہکنا یہ سب شاعرانہ مضمون ہیں جو غالباً سر ولیم میور صاحب نے کسی مولود نامہ سے اخذ کیے ہیں اور ہر مسلمان جس کو ذرا سا بھی علم ہوگا سمجھتا ہے کہ یہ تمام باتیں شاعروں کے گرم جوش شاعرانہ خیالات ہیں جو اُنھوں نے اپنے مضامین کی تزئین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ

کی رونق کے لیے بیان کی ہیں جیسے کہ شاعروں کا اور خصوصاً
مشرق شاعروں کا شاعرانہ مضمون میں اس قسم کے واقعات بیان
کرنے کا دستور ہے ۔ حضرت عیسیٰ کی نسبت بھی گرم جوش خیال
کے عیسائی شاعروں نے اسی قسم کے خیالات نظم میں بیان
کیے ہیں جن کا نمونہ ہم نے اپنے خطبہ " فی حقیقۃ شق الصدر
و ما ھیۃ المعراج " میں دکھایا ہے اور ملٹن کی تمام
پیریڈیز لاسٹ انھیں خیلات سے بھری ہوئی ہے ۔ پس نہایت افسوس
کی بات ہے کہ ایک عیسائی عالم اپنے ہاں کے اس قسم کے
خیالات کو تو شاعرانہ خیالات سمجھے اور مسلمانوں کی اس قسم
کی باتوں کو بطور مذھبی روایتوں کے قرار دے اور اُس کا فیصلہ
یوں کر دے کہ وہ سب راویوں کی اختراعات ہیں ۔

اسی قسم کے وہ مضامین ہیں جن کو سر ولیم میور صاحب
نے بطور مذھبی روایتوں کے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا ہوتے ھی زمین پر
سجدہ کیا اور اپنی اُمت کی بخشش کی دعا مانگی اور کلمہ پڑھا اور
تین نورانی فرشتے آسمان پر سے اُترے : ایک کے ھاتھ میں چاندی
کی چھاگل تھی اور دوسرے کے ھاتھ میں ایک زمرد کا لگن اور
تیسرے کے پاس ایک ریشمی رومال اور آنحضرت کو سات مرتبہ
غسل دے کر آپ کو خیر البشر کا خطاب دیا ۔

ہم کو کس قدر تعجب آتا ہے کہ سر ولیم میور صاحب
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختون پیدا ہونے کو بھی
اُنھی اختراع روایات میں شمار کیا ہے جن کو وہ عجیب و غریب
بعید از قیاس اور خلاف قانون فطرت قرار دیتے ہیں ۔ مگر یہ بات
نہ معجزہ سے علاقہ رکھتی ہے نہ عجائبات سے بلکہ محض تنوعات
فطرت سے متعلق ہے ایسے تنوعات فطرت کی بہت سی نظیریں

بتلائی جا سکتی ہیں مثلاً ایسے اشخاص کا پیدا ہونا جن میں علامات تذکیر و تانیث دونوں موجود ہوں ۔ ایسے واقعات اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ قوانین فطرت کے مطابق قدرت کا اتفاقیہ انحراف کوئی عجیب بات نہیں ہے ۔ اس زمانہ میں بھی بعض اوقات مختون لڑکے پیدا ہوتے ہیں ۔ جن سے بلا توسل معجزہ یا عجائبات کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی مختون پیدا ہونا یقیناً قرین قیاس ثابت ہوتا ہے اور اس کا ثبوت اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ باوجودیکہ ابراہیم کی اولاد میں ختنہ کی رسم نہایت استحکام سے قرار پا گئی تھی اور عرب جاہلیت میں بھی اس کا ترک کرنا گناہ عظیم سمجھتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ختنہ کی رسم کا ہونا کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی بیان نہیں کیا گیا ہے ۔

مہر نبوت کی نسبت سر ولیم میور صاحب فرما تے ہیں کہ ''صفیہ سے نقل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت آن کی پشت پر نور کے حرفوں میں مرقوم تھی'' تمام مستند حدیثیں بالاتفاق بیان کرتی ہیں کہ وہ ایک سیاہ غدود سا تھا اور اس پر بال تھے ۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ میری رسالت کی مہر ہے اور نہ کبھی اس کو اپنی رسالت کے برحق ہونے کے ثبوت میں پیش کیا ۔ جس طرح کہ حضرت موسیٰ نے اپنے ید بیضا کو نبوت کے ثبوت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چیز کی حرمت اور تعظیم کی جاتی تھی اور اسی خیال سے بعض لوگوں نے آنحضرت کی پشت کے غدود کو عام نام سے بولنا ایک بے ادبی اور گستاخی خیال کر کے استعارۃً اس کو مہر نبوت کے معزز اور گرامی نام

سے موسوم کیا ہوگا۔

بعض لوگوں کے اس خیال کو کہ اُس پر حرف لکھے ہوئے تھے جمیع علمائے اسلام نے نہایت صراحت کے ساتھ رد کیا ہے۔ پس کیا ایک عیسائی عالم کو یہ بات نازیبا نہیں ہے کہ مسلمانوں پر اُن کے نبی کی رسالت کے ثبوت میں ایسے امر کے اعتقاد رکھنے کا اتہام لگائے جس سے وہ خود انکار محض کرتے ہوں۔ شمایل ترمذی کے حاشیہ مسمیٰ باجوری میں لکھا ہے کہ "یہ جو روایت ہے کہ اُس پر پچھنے کے سے نشان تھے یا عنز جانور کے گھٹنے کی مانند یا غدود سبز یا سیاہ رنگ کا تھا اور اس پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا یا یہ لکھا ہوا تھا "ایک منصور"۔ ان میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے جیسے عسقلانی نے کہا ہے اور ابن حبان نے جو اس کی تصحیح کی ہے وہ صرف اُس کا وہم ہے اور بعض حفاظ حدیث نے کہا ہے کہ جس شخص نے یہ بیان کیا ہے کہ مہر نبوت پر یعنی اُس شے پر جو آنحضرت کی پشت پر تھی الفاظ محمد رسول اللہ لکھے ہوئے تھے اُس کو دھوکا ہو گیا ہے ہاتھ کی مہر میں اور اُس پشت کے غدود میں جس کو خاتم نبوت کہتے تھے کیوں کہ وہ عبارت ہاتھ کی مہر میں

و اما روایة کاثرالحجم او کوکبة عنز و کشامة خضراء او سوده و مکتوب فیها محمد رسول اللہ او سطر فانک المنصور لم یثبت منها شئی کما قاله العسقلانی و تصحیح ابن حبان لذلک وھم و قال بعض الحفاظ من روی انه کان علی خاتم النبوة کتابة محمد رسول اللہ فقد اشتبه علیه خاتم النبوة بخاتم الیه اذ الکتابة المذکورة انما کانت علی الثانی دون الاول۔
(حاشیة الباجوری علی الشمائل)

کندہ تھی نہ پشت کی چیز پر" پس جو محقق امر باجوری اور عسقلانی نے لکھا ہے اُس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ علمائے اسلام نے اُن روایتوں کو جن کو سر ولیم میور صاحب نے بیان کیا ہے خود رد کیا ہے اور مہر نبوت سے وہ کیا مراد لیتے تھے ۔

شرح السنہ میں ابی رمثہ سے منقول ہے کہ " وہ اپنے باپ

عن ابی رمشه ۔ ۔ ۔ قال دخلت مع ابی علیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم فرای ابی الذی بظهر رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال دعنی اعالج الذی بظهرک فانی طبیب فقال انت رفیق الله الطبیب ۔ (رواه فی شرح السنه) ۔

کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے ۔ اُن کے باپ نے اُس چیز کو دیکھا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر تھی ۔ اُن کے باپ نے کہا کہ آپ مجھ کو اجازت دیجیے کہ جو چیز آپ کی پیٹھ پر ہے میں اُس کا علاج کر دوں کیوں کہ میں طبیب ہوں ۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم رفیق ہو اور اللہ طبیب ہے " اس روایت سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ جس چیز کو مہر نبوت کہتے تھے وہ کیا چیز تھی اور صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود اُس زمانے کے مسلمان جو آنحضرت کے اصحاب تھے اُس کو کیا سمجھتے تھے ۔ پس سر ولیم میور صاحب نے جو اس کو بطور عجائبات اسلام کے بیان کیا ہے ۔ محض بے جا ہے ۔

سر ولیم میور صاحب نے اور روایتیں لکھی ہیں جن میں بیان کیا ہے کہ حضرت آمنہ سے ایک نور پیدا ہوا جس نے کہ شام کی تمام گلیوں اور مکانوں کو روشن کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوتے ہی اپنے ہاتھوں کو ٹیک کر اٹھ بیٹھے اور

ایک خاک کی مٹھی بھر کر آسمان کی طرف پھینکی۔ اور ایک روایت لکھی ہے کہ حضرت آمنہ کو ایام حمل میں کچھ بوجھ یا تکلیف نہیں معلوم ہوتی تھی اور دوسری روایت اس کے برخلاف لکھی ہے کہ حضرت آمنہ کہتی تھیں کہ میں نے کسی بچہ کو پیٹ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بھاری نہیں پایا۔ یہ روایتیں اور اسی قسم کی اور سب روایتیں بالکل سند سے معرا ہیں اور خود علمائے اسلام اُن کو غیر صحیح اور نا معتبر قرار دیتے ہیں اور یہ سب گرم جوش خیالات کے نتیجے ہیں جن کو سر ولیم میور صاحب اسلام کی مذہبی روایتوں کی طرز پر بیان کرتے ہیں۔ اس منشاء سے کہ اسلام کی ایک بے وقعتی ظاہر کریں۔

وہ روایت جس میں حضرت آمنہ سے نور کا ظاہر ہونا منقول ہے اور جو کتاب شرح السنہ میں بیان کی گئی ہے اُس طرح پر نہیں ہے جس طرح کہ سر ولیم میور صاحب نے بیان کی ہے۔ اس لیے ہم اُس روایت کو بلفظہ نقل کرتے ہیں۔ شرح السنہ میں عرباص ابن ساریہ سے منقول ہے کہ ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو اپنے پہلے حال سے مطلع کروں میں دعا ہوں ابراہیم کی اور بشارت ہوں عیسٰی کی اور خواب ہوں اپنی ماں کا جس نے میرے پیدا ہونے کے زمانے میں دیکھا تھا کہ اُس سے ایک نور پیدا ہوا ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔'' پس جن روایتوں میں

عن العرباص بن ساریہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ۔ ۔ ۔ ما خبرکم باول امری انا دعوۃ ابراھیم و بشارۃ عیسٰی و رویا امی التی رات حین و ضعتنی و قد خرج لھا نور اضاء بھا قصور الشام ۔ (رواہ فی شرح السنہ)

حضرت آمنه سے نور کا پیدا ہونا منقول ہے اگرچہ اُن کی بھی کوئی کافی سند صحت کی موجود نہیں ہے لیکن اگر ہم ان کو تسلیم کر لیں اور صحیح قرار دیں تو ان سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آمنه نے ایسا ایک خواب دیکھا تھا اور اس قسم کا خواب دیکھنا نه تعجب انگیز ہے نه خلاف قیاس ہے اور نه بر خلاف فطرت ۔

سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں که تمام راوی آنحضرت صلی اللہ علیه وسلم کی تاریخ میں دو شنبه کو ایک مشہور اور معروف دن خیال کرتے ہیں اور لکھتے ہیں که اسی دن آپ کی زندگی کے سبب سے بڑے واقعات ظہور میں آئے تھے، لیکن اس متبحر عالم نے اس جگه کسی قدر غلطی کی ہے ۔ کیوں که مسلمانوں کے ہاں دو شنبه کے دن کو مذہبی شرف حاصل نہیں ہے ۔ صرف یه بات ہے که جب علماء نے ان مشہور و معروف واقعات پر غور کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیه وسلم کے زمانه میں ظہور میں آئے تھے تو اکثر کو دو شنبه کے دن واقع ہونا پایا ۔ اس لیے اُنھوں نے ایک اتفاق مطابقت کے خیال سے اپنی تصنیف میں دو شنبه کا ذکر کیا ۔ حالاں که بعض علماء نے اس اتفاق مطابقت سے بھی اختلاف کیا ہے ۔ پس یه کوئی ایسا امر نہیں ہے که جس کے سبب اسلام کی طرف کسی منشا سے کوئی اشارہ کیا جائے ۔

سر ولیم میور صاحب نے تاریخ واقدی کے چند اختراعات بیان کرنے کے ساتھ یه لکھا ہے که اُس مصنف نے بیان کیا ہے که ”حضرت آمنه نے عبد المطلب سے فرشته کا یه حکم بیان کیا که اس لڑکے کا نام احمد رکھنا“ اس کے بعد صاحب ممدوح فرماتے ہیں که ”حمد کے ماده سے جو نام مشتق ہوتے ہیں عرب میں مروج تھے مگر احمد عرب میں بہت کم نام ہوتا تھا اور

آنحضرت کے سوا پانچ مختلف اشخاص اور بھی گزرے ھیں جن کا نام محمد تھا ۔"

واقدی کے حوالہ سے صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ھیں کہ " یہ نام عرب کے وہ لوگ رکھا کرتے تھے جنھوں نے یہود اور نصاریٰ اور کاھنوں کی زبانی سنا تھا کہ عرب میں ایک نبی اس نام کا عنقریب ھونے والا ھے اور اکثر اشخاص اپنے لڑکوں کے یہی نام رکھتے تھے اور ھر شخص یہ امید کرتا تھا کہ میرا ھی بیٹا نبی آخر الزمان ھونے کی عزت حاصل کرے ۔"

مگر ھم نہیں سمجھ سکتے کہ اگر حضرت آمنہ نے عبدالمطلب سے کہا ھو کہ ایک فرشتہ نے مجھ سے کہا ھے کہ اس لڑکے کا نام احمد رکھنا تو سر ولیم میور صاحب نے اس بات پر کیوں تعجب کیا ھے ۔ اگر توریت مقدس کی یہ آیت کہ " اللہ تعالیٰ کے فرشتہ نے اُس سے کہا کہ دیکھ تو حمل سے ھے اور تیرے ایک لڑکا پیدا ھوگا اور اُس کا نام اسماعیل رکھنا " (کتاب پیدائش، باب ۱۶ ورس ۱۱) اور نیز یہ آیت کہ " اللہ تعالیٰ نے کہا کہ سارا تیری بی بی کے بے شک ایک لڑکا پیدا ھوگا اور اُس کا نام اسحاق رکھنا " (کتاب پیدائش، باب ۱۷ ورس ۱۹) اور انجیل کی یہ آیت " اور اُس کے (یعنی مریم کے) ایک بیٹا پیدا ھوگا اور تجھ کو (یوسف کو) چاھیے کہ اُس کا نام عیسیٰ رکھے کیوں کہ وہ اپنی امت کو گناھوں سے نجات دے گا " (متی، باب ۱ ورس ۲۰) صحیح ھے اور عیسائی اس کو تسلیم کرتے ھیں تو کس بنا پر وہ اس بات سے انکار کر سکتے ھیں کہ حضرت آمنہ کو بھی ایک فرشتہ نظر آیا تھا اور جو لڑکا پیدا ھونے والا تھا احمد اُس کا نام رکھنے کو کہا تھا ۔

اس روایت کی صداقت کا ایک نہایت تسکین بخش ثبوت وہ ھے

جو هم نے اپنے خطبه بشارات میں بیان کیا هے یعنی عهد عتیق میں آنحضرت صلی الله علیه وسلم کی بشارت محمد کے نام سے آئی هے اور انجیل میں احمد کے نام سے اور اس لیے ان بشارات کے پورا کرنے کے لیے ضرور تها که حضرت آمنه کو احمد کا نام بتا دیا جاوے ، کیوں که یه ایک ایسا نام تها جس کو اهل عرب کبهی نہیں یا شاذ و نادر رکھتے تهے -

مگر سر ولیم میور صاحب کا یه بیان نہایت عجیب هے که " لفظ احمد " انجیل یوحنا کے کسی قدیم عربی ترجمه میں بجائے لفظ " تسلی دهنده " کے براه غلطی واقع هوا هوگا یا آنحضرت صلی الله علیه وسلم کے وقت میں کسی جاهل یا متفنی راهب کی جعل سازی سے بجائے یونانی لفظ پیریکلیٹوس کے لفظ پیریکلیوٹوس کر دیا گیا -" سر ولیم میور صاحب نے یه بات اس لیے بیان کی هے که پہلے یونانی لفظ پیریکلیٹوس کا ترجمه تسلی دهنده هے اور دوسرے یونانی لفظ پیریکلیوٹوس کا ترجمه احمد هے ، مگر مسلمانوں نے ان یونانی لفظوں کو معرب کر کے فارقلیط بنا لیا هے اور اس سبب سے که مسلمان فارقلیط کا ترجمه احمد کرتے هیں ثابت هوتا هے که انهوں نے یونانی لفظ پیریکلیوٹوس کو معرب کرکے فارقلیط کیا هے -

سر ولیم میور صاحب نے جو یه بیان کیا هے که عرب میں محمد نام کے اور لوگ بهی گزرے هیں اس سے کچھ فائده نہیں معلوم هوتا کیوں که علمائے اسلام نے کبهی یه نہیں کہا که آنحضرت سے پہلے عرب میں اس نام کا اور کوئی نہیں هوا - بلکه برخلاف اس کے انهوں نے اس قسم کی تمام روایتوں کو رد کر دیا اور نہایت تدین و ایمان داری سے اس امر کے دریافت کرنے میں کام یاب کوشش کی اس نام کے عرب میں اور لوگ بهی گزرے تهے اور واقدی کو بهی هم ان هی لوگوں میں شمار کرتے هیں ، مگر یه

بات کہ ان ناموں کے اور لوگ بھی آنحضرت سے پہلے در حقیقت گزرے تھے[1] یا یہ کہ اس نام کا مادہ حمد ہے اور حمد کے مادہ سے اہل عرب ناموں کو مشتق کیا کرتے تھے یا یہ بیان کہ یہ نام اکثر والدین اپنے لڑکوں کا اس قوی امید پر رکھتے تھے کہ شاید ہمارے ہی لڑکے کی قسمت میں نبی موعود ہونا ہو ، کسی طرح عہد عتیق اور عہد جدید کی بشارتوں پر مؤثر نہیں ہو سکتا کیوں کہ کسی لڑکے کے والدین نے اس کے حق میں کچھ ہی تمنا کیوں نہ کی ہو اور نبی موعود کا نام اس لڑکے کے نبی ہونے کی طمع پر کیوں نہ رکھا ہو مگر نبی وہی ہوا جس کو در حقیقت خدا تعالیٰ کو نبی آخر الزمان کرنا منظور تھا ۔ ہماری اس رائے کی تائید اس وقت اور بھی ہوتی ہے جب کہ ہم ان بڑے بڑے کاموں پر غور کرتے ہیں جو آنحضرت سے ظہور میں آئے تھے اور وہ ایسے کام ہیں جو تمام جہان کی تاریخ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے اور جب کہ ہم اس روحانی سرور کو دیکھتے ہیں جو دین حق کا طفیل ہے جس کو آنحضرت نے اپنی حیات میں شائع کیا تھا اور آئندہ نسلوں کے لیے بطور ورثہ کے چھوڑ گئے اور جب کہ ہم اس صدق اور پاک بازی کی ترویج پر نظر ڈالتے ہیں جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رائج کیا اور جو زمانے کی گردشوں کے بعد بھی غیر مبدل اور بے نقص رہی ہیں اور ابدالآباد تک ایسی ہی رہیں گی ۔ تو ہم کو کامل یقین ہوتا ہے کہ جس

---

۱- حضرت عیسیٰ کے نام کی نسبت بھی ہم یہی حال پاتے ہیں ۔ ریفن صاحب کی لیف آف کرایسٹ میں لکھا ہے کہ ” عیسیٰ جو ان کا نام رکھا گیا تھا لفظ یوشع کا تبدیل کیا ہوا ہے یہ نہایت مروج نام تھا لیکن بعد کو اس نام میں اسرار اور امت کی نجات دہندہ کا اشارہ اپنی طرف سے اس میں لگا دیا گیا تھا ۔“ (سید احمد)

محمد اور احمد کی بشارت عہد عتیق اور عہد جدید میں دی گئی تھی وہ وہی تھے جو عبد اللہ کے بیٹے اور آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے ۔

حضرت آمنہ کا اگر رویا میں فرشتوں کی صورتوں کو دیکھ کر ڈر جانا اور عرب جاہلیت کے دستور کے موافق لوہے کے ٹکڑوں کو گلے میں لٹکانا یا بازوؤں پر بطور عمل اور تعویذ کے باندھنا اگر صحیح بھی تسلیم کیا جاوے تو کسی طرح تعجب انگیز بات نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف اس امر کی تائید کرتا ہے کہ حضرت آمنہ نے درحقیقت اپنے رویا میں آسمانی فرشتوں کو دیکھا تھا ہاں اسپرنگر صاحب کی عقل اور ایمان داری پر نہایت تعجب ہے کہ وہ اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضرت آمنہ کو ضعف دماغ اور صرع کی بیماری تھی اور حضرت سارا اور حضرت مریم نے جو فرشتوں کو دیکھا تھا اُس کو صرع کی بیماری نہیں قرار دیتے ۔

سر ولیم میوز صاحب نے اپنی کتاب میں کسی منشاء سے اور بھی چند تعجب انگیز باتیں بیان کی ہیں کہ حضرت آمنہ کو خواب میں اطلاع ہوئی تھی کہ اس لڑکے کو قبیلہ ابو ذئیب میں سے ایک عورت دودھ پلائے گی اور حلیمہ کو بڑا تعجب ہوا جب بلا دریافت اُس کے شوہر کا نام اُس کو بتلا دیا اور جب حلیمہ آنحضرت کو لے آئی تو دفعۃً اُس کا اور اُس کی اونٹنی کا دودھ بہت زیادہ ہوگیا اور جب کہ حلیمہ آنحضرت کو لے کر چلی تو اُس کا سفید گدھا سب سے زیادہ تیز رفتار ہوگیا اور اُس کے مویشی نہایت فربہ ہوگئے اور کثرت سے دودھ دینے لگے یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کی سند بجز حلیمہ کے بیان کے اور کوئی نہیں ہے اور اسی لیے یہ روایتیں مستند اور معتبر نہیں ہیں ۔ لیکن

اتفاقات سے ایسے امور کا واقع ہونا کچھ ناممکن بھی نہیں ہے مگر عیسائی عالم جو ایسی باتوں کو بطور دور از قیاس باتوں کے بیان کرتے ہیں تو بلاشبہ ہم کو تعجب آتا ہے کیونکہ جب وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ "لابان نے اُس سے کہا کہ میں التجا کرتا ہوں کہ اگر تجھ کو میرا خیال ہے تو ٹھہر جا کیونکہ مجھ کو تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیری وجہ سے مجھ کو برکت دی ہے" (کتاب پیدائش، باب ۳۰ ورس ۲۸) اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یعقوب نے کہا کہ "میرے آنے سے پیش تر تیرے پاس بہت تھوڑا تھا اور اب وہ کثیرالتعداد ہو گیا ہے اور جب سے کہ میں آیا ہوں اللہ تعالیٰ نے تجھ کو برکت دی ہے" (کتاب پیدائش، باب ۳۰ ورس ۳۰) اور اسی طرح کتاب پیدائش کے باب ۳۰ ورس ۳۶ سے ۴۲ تک کے مضمون سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لابان کے مویشی کو حضرت یعقوب کے مویشی سے کم زور پیدا کیا تھا تو کیا وجہ ہے کہ اگر حلیمہ کے مویشی میں بھی برکت ہوئی ہو تو اُس کو دور از قیاس اور تعجب انگیز طرز پر بیان کیا جائے۔

سر ولیم میور صاحب واقدی کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شق صدر اور دل کے دھونے کا واقعہ چار برس کی عمر میں واقع ہوا تھا اور ہشامی کے حوالہ سے اس بات کا استنباط کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرع کا عارضہ تھا۔ ہم نے اپنے خطبہ "حقیقۃ شق الصدر و ماھیۃ المعراج" میں اس مضمون پر شرح و بسط سے بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ شق صدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شب معراج کے خواب کا ایک جزو تھا نہ یہ کہ درحقیقت وہ جسمانی طور پر واقع ہوا تھا، مگر راویوں نے اُن اسباب سے جو

اکثر روایات کے بیان کرنے میں واقع ہوتے ہیں مختلف طور پر بیان کیا ہے اور اس کے وقوع کے زمانہ میں بھی انھی اسباب سے اختلاف ہو گیا ہے ۔ بعض کا قول ہے کہ عہد طفولیت میں واقع ہوا تھا ۔ بعض کا بیان ہے کہ اس کا وقوع ایام شباب میں ہوا تھا اور بعض کے نزدیک شب معراج میں وقوع میں آیا تھا ۔ ہم کو اس واقعہ کی حقیقت کا دوبارہ اس مقام پر بیان کرنا ضرور نہیں ہے ۔ بلکہ اس مقام پر ہم کو یہ بیان کرنا منظور ہے کہ ہمارے ذی علم اور لائق مصنف سر ولیم میور صاحب نے جو ہشامی کی روایت سے (اگر وہ بالکل صحیح بھی مان لی جاوے) یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرع کا عارضہ ہو گیا تھا وہ کیسا غلط اور بے اصل ہے ۔

سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ ہشامی اور دیگر متاخرین بیان کرتے ہیں کہ حلیمہ کے شوہر کو گمان ہوا کہ اس لڑکے کو "عارضہ ہو گیا ہے" جس لفظ کا ہم نے عارضہ ترجمہ کیا ہے وہ انگریزی لفظ "فٹ" ہے جو سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں استعمال کیا ہے "فٹ" کے معنی لغت میں کسی مرض کے ایسے سخت اور یک بارگی حملہ کے ہیں جس سے بدن کپکپانے لگے اور بعض اوقات غشی طاری ہو جائے جس سے غالباً صاحب ممدوح نے صرع مراد لی ہے ، مگر ہشامی میں جو لفظ واقع ہے اس کا "فٹ" ترجمہ کرنا بالکل غلط ہے ۔ سر ولیم میور صاحب کو اس لفظ کے صحیح پڑھنے میں بالکل غلطی ہوئی ہے جیسا کہ ہم آگے ثابت کریں گے ۔

ہمارے پاس سیرت ہشامی موجود ہے جو ۱۸۵۸ء میں بمقام گاٹنجن زیر اہتمام و نگرانی ڈاکٹر فرڈیننڈ وسٹن فیلڈ کے چھپی ہے

اُس کتاب سے ہم وہ عبارت جو اس بحث سے متعلق ہے بلفظہٖ نقل کرتے ہیں ۔

قالت و قال لی ابوہ یا حلیمۃ لقد خشیت ان یکون ھذ الغلام قد اصیب فالحقیہ باھلہ ۔

یعنی حلیمہ نے کہا اُس کے باپ (یعنی آنحضرت کے دودھ باپ یعنی شوہر حلیمہ) نے کہا اے حلیمہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ اس لڑکے کو کچھ ہو گیا ہے اس لیے اُس کو اُس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دے ۔

مگر جب حلیمہ آنحضرت کو حضرت آمنہ کے پاس لے کر آئیں تو حضرت آمنہ نے ان کو نہیں لیا اور حلیمہ سے کہا کہ اُس کو واپس لے جاؤ ۔ اُس وقت حضرت آمنہ نے حلیمہ سے کہا کہ کیا تجھ کو یہ اندیشہ ہوا تھا کہ اُس پر شیطان مسلط ہو گیا ہے ۔ یہ کلام بطور استفہام انکاری کے تھا اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حلیمہ کے شوہر کو جو یہ گمان ہوا کہ آنحضرت کو کچھ ہو گیا ہے وہ صحیح نہیں تھا ۔

سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب لائف آف محمد کے صفحہ ۲۱ کے حاشیہ پر بجائے لفظ اصیب کے امیب لکھا ہے یعنی صاد کی جگہ میم لکھا ہے اور اُس کے معنی ’’ فٹ ‘‘ یعنی عارضہ ہونے کے لکھتے ہیں ، مگر یہ لفظ تاریخ ہشامی میں ہم کو نہیں ملتا ہے اور نہ اُس کے معنی عارضہ ہونے کے پائے جاتے ہیں ۔ ہشامی میں اُصیب کا لفظ ہے اور یہ صحیح معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آگے ثابت ہوگا اور چوں کہ ان دونوں لفظوں کی شکل میں بہت ہی کم فرق ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سر ولیم میور صاحب نے کسی غلط قلمی نسخہ سے اُس کو نقل کیا ہوگا ۔

تمام عیسائی مصنف سوائے ایک دو کے جنھوں نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری لکھی ہے اس بات کو بطور ایک امر واقعی کے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عارضہ صرع لاحق ہوا تھا ۔ اولاً ہم متحیر تھے کہ یہ خیال گروشیس کے کبوتر کے قصہ کی طرح عیسائیوں کے دماغوں میں کیوں کر سمایا ۔ کسی تاریخ سے نہیں پایا جاتا کہ کوئی ڈاکٹر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی حالت کا امتحان کرنے کو عرب میں گیا ہو اور نہ ایشیائی مصنفوں نے اس امر کی نسبت کچھ تذکرہ کیا ہے پھر اس خیال کی ابتداء کہاں سے ہوئی اور کس نے اس کو پھیلایا ۔ آخرکار بہت سی تلاش کے بعد ہم کو متحقق ہوا کہ یہ خیال خام عیسائیوں میں دو وجہ سے پیدا ہوا: اول عیسائیوں کے توہمات مذہبی کے سبب سے اور دوسرے عربی عبارت کے زبان لیٹن میں غلط ترجمہ ہونے سے ۔

کتاب لائف آف محمد مصنفہ پریڈ و مطبوعہ لندن ۱۷۱۲ء کے صفحہ ۲۰ سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خیال کی ابتدا وہاں سے ہوئی ہے اور تاریخ ابوالفدا کے بعض مقامات کے غلط ترجمہ سے بھی جو ڈاکٹر پوکاک نے لیٹن زبان میں کیا ہے اس کی بناء معلوم ہوتی ہے یہ ترجمہ مع اصل عبارت عربی کے پوکاک کے مسودہ سے ۱۷۲۲ء میں بمقام آکسفورڈ چھپا تھا ۔ اول ہم اس چھاپہ سے اس عبارت کو نقل کرتے ہیں اور پھر اس کی عبارت کی اور نیز اس کے ترجمہ کی متعدد غلطیاں بتاتے ہیں ۔

اس چھاپہ میں عبارت مذکورہ اس طرح پر لکھی ہے :

فقال زوج حليمة لها قد خشيت ان هذا الغلام قد أصيب با لحقية باهله فاحتملته حليمة وقدمت به الى أمه ۔

اُردو میں اس طرح پر ہوتا ہے ''تب حلیمہ کے شوہر نے کہا کہ مجھ کو بہت خوف ہے کہ اس لڑکے نے کسی اپنے ساتھی سے دماغی بیماری کو اخذ کر لیا ہے۔ اس واسطے اس کو حلیمہ سے لے کر اُس کی ماں آمنہ کے پاس لے گیا۔ اس مترجم نے دماغی بیماری سے غالباً صرع کا عارضہ یا بے ہوش کرنے والی بیماری مراد لی ہے۔

اول تو ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کتاب سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ سر ولیم میور صاحب نے جس لفظ کو آمیب پڑھا ہے وہ اصیب ہے اور پھر ہم بتاتے ہیں کہ کتاب مذکورہ بالا کے مصنف نے جس لفظ کو بالحقیۃ پڑھا ہے وہ بھی غلط پڑھا ہے وہ لفظ فالحقیہ ہے اور ترجمہ میں یہ غلطی کی کہ جب مترجم نے دیکھا کہ لفظ بالحقیہ کے معنی عبارت کے مناسب نہیں ہو سکتے تو اُس کا ترجمہ بالکل چھوڑ دیا اور جب لفظ اُصیب پر پہنچا تو اُس کا ترجمہ اخذ کیا اور جب کہ عبارت میں نہ کسی شے ماخوذ کا ذکر تھا اور نہ اُس کا ذکر تھا جس سے اخذ کیا اور بلحاظ قواعد نحوی اور ربط عبارت کے اُن دونوں کا ہونا ضرور تھا اس لیے مترجم نے اٹکل پچو لفظ باھلہ سے الفاظ ''کسی اپنے ساتھی سے'' اور الفاظ ''دماغی بیماری'' کو یا ''بے ہوش کرنے والی بیماری'' کو بڑھا دیا۔ حالاں کہ وہ اصل عبارت میں نہیں ہیں۔

اگر عبارت مذکورہ کو صحیح طور پر پڑھا جاوے تو صحیح ترجمہ اُس کا یوں ہوتا ہے۔ ''تب حلیمہ کے شوہر نے اُس سے کہا کہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ یہ لڑکا مبتلا ہو گیا ہے۔ پس اُس کو اُس کے لوگوں کے پاس پہنچا دے۔ پس اٹھا لیا اُس کو حلیمہ نے اور لے آئی اُس کو اُس کی ماں کے پاس۔

اہل عرب ایسے مبہم کلمات کو ایسی بیماریوں کی نسبت استعمال کیا کرتے تھے جن کا سبب ان کو معلوم نہیں ہوتا تھا اور غالباً اُن کا خیال تھا کہ کسی مخفی قویٰ یا ارواح کا اثر ہے اور جن بیماریوں کا سبب ان کو نہ معلوم ہوتا تھا ان کو شیطان کے اثر کی طرف بھی منسوب کرتے تھے ۔

قدیم اہل یونان اپنے توہمات مذہبی سے صرع کی بیماری کو جو ایک عجیب و غریب قسم کی بیماری ہے یقین کرتے تھے کہ دیوتاؤں یا خبیث ارواحوں کے اثر سے ہوتی ہے ۔ اُسی بناء پر عیسائی مصنفوں نے لفظ اصیب سے بالتخصیص صرع کی بیماری سمجھ لی ۔ حالاں کہ ایسا سمجھنا عرب کے محاورہ کے برخلاف ہے کیوں کہ عرب صرف صرع ہی کی بیماری کو لامعلوم اثر کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے بلکہ ہر ایک چیز کو جس کا سبب اُن کو نہ معلوم ہوتا تھا مخفی قویٰ یا شیطان یا جِن کے اثر کی طرف منسوب کرتے تھے ۔ پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ لفظ اصیب سے صرع کا عارضہ مراد لیا جاوے ۔

اس بیان کی تائید میں ہم ایک نہایت ذی علم اور ذی فہم غیر متعصب مصنف کی رائے کو نقل کرتے ہیں جو کہتا ہے کہ ”یہ متواتر بیان کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عارضہ صرع لاحق تھا یونانیوں کی ایک ذلیل اختراع ہے جنھوں نے عارضہ کے لحوق کو ایک نئے مذہب کے بانی کی طرف اس غرض سے منسوب کیا ہوگا کہ اُن کے اخلاق چال چلن پر ایک دھبہ ہو جو عیسائیوں کی طرف طعنہ زنی اور تنفر کا مستوجب ہو ۔“

نہایت مشہور اور لائق مؤرخ یعنی گبن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صرعی حملوں کی نسبت یہ لکھا ہے کہ ”یونانیوں کا ایک نامعقول اتہام ہے ۔“ اور ایک اور مقام پر بھی اسی مؤرخ

نے لکھا ہے کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عارضہ صرع یا بے ہوش کر دینے والی بیماری کو تھیوفینز زونارس اور اور یونانیوں نے بیان کیا ہے اور ھالنجر اور پریڈو اور مارکشی نے اپنے سخت تعصب کے سبب اُس کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر نگل لیا ہے قرآن میں جو دو سورتیں ھیں جن میں سے ایک کا نام مزمل اور ایک کا نام مدثر ہے اُن سے صرع کی بیماری کی تاویل کرنی مشکل ہے۔ مسلمان مفسروں کا سکوت اور صرع کی بیماری سے ناواقفیت اُن کے قطعی انکار کی نسبت زیادہ تر قاطع اور مرجح ہے اور آزادانہ رستہ آ کلی گیگنیر اور سیل نے اختیار کیا ہے۔''

اب ھم اس غلط اور بے اصل اتہام پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عارضہ صرع لاحق تھا بلحاظ طب کے غور کرتے ھیں۔ چیمبرز سائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ '' صرع اُس بیماری کو کہتے ھیں جس میں دفعۃً بے ہوشی طاری ھو اور اعصاب تنفس کے تشنج اور سانس لینے کے منفذ کے بند ھونے سے اعصاب اختیاری بے اختیار شدت سے پھڑکنے لگیں اور کبھی کبھی سانس بالکل بند ھو جائے۔ اس بیماری کا مریض اکثر پاگل ھو جاتا ہے اور بسا اوقات اُس کا حافظہ جاتا رھتا ہے اور اُس میں تیزی اور چستی نہیں رھتی اور ایسی مردہ دلی اُس پر چھا جاتی ہے جو اُس کو دنیا کے بے قاعدہ کاروبار سے معذور کر دیتی ہے۔ بد ھضمی بھی اکثر ھوتی ہے اور تمام قوئے جسمانی میں ضعف اور ناطاقتی گھر کر جاتی ہے جس کی وجہ سے مصروع کے چہرہ سے دائمی نقاھت کے آثار نمایاں ھوتے ھیں۔ یہ بات کچھ بعید نہیں ہے کہ اسی کے ساتھ مصروع کے ذھن میں اپنے ضعف و نقاھت کا یقین بخوبی جم جاتا ہے اور مشقت طلب اشغال سے نفرت ھو جاتی ہے بالخصوص ایسے اشغال سے جن میں اُس پر عام اندازہ سے زیادہ نظر پڑیں۔''

اب ہمارا یہ کام ہے کہ اس امر کی تنقیح کریں کہ آیا یہ سب آثار یا اُن میں سے کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے کسی حصہ میں طفولیت سے لے کر وفات تک پائے گئے تھے یا نہیں ۔

کوئی مؤرخ مسلمان یا عیسائی یہ نہیں بیان کرتا کہ منجملہ آثار مرقومہ بالا کے ایک بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا گیا تھا بلکہ برخلاف اس کے سب کے سب متفق اللفظ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بچپن اور جوانی میں نہایت تندرستی اور قوی تھے ۔ خود سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ ”دو برس کے سن میں حلیمہ نے اُن کا دودھ چھٹایا اور اُن کے گھر لے گئیں اور آمنہ اپنے لڑکے کی تندرستی اور قوی ہیئت کو دیکھ کر جو آپ سے دو چند عمر والے لڑکے کے برابر معلوم ہوتا تھا اس قدر خوش ہوئیں کہ حلیمہ سے کہا ”اس کو پھر صحرا کو لے جا“ لڑکپن اور جوانی کے زمانہ میں آنحضرت مضبوط و تندرست اور قوی الجثہ تھے ۔ وہ بہت تیز چلا کرتے تھے اور زمین پر مضبوطی سے قدم رکھتے تھے ۔ تمام عمر بھر اُن کو بڑے بڑے خطرے اور تکلیفیں پیش آئیں اور اُن سب کو اُنھوں نے کمال صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کیا ۔ اُنھوں خدائے واحد کی پرستش و عبادت کی تجدید ایسے طور پر کی جس کی کوئی نظیر و مثال نہیں پائی جاتی اور علم الٰہیات کو ایسے پختہ و معقول اصول پر قائم کیا جن کا ھمسر جہان سے معدوم ہے ۔ اُنھوں نے قوانین تمدن و اخلاق کو ایسے کمال پر پہنچا دیا جو اُس سے پیش تر کبھی نہیں ہوا تھا ۔ اُنھی کی وساطت سے انسانوں کی بہبودی اور رفاہ کے واسطے وہ ملکی و مالی و دینی و دنیوی قوانین کا مجموعہ حاصل ہوا جو اپنی نوع میں یک تا و بے نظیر ہے ۔ آنحضرت ہی وہ ہیں جنھوں نے اپنی زندگی میں تمام جزیرہ عرب کو

فتح کیا اور مختلف قبیلوں کو مجتمع کرکے ایک مضبوط اور طاقتور عظیم الشان قوم بنا دیا جس نے اُس زمانہ کی مہذب دنیا کے ایک جزو اعظم کو ایک عرصہ قلیل میں مفتوح و مسخر کر لیا ۔ کیا اس بات کا خیال کرنا قرین عقل و انصاف ہے کہ ایسے کارھائے نمایاں ایک لاچار اور ناتوان مصروع شخص سے عمل میں آئے ہوں گے ؟ ایسے کارھائے نمایاں کا عمل میں آنا بجز اُس شخص کے جس کے قوائے روحانی و جسمانی کامل صحیح و سالم ہوں اور کسی شخص سے غیر ممکن معلوم ہوتا ہے اور اُس کی ماہیت تائید ربانی پر دلالت کرتی ہے ۔

سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ "حلیمہ پھر ایک بادل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر سایہ افگن دیکھ کر متوحش ہوئی اور انجام کار اُن کو اُن کی ماں کے پاس پہنچانے کے لیے روانہ ہوئی ۔" اس فقرہ پر صاحب موصوف یہ رائے دیتے ہیں کہ اگر اُس روایت میں کچھ صدق ہو تو غالباً عارضہ سابق کو یعنی صرع کے آثار کے عود سے مراد ہوگی ۔ تعجب ہے کہ بادل کے سایہ کرتے ہوئے تو دیکھا حلیمہ نے اور سر ولیم میور صاحب نے اُس سے آنحضرت کے عارضہ صرع کے آثار کا عود خیال کیا ۔ اگر حلیمہ کی نسبت آثار صرع کا خیال فرماتے تو شاید زیادہ مناسب ہوتا ۔ پھر دوسرے مقام پر صاحب موصوف بیان فرماتے ہیں کہ اُن کے دوروں سے جن کو حلیمہ صرع کی قسم کے حملے سمجھ کر ڈر گئی تھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج میں اُن مضطر حالتوں اور بے ہوش کنندہ غشوں کے صریح آثار نمودار تھے جو نزول وحی کے وقت ہوتے تھے اور شاید جن کے سبب اُن کے دل میں نزول وحی کا خیال پیدا ہو گیا تھا اور اُن کے متبعین نے اُن اضطرابوں اور غشوں کو نزول وحی کا شاھد قرار دیا تھا ۔

سر ولیم میور صاحب نے تمام اپنی کتاب میں ایسی روایتوں کو اپنی کتاب کی بنیاد ٹھہرایا ہے جن کی صحت خود اہل اسلام کے نزدیک مشتبہ اور غیر ثابت ہے ۔ یہ روایت کہ آنحضرت پر بادل کا سایہ رہتا تھا محض باطل ہے ۔ اگر ایسا امر فی الحقیقت واقع ہوا کرتا تو آنحضرت کے اکثر صحابہ و رفقاء اس کا تذکرہ کرتے اور احادیث مستندہ میں اُس کا ذکر ہوتا ۔ حالاں کہ یہ بات نہیں ہے تمام معتبر حدیثوں میں اُس کا کچھ ذکر نہیں ہے ، بلکہ برخلاف اس کے بعض حدیثوں میں جو نماز کے باب میں ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر مثل دیگر اشخاص کے دھوپ کا پڑنا ثابت ہوتا ہے ۔ غلط روایت کی اشاعت کے بے شمار اسباب میں سے ایک یہ سبب بھی ہے کہ شے مرویہ کا اتفاق وقوع ہونا ۔ لہٰذا یہ امر از قبیل ممکنات ہے کہ کسی شخص نے پیغمبر صاحب کو اتفاقیہ ایک بادل کے ٹکڑے کے سایہ میں دیکھا ہو اور یہ ماجرا دوسرے شخص سے بیان کیا ہو اور دوسرے نے تیسرے سے کہا ہو اور اس طرح رفتہ رفتہ عام شہرت ہو گئی ہو اور آخر الامر عام اعتقاد ہو گیا ہو کہ بادل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر ہمیشہ سایہ ڈالے رہتا تھا ۔ اس قسم کی روایتیں جن کی صحت کی کوئی سند نہیں ہے محققین اسلام نے کبھی تسلیم نہیں کی ہیں ۔

نزولِ وحی کے وقت اضطرار اور غشی کی روایتیں ویسی ہی نا معتبر اور بے سند ہیں ۔ اُن روایتوں میں خود راویوں کے خیالات اور توہمات ہیں ۔ ہم نے بخوبی ثابت کر دیا ہے کہ عیسائیوں کا اتہام آنحضرت کو بیماری صرع کے ہونے کا صدق سے محض معرا ہے تاہم سر ولیم میور صاحب کی اس رائے کو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صرعی غشوں نے اُن کے ذہن میں اپنی رسالت کا

خیال پیدا کر دیا تھا اور ان کے متبعین کا بھی یہی اعتقاد تھا ۔
تمام منصف مزاج اور غیر متعصب لوگوں کے روبرو پیش کرنا
چاہتے ہیں اور پھر یہ سوال کرتے ہیں کہ آیا یہ بات قرین قیاس
ہے کہ ایسا آدمی جس کو ہر شخص مصروع جانتا ہو اپنے صرعی
غشوں کو اپنے رسول برحق ہونے کے ثبوت میں پیش کرے جو
اپنی قوم کی بت پرستی کے استیصال کے واسطے بھیجا گیا ہو اور
تمام لوگ جو اس کی اس بیماری سے واقف ہوں ۔ اس کے عزیز اور
اقارب اور جمیع اکابر عرب اس کی رسالت کو دل سے تسلیم کر لیں
اور ہر شخص اپنے دین آبائی سے منحرف ہو کر اس کے قول و فعل
پر ایمان کامل لے آوے ۔

جن نا معتبر روایتوں پر عیسائیوں نے اتہام عارضہ صرع
آنحضرت کی نسبت قائم کیا ہے وہ روایتیں زیادہ تر شق صدر کی
روایتوں سے علاقہ رکھتی ہیں ۔ ہم نے حقیقت شق صدر کو اپنے
ایک خطبہ میں بیان کیا ہے اور جو غلطیاں واقعات کے بیان
کرنے میں راویوں کو واقع ہوئی ہیں ان سب کو دکھایا ہے ۔
پس ان کے جاننے کے بعد عیسائیوں کا یہ اتہام سر کے بل گر
پڑتا ہے ۔

سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے جانے کا حال لکھ کر
اپنی والدہ کے لیے بخشش کی دعا مانگنے کا ذکر کیا ہے اور یہ
فرمایا ہے کہ "یہ بات یعنی ان لوگوں کی مغفرت کی دعا مانگنے
کی ممانعت کرنا جو حالت کفر میں مرے ہوں پیغمبر صاحب کے
احکامات کی سختی اور شدت کی ان لوگوں کے حق ہیں جو دین سے
جہالت کی حالت میں مرے ہوں ایک عجیب مثال ہے ۔" ہم
اس روایت کی صحت اور غیر صحت کی بحث کو چھوڑ کر یہ کہتے

ہیں کہ ہمارے نزدیک اُن لوگوں کے حق میں دعائے مغفرت نہ کرنے میں جو خدائے واحد پر ایمان نہ رکھتے ہوں اور انبیائے سابقین کے دین کو بھی نہ مانتے ہوں بلکہ محض بے ایمانی کی حالت میں مر گئے ہوں ۔ کسی طرح کی سختی اور شدت نہیں ہے بلکہ زندہ آدمیوں کو بت پرستی کے چھوڑنے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار کی ترغیب دینے کے لیے کارآمد اور عمدہ ذریعہ ہے ۔ پس جو شخص کہ ایسا کرے اُس پر سختی کا الزام نہیں ہو سکتا ، مگر ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اگر مذکورہ بالا امر کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر سختی اور شدت کا الزام لگایا گیا ہے تو رحیم عیسائی مذہب میں اُن لوگوں کے واسطے جو گو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہوں مگر حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے سے انکار کرتے ہوں کون سا نرم فیاضانہ اور ترحم آمیز سلوک کیا گیا ہے ، مگر افسوس ہے کہ ہماری یہ امید پوری نہیں ہوئی ۔ ہمارے خلاف توقع رحیم مذہب عیسائی میں غیر معتقدین کے لیے اس سے بھی زیادہ سخت احکام معلوم ہوئے ۔ اُس کا ایک نمونہ یہ ہے کہ ایتھینیسین خطبہ جو انگلستان کے تمام پروٹسٹنٹ گرجاؤں میں بروز ہائے معین پڑھا جاتا ہے اور تمام اہل کلیسا کی منظوری سے منظور ہوا ہے ۔ اُن سب عقائد کے بیان کرنے کے بعد جن کا ماننا ہر شخص پر خواہ‌نخواہ فرض ہے ، بالتصریح یہ لکھا گیا ہے کہ ”یہ عیسوی عقیدہ ہے جس پر بدوں اعتقاد رکھنے کے کوئی آدمی نجات نہیں پا سکتا ۔“ پس جب کہ رحیم مذہب عیسوی کے بموجب ایسا شخص نجات کا مستحق نہیں ہے اور اس لیے کسی کی دعائے مغفرت بھی اُس کے حق میں مفید نہیں ہے تو عیسوی مذہب کو اس باب میں مذہب اسلام پر کیا فوقیت ہے ؟

سر ولیم میور صاحب اپنی کتاب میں کسی منشاء سے اس

روایت کو بیان کرتے ھیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانے پر موجود نہ ھوتے تھے تو تمام خاندان اپنے کفایت شعار کھانے سے بھوکا اٹھتا تھا ، لیکن جب پیغمبر صاحب بھی کھانے میں شریک ھوتے تھے تو سب کا پیٹ بھر جاتا تھا اور یہ فرماتے ھیں کہ اس سے عروج پذیر نبی کی بڑائی مظنون ھوتی تھی مگر اھل اسلام تو ایسی روایتوں کو معتبر نہیں سمجھتے اور نہ آن کے معتبر ھونے کی کوئی کافی سند موجود رکھتے ھیں ۔ لیکن ھم کو تعجب آتا ھے جب کہ عیسائی ایسی روایتوں کو کسی اشارہ آمیز ارادہ سے نقل کرتے ھیں کیوں کہ آن کو ایسے واقعہ کے امکان پر اعتقاد نہ رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ھے جب کہ وہ متی کے باب ۱۴ ورس ۱۹ و ۲۰ کے اس بیان پر اعتقاد رکھتے ھیں کہ ''آس نے (یعنی حضرت مسیح نے) جماعت کو (جن کی تعداد پانچ ھزار تھی) گھاس پر بیٹھنے کا حکم دیا اور پانچوں روٹیاں اور دونوں مچھلیاں نکالیں اور آسمان کی جانب نظر اٹھا کر دعا کی اور آن کو توڑا اور روٹیاں اپنے حواریوں کو دیں اور حواریوں نے جماعت کو تقسیم کیں اور آن سب نے پیٹ بھر کر کھائیں اور بچے ھوئے ٹکڑوں کو جن سے بارہ ٹوکرے بھر گئے اٹھا لیا ۔

اس کے بعد سر ولیم میور صاحب ایک اور روایت لکھتے ھیں کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ملک شام کو گئے تو بحیرہ راھب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جماعت میں سے اس نشان سے پہچان لیا تھا کہ آن کے سر پر ایک بادل سایہ ڈالے ھوئے چلتا تھا اور درختوں کی شاخیں آن کی دھوپ روکنے کے واسطے جھک جاتی تھیں اور بحیرہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کیے اور بتلاش مہر نبوت آن کے جسم کا معائنہ کیا ۔

جس اشارہ سے کہ سر ولیم میور صاحب نے اس روایت کو

لکھا ہے اُس کی نسبت ہم بیان کرتے ہیں کہ اگر یہ یقین کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فی الواقع اپنے چچا ابو طالب کے ہم راہ ملک شام کو بغرض تجارت گئے تھے تو یہ بات ہرگز قابل تعجب کے نہیں ہے کہ بحیرہ نے ایسا خیال کیا ہو ۔ کیوں کہ اُس وقت یہود اور نصاریٰ ایک مسیحا اور ایک فارقلیط کے منتظر تھے ، مگر افسوس ہے کہ محققین علمائے اسلام اس روایت کو معتبر روایتوں میں نہیں سمجھتے ۔ وہ روایت جس میں بحیرہ کا حال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ابو طالب کے ساتھ شام کے سفر میں جانے کا ذکر ہے اُس میں یہ بیان بھی ہے کہ ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ صحبت و نگرانی حضرت ابوبکر اور بلال کے شام سے واپس بھیج دیا تھا ۔ بخاری اور مسلم میں جو سب سے زیادہ معتبر حدیث کی کتابیں ہیں ۔ یہ روایت مذکور نہیں ہے ، مگر ترمذی اور دیگر کم محتاط محدثوں نے بشوق تمام اس روایت کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے منجملہ اُن بہت سی وجہوں کے جن سے اس روایت کی نا معتبری کا کافی ثبوت ملتا ہے ۔ ہماری رائے میں ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کے قول کا جس کو خود سر ولیم میور صاحب نے بیان کیا ہے اور جس سے اس روایت کی نا معتبری بخوبی ثابت ہوتی ہے اس جگہ بجنسہ نقل کرنا کافی ہوگا اور وہ یہ ہے کہ ترمذی کی یہ روایت کہ ابو طالب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو بکر اور بلال کے ہم راہ شام سے واپس بھیجا تھا اس لیے لغو اور مہمل معلوم ہوتی ہے کہ ابو بکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال چھوٹے تھے اور بلال اُس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر شام کا حال ابو طالب کے ہم راہ بیان کرنے کے بعد جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

عمر ۱۲ برس کی تھی اور جس کی نسبت ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ وہ صحیح نہیں ہے - سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ ''زمانہ سابق کے منہدم اور اُجڑے ہوئے مکانوں نے جن کو خیالی قصوں اور عجیب و غریب بیانوں اور دل انگیز روایتوں نے اور بھی پُر اثر کر دیا تھا اور گرجاؤں کو صلیبوں اور مورتوں اور دینی علامتوں سے آراستہ کرنے اور گھنٹوں کے بجنے کی قومی رسموں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خوض کنندہ دل و دماغ پر ایک گہرا نقش اور پائدار اثر کر دیا تھا -''

ہم نہایت ادب سے سر ولیم میور صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا ایک ''مصروع شخص'' کا دل و دماغ ایسا اثر قبول کر سکتا ہے ؟ اور کیا ایک ''مصروع شخص'' خوض کنندہ دل و دماغ رکھتا ہے ؟ اگرچہ یہ بیان سر ولیم میور صاحب کا نہایت دل چسپ ہے مگر افسوس ہے کہ ہم اس بیان سے اتفاق نہیں کر سکتے - کیوں کہ اسی لڑکے نے جس کا دماغ صلیبوں اور مورتوں اور علامات دین عیسوی کو دیکھ کر اس قدر اثر پذیر ہوا تھا - بعد کو ان ہی چیزوں سے مخالفت اختیار کی - صلیب کو توڑا - مورتوں کو پھوڑا - اُن کی پرستش سے منع کیا اور یہ بتایا کہ خدا کا کوئی بیٹا نہیں ہے - تثلیث کے عقیدے کو جھٹلایا - خدا کو وحدہ لا شریک بتلایا اور اُسی کی عبادت کا وعظ کیا اور تمام دنیا میں اُسی کو رواج دیا -

لیکن اس بات کو تسلیم کر کے کہ مذکورہ بالا چیزوں نے اس لڑکے کے دل پر در حقیقت اثر پیدا کیا تھا - ایک اور خیال خود بخود دل میں آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسا لڑکا جس کے ابتدائی چار برس ایک صحرا میں کٹے تھے اور پھر آٹھ برس تک مشرک اور بت پرست لوگوں میں گھرا رہا - صرف بارہ برس کی عمر میں

ایک ایسا دل رکھتا تھا کہ ھر چیز سے جو اُس کی نظر سے گزرتی تھی ، پرانی منہدم عمارتوں کے آثار سے ، گرجاؤں اور صلیبوں اور مورتوں اور اور علامات دین عیسوی کے دیکھنے سے ایک گھرا اثر قبول کرنے کے قابل تھا اور اس قدر عقل و فہم و ذکاء سے آراستہ تھا کہ ان چیزوں سے اُن کے برخلاف ایسے کامل نتائج اور معبود غیر ظاھر اور بقائے روح انسانی کے بارے میں ایسے ایسے عالی خیالات مستنبط کر سکا ۔ وہ لڑکا بلاشبہ مادر زاد پیغمبر برحق تھا ۔ جس کی نسبت خود حضرت عیسیٰ نے یہ کہہ کر بشارت دی تھی کہ ''سچ تو یہ ھے کہ میرا چلا جانا تمھارے لیے ضرور ھے ۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط (یعنی احمد مصطفیٰ) تمھارے پاس نہیں آوے گا ۔ اور اگر میں چلا جاؤں گا۔ تو اُس کو تمھارے پاس بھیج دوں گا ۔''

---